لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
سِیرۃ الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جلد ہفتم
ڈاکٹر محمد طاہر القادری
منہاج القرآن پبلیکیشنز

تحقیق و تدوین

پروفیسر محمد رفیق ، ریاض حسین چودھری

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین		پروفیسر محمد رفیق، ریاض حسین چودھری
معاونین تدوین	:	محمد علی قادری، محمد افضل قادری، محمد تاج الدین (منہاجینز)
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل	:	فروری 1997ء (2,100)
اِشاعتِ دوم	:	جنوری 1999ء (1,100)
اِشاعتِ سوم	:	مئی 2001ء (1,100)
اِشاعتِ چہارم	:	دسمبر 2001ء (1,100)
اِشاعتِ پنجم	:	جنوری 2004ء (1,100)
اِشاعتِ ششم	:	اکتوبر 2004ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	اکتوبر 2005ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	دسمبر 2007ء (1,100)
قیمت پریمئر پیپر	:	-/290 روپے

ISBN 969-32-0463-8

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفیکیشن نمبر ایس او (پی-۱) ۳-۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۳ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۳-۲۰ ای جنرل و ایم ۳ /۹۷۰-۷۳ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۲۳۳۱۱-۶۷-این-۱/اے-ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

حصہ اول

قدیم و جدید تہذیبوں کا تصور جنگ

باب ۔۱

خواہش امن

پس منظر

انسان کے بنیادی طور پر' پرامن پسند ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنی تمام کوتاہیوں' خامیوں اور لغزشوں کے باوجود اس کرہ ارض پر متمدن معاشروں کی تشکیل اور افراد معاشرہ کے کردار و شخصیت کی تعمیر میں' جزوی طور پر ہی سہی' کامیاب و کامران رہا ہے اور بعض طالع آزما بادشاہوں' خود غرض آمروں' جاہ پسند حکمرانوں اور فریب خوردہ رہنماؤں کی ہوس ملک گیری اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والی ہزارہا قباحتوں اور بے اعتدالیوں کے باوجود آج بھی صحت مند ذہن میں زندہ رہنے اور دوسروں کو زندہ رہنے کا حق دینے کا شعور زندہ و تابندہ ہے۔ اگرچہ نسلی تفاخر' لسانی عصبیت اور اقتصادی برتری کا جنون اپنی تمام تر سنگینیوں کے ساتھ ہمارے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے تاہم انسانیت کے افق پر انسانی خون کی سرخی کی جگہ خوشرنگ سویروں کی بشارتیں طلوع ہونے کے امکانات کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا بلکہ آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ انسان کے مقدر کا ستارہ ضرور چمکے گا کیونکہ عالمی سطح پر امن کا قیام ازل سے انسانی سوچوں کا محور رہا ہے اس خواب کی تعبیر صرف اور صرف اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ مشروط ہے' یہ کوئی جذباتی سوچ نہیں بلکہ اس موقف کی بنیاد وہ ٹھوس اور تاریخی حقائق ہیں جو جزیرہ نمائے عرب میں دائمی امن کا باعث بنے تعلیمات اسلامی کی وہ نتیجہ خیزی ہے جس نے امن عالم کے قیام کے لئے ٹھوس بنیادیں فراہم کر کے انسانیت کو انسانی فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن کیا اور خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں آفاقی سچائیوں اور ارضی صداقتوں کی امین وہ تاریخی دستاویز ہے جسے ارباب دانش نے منشور انسانیت قرار دیا ہے۔

امن کی خواہش لہو کے ساتھ انسان کی رگوں میں گردش کر رہی ہے' انسان کی یہی جبلت اسے مل جل کر رہنے کی ترغیب دیتی ہے' مل جل کر رہنے کی اسی آرزو

نے اجتماعی شعور کی آبیاری کی اور معاشروں کو جنم دیا' بستیاں آباد ہوئیں' اور ریاست کی داغ بیل پڑی' باہمی روابط کو ضوابط کا پابند بنایا گیا' فروغ علم نے انسان کو تمیز خیر و شر کا ہنر عطا کیا' پہیے کی ایجاد نے فاصلوں کو سمیٹ دیا اور انسان صنعتی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوا۔ آسودہ لمحوں کی تلاش جاری رہی' انسانی معاشرے تیزی سے متمدن معاشروں میں تبدیل ہونے لگے' ضابطۂ اخلاق غیر تحریری شکل میں مدون ہوا' تمام مذاہب عالم خون آشامی کی ہر شکل کی مذمت کرتے رہے لیکن اس پر امن ماحول میں حق کے ساتھ باطل کی آویزش بھی روز اول سے جاری رہی' اندھیرے اور اجالے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ نیکی اور بدی کی قوتیں آپس میں برسرپیکار تھیں' اختیارات کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جانے سے بہت سی خرابیوں نے سر ابھارا' ذہنوں میں انا کے جھوٹے تاج محل تعمیر ہونے لگے' غرور و نخوت' کبر و ریا' حسد و رقابت اور بغض و عناد نے ذہنوں میں وہ فتور پیدا کیا اور فتنہ و فساد کا وہ بیج بویا کہ انسان نے رفتہ رفتہ شیطان کا روپ دھار لیا اور ہم آج تک سروں کی فصلیں کاٹنے میں مصروف ہیں' ہمارا دامن صد چاک خون ناحق سے سرخ ہو رہا ہے۔ فرعونیت ہماری رگ رگ میں سما چکی ہے' نمرودیت ہماری سوچوں کا مرکز و محور قرار پائی ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ جب صاحبان اقتدار نے اپنے ہی قبیلے کو فتح کر لیا۔ اپنے ملک اور اپنے معاشروں کے افراد کو زنجیروں میں جکڑ لیا تو ان کے منتشر اور باغی ذہن میں ہوس ملک گیری کے فتنے نے سر اٹھایا۔ جنگل کا کالا قانون ایک بار پھر حرکت میں آیا اور طاقتور قومیں اپنی عددی برتری اور اپنی عسکری قوت کے نشے میں دھت' کمزور قوموں پر چڑھ دوڑیں' نسلی برتری کے ڈھونگ نے کیا کیا کرشمے دکھائے' کتنی تاریکیوں کو ابن آدم کا مقدر بنایا یہ ایک طویل داستان ہے جو عبرتناک بھی ہے اور سبق آموز بھی' وقت کے چنگیز اور ہلاکو انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرتے رہے' انسانی خون سے دجلہ کا پانی سرخ ہوتا رہا لیکن ہوس پرستوں کے سینوں میں بھڑکنے والی آگ پھر بھی بجھنے نہ پائی یہ آگ اس "مہذب" دور میں بھی نہیں بجھ سکی' عالمی لٹیرے اور قزاق سیاسی اور اقتصادی غلامی کا دام ہمرنگ

زمین بچھا کر چھوٹی قوموں کے وسائل کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں ہرچہ غریب اور کمزور ممالک کی جغرافیائی سرحدوں کے تقدس کی پامالی کا خطرہ جوں کا توں موجود ہے اور غریب اور کمزور ممالک کا اقتدار اعلیٰ ان عالمی قزاقوں اور لٹیروں کے رحم و کرم پر ہے تاہم قیام امن کی آرزو نہ صرف زندہ ہے بلکہ اپنے ہونے کا احساس بھی دلا رہی ہے یہ تلخ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ آج کے ارباب سیاست نظریاتی اور ثقافتی محاذ پر سرد جنگ میں شدت پیدا کر کے تیسری دنیا کے کروڑوں مفلوک الحال' قحط زدہ اور پس ماندہ انسانوں کے اعصاب کو مفلوج کر رہے ہیں اور ہر حال میں اپنے مقاصد کے حصول کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس طرح ان کی امن پسندی کا بھرم بھی رہ جاتا ہے اور ان کے گھناؤنے عزائم کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔

قابیل اور ہابیل جنگ اور صلح کی دو علامتیں

جنگ وجدل کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی مؤرخین کے لئے یہ سوال ہمیشہ دلچسپی کا باعث بنا رہا ہے کیونکہ جنگ وجدل کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسانی تاریخ' قرآن مجید نے اس سوال کا جواب دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○

(اے نبی مکرم) آپ ان لوگوں کو آدم کے بیٹوں (ہابیل و قابیل) کی خبر سنائیں جو بالکل سچی ہے جب دونوں نے (اللہ کے حضور ایک ایک) قربانی پیش کی سو ان میں سے ایک (ہابیل) کی قبول کر لی گئی اور دوسرے (قابیل) سے قبول نہ کی گئی تو اس (قابیل) نے (ہابیل سے حسداً و انتقاماً) کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا اس (ہابیل) نے (جواباً) کہا بے

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ
فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ فَبَعَثَ اللّٰهُ
غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى
اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ
فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ
النّٰدِمِيْنَ ○ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا

(المائدہ‘ ۵: ۲۷-۳۲)

شک اللہ پرہیزگاروں سے ہی (نیاز) قبول فرماتا ہے‘ اگر تو اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف بڑھائے گا (تو پھر بھی) میں اپنا ہاتھ تجھے قتل کرنے کے لئے نہیں بڑھاؤں گا کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے میں چاہتا ہوں (کہ مجھ سے کوئی زیادتی نہ ہو اور) میرا گناہ (قتل) اور تیرا اپنا (سابقہ) گناہ (جس کے باعث تیری قربانی نامنظور ہوئی سب) تو ہی حاصل کر لے پھر تو اہل جہنم میں سے ہو جائے گا اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ پھر اس (قابیل) کے نفس نے اس کے لئے اپنے بھائی (ہابیل) کا قتل آسان (اور مرغوب) کر دکھایا۔ سو اس نے اس کو قتل کر دیا۔ پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا۔ تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے (یہ دیکھ کر) اس نے کہا ہائے افسوس میں اس کوے کی مانند بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ سو وہ پشیمان ہونے والوں میں سے ہو گیا۔ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (نازل کی

گئی تورات میں یہ حکم) لکھ دیا (تھا) کہ جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے یعنی خونریزی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کی سزا) کے (بغیر ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

قابیل اور ہابیل جنگ اور صلح کی علامتیں قرار پائے' قابیل کا نام وحشت اور بربریت کا مظہر ٹھہرا جبکہ ہابیل امن اور صلح کا استعارہ قرار پایا' قابیل نے جس خون آشامی کا آغاز ہابیل کے قتل سے کیا تھا وہ خون آشامی رکی نہیں بلکہ اس طوفان کی شدت میں مزید اضافہ ہوا ہے اور نسل آدم اس خون آشامی کا کفارہ ادا کرتے کرتے شاہراہ حیات پر ہانپنے لگی ہے اور اس کے اعصاب شل ہونے لگے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لا تقتل نفس الا كان على ابن ادم الاول (صحیح البخاری' ۲: ۱۰۱۴)

جو کوئی بھی قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے یعنی قابیل کی گردن پر ہوتا ہے (جس نے خونریزی کی بنیاد رکھی تھی)

تصور جنگ تاریخ کے آئینے میں

قبل از تاریخ کے واقعات پر ماہ و سال کی دبیز تہہ جمی ہوئی ہے۔ آثار و قرائن اگرچہ زبان حال سے بہت کچھ کہہ رہے ہیں لیکن اکثر معلوم حقائق کی بنیاد بھی بعض مفروضوں پر رکھی گئی ہے اور مؤرخین کے زیادہ تر تخمینے قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔ تاریخ دانوں اور آثار قدیمہ کے ماہرین کی رائے کے مطابق معاشرتی زندگی کے ابتدائی ایام میں چونکہ زمین پر انسانی آبادیاں کہیں خال خال ہی نظر آتی تھیں' جغرافیائی

حدود کے تعین کا بھی کوئی تصور نہیں تھا' ابھی ریاست بھی وجود میں نہیں آئی تھی' خاندان کی اکائی کے بعد قبائل وجود میں آ رہے تھے۔ انسان انتہائی سادہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کی گزر اوقات زیادہ تر شکار پر ہوتی یا جنگلی پھلوں اور میووں پر' کھیتی باڑی کا ہنر بھی ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا۔ اس زمانے میں قبائل کے درمیان کسی مسلح تصادم کے آثار نہیں ملتے' مل جل کر رہنے کے جذبے کو ابھی ہوس اقتدار کی آگ نے اپنی لپیٹ میں نہیں لیا تھا۔ زمین پر حقیقی معنوں میں امن قائم تھا۔ انفرادی سطح پر خون آشامی کے واقعات بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ کسی بڑے اجتماعی تصادم سے دنیا ابھی تک محفوظ تھی پھر خدا بننے کی ناروا خواہش نے ذہن انسانی میں نفرت' حسد اور انتقام کا بیج بویا' ہوس اقتدار میں اندھا ہو کر انسان انسانی خون کے تقدس کے احساس کو اپنی خواہشات کے ملبے تلے دفن کر کے عملی طور پر درندہ بن گیا اور اس نے پر امن شہریوں کی زندگی اجیرن کر دی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو اڑھائی ہزار سال قبل ہونے والی جنگوں اور جنگ زدہ علاقوں سے وسیع پیمانے پر انسانوں کی نقل مکانی کا اجمالاً ذکر ہوا ہے لیکن تفصیلات پر ہنوز پردہ پڑا ہوا ہے۔ معیشت کا استحکام یا عدم استحکام باہمی تصادم کی بنیادی وجہ تھی اور ہے' سرسبز و شاداب علاقوں پر قبضہ جمانے کا رجحان پیدا ہوا اور آہستہ آہستہ نوآبادیاتی نظام وجود میں آیا جس نے آگے چل کر انسان کی سیاسی تاریخ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ تاریخ ہی نہیں جغرافیہ بھی تبدیل ہو تا گیا۔ ہندوستان میں آریائی اقوام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ مقامی باشندوں کو بے دریغ قتل کیا گیا جو بچے رہے انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ قدیم اقوام کی باہمی آویزش کا ذکر قرآن مجید میں بھی کئی مقامات پر آیا ہے' عاد اولیٰ عظیم الشان قوم کہلاتی تھی' سرزمین عرب سے نکل کر ارد گرد کے وسیع علاقے پر اس قوم نے قبضہ کر لیا' فتوحات کا سلسلہ جاری رہا' عاد اولیٰ کی سلطنت کی حدیں بابل' مصر اور ایشیا تک پہنچ گئیں ان دنوں مشرق وسطیٰ میں آباد اقوام کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ یہ لوگ بڑے جابر اور قاہر تھے مفتوح اقوام کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھتے اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ہلاک کرتے۔ عہد قدیم کے ایک مؤرخ نانیشوان اس قوم کے مصر پر حملے کے بارے میں لکھتا ہے کہ۔

"اللہ ہم سے ناراض تھا۔ یہ مشرقی جانب سے شریر لوگ آ گئے وہ اس قدر بہادر تھے کہ ہمارے ملک میں زبردستی داخل ہو کر طاقت کے ساتھ ہمیں مفتوح کر لیا' ہمارے حکمرانوں کو گرفتار کر لیا۔ ہم پر جبراً حکومت کی' ہمارے شہروں کو جلا دیا۔ ہمارے دیوتاؤں کے ہیکل برباد کر دیئے گئے۔"

قدیم تواریخ میں سبا یمن اور سبا حبش میں مدتوں جنگ جاری رہنے کا ذکر ہے۔ شاہ یمن نے نجران کے چند عیسائیوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ اسی طرح شاہ حبش نے یمن پر لشکر کشی کر کے ذونواس کا خاتمہ کر دیا' بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔ یہودیوں کو بے دریغ قتل کیا۔ جو قتل ہونے سے بچ گئے انہیں گرفتار کر لیا اس کے بعد ۷۰ء میں روم کے بادشاہ ٹیٹس نے بیت المقدس پر حملہ کر کے یہودیوں کا مکمل صفایا کر دیا اس قسم کی تمام جنگوں کے محرکات نیک مقاصد نہیں بلکہ نسلی' قومی اور مذہبی برتری کا جنون تھا جو ختم ہونے کی بجائے آج اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔

باب-۲

ہندومت کا نظریہ جنگ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا تصور جنگ کیا ہے اور مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے نظریۂ جنگ میں کیا فرق ہے؟ کیا مذاہب حکمرانوں کے توسیع پسندانہ عزائم کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یا محض ناگزیر حالات میں یا اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کے لئے ہی تلواریں بے نیام کرنے کی اجازت دیتے ہیں' اس ضمن میں ہندومت کا مطالعہ اپنے ثقافتی پس منظر کی تمام تر جزئیات کے ساتھ' دلچسپی کا باعث بھی بنتا ہے اور ادیان عالم کا تقابلی جائزہ لینے والے محققین کے لئے انکشافات کے مزید دروازے بھی کھولتا ہے۔

گیتا

ہندوؤں کی ایک اہم مذہبی کتاب ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال ہی جنگ ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک پست ہمت سپاہی کو آمادہ جنگ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اگرچہ دیگر انسانی مسائل بھی تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں لیکن جنگ اور اس کے متعلقات ہی اس کا اصل موضوع ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی پیشوا کرشن جی نے اپنے چیلے اور پانڈوں کے سردار کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے جو پند ونصائح کئے انہیں بعد میں حیطۂ تحریر میں بھی لایا گیا۔ اس کہانی کے دوسرے اہم کردار ارجن نے جب اپنے ہی عزیز واقارب کو اپنے مد مقابل پایا تو اسے شدید صدمہ پہنچا' اس کا دل بجھ سا گیا اس نے دلبرداشتہ ہو کر اپنے گرو کرشن جی سے عرض کی کہ یہ تو بہت بڑا پاپ ہو گا لہٰذا مجھے ہتھیار ڈالنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ ارجن کے اس امن پسندانہ اور پاکیزہ خیالات پر کرشن جی نے حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اے ارجن! ایسے نازک موقع پر تیرے دل میں یہ غلط خیال کہاں سے ٹپک پڑا جس کی طرف کبھی اعلیٰ سوچ کے انسان متوجہ نہیں ہوتے جو خیال ذلت تک پہنچانے والا اور باعث رسوائی ہے۔ اے ارجن! ایسا نامرد نہ بن' یہ سوچ تیرے شایان شان نہیں' دل

کی کمزوری کو چھوڑ اور کھڑا ہو جا۔" (۲:۲۔۳)

چونکہ ارجن کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کہ خانہ جنگی کی صورت میں اپنوں کا ہی خون بہے گا، قتل و غارتگری کا بازار گرم ہو گا' سہاگنیں بیوہ ہو جائیں گی' بچوں کو عمر بھر یتیمی کا صدمہ سہنا پڑے گا' املاک کا اتلاف ہو گا اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے وہ ہر قیمت پر جنگ سے بچنا چاہتا تھا۔ گرو جی نے کہا۔

"جن کا شوک نہیں کرنا چاہئے تو انہیں کا شوک کر رہا ہے اور پھر گیان کی باتیں بھی کرتا ہے حالانکہ کسی کی جان جائے یا بچ جائے گیانی اس کا افسوس نہیں کیا کرتے' جس طرح جسم میں رہنے والے کو جسم میں بچپن' جوانی اور بڑھاپا حاصل ہوتا ہے اس طرح اسے دوسرا جسم بھی دیا جاتا ہے اس لئے گیانی ان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ (۲:۱۱۔۱۳)

کرشن جی کے مزید خیالات درج کئے جاتے ہیں تاکہ ہندومت کے نظریہ جنگ کے تمام پہلو قاری کے سامنے آ سکیں' فرماتے ہیں "جسم کی مالک آتما غیر فانی ہے اور ناقابل ادراک ہے' اس کو حاصل ہونے والے اجسام فانی ہیں اس لئے اے ارجن! تو جنگ کر' جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ آتما مارتی ہے یا آتما ماری جاتی ہے اس کو سچا گیان حاصل نہیں' یہ آتما نہ تو مارتی ہے اور نہ ماری جاتی ہے نہ کبھی پیدا ہوتی ہے نہ کبھی مرتی ہے"۔ (۲:۱۸۔۲۵)

"سب جسموں میں رہنے والی جسم کی مالک آتما کو کبھی کوئی نہیں مار سکتا اس لئے جاندار کے لئے افسوس کرنا تجھے مناسب نہیں۔" (۲:۳۰)

کرشن جی کے ان خیالات و ارشادات کی روشنی میں ہندومت کا جو نظریہ جنگ ہے اس کے مطابق خانہ جنگی سے جان چھڑانے والا شخص بزدل ہے اسے سچا گیان حاصل نہیں' ایک سچا گیانی تو اس چیز کی پروا نہیں کرتا کہ کون مرتا ہے اور کون جیتا ہے۔ مختصر الفاظ میں ہندومت کا فلسفہ جنگ یہ ہے کہ جسم کی مالک آتما (روح) ہے اور آتما کبھی نہیں مرتی لہٰذا کسی جاندار کے مارے جانے پر قطعاً افسوس کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ "مارے جانے والا انسان ہی کیوں نہ ہو' جسم ایک فانی چیز ہے دوام آتما کو

حاصل ہے اس لئے جسم کے نہ ہونے پر ماتم کیسا؟"

رگ وید کی جنگی تعلیمات

خون آشامی ہندو کلچر کا ایک امتیازی وصف ہے جسے ہندومت کی مکمل سرپرستی حاصل ہے' چاروں وید جنگ کی اجازت دیتے ہیں' ان ویدوں میں رگ وید کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے' یہ کتاب ایک طرح سے جنگی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ ہندوؤں کے نفسیاتی مسائل کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا عمیق مطالعہ انتہائی ضروری ہے' رگ وید سے چند اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ "اے روشن آگ! جس پر متبرک تیل ڈالا جاتا ہے' ہمارے دشمنوں کو جلا دے جن کی حفاظت خبیث روحیں کرتی ہیں۔" (۱:۱۲:۵)

۲۔ "دشمن کو قتل کر دے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر' اے اندر! ہم کو خوبصورت گھوڑے اور گائیں دے' ہزاروں کی تعداد میں' اے بڑے دولت مند!" (۱'۲۹:۷)

۳۔ "اے اندر! ہم کو بڑھنے والی شوکت عطا کر' ہم کو وہ قہر اور طاقت دے جو قوموں کو مغلوب کر دے۔" (۱:۵۴:۱۱)

۴۔ "اے اگنی! تیرے مالدار پجاری خوراک حاصل کریں اور امراء بڑی عمریں پائیں ہم اپنے دشمنوں سے لڑائی میں مال غنیمت حاصل کریں۔" (۱:۷۴:۵)

۵۔ "اندر ہمارا محافظ ہو اور ہم بے خطر مال لوٹیں۔" (۱:۱۰۰:۱۹)

۶۔ "اے اندر! ہم جنگ میں تجھ سے امداد پا کر ان لوگوں کو مغلوب کر لیں جو ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔" (۱:۱۳۲:۱)

۷۔ "جب اچھے نقشے کے ساتھ بہادر لوگ فوج کو آگے بڑھاتے ہیں تو وہ باقاعدہ جنگ میں فتح حاصل کرتے ہیں اور شہرت و ناموری کی تلاش میں بڑھتے اور دباتے چلے جاتے ہیں۔" (۱:۱۳۲:۵)

۸۔ "اے بہادر! تو ہمارے من چلے بہادروں کے ساتھ مل کر بہادری کے وہ کارنامے دکھا جن کا پورا کرنا تیرے ذمہ ہے دشمن قوت کے بل بوتے پر اتراتے ہیں ان کو قتل کر اور ان کا مال ہمارے پاس لے آ۔" (۲: ۳: ۱۰)

۹۔ "لڑ' اے صداقت سے مضبوط ہو کر لڑنے والے! تو لڑائی لڑ اور ہم کو اس دولت سے حصہ دلوا جو ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی۔" (۱۰: ۱۱۲: ۱۰)

ہندوؤں کا نظام معیشت سود در سود کی استحصالی بنیادوں پر استوار ہے' دنیاوی مال و دولت کے لئے پتھر کے بے جان بتوں سے مانگی جانے والی ان دعاؤں کے پس پردہ جو محرکات کار فرما ہیں وہ سب حصول دولت کی آرزو سے شروع ہو کر حصول دولت کی آرزو پر ختم ہو جاتے ہیں' جنگوں میں کامیابی کی دعائیں بھی اس کے لئے مانگی جا رہی ہیں کہ دشمن کی دولت ان کے قبضہ میں آ جائے تاکہ دشمن کے مال کو وہ اپنے تصرف میں لائیں یا زیادہ سے زیادہ ناموری اور شہرت حاصل ہو جائے' دیوتاؤں سے کہا جا رہا ہے کہ وہ ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیں یا انہیں مغلوب کر کے ان کا دست نگر بنا دیں۔فتنہ و فساد کا خاتمہ یا اعلیٰ مقاصد کا حصول سرے سے جنگوں کے مقاصد میں شامل ہی نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان زیادہ عرصہ مختلف جغرافیائی اکائیوں میں منقسم رہا' مختلف راجے مہاراجے آپس میں لڑتے رہے' بعثت نبوی سے قبل جزیرۃ العرب کی طرح ہندوستان میں بھی کوئی مرکزی حکومت قائم نہ ہو سکی تھی۔

یجروید

یجروید بھی ہندوؤں کی ایک اہم مذہبی کتاب ہے' درج ذیل منتروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں کا نظریہ جنگ کیا ہے۔ جنگ میں کسی اخلاقی ضابطے کی پابندی کو ضروری خیال نہیں کیا جاتا' ان دعاؤں کا تجزیاتی مطالعہ صدیوں پر محیط مسلم کش فسادات کے پس منظر اور پیش منظر دونوں پر روشنی ڈالتا ہے اور سیکولرازم کا مکروہ اور گھناؤنا چہرہ بے نقاب ہو کر ان گنت ان کہی کہانیاں سنانے لگتا ہے۔

ا۔ "اے اگنی! ہماری مزاحمت کرنے والی جماعتوں کو مغلوب کر، ہمارے دشمنوں کو بھگا دے، اے اجیت، دیوتاؤں کو نہ ماننے والے حریفوں کو قتل کر اور اپنے پجاری کو عظمت و شوکت نصیب کر۔" (۹:۴۷)

۲۔ اے سربھاشیو! اس کے پیچھے پیچھے آؤ، اپنے آپ کو بہادروں کی طرح آزاد چھوڑ دو، اس اندر کی طرح شجاعت کا اظہار کرو تاکہ ہمارے دشمنوں کے حواس باختہ کر دے، اے ابوا، تو ان کو پکڑ لے، ان پر حملہ کر، ان کے دلوں پر آگ رکھ، انہیں جلا دے، اس طرح ہمارے دشمن ہمیشہ تاریکی میں رہیں گے۔ (۱۷:۴۰-۴۴)

سام وید

اب چند نمونہ جات سام وید سے بھی درج کیے جاتے ہیں تاکہ ہندوؤں کے تصور جنگ کے مزید پہلو ہمارے سامنے آسکیں اور اس شدت کا احساس ہو سکے جو ہندومت کے پیروکاروں کی رگوں میں تعصب اور نفرت کی آگ بن کر دوڑ رہی ہے۔

ا۔ اے اندر! اے بہادروں کے سردار! لوگ جنگ میں تجھے پکارتے ہیں، عملی آدمی اپنے سچے حلیف پورندھی کے ساتھ مال غنیمت حاصل کرے گا۔ (۱:۳)

۲۔ اے اندر، اے بڑے بہادر! لڑائی اور عظمت و شان کے ہیرو! ہم کو مویشیوں کے تھان کا ایک حصہ بخش دے۔ (۱:۲)

۳۔ مال غنیمت لوٹتے وقت ہم پر اس بہترین زر و مال کے دریا بہا دے جس کی سینکڑوں تمنا کرتے ہیں۔ (۲:۶، ۵:۱)

۴۔ اس کے ساتھ فتح حاصل کرنے کی کوشش میں ہم دشمن سے تمام مال و دولت لے لیں۔ (۱:۱، ۸:۳)

۵۔ اے بہادر! مال غنیمت کو لوٹنے والے! تو آدمی کی گاڑی کو تیز چلا، اے فاتح: ایک مشتعل جہاز کی طرح بے دین دسیوں کو جلا دے۔ (۲:۳:۲۰:۳)

۶۔ اندر اور اگنی! تم دونوں نے ایک زوردار کارروائی سے نوے قلعوں کو سر کر لیا جو

داسیوں کے قبضہ میں تھے۔ (۸:۲:۱۷:۴)

اتھروید

اتھروید کے منتروں میں بھی وہی دعائیہ بلکہ التجائیہ لہجہ اپنایا گیا ہے جن کا ذکر دیگر ویدوں میں ملتا ہے' دشمن سے کسی اصولی اختلاف کا سراغ نہیں ملتا لیکن دیوتاؤں سے التجا کی جارہی ہے چونکہ وہ ہمارا دشمن ہے اس لئے اسے قتل کر اور اس کا مال و اسباب ہمارے تصرف میں لا' چند ایک منتر اتھروید کے بھی درج کئے جارہے ہیں جو ہندوؤں کا ایک معتبر مذہبی صحیفہ ہے۔

۱۔ اے مینو! طاقتور سے زیادہ طاقتور ہو کر ادھر آ اور اپنے غضب سے ہمارے تمام دشمن ہلاک کر دے' دشمنوں اور دسیوں کو قتل کرنے والے تو ہمارے پاس ہر قسم کی دولت اور خزانے لا۔ (م:۳۲:۱:۴)

۲۔ میں پشاچوں کو اپنی قوت سے فتح کروں اور ان کی دولت چھین لوں' جو کوئی ہم کو ایذا دے اسے قتل کروں اور اپنے ارادے کو کامیابی سے ہمکنار کروں۔ (۴:۳۶:۴)

۳۔ سچی طاقت بخشتے ہوئے راجہ اس کو جلادے جو ہم کو دکھ دے اور جو ہم سے دشمنوں کا سا سلوک کرے۔ (۱:۳۶:۴)

مذکورہ منتروں میں اپنے مخالفین کے بارے میں جن جذبات و احساسات کا اظہار کیا گیا ہے ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہندو اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ کتنا بھیانک سلوک روا رکھتے ہوں گے اور انہیں کس کس طرح اذیتیں دے دے کر اور تڑپا تڑپا کر موت کی دیوی کے حوالے کیا جاتا ہو گا۔ ان وحشت ناک سزاؤں کا تصور کر کے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہندو کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہو جاتا ہے۔ کشمیری حریت پسندوں پر ڈھائے جانے والے انسانیت سوز مظالم اور اجتماعی آبروریزی کے شرمناک واقعات جن پر پوری انسانیت کی گردن ندامت سے جھکی ہوئی ہے' ہندو کلچر میں کوئی نئی اور انہونی بات نہیں بلکہ اس کی جڑیں تاریخ کے سینے میں دور دور تک

پھیلی ہوئی ہیں' دشمن تو دشمن اپنے عوام کو زندہ جلا دینا' زندہ انسانوں کے اعضاء کاٹ کر ان پر نمک چھڑک دینا' پتھر کی مورتیوں کے چرنوں میں انسانوں کا بلیدان' جانوروں کی کھال میں زندہ انسانوں کو بند کر کے انہیں ہلاک کرنا اور درندوں کے سامنے انسانوں کو پھینک کر تماشہ دیکھنا۔ ہندو ثقافت کا بنیادی فلسفہ ہے اس فلسفے کا بھیانک چہرہ بابری مسجد کی شہادت سے لے کر چرار شریف کے محاصرے تک دیکھا جا سکتا ہے۔

باب ـ ۳

یہودیت کا نظریۂ جنگ

جیسا کہ تفصیل سے بحث ہو چکی ہے کہ جنگ ایک محاذ پر نہیں بیک وقت کئی محاذوں پر لڑی جاتی ہے' جنگ کی گرم بازاری میدان جنگ میں ہی دیکھنے میں نہیں آتی بلکہ سیاسی' اقتصادی اور نفسیاتی محاذوں پر ارباب علم و دانش بھی داد شجاعت دیتے دکھائی دیتے ہیں' آج تو سرد جنگ کو گرم جنگ سے بھی زیادہ موثر اور دیرپا ہتھیار سمجھا جاتا ہے کہ پروپیگنڈے کے کند ہتھیار سے صرف سپاہیوں ہی کے نہیں پوری قوم کے اعصاب کو مفلوج کر کے اسے ناکارہ بنایا جا سکتا ہے۔

گریٹر اسرائیل کا خواب دیکھنے والے یہودی صدیوں سے اس نہج پر کام کر رہے ہیں' اسلام میں انہوں نے من گھڑت روایات داخل کر کے اسلام کی آفاقی تعلیمات کو دھندلانے کی ناپاک جسارت کی اور فکری مغالطوں کا ایک ایسا طوفان برپا کیا کہ حقائق کے اجلے اور روشن چہرے پر شکوک و شبہات کی اتنی گرد پڑنے لگی کہ جھوٹ سچ اور سچ جھوٹ دکھائی دینے لگا اور نت نئے فتنے نت نئے فرقوں کی آغوش میں پرورش پانے لگے۔

تورات یہودیوں کی معتبر مذہبی کتاب ہے لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ اس میں تحریف ہوتی چلی گئی' اب ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ اصل عبارت کون سی ہے اور تشریحات کون سی ہیں کیونکہ شارحین کی بہت سی باتیں اصل متن کا حصہ بن گئی ہیں۔ چند عبارات کو دانستہ طور پر ایک سازش کے تحت تبدیل کر دیا گیا ہے تاہم دور جدید میں دستیاب تورات کے مطالعے سے اتنی بات ضرور سامنے آ جاتی ہے کہ تورات میں جنگ کے احکامات تو ملتے ہیں لیکن جنگ کے مقاصد اور اس کی حدود کا تعین نہیں ہوتا تاہم آداب جنگ سے تھوڑی بہت شناسائی ہوتی ہے۔

کتاب گنتی

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا۔ مدیانیوں سے بنی اسرائیل کا انتقام لے۔ اس کے بعد تو اپنے لوگوں میں جا ملے گا۔ تب موسیٰ نے لوگوں سے کہا۔ اپنے میں سے جنگ

کے لئے آدمیوں کو مسلح کرو تاکہ وہ مدیانیوں پر حملہ کریں اور مدیانیوں سے خداوند کا انتقام لیں اور اسرائیل کے سب قبیلوں میں سے فی قبیلہ ایک ہزار آدمی لے کر جنگ کے لئے بھیجنا۔

سو ہزاروں ہزار بنی اسرائیل میں سے فی قبیلہ ایک ہزار کے حساب سے بارہ ہزار مسلح آدمی جنگ کے لئے چنے گئے یوں موسیٰ نے ہر قبیلہ سے ایک ہزار آدمیوں کو جنگ کے لئے بھیجا اور الیعزر کاہن کے بیٹے فینحاس کو بھی جنگ پر روانہ کیا اور مقدس کے ظروف اور بلند آواز کے نرسنگے اس کے ساتھ کر دیئے۔ اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا عوی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو بھی جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جن سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔

(۳۱:۱۔۱۰)

موسیٰ نے ان سے کہا اگر تم یہ کام کرو اور خداوند کے حضور مسلح ہو کر لڑنے جاؤ اور تمہارے ہتھیار بند جوان خداوند کے حضور یردن پار جائیں جب تک کہ خداوند اپنے دشمنوں کو اپنے سامنے سے دفع نہ کرے اور وہ ملک خداوند کے حضور قبضہ میں نہ آ جائے تو اس کے بعد تم واپس آؤ پھر تم خداوند کے حضور اور اسرائیل کے آگے بے گناہ ٹھہرو گے اور یہ ملک خداوند کے حضور تمہاری ملکیت ہو جائے گا۔ (۳۲:۲۰۔۲۳)

اور خداوند نے موآب کے میدانوں میں جو یریحو کے مقابل یردن کے کنارے واقع ہیں موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے یہ کہہ دے کہ جب تم یردن کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور ان کے شبیہ دار پتھروں کو اور ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے سب اونچے مقاموں کو مسمار کر دینا اور تم اس ملک پر قبضہ کر کے اس میں بسنا کیونکہ میں نے

وہ ملک تم کو دیا ہے کہ تم اس کے مالک بنو۔ (۳۳: ۵۰۔۵۲)

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اس سے مت ڈر کیونکہ میں نے اسے اور اس کے سارے لشکر کو اور اس کے ملک کو تیرے حوالے کر دیا ہے سو جیسا تو نے اموریوں کے بادشاہ سیحون کے ساتھ جو حسبون میں رہتا تھا کیا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ بھی کرنا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اور اس کے بیٹوں اور سب لوگوں کو یہاں تک مارا کہ اس کا کوئی باقی نہ رہا اور اس کے ملک کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (۲۱: ۳۴۔۳۵)

کتاب استثناء

۱۔ جب تو کسی شہر کو فتح کرنے کے لئے اس سے جنگ کرے اور مدت تک اس کا محاصرہ کئے رہے تو اس کے درختوں کو کلہاڑی سے نہ کاٹ ڈالنا کیونکہ ان کا پھل تیرے کھانے کے کام میں آئے گا سو تو ان کو مت کاٹنا کیا میدان کا درخت انسان ہے کہ تو اس کا محاصرہ کرے۔ (۲۰۔۱۹)

۲۔ اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مارے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا۔ (۷: ۲۔۳)

کتاب خروج

آج کے دن جو حکم میں تجھے دیتا ہوں تو اسے یاد رکھنا۔ دیکھ میں اموریوں اور کنعانیوں اور حتیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو تیرے آگے سے نکالتا ہوں۔ سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اس کے باشندوں سے کوئی عہد نہ باندھنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لئے پھندا ٹھہرے بلکہ تم ان کی قربانگاہوں کو ڈھا دینا اور ان کے ستونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا۔ (۳۴: ۱۱۔۱۲)

دوہرا معیار

یہودیوں کے نظریہ جنگ اور ان کے مذہب کی مسخ شدہ تعلیمات کے مطابق جنگ اور غلبہ ہر دو صورتوں میں دوہرے معیارات مقرر ہیں ایک صورت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ دشمن کو پہلے صلح کا پیغام دیا جائے اگر وہ اسے قبول کرے تو اس علاقے کے

مفتوح باشندے ذمی کے طور پر یہودیوں کے زیر تسلط رہیں گے لیکن اگر وہ جنگ پر آمادہ ہوں تو حکم ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے' دشمن کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا جائے' باغات وغیرہ کو اس لئے نہ کاٹا جائے کہ وہ بعد میں اپنے ہی کام آئیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن کو تمام انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے اس سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہ کیا جائے بلکہ ان سب کو تباہ وبرباد کر دیا جائے' عورتیں اور بچے تک قتل کر دیئے جائیں۔ صیہونیت اسی فکری اور نظریاتی فضا میں پل کر جوان ہوئی ہے۔ خون آشامی اس کی سرشت میں شامل ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ عالمی معیشت ان کے ہاتھ میں ہے اور یہ اپنی مضبوط مالی حیثیت سے بھرپور فائدہ اٹھا کر پوری دنیا میں صیہونیت کا جال بچھا رہے ہیں' عربوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر اسرائیل کی ناجائز تخلیق کا جو ڈرامہ رچایا گیا تھا جب اس کا ڈراپ سین ہو گا تو پوری دنیا جو آج بارود کے ڈھیر پر بیٹھی ہے اڑ جائے گی اس لئے کہ یہودی اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لئے' اخلاقی پستی کی آخری حد تک جا سکتے ہیں' امن عالم کا قیام سرے سے ان کے مقاصد میں شامل ہی نہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر جو عالم اسلام کے خلاف ایک صیہونی سازش ہے کے ذریعہ عالم اسلام کے گرد سیاسی اور اقتصادی غلامی کے حصار کو تنگ کیا جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کسی معجزے کا انتظار کر رہے ہیں۔ عرصہ محشر میں ہونے کے باوجود ہم نے بے عملی کی چادر اوڑھ رکھی ہے' خود کو جمود مسلسل کی زنجیروں سے باندھ رکھا ہے اور خطرہ محسوس کرتے ہی اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ ہم اس کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ مسلم امہ پر مسلط بے حمیت حکمرانوں پر جہاد فرض ہو چکا ہے لیکن جہاد کا نام سن کر ہمارے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور تھر تھر کانپنے لگتے ہیں حالانکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ موت سے ڈرنے والی قوموں سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔

باب۔۴

عیسائیت کا نظریۂ جنگ

کسی عمل کا رد عمل جب کسی فرد یا قوم کے لاشعور میں نقش ہو جاتا ہے تو غیر ارادی طور پر یہ رد عمل اس فرد یا قوم کے کردار کا حصہ بن جاتا ہے' فرد یا قوم کے کردار کی تعمیر میں مذہب کا عنصر بنیادی حیثیت کا حامل رہا ہے' انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں اس عنصر کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' قومی سطح پر فتح و شکست اور کامیابی و ناکامی کے اثرات صدیوں پر محیط ہوتے ہیں' یہیں سے کسی قوم کے اجتماعی رویوں اور مشترکہ سوچوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملکی اور غیر ملکی امور و مسائل پر فلاں قوم کا نقطہ نظر کیا ہے' عیسائیت ایک اہم آسمانی مذہب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں' آپ جو شریعت لے کر آئے یہودیت کی طرح اس کا چہرہ بھی مسخ ہو چکا ہے۔ انجیل میں لفظی اور معنوی تحریف کی گئی ہے۔ یادداشتوں کا سہارا لے کر انجیل کو مرتب کیا گیا۔ اس میں مرتبین نے قصے کہانیاں بھی شامل کر دیں' بہرحال موجودہ انجیل جس حالت میں بھی ہمارے سامنے ہے اس کے چند ایک اقتباسات سے عیسائیوں کے نظریہ جنگ کے بارے میں بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

کیا عیسائیت میں جہاد کا کوئی تصور نہیں ہے

بدقسمتی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے اکثر لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ تعلیمات صرف اخلاقی نوعیت کی ہیں اور ان میں جہاد کا کوئی تصور نہیں' یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ نبوی تعلیمات میں تدریج کا پہلو غالب رہتا ہے' احکامات انسانی نفسیات کے مطابق صادر ہوتے ہیں تاکہ ذہن انسانی انہیں قبول کرتے وقت کسی ذہنی الجھن کا شکار نہ ہو بلکہ ہر مرحلہ پر اسے مکمل شرح صدر حاصل ہو' یہی شرح صدر یقین کامل کی بنیاد بنتا ہے اور یقین کامل کے بغیر کسی مذہب کے احکامات کی پیروی ممکن نہیں ہوتی' تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے آغاز میں

بہت کم لوگ ان کے حلقہ بگوش ہوئے' ابتدائی ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو کسی ردعمل کے اظہار سے منع فرمایا لیکن جب مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں آ گئے تو منکرین سے بدلہ بھی لیا' انجیل میں درج ہے کہ

۱۔ کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔ (لوقا' ۱۴:۱۱)

۲۔ میرے دشمنوں کو میرے سامنے لا کر قتل کر دو۔ (لوقا)

۳۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔ (لوقا' ۱۲:۵۱)

۴۔ کیونکہ جو کوئی اپنی جان بچانا چاہے وہ اسے کھوئے گا اور جو کوئی میری اور انجیل کی خاطر اپنی جان کھوئے گا وہ اسے بچائے گا۔ (مرقس' ۸:۳۵' لوقا' ۹:۲۴)

۵۔ اور میرے نام کے سبب سے سب لوگ تم سے عداوت رکھیں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہ نجات پائے گا۔ (مرقس' ۱۳:۹۔۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے حوالے سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عیسائیت کا فلسفہ حیات اس زاویہ نگاہ کے گرد گھومتا ہے کہ اگر تمہیں کوئی تھپڑ مارے تو تم اپنا دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو' اس قسم کے اقوال کو حالات و واقعات کے تناظر میں رکھ کر دیکھنا چاہئے' جب مختلف اقوال کو ان کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا جائے تو انسان ایک متوازی رائے قائم کر سکتا ہے' یہ تو ایک بنیادی رویہ ہے کہ جب تک اقتدار ہاتھ میں نہ ہو اور پیروکار بھی کمزور ہوں تو اس وقت صبر و تحمل سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوش و تدبر سے آگے بڑھا جاتا ہے حکمت و دانش سے معاملات کا حل نکالا جاتا ہے' منصوبہ بندی سے امور طے کئے جاتے ہیں اور جب قوت حاصل کر لی جائے تو اپنی تعلیمات کے عملی نفاذ کے لئے باطل استحصالی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارا جاتا ہے' مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحیت میں بھی جنگ کی تعلیم اور اس کے لوازمات اور جملہ تقاضوں کے بارے میں ارشادات موجود ہیں' مثلاً

جوں جوں پھیلتا گیا جہاد کی تعلیمات بھی عام ہونے لگیں ظالم حکمرانوں کو چیلنج کیا گیا اور اپنے پیروکاروں کو ان کے جبرواستبداد کے سامنے ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی۔

قوت کا استعمال ایک ناگزیر ضرورت ہے

تمام تر تحریفوں اور خود ساختہ عبارت آرائیوں کے باوجود آج بھی انجیل مقدس میں ایسی عبارات موجود ہیں جو جہاد کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں' حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی نظام کو قوت اور طاقت کے بغیر نافذ نہیں کیا جاسکتا راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے قوت کا استعمال ایک ناگزیر ضرورت تھی اور ہے۔ عیسائیت جسے ترک دنیا کا مذہب بنا دیا گیا ہے اور رہبانیت کے پردے میں جس کی تعلیمات جہاد کو چھپا دیا گیا ہے محبت کا جو تصور پیش کرتی ہے وہ ناقابل عمل ہے۔ ظالموں' فاسقوں اور جابروں سے محبت کر کے انہیں مزید سرکش بنا دینا بھلا کہاں کی دانشمندی ہے؟ تخریبی عناصر کی سرکوبی ہمیشہ انبیاء کی تعلیمات کا حصہ رہا ہے' جہاد کے بغیر فساد کو ختم نہیں کیا جاسکتا اور جب تک فتنہ و فساد کا خاتمہ نہیں ہوتا نہ زمین پر عدل قائم ہو سکتا ہے اور نہ امن' ویسے بھی ارباب فکر و نظر کے نزدیک اب مسیحیت کو مستقل مذہب نہیں رہنے دیا گیا بلکہ یہودیوں نے ایک سازش کے تحت عملاً مسیحیت کو یہودیت کا تسلسل اور جدید ایڈیشن قرار دیا ہے۔

باب ـ ۵

بدھ مت کا نظریۂ جنگ

بدھ مذہب میں تصور جنگ کی تلاش بظاہر ایک سعی لا حاصل نظر آتی ہے کیونکہ بدھ مت نے کسی جاندار کے ہلاک کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے بلکہ اسے حرام کہا ہے لیکن اسے زمانے کی ستم ظریفی ہی کہا جائے گا کہ ایک طرف تو کسی جاندار کے مارنے کو ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے لیکن دوسری طرف بدھ مت کے پیروکار دوسرے مذاہب کو ماننے والوں سے شدید نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کے قتل تک کو جائز سمجھا جاتا ہے' یہ تضادات شاید اس لئے بھی پیدا ہوئے کہ مہاتما بدھ نے اپنے پیروکاروں کو کوئی باضابطہ کتاب نہیں دی اور نہ اوائل دور میں بانی مذہب کی تعلیمات کو قلمبند کیا گیا' عیسائیت اور یہودیت کی طرح بدھ مذہب کی تعلیمات میں بھی بڑے پیمانے پر تحریف ہوئی' جب یادداشتوں اور قیاس آرائیوں کے بل بوتے پر مہاتما بدھ کے بہت بعد ان کی تعلیمات کو حیطۂ تحریر میں لایا گیا تو مرتبین کے اضافہ جات سے بدھ مت کی اصل تعلیمات پس منظر میں چلی گئیں اور مرتبین کے اپنے خیالات مہاتما بدھ کے احکامات کی شکل اختیار کرتے گئے یہ پہلی صدی عیسوی کی بات ہے جب کنشک کے عہد حکومت میں بدھ مت کو زبردست تحریف کا سامنا کرنا پڑا اور نت نئے خیالات اور نظریات اس میں در آئے چنانچہ یہ معلوم کرنا کہ اصل حقائق کیا ہیں اور مہاتما بدھ کی اصل تعلیمات کیا ہیں بہت مشکل کام ہے تاہم موجودہ بدھ مت کا اہم فلسفہ اہنسا کا ہے۔

فلسفہ اہنسا

یہ فلسفہ "کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو" کے حکم کی عملی توجیہہ ہے' انسان کا قتل تو بہت دور کی بات ہے بدھ مت کیڑے مکوڑوں کو مارنے کی بھی ممانعت کرتا ہے اور ہر صورت میں پر امن رہنے کا درس دیتا ہے یہ اور بات ہے کہ آج یہ فلسفہ محض کتابوں میں بند ہے' بھارتی استعمار جسے اہنسا کے پجاری ہونے کا دعویٰ ہے' نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے اور مقبوضہ کشمیر میں درندگی اور بربریت کی اس حد تک جا

پہنچا ہے کہ چنگیز اور ہلاکو کی روحیں بھی شرمانے لگی ہیں' فلسفہ اہنسا انتہا پسندانہ سوچ کا غماز ہے' حقیقت پسندانہ طرز عمل یہ ہے کہ اگر فتنہ وفساد اور ظلم وبربریت کے خاتمے کے لئے طاقت استعمال کرنا پڑے تو قیام امن کی خاطر اس سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ قوت نافذہ کے بغیر اخلاقی قدروں تک کا تحفظ ممکن نہیں اور قوت نافذہ کا حصول اہنسا کے فلسفۂ حیات کو من وعن اپنا لینے سے ممکن ہی نہیں۔

چونکہ بدھ مت میں تخلیق انسانی اور مقصد زندگی سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ ساری توجہ اس بات پر مرکوز رکھی جاتی ہے کہ انسانی زندگی تغیرات سے کیوں دوچار ہے' بچپن' جوانی' بڑھاپا اور موت کے کیا اسباب ہیں اور ان سے کیسے نجات حاصل کی جاسکتی ہے' بدھ مت انسانی زندگی کو ایک مصیبت سے تعبیر کرتا ہے کہ یہ زندگی دکھوں کا گھر ہے' دکھ اور مصیبت کی جڑ چونکہ انسان کی خواہشات ہیں اس لئے انسان کو خواہشات کے اس سمندر سے نکالا جائے۔ بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق ان خواہشات سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ سرے سے خواہشات کو ہی مٹا دیا جائے' خواہشات سے نجات حاصل کرنے کے عمل کو "نروان" کا نام دیا گیا ہے۔ نروان حاصل کرنے کے لئے ایک لائحہ عمل بھی مرتب کیا گیا ہے' جو آٹھ نکات پر مشتمل ہے ان آٹھ نکات کا نفاذ عمل میں لانے کے لئے دس اخلاقی اصول دیئے گئے ہیں۔ گویا دنیاوی خواہشات اور لذتوں سے کلیتاً پرہیز عیسائیت کی رہبانیت سے بڑھ کر ہے' سخت مجاہدے اس کا لازمی حصہ ہیں' بدھ مت میں فطری تقاضوں سے بھی اجتناب کا درس دیا جاتا ہے جو فطرت کے قوانین کے منافی ہے اور انسانی جبلت کے خلاف ہے' مردوں کی طرح زندگی گزارنے کو عین عبادت سمجھا جاتا ہے' اس پس منظر میں جب کہ مذہبی تعلیم کا مقصد زندگی سے فرار حاصل کرنا اور گوشہ نشینی اختیار کرنا قرار پاتا ہے تصور جنگ کا کوئی تصور بھی ممکن نہیں' درج ذیل اقتباسات سے واضح ہو رہا ہے کہ بدھ مت نے کس شدت سے جنگ کی ممانعت کی ہے "پکتیہ دھما" کی درج ذیل دفعات قابل توجہ ہیں۔

"جو بھکشو کسی معقول وجہ کے بغیر کسی صف آرا فوج کو دیکھنے جائے تو وہ پکتیہ "جرم" کا مرتکب ہو گا۔" (دفعہ: ۴۸)

"اگر اس بھکشو کی فوج کی طرف جانے کی معقول وجہ ہو تو دو تین راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا زیادہ عرصہ ٹھہرنے پر پکتیہ قرار دیا جائے گا۔" (دفعہ: ۴۹)

فوج کو دیکھنا بھی جرم ہے

ان دفعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدھ مت میں فوج میں شرکت کر کے کسی جنگی کارروائی میں حصہ لینا تو درکنار محض فوج کو دیکھنا بھی جرم ہے' خدا جانے ان احکامات میں کیا حکمت پوشیدہ ہے یا یہ احکامات جاری کرنے والے کے مقاصد کیا تھے بظاہر تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ ان احکامات کو جاری کر کے انسان کے اندر جرأت وبہادری اور شجاعت کے جوہر کو دبایا گیا ہے' مبادا اہل لشکر کے عزائم کو دیکھ کر کسی بھکشو کے جذبات بھی جاگ اٹھیں اور کائی بھرے پانیوں میں تموج کے آثار پیدا ہونے لگیں اس لئے بدھ مت نے فوج کو دیکھنے پر بھی پابندی عائد کر دی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ انسان کے فطری جذبے کو دبانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مت کے پیروکاروں میں اپنی ثقافتی اکائی کو قائم رکھنا مشکل ہو گیا ہندو مت کے مقابلے میں بدھ مت اپنا دفاع بھی نہ کر سکا اس کا نتیجہ یہ نکلا ہندوستان جو مہاتما بدھ کی جنم بھومی ہے' میں بدھ مت کا نام ونشان مٹ گیا' چین' جاپان اور دوسرے ممالک میں بدھ مت کے فروغ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ جابر حکمرانوں کو للکارنے کی بجائے سر تسلیم خم کر دینے کی تعلیم دیتا ہے چنانچہ وقت کے بادشاہوں کو بدھ مت سے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا کیونکہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اور باطل استحصالی نظام کو ختم کر کے استحصال سے پاک نظام اس کے مقاصد میں شامل ہی نہیں نہ ظلم کے خلاف یہ کسی انقلابی جدوجہد کا قائل ہے اس لئے بدھ مت کو باطل کی طرف سے کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور یوں بدھ مت دنیا کا ایک بڑا مذہب قرار پایا۔

باب-۶

کمیونزم کا نظریۂ جنگ

آنجہانی کمیونزم کی بنیاد آسمانی ہدایت کی نفی پر اٹھائی گئی تھی' کمیونسٹوں نے مذہب کی افادیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے مسجدوں پر تالے لگا دیئے اور روحانیت کے سرچشموں کو آثار قدیمہ میں تبدیل کر دیا' ہر قسم کی اخلاقی قدروں کو قصہ پارینہ سمجھ کر ٹھکرا دیا گیا' انسان کو مشین کا پرزہ سمجھ کر اس کی ذہنی نشوونما کو روک دیا گیا' اسکی آزادانہ سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں کو بے دست و پا کرنے کی گھناؤنی سازش تیار کی گئی' جمہوریت کے نام پر جمہوری شعور کا قتل عام ہوا۔ نقطہ نظر کے اختلاف کو سزائے موت کی تعزیر لگا کر ختم کر دیا گیا' رفتہ رفتہ یہ مصنوعی اور غیر فطری نظام خود ایک مذہب کی شکل اختیار کرتا چلا گیا' کمیونسٹوں نے انسان اور کائنات کی مادی تعبیر کر کے نظام کائنات کو فطرت کا پابند قرار دیا اور خود فطرت کے مقاصد کی نگہبانی سے منحرف ہو گئے' بانیان انقلاب نے تصور خدا سے بے نیاز معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لئے تمام ریاستی وسائل جھونک دیئے' عملاً حکمرانوں نے کار خدائی سرانجام دینا شروع کر دیا' فرعونیت ایک نئے انداز میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئی' بیوروکریسی کی گرفت اتنی سخت ہو گئی کہ آہنی پردے کے پیچھے طبقاتی کشمکش جسے ختم کرنے کا دعویٰ لے کر سرخ انقلاب برپا کیا گیا تھا ایک بھیانک اور خوفناک صورت میں نمودار ہوئی' بندہ مزدور پر کیا گزری' یہ ریاستی جبر کی چکی کے پاٹوں میں کس طرح پستا رہا یہ ایک طویل داستان ہے جو عبرت کی ہزار داستانیں لئے ہوئے ہے۔ فرد کی سوچ کو پارٹی منشور کے تابع کر کے ایک ایسا نظام جبر اولاد آدم پر مسلط کر دیا گیا جو بالآخر ستر سال کی طویل اور بھیانک رات کی کوکھ میں آخری ہچکیاں لے کر راہی ملک عدم ہوا۔ اسی کسمپرسی کے عالم میں کمیونزم کے بے گور و کفن لاشے پر کوئی ایک شخص بھی آنسو بہانے والا نہیں' اس عذاب الیم کے ٹلنے کے بعد جب صبح نجات کا سورج طلوع ہوا' ظلمت شب کی زنجیریں ٹوٹ کر گریں اور آہنی پردہ ریت کی دیوار ثابت ہوا تو چشم فلک نے دیکھا کہ اسلامی ثقافت کے نقوش اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ و بیدار ہیں فضا تصوف کی خوشبو سے معطر ہے'

کمیونزم کی آدم خور چڑیل وقت کے چہرے پر اپنے ناخنوں کی خراشیں چھوڑ گئی ہے لیکن وہ اسلام کی توانا اور جاندار تہذیب و ثقافت کو ختم کرنے میں ناکام رہی۔ اسلام سینوں میں آج بھی زندہ ہے' ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ماہ و سال کی گرد کو حکمت اور تدبر کے پانیوں سے دھویا جائے۔ ایمان کی چنگاری کو شعلہ جوالہ میں تبدیل ہوتے زیادہ دیر نہیں لگتی' اس پس منظر میں کمیونسٹوں کا نظریہ جنگ کیا ہو سکتا ہے' خود غرضی اور خود فریبی میں مبتلا ذہنی طور پر اپاہج اور مفلوج کمیونسٹ انسانیت کو نوید امن دینے کی بجائے اپنی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ نہ صرف دیگر ممالک میں جمہوری اور آئینی حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں مصروف رہے بلکہ پوری دنیا میں خوف و ہراس کی ایک ایسی فضا قائم کر دی کہ کمیونزم کا نام سن کر ہی آزاد دنیا کے انسان کو جھرجھری سی آجاتی' سوویٹ روس نے اذیت خانے پوچھ گچھ کے دفاتر ہی میں نہیں ذہن انسانی میں بھی قائم کئے' جب کمیونزم نے آخری ہچکی لی تو یہ اذیت خانے بھی ہوا میں تحلیل ہو گئے اور خوف مسلسل کی چادر کا دامن تار تار ہو گیا۔

کارل مارکس

کارل مارکس اپنی کتاب داس کیپٹل میں لکھتا ہے کہ "مذہبی دیوانوں اور سرمایہ داری کے حامیوں کو کروڑوں کی تعداد میں بھی قتل کرایا جائے تو کوئی جرم نہیں' نہ کوئی بدلہ ہے اور نہ سزا' ہمارا نہ کوئی خدا ہے نہ اللہ' کسی نبی اور رسول پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں' دنیا کا کوئی خالق نہیں' یہ نظریہ سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہے' مذہبی لوگ سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں جب تک ان کو ختم نہ کیا جائے گا کمیونزم نہیں آسکتا' ہماری جنگ کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں' ہم بس فتح چاہتے ہیں۔"

لینن

لینن کتاب لینن میں رقمطراز ہے "ہم ہر مذہب کے خلاف ہیں' ہم اس وقت تک مذہبی دیوانوں کے خلاف لڑتے رہیں گے جب تک کہ ان کی دیوانگی ختم نہیں ہو

جاتی' مزدوروں کے مسائل کے راستے میں رکاوٹ یہی مذہبی لوگ ہیں' ان کے خاتمے تک جنگ لڑتے رہو' مذہب اور جہالت اندھیرا ہے اسے دور کئے بغیر روشنی نہیں آ سکتی' ہماری جنگ کھلی جنگ ہے۔" یہ بیانات اعتراف جرم کی حیثیت رکھتے ہیں' خود کہا جا رہا ہے' نہ ہمارا کوئی اصول جنگ ہے اور نہ ہم کسی ضابطے کے پابند ہیں' ہمیں صرف فتح مطلوب ہے' خواہ کسی قیمت پر حاصل کی جائے' کمیونزم نظریہ جبر کی پیداوار ہے' جس میں اختلاف رائے کی گنجائش ہی نہیں' کتنے بے گناہ انقلاب روس کی بھینٹ چڑھ گئے' کتنے لوگ سائبیریا کی یخ بستہ ہواؤں کی نذر ہو گئے۔ کمیونزم کے مخالفین فقط گردن زدنی کے قابل ہی نہیں' ان کا قتل جائز ہی نہیں ضروری بھی ہے' کمیونزم کا نظریہ جنگ چنگیز اور ہلاکو کے تصور جنگ سے مختلف نہیں' اسرائیل جس کو افرادی قوت سوویت روس نے فراہم کی' بھی اس نظریہ پر کاربند ہے' اور عربوں کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے۔ امریکہ اور دوسری سامراجی طاقتوں کی اسے پشت پناہی حاصل ہے' سوویت روس تاش کے پتوں کی طرح بکھر گیا جب کہ بعض استعماری قوتیں جمہوریت پسندی کے تمام دعوؤں کے باوجود کمیونزم کے اس منافقانہ طرز عمل کو اپنائے ہوئے ہیں۔

باب ۔ ۷

اقوام متحدہ کے سائے تلے

مذاہب عالم میں تصور جنگ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان مذاہب میں خواہ وہ جنگ کی اجازت دیتے ہیں یا اپنے پیروکاروں کو جنگ سے روکتے ہیں تصور جنگ انتہا پسندی کو چھو رہا ہے اور ان اقوام کے اجتماعی رویوں میں جارحیت کا عنصر غالب ہے۔ اگرچہ یہودیت میں چند جنگی قواعد وضوابط کا سراغ ملتا ہے لیکن ان قواعد وضوابط پر عمل کرنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی بلکہ یہودیوں نے ہر دور میں ان قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کے ریکارڈ قائم کئے ہیں' بدھ مت کیڑے مکوڑوں کو مارنے سے بھی منع کرتا ہے لیکن عملاً مخالفین کو قتل کرنے تک کو جائز قرار دیا جاتا ہے' عیسائی دنیا نے اگرچہ مذہب کو ایک پرائیویٹ مسئلہ بنا دیا ہے اور مذہب معاشرے میں ایک مؤثر عامل کے طور پر باقی نہیں رہا اس کے باوجود عیسائی دنیا تعصب کی آگ میں جل رہی ہے صلیبی جنگوں میں عبرتناک شکست کے بعد انتقام کی یہ آگ ان کے سینوں میں صدیوں سے لاوا بن کر کھولتی رہی ہے۔ ہسپانیہ سے مسلمانوں کا جبری انخلا بھی اس آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکا۔ آج دنیائے اسلام کے خلاف جس سرد جنگ کا آغاز کیا گیا ہے اس کے پس پردہ شکست اور انتقام کا یہی رد عمل کار فرما ہے' روشن خیالی کے تمام دعوؤں کے باوجود عیسائی دنیا نے مسلمانوں کے خلاف نئے انداز میں نئی صلیبی جنگوں کا آغاز کر رکھا ہے۔ یورپ میں بوسنیا کی اسلامی ریاست قائم نہیں ہونے دی گئی' بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی کے محرکات کا پس منظر بھی صدیوں پر محیط نفرت کے اس وجود کا منحوس عکس ہے۔ سامراجی طاقتوں نے اقوام متحدہ کے ذریعہ جنگ اور امن کے چند ایک قوانین وضع کئے ہیں لیکن ان قوانین کا اطلاق امن عالم کے ان ٹھیکیداروں کے مفادات کے تابع ہے' جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون آج بھی سکہ رائج الوقت ہے' غریب اقوام کو ہر حوالے سے دبایا جاتا ہے۔ قرضوں کا اتنا بوجھ ان پر لاد دیا جاتا ہے کہ ان کی آزادانہ سوچ بھی سفارتی آداب کی نذر ہو جاتی ہے' جس طرح معاشرے میں قوانین غریب کو تو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں لیکن دولت مند افراد جو قانون شکنی کا

ارتکاب کرتے ہیں یہ قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اسی طرح اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں کے قوانین غریب اقوام کے معاملے میں تو فوری طور پر حرکت میں آجاتے ہیں لیکن جب معاملہ امریکہ اور دیگر سپرپاورز (Super Powers) کا ہو تو یہی قانون بے دست وپا ہو کر سامراج طاقتوں کے تلوے چاٹنے لگتا ہے' اقوام متحدہ ان طاقتوں کی آلہ کار ہے اور ان کے مفادات کی نگران' بڑی طاقتیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے سند جواز اقوام متحدہ کے ذریعہ حاصل کرتی ہیں' اقوام متحدہ چونکہ عدل کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہے اس لئے اس کا انجام لیگ آف نیشنز (League Of Nations) سے بھی بدتر ہو گا۔ فطرت کے قوانین اٹل ہوتے ہیں اور ان قوانین کی گرفت سے چنگیز اور ہلاکو جیسے جابر حکمران بھی نہیں بچ سکے اور نہ بچ سکتے ہیں۔

بین الاقوامی قوانین جنگ کا پس منظر

جنگ اور محبت میں سب جائز ہے کا گمراہ کن فلسفہ ایک عرصہ تک نفسیاتی سطح پر ذہن انسانی کو اپنی لغزشوں' کوتاہیوں اور بے راہرویوں سے چشم پوشی کرنے کے گر سکھاتا رہا ہے' انسان اپنے ہر ناجائز فعل کو جائز قرار دے کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اپنی بقا وسلامتی کے لئے بڑی مچھلیوں کا چھوٹی مچھلیوں کو کھا جانا فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہے' انسان جب خود غرضی کے حصار میں خود کو مقید کر لے تو وہ اپنے مفادات کے قیدی کے سوا کچھ بھی نہیں رہتا اور مصلحتیں اس کے پاؤں کی زنجیر بن کر اسے حیوانی سطح پر اترنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ وہ اپنے ضمیر پر ذرا سا بھی بوجھ محسوس نہیں کرتا بلکہ گرداب انا کو خود فریبی کی بجائے احساس برتری کا نام دے کر مزید خود فریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کی ہلاکت کے نت نئے سامان پیدا کر کے سائنس اور جدید ٹیکنالوجی (Modern Science And Technology) کے سہارے پر آج کے متمدن معاشروں کا انسان خود فریبی کے اس لاعلاج مرض میں مبتلا ہے اور کسی ضابطے یا قانون کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ کسی ضابطے یا قانون کی پابندی کو اپنی شان کے منافی سمجھتا

ہے یہی وجہ ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ سپر پاورز کی نگاہ التفات کا محتاج ہو کر عبرت کی داستان بن چکا ہے اور امن عالم کے قیام کی رہی سہی امیدیں بھی دم توڑ رہی ہیں۔

حضور رحمت عالم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل انسانیت کو جنگ کے بھی ایسے قوانین عطا کئے جو بالآخر انسانی عظمت اور وقار میں اضافہ کا باعث ہی نہیں بلکہ امن عالم کے قیام کے ضامن بھی ہیں خود حضور ﷺ نے ان قوانین اور ضابطہ ہائے جنگ پر عمل کر کے بھی دکھایا جبکہ نام نہاد مہذب دنیا سترہویں صدی تک سرے سے جنگی قوانین کے کسی تصور ہی سے واقف نہ تھی' اس سلسلے میں ایک آدھ صدائے احتجاج بھی بلند ہوئی لیکن اس پر کان دھرنے کی کسی کو فرصت ہی نہیں تھی' دنیا کی بیشتر اقوام نے جنگ کے کسی ضابطے کی توثیق ہی نہ کی' جنگ میں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سب کچھ روا رکھا جاتا جسے ہر اخلاقی حوالے سے ناروا سمجھا جاتا تھا' سب سے پہلے ۱۷۴۸ء میں ہالینڈ کے ایک قانون دان گروشیس کو شرف قبولیت بخشا گیا کہ دوران جنگ بچوں' بوڑھوں' جنگی قیدیوں اور مذہبی رہنماؤں کو قتل نہ کیا جائے لیکن اس ضابطے پر بھی کلی طور پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ ۱۷۹۰ء میں روسی افواج نے ترکی پر حملہ کر کے بلا امتیاز قتل عام کیا اور کسی پابندی کی پروا نہ کی' اسی طرح منچوریا کی جنگ میں بھی عورتوں اور بچوں پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے' تاریخ بتاتی ہے کہ ان آمروں نے کبھی اعلان جنگ کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ جب چاہا اور جسے چاہا حملہ کر کے دیگر اقوام کے علاقے زبردستی چھین لئے۔ ۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ۱۲۰ لڑائیاں ہوئیں جن میں سے صرف دس لڑائیوں میں اعلان جنگ کیا گیا ۱۸۳۷ء میں فرانس نے قسطنطنیہ فتح کیا تو شہر میں بلا امتیاز' قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب برطانوی استعمار نے برصغیر پر غلامی کی رات مسلط کی تو قتل عام سے دلی کے کوچہ و بازار خون کے سمندر میں تبدیل ہو گئے' پہلی اور دوسری عظیم جنگوں میں وحشت و بربریت کی ان گنت مثالیں بکھری پڑی ہیں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ نے ایٹم بم گرا کر لاکھوں بے گناہ شہریوں کو آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔

امریکہ نے ویتنام کے چپے چپے پر بم گرا کر اپنی درندگی کے انمٹ نقوش چھوڑے' عراق کی عسکری قوت پر کاری ضرب لگانے کے بعد اس کی معیشت کو بھی تباہ کر دیا گیا اور تجارتی پابندیوں کی آڑ لے کر عراق کے شہریوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا' اقوام متحدہ کے ضابطے اور قوانین جینوا کے معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے بلکہ اقوام متحدہ کے کندھے استعمال کر کے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی امن پسندی کا ڈھونگ رچایا گیا' بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں کو کچلنے کے لئے طاقت کا بے محابہ استعمال کر کے جذبہ آزادی کو کچلنے کی ناکام کوشش کی گئی' کشمیر کے مجبور و مقہور انسانوں پر ظلم کے کون سے پہاڑ نہ توڑے گئے' دختران اسلام کی اجتماعی آبروریزی اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی نے بھارتی استعمار کے چہرے پر پڑے ہوئے سیکولرازم کے نقاب کو نوچ ڈالا۔ ہیگ میں اقوام عالم نے بھی طے کیا کہ اعلان جنگ کے بغیر کسی ملک پر جنگ مسلط نہیں کی جائے گی' ۱۹۰۷ء کی ہیگ کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ شہریوں اور بستیوں پر بمباری نہیں کی جائے گی۔ آتشزنی اور لوٹ مار سے اجتناب کیا جائے گا۔ تعلیمی اداروں' عبادت گاہوں اور ہسپتالوں کو نشانہ نہیں بنایا جائے گا لیکن دوسری جنگ عظیم میں ان تمام قوانین کی دل کھول کر خلاف ورزی کی گئی جواز یہ فراہم کیا گیا کہ جنگ کے فوری خاتمے کے لئے یہ اقدامات ناگزیر ہو گئے تھے۔

باب ـ ۸

جنگ کے اسباب و محرکات

انا پرستی انفرادی سطح پر ہو یا اس کا اظہار اجتماعی طور پر ہو اس کے نتائج ہمیشہ خوفناک نکلے ہیں' اجتماعی سطح پر اس کا اظہار نسلی برتری کی شکل میں ہوتا ہے' نسلی عصبیت جنگوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے اگرچہ آج کی نام نہاد مہذب دنیا کا دعویٰ ہے کہ اس نے نسلی تعصب کا قلع قمع کر کے طبقاتی کشمکش کا خاتمہ کر دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہوری شعور اور انسانی مساوات کے تمام دعوے کھوکھلے اور بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں' کاغذ پر خوشنما بیل بوٹے بنا لینا اور بات ہے اور بنجر زمینوں کو شاداب ساعتوں سے واقعی ہمکنار کرنا اور بات ہے' خود غرضی' حرص' لالچ' حسد' رقابت' طمع' بغض' ریاکاری انسانی خطرات میں شامل ہے۔ فاتحین عالم کے توسیع پسندانہ عزائم جو خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں ماضی میں جنگوں کا باعث بنتے رہے ہیں' جنگ کے اسباب و محرکات تو ان گنت ہیں لیکن بنیادی طور پر ہم انہیں دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ ظاہری اسباب ۲۔ باطنی اسباب

بعض اوقات حالات اور واقعات ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے' اکثر معمولی واقعات سے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں مثلاً حرب بسوس کا سبب صرف ایک اونٹنی تھی' حرب غبراء ایک گھوڑے کے لئے لڑی گئی' لیکن اس جنگ نے پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ظاہری اسباب میں بعض اوقات چند تلخ حملوں کے تبادلے پر تلواریں نیام سے باہر نکل آتی ہیں' سرد جنگ ہمیشہ گرم جنگ پر منتج ہوئی ہے' فرانس کے سفیر نے ایک بار الجزائر کے حکمران کو کوئی سخت بات کہہ دی' حکمران نے مشتعل ہو کر سفیر کے منہ پر تھپڑ مار دیا' اس واقعہ کو بہانہ بنا کر الجزائر پر حملہ کر دیا اور بالآخر اسے اپنی نو آبادی بنا لیا۔ زمانہ قدیم میں مطلق العنان بادشاہوں کے دور میں شہرت اور ناموری کے لئے قوموں کو محکوم بنانے کا شغل جاری رہا' سکندر اعظم پوری دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلا تھا۔ سکندر اعظم کے قتل عام کا مقصد اس کے

سوا کچھ نہ تھا کہ دنیا کو فتح کرنے کا بھوت اس پر سوار تھا۔ چنگیز اور ہلاکو کی دوسرے ممالک پر چڑھائی کا مقصد لوٹ مار کے سوا کچھ نہ تھا' عربوں کی جنگوں کے پیچھے حسد' بغض اور انتقام کے جذبات کار فرما ہوتے' جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ ہوس ملک گیری کے انداز بدل گئے ہیں لیکن آج کا "مہذب انسان" اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی بدولت آج بھی جنگل کے انسان سے مختلف نہیں آج بھی جنگوں کے حقیقی محرکات انسان کے وہی پرانے جذبات ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم دور میں راہزنی اور لوٹ مار بعض انسانوں کا ذریعہ معاش رہا ہے' اس لوٹ مار میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک شامل ہوتے' ان لڑائیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا' جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ انا پرستی ان جنگوں کا ایک بنیادی محرک رہا ہے۔ بادشاہ اور سردار ان لڑائیوں سے اپنے جذبات غیظ و غضب کو تسکین پہنچاتے' جنگ کے یہ نفسیاتی محرکات آج بھی جوں کے توں موجود ہیں اور ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لینے کا دعویٰ ببانگ دہل کیا جاتا ہے۔ جنگ سے مفتوحہ علاقوں کی دولت ہاتھ آتی ہے۔ اس طرح مزید لشکر کشی کے لئے اضافی اخراجات مہیا ہوتے ہیں اور اردگرد کے علاقوں پر فاتحین کی الگ دھاک بیٹھتی ہے' آج کے "مہذب" انسان نے انہی جذبات کی تسکین کے لئے نئی راہیں تلاش کی ہیں' معاشی قتل سیاسی محکومی کا سبب بنتا ہے' بڑی طاقتیں چھوٹے ممالک کے اقتصادی استحصال کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ دو سو سال قبل یورپی اقوام نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو عملی شکل دی۔ کمزور اقوام پر چڑھ دوڑے۔ دنیا کے تین چوتھائی وسائل پر قبضہ جما لیا۔ بڑے بڑے مفتوحہ علاقوں کو اپنی کالونیاں بنا لیا۔ افریقہ سے ہندوستان تک ہر جگہ غلامی کی زنجیروں میں مقامی باشندوں کو جکڑ دیا گیا اور جسمانی غلامی کے ساتھ ذہنی غلامی کو بھی ان کا مقدر بنا دیا گیا۔

حقیقی اسباب پر ظاہری اسباب کا پردہ

طاقتور قوموں کے لئے جنگ چھیڑنے کے لئے نہ کسی اخلاقی جواز کی ضرورت

ہوتی ہے اور نہ وہ کھلی جارحیت کے لئے کسی کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق وہ جب چاہتے ہیں جیسے چاہتے ہیں امن عالم کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور اپنی ہوس ملک گیری کے لئے ہر انسانی قدر کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں وہ اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ اور ہر مزاحمت کو کچل دیتے ہیں' ان کے نزدیک انسانی زندگی کی قدر و قیمت خس و خاشاک سے زیادہ نہیں ہوتی وہ انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کر کے ندامت محسوس نہیں کرتے بلکہ غرور و تکبر سے ان کی گردن مزید تن جاتی ہے۔ فرعونیت ان کے رگ و پے میں دوڑنے لگتی ہے اور چنگیز اور ہلاکو کی روحیں ان میں حلول کر جاتی ہیں' ایک پرانی کہاوت ہے کہ ندی کے کنارے بھیڑ کا ایک بچہ پانی پی رہا تھا بھیڑیئے نے کہا کہ تم پانی گدلا کر رہے ہو حالانکہ بھیڑ کا بچہ پانی کے بہاؤ سے دوسری جانب تھا۔ بہرحال بھیڑیئے کے لئے بھیڑ کے بچے کو ہڑپ کرنے کے لئے یہی بہانہ کافی تھا۔ طاقتور قوتیں کمزور اقوام کے ساتھ کچھ اسی قسم کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں کہ اگر تم گستاخی نہیں کرو گے یا تم اگر جرم نہیں کرو گے تو کیا ہم تمہیں سزا نہیں دیں گے؟ تمہارے وسائل ہڑپ نہیں کریں گے' تمہیں چیر پھاڑ کر کھا نہیں جائیں گے؟ فوجی قوت کے سامنے سارے بین الاقوامی قواعد و ضوابط' طاق نسیاں پر رکھ دیئے جاتے ہیں' مہذب دنیا کے انسان کو درندگی کا چولا پہننے میں دیر نہیں لگتی' امریکہ اپنے اتحادیوں کو ساتھ لے کر اور اقوام متحدہ سے پروانہ جنگ جاری کروا کر عراق پر چڑھ دوڑتا ہے اور عراقی عوام پر وحشیانہ بمباری کر کے پوری دنیا کے امن کو داؤ پر لگا دیتا ہے' لیکن پروپیگنڈے کا کمال دیکھئے کہ اس کی اس وحشیانہ کاروائی کو امن عالم کے لئے ضروری قرار دے کر امریکہ کے لئے انسانیت کے نجات دہندہ کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا جاتا ہے۔ حکمران اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے اکثر اپنے عوام کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں' قوم اپنے وطن کی حفاظت کے نام پر کٹ مرتی ہے لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ قومی وقار کی آڑ لے کر اپنے تشخص اور

خاندانی مفادات کے تحفظ کو قومی مفاد سے عزیز تر جانا گیا۔ حکمران اپنے مظالم اور باطنی خباثت پر ظاہری اسباب کا پردہ ڈال کر قوم کے جذبات سے کھیلنے کو اپنا وطیرہ بنالیتے ہیں اور قوم اپنی عزت اور غیرت کے نام پر بار بار قربانی کا بکرا بنتی رہتی ہے' دنیائے اسلام میں یہ حکمران اپنی شخصی اور خاندانی حکومتوں کو بچانے کے لئے نئی نسل کے مستقبل تک کو سامراجی طاقتوں کے ہاتھوں گروی رکھنے میں عار محسوس نہیں کرتے' نپولین بوناپارٹ نے جب مصر پر حملہ کیا تو اس نے اپنی قوم کو اس جارحیت کی جملہ وجوہات سے لاعلمی میں رکھا' الٹا الزام لگایا کہ مصر کا بادشاہ فرانسیسیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے حتی کہ اپنی رعایا کے ساتھ بھی اس کا طرز عمل غیر انسانی ہے' گویا انسانیت کی بقاء اور سلامتی کو آڑ بنا کر مصر کو جارحیت کا نشانہ بنایا گیا نپولین بوناپارٹ نے اپنی قوم کو یہ تاثر دیا کہ ہماری یہ قوم مصری عوام کے نہیں بلکہ مصری حکمرانوں کے خلاف ہے۔ مصر کے عوام ہمیں اپنا نجات دہندہ سمجھیں گے اور ہماری راہ میں آنکھیں بچھائیں گے حالانکہ نپولین مصر کی اقتصادی خوشحالی پر شب خون مارنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ مصر کے بے پناہ وسائل کو وہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا' الجزائر میں امیر عبدالقادر کی حکومت کا خاتمہ بھی اسی مقصد کے لئے کیا گیا تھا تاکہ الجزائر کے مادی وسائل کو اپنے مصرف میں لایا جائے آج امریکہ کی معیشت کھوکھلی ہو چکی ہے وہ اپنی گرتی ہوئی معیشت کو سہارا دینے کے لئے کبھی جاپان کے در پر کاسہ گدائی لے کر پہنچتا ہے اور کبھی تیسری دنیا کی کمزور اقوام کے بچے کھچے وسائل کو لوٹنے کی منصوبہ بندی بناتا ہے' یہ سب کچھ نیو ورلڈ آرڈر کی آڑ میں ہو رہا ہے' جبکہ نیو ورلڈ آرڈر عالم اسلام کے خلاف صیہونیت کی ایک گہری سازش ہے۔

انسان خونخوار بھیڑیا کیوں؟

امن عالم کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھرتی رہی ہیں' وحشت اور بربریت ننگی ہو کر ناچتی رہی ہے' خوف کے سائے دن کی روشنی میں بھی گہرے ہوتے رہے ہیں' گھر

گھر صف ماتم بچھتی رہی ہے' بستیاں برباد اور املاک نذر آتش ہوتی رہی ہیں' جنگ کا دیو استبداد آج بھی دندناتا پھر رہا ہے' سرسبز و شاداب کھیتیاں اجڑ رہی ہیں' اور شیطنت کا رقص بے حجاب جاری ہے یہ سب کیا ہے۔ انسان جو بنیادی طور پر امن پسند واقع ہوا خونخواری اس کی سرشت میں کیوں در آئی ہے۔ وہ محض اپنی انا کی تسکین کے لئے حیوانی سطح پر کیوں اتر آتا ہے۔ وہ روایتی بھیڑیئے کا روپ کیوں اختیار کر لیتا ہے' انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا وہ اپنے قول و فعل کے تضادات میں اسفل السافلین کا منظر کیوں پیش کرتا ہے وہ امن اور سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر ہلاکت' بربادی اور تباہی کی راہ پر کیوں چل پڑتا ہے' کیا ریت کے وہ ذرے جن سے سونا ملنے کی توقع ہو انسانی جانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ لہلہاتے ہوئے شاداب مرغزاروں پر قبضہ جمانے کے لئے لاشوں پر سے گزرنا پڑتا ہے' آخر کیوں؟

تاریخ انسانی کا مطالعہ کریں اور حضرت انسان کی نفسیاتی الجھنوں (Psychological Intricacies) کا مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسان اصل میں مادہ پرست ہے (Materialist) ' اور مادی اشیاء کو اپنا اصل سرمایۂ حیات سمجھ بیٹھتا ہے کیونکہ مادی اشیاء کی چکاچوند اس کے حواس کو معطل کر دیتی ہے سونا اگلتی ہوئی زمینوں' چاند جیسے شفاف دریاؤں' سرسبز و شاداب مرغزاروں' معدنی وسائل اور قدرتی نظاروں سے مالا مال پہاڑی سلسلے اپنے زیر تسلط لانے کی آرزو جب جنون کی حد تک جا پہنچتی ہے تو اعتدال اور توازن کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ ہوس زر اسے اندھا کر دیتی ہے اور وہ انسانیت کا بے دریغ خون بہانے پر ذرا بھی ندامت محسوس نہیں کرتا۔ اس ساری سنگدلی' شقاوت قلبی اور بے رحمی کا سبب انسانی نفس کی خواہشات ہیں' قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ط	(اے رسول آپ ان کفار کے متعلق
(الفرقان' ۲۵: ۴۳)	غمگین نہ ہوں) کیا آپ نے اس شخص کو

دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا
لیا۔

ہم نے واقعی اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ معبود حقیقی کو بھلا کر دن رات خواہشات کے اس خود ساختہ معبود کی پرستش میں مصروف رہتے ہیں' خوف خدا کو قصہ پارینہ سمجھ کر ہم نے اسے طاق نسیاں پر سجا رکھا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم اپنے مفادات کے قیدی بن کر اپنے نفس کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں تو خوف خدا ہمارے دل سے نکل جاتا ہے اور دل کی تختی حرف معتبر کے نقش و نگار سے مرصع نہیں رہتی' خوف خدا مٹ جائے تو انسان کی خواہشات بے لگام ہو جاتی ہیں اور وہ خونخواری پر اتر آتا ہے۔ قتل و غارتگری اس کا روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔ انسانی خون کی بارش میں بھی اس کی انا تسکین نہیں ہو پاتی۔ بے گناہ انسانوں کا قتل عام بھی اس کے غیظ و غضب کی آگ کو سرد نہیں کر پاتا' ظلم و بربریت کو ایک ہی چیز روکتی ہے اور وہ ہے خوف خدا' جب خوف خدا ہی دل سے نکل جائے تو پھر اخلاقی قدروں کی وقعت ہی باقی کیا رہ جاتی ہے۔

جنگ کے محرکات (Motives Behind Warfare)

جنگ کے اسباب اور محرکات کا ہم اجمالاً تذکرہ پہلے بھی کر چکے ہیں' ہم نے جنگ کے ظاہری اسباب اور باطنی اسباب کا تجزیاتی مطالعہ کیا اور اس نتیجے میں پہنچے کہ انسانی خواہشات کے سمندر کا کوئی کنارا نہیں' انسان اپنے مفادات کا اسیر ہے اور وہ اپنے مذموم اور گھناؤنے عزائم کی تکمیل کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے اور سب کچھ کرتا ہے' کوئی ضابطہ یا اصول اس کی بے لگام خواہشات کا راستہ نہیں روک سکا۔ تاریخ انسانی کی بڑی جنگوں کا مطالعہ کیا جائے تو ظاہری اور فوری اسباب سے قطع نظر جنگ کے کچھ یکساں محرکات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آیئے ان محرکات کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ حرص و طمع (Greed And Covetousness)

حرص' طمع اور لالچ انسان کو اخلاقی پستی کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے اور

وہ شرف انسانی کے ہر تصور کو روند کر حرص، طمع اور لالچ کے تعاقب میں اتنی دور نکل جاتا ہے کہ اس کی واپسی کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور وہ صرف اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے' اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے۔ جھوٹ' دجل' فریب اور مکاری اسی لالچ کی پیداوار ہے۔ انسان اپنی جائز ضروریات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کی ضروریات شیطان کی آنت کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہیں وہ ظلم اور تعدی کا خوگر بن جاتا ہے۔ مال سے محبت اس کا دین قرار پاتا ہے' سیم و زر کی چمک کو وہ اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ یہ لوگ دولت سے فی نفسہ محبت کرتے ہیں یہی محبت مجرمانہ ذہنیت کو جنم دیتی ہے انسان اپنی ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دھوکے' فریب' بددیانتی اور غبن سے کام لیتا ہے' رشوت اس کے منہ کو لگ جاتی ہے' ناجائز منافع خوری' ذخیرہ اندوزی' چور بازاری اور سٹہ بازی اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ یہ برائی پھیل کر پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے' معاشرے کا امن وسکون تباہ ہو جاتا ہے' پوری دنیا کو کساد بازاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے' ہر برائی نچلی سطح سے جب اوپر کی سطح پر آتی ہے تو حکومتیں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں ایک دوسرے کے وسائل پر قبضہ جمانے کے لئے انسانی جانوں کی بھینٹ دی جاتی ہے اور پوری دنیا کا امن تباہ ہو جاتا ہے۔ معاشی اور سماجی زندگی تلپٹ ہو کر رہ جاتی ہے یہ سب اس لئے ہے کہ انسان نے قناعت پسندی چھوڑ دی ہے' سادہ زندگی کو اس نے ترک کر دیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کبھی بھوک کے مارے ہوئے انسانوں نے فتنہ و فساد کی آگ نہیں بھڑکائی' کبھی افلاس زدہ لوگوں نے جنگ کے شعلوں کو ہوا نہیں دی۔ جنگ کے شعلوں کو ہوا دینے والے یہی مراعات یافتہ لوگ ہوتے ہیں جو عوامی وسائل پر قابض ہو کر ترقی کے راستے عام انسانوں پر بند کر دیتے ہیں۔ حرص' طمع اور لالچ انہی سرمایہ داروں کے من کی آگ ہے جو امن عالم کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن ان کی طلب کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا' حرص وہوا کے یہ بندے مفادات کے قیدی بن کر معاشرے کو بھی طمع اور لالچ کے جہنم میں دھکیل دیتے

ہیں' جنگ کے محرکات میں حرص' طمع اور لالچ کا عنصر بنیادی حیثیت کا حامل ہے' اس ابلیسی کردار کا سر کچلنے کے لئے قناعت پسندی کو افراد معاشرے کے کردار کا حصہ ہونا چاہئے۔ قناعت پسندی تصوف کے احیاء کے بغیر پیدا نہیں ہوتی اس لئے خانقاہی نظام کو بحال کر کے فرد کے باطن کا منظر نامہ روشنیوں سے تحریر کرنے کی جستجو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ حرص' طمع اور لالچ کا عفریت اسلامی معاشروں کی بھی ہر اخلاقی قدر کو نگل جائے گا۔

۲۔ خود غرضی (Selfishness)

خود غرضی اور خود فریبی شرف انسانی کی بحالی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے' انسان پر خود غرضی کا بھوت سوار ہو جائے تو وہ تمیز خیر و شر کے ہنر سے محروم ہو جاتا ہے خود غرضی کا مظاہرہ جب قومی سطح پر ہوتا ہے تو سیاسی ابتری اور اقتصادی بدحالی کے ایک تباہ کن دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جمہوری شعور سسک سسک کر مر جاتا ہے۔ خوشحالی کی آرزو خود غرضی کے اندھیروں میں کھو جاتی ہے اور معاشرہ افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے آج بڑی طاقتوں کی خود غرضی نے پوری دنیا کو جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے' خود غرضی جنگی جنون کو ہوا دیتی ہے اور جنگ میں ہر ضابطے اور اصول کا قتل عام ہوتا ہے' خود غرضی انسان کو خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے اور خود فریبی وہ خطرناک مرض ہے جو قوموں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے' خود فریبی اور خود غرضی انسان کو درندہ بنا دیتی ہے' وسیع تر انسانی ہمدردی کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں' وفاداریوں کو علاقوں اور رنگ و نسل کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا ہے اور یہ دائرہ اس حد تک تنگ کر دیا جاتا ہے کہ انسانیت کا دم گھٹ جاتا ہے اور وہ بلک بلک کر دم توڑ دیتا ہے' ابلیس کی سلطنت کی حدود یہیں سے شروع ہوتی ہیں' جنگ کے محرکات میں خود غرضی ایک ایسا محرک ہے جس سے نجات خوف خدا پیدا کئے بغیر ممکن نہیں اور خوف خدا صرف اور صرف تعلیمات اسلامی کے عملی نفاذ ہی سے ممکن ہے' اسلام کی آفاقی تعلیمات مسلمانوں

کے لئے ہی نہیں تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت کا وہ آخری پیغام ہے جو امن عالم کے دائمی قیام کا ضامن بن سکتا ہے۔

۳۔ ہوس اقتدار اور جاہ طلبی

(Hunger For Power And Desire Of Rank)

جنگ کے محرکات میں ہوس اقتدار اور جاہ طلبی جو لالچ، طمع، حرص، خود غرضی اور خود فریبی ہی کی مختلف شکلیں ہیں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، ہوس اقتدار اور شہرت طلبی بھی انسان کو اندھا کر دیتی ہیں اور وہ خود غرضی اور خود فریبی کے جنگلوں میں اتنا دور نکل جاتا ہے کہ وہ اپنے وجود کی پہچان بھی کھو دیتا ہے، ہوس اقتدار دو سطحوں پر اپنا کرشمہ دکھاتی ہے ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر، فرد یا جماعت پہلے اپنے ملک میں عوامی خواہشات کا گلہ گھونٹتی ہے، غنڈہ گردی اور روپے کے بل بوتے پر انتخابی مہم میں کامیابی حاصل کرتی ہے، پھر ہارس ٹریڈنگ کا مرحلہ آتا ہے۔ اسمبلیوں کے ارکان بھیڑ بکریوں کی طرح بکتے ہیں، آئین کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے، عدلیہ کی آزادی کو کچلنے کے لئے شرمناک اقدامات کئے جاتے ہیں، فوج کی کردار کشی کے لئے دشمنان وطن سے بھی سازباز کر لی جاتی ہے۔ جب ملک کا سیاسی اقتدار ہاتھ میں آجاتا ہے، تو لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جاتا ہے قومی وسائل کو پارٹی کے کارکنوں پر لٹایا جاتا ہے اور یوں جمہوریت (Democracy) کے نام پر پارٹی کی آمریت (Dictatorship) مسلط ہو جاتی ہے، ہوس اقتدار اور جاہ طلبی کا یہ عفریت پھنکارتا ہے اور عالمی سطح پر چھوٹی قوموں کا اقتدار اعلیٰ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اقتدار کے حصار میں دوسری قوموں کو بھی شامل کرنے کی خواہش جنگ کے شعلوں کو ہوا دیتی ہے اور طاقت کے نشے میں بدمست بڑی قومیں چھوٹی قوموں پر چڑھ دوڑتی ہیں۔ اقوام متحدہ جیسے اداروں کو اپنا آلہ کار بنا کر من مانے فیصلے صادر کروائے جاتے ہیں۔ یہ عالمی غنڈے دنیا بھر میں انسانوں کا ہی نہیں انسانیت کا بھی قتل عام کر رہے ہیں، عالمی سامراجی طاقتیں

(World Imperial Powers) بظاہر امن عالم کا پرچم بلند کرتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین پر امن قائم کرنا یا انسانیت کی فلاح و بہبود سرے سے ان کے مقاصد میں شامل ہی نہیں' کشتوں کے پشتے لگانے والوں کے پیٹ میں انسانی ہمدردی کا درد کیوں اٹھنے لگا۔ جدید اور قدیم جنگوں کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہوس اقتدار کے ساتھ جاہ طلبی بھی فاتحین عالم کو دوسری اقوام کو غلام بنانے پر اکساتی رہی ہے۔ فرعون بننے کی خواہش ذہن انسانی سے محو نہیں ہو سکی۔ یہ خواہش آج بھی اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں پرورش پا رہی ہے بلکہ ہر دور میں پرورش پاتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی کا ہر دور جنگ کی تباہ کاریوں کا فسانہ کہہ رہا ہے! آج کے انسان کو مہذب معاشرے کا فرد ہونے کا زعم ہے لیکن اس کی سرشت نہیں بدلی' ہوس اقتدار' اور جاہ طلبی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے البتہ اس نے اپنے سیاہ کارناموں پر پردہ ڈالنے کے لئے خوبصورت اور دلکش اصطلاحات کا ایک نظام وضع کر رکھا ہے جس سے وہ دوسروں کی آنکھ میں دھول جھونکنے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ مثلاً بنیاد پرستی (Fundamentalism) کی اصطلاح کا سہارا لے کر وہ دوسروں پر آسانی سے دہشت گردی (Terrorism) کا الزام لگا سکتا ہے اور پھر اس الزام کو جرم ثابت کر کے اقوام متحدہ کی چھتری تھام کر وہ غریب اقوام پر حملہ کر سکتا ہے ان کی آزادی چھین سکتا ہے ان کے وسائل پر قبضہ کر کے اپنی گرتی ہوئی معیشت کو سنبھالا دے سکتا ہے۔ جمہوریت (Democracy) اور انسانی حقوق (Human Rights) کے نام پر آج کا نام نہاد مہذب انسان نظریاتی تشخص کی حامل مگر غریب اقوام کے خلاف جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ سرد جنگ گرم جنگ میں تبدیل ہو کر ان جارح اقوام کے لئے نئی تجارتی شاہراہیں کھول دیتی ہے۔

۴۔ غرور و تکبر (Pride And Arrogance)

طاقت کا نشہ انسان کو غرور و تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے' اسکی اکڑی ہوئی گردن مزید اکڑ جاتی ہے' اختیارات کا بے محابا استعمال اسے فرعونیت کی مسند سے اترنے نہیں

دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں سے اعلیٰ اور ارفع تصور کرنے لگتا ہے اس کے ذہن میں فتور پیدا ہوتا ہے اور وہ خدا ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ایک معمولی سا مچھر بھی اس کے غرور و تکبر کے محل کو چشم زدن میں زمین بوس کر دیتا ہے اور اس کی خدائی دھری کی دھری رہ جاتی ہے' غرور و تکبر کا ایک منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنی رائے کو دوسروں کی رائے پر مقدم سمجھنے لگتا ہے' دوسروں کی تذلیل کر کے وہ یک گونہ لذت محسوس کرتا ہے یہی جذبہ قومی اور اجتماعی سطح پر ظہور پذیر ہو کر امن عامہ کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنا' مسند اقتدار پر براجمان انسان کا معمول بن جاتا ہے' مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے لئے ان کا قتل جائز ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے' تاریخ کے اوراق بادشاہوں کے غرور و تکبر کی بنا پر لڑی جانے والی جنگوں میں بہنے والے خون سے سرخ ہیں' عرب قبائل کی بعض لڑائیاں قبائلی فخر کے اظہار کے باعث ہوئیں' عصر جدید میں بھی جنگیں سپرپاورز کے گھمنڈ کا شاخسانہ ہوتی ہیں' پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے محرکات میں قوموں کے غرور و تکبر نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ ہٹلر نے جرمنوں کو برتری کا جو احساس دیا وہ احساس کتنے ہی بے گناہ لوگوں کی جان لے چکا ہے' وہ احساس ذہن انسانی میں آج بھی زندہ ہے اور نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) کے ذریعہ اس احساس کو زندہ رکھنے کی ایک شعوری کوشش کی گئی ہے' نیو ورلڈ آرڈر کے پس پردہ یہودی ذہن کام کر رہا ہے اور کون نہیں جانتا کہ یہودی صدیوں سے اپنی جس عالمی حکومت کا خواب دیکھ رہے ہیں اس خواب کی عملی تعبیر سامنے لانے کے لئے نیو ورلڈ آرڈر نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ جنگ کے محرکات میں غرور و تکبر اور عسکری قوت کے گھمنڈ نے ماضی اور حال میں انسانیت کو جنگ کے شعلوں کے سپرد کیا ہے اور نئی نسلوں کا مستقبل بھی انہی شعلوں کی لپیٹ میں ہے' یہ آگ اس وقت تک نہیں بجھ سکتی جب تک عالمی سپرپاورز بھی اپنے تمام ایٹمی ہتھیاروں کو تباہ کر کے ایٹمی توانائی کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال نہیں کرتیں غریب اور ترقی پذیر اقوام پر تو زور دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے ایٹمی پروگرام کو کیپ کر دیں لیکن خود یہ طاقتیں اپنے ایٹمی پروگرام سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں یہ

طاقتور قومیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت آگے ہیں غرور و تکبر میں مبتلا ہیں اور عالمی سطح پر ایک ایسا نظام مسلط کرنا چاہتی ہیں کہ کوئی ترقی پذیر قوم سر اٹھا کر چلنے کی جرات نہ کر سکے۔ جو قوم سر اٹھا کر چلنے کی جرات رندانہ کا مظاہرہ کرتی ہے اس پر جنگ مسلط کر دی جاتی ہے اور اس کی مکمل تباہی تک یہ جنگ جاری رہتی ہے۔

۵۔ انتقامی کاروائی (Revengefulness)

انسان انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی مخالفین سے انتقام اور معاصرین سے حسد کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ وہ مرض ہے کہ کتاب تہذیب کے کسی مصنف کے پاس، کسی طبیب اور کسی چارہ گر کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں، انسان کے اس مرض کہن کا چارہ اگر کسی کے پاس ہے تو وہ اس طبیب اعظم ﷺ کے پاس ہے

جن کی آفاقی تعلیمات انسان کے ذہنی اور جسمانی امراض کا شافی علاج تجویز کرتی ہے اصل میں جب انسان حسد اور انتقام کی آگ میں جلنے لگے تو اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، قوت برداشت جواب دے جاتی ہے، اعصاب شل ہو جاتے ہیں اور وہ اس ذہنی اور اعصابی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے خون آشامی پر اتر آتا ہے، ایک درندے کا روپ دھار لیتا ہے، شیطان کی روح اس کے اندر حلول کر جاتی ہے اور وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے جس کی کوئی مذہب اجازت نہیں دیتا، دشمن کی بیٹی کے سر کی چادر چھین لی جاتی ہے، بچوں کو نیزوں پر اچھالا جاتا ہے، مفتوح شہروں کی گلیاں اور بازار مقتل بن جاتے ہیں، دریاؤں کا پانی سرخ ہو جاتا ہے، شاداب کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں، زندگی کے حسن سے آباد بستیاں تباہی و بربادی کا منظر پیش کرنے لگتی ہیں۔ املاک کو نذر آتش کر دیا جاتا ہے لیکن انتقام اور حسد کی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہیں ہوتی، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا ہے، دشمن قبیلے کی ہر چیز برباد کر دی جاتی ہے، یہ انتقامی سلسلہ کئی پشتوں تک چلتا ہے، مقتولین کی نعشیں مسخ کی جاتی ہیں، ان پر گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں، لاشوں کا مثلہ کر کے اپنی انا کو تسکین دی جاتی

ہے لیکن یہ آگ پھر بھی بجھنے نہیں پاتی۔ یہود و ہنود و نصاری انتقام کی آگ میں جل رہے ہیں' ہر محاذ پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں کیوں؟ اس لئے کہ انتقام کی آگ مسلسل بھڑک رہی ہے' یہ آگ صرف محاذ جنگ پر ہی نہیں بھڑک رہی بلکہ ثقافتی' تعلیمی' سیاسی اور اقتصادی محاذوں کو بھی یہ آگ اپنی لپیٹ میں لے چلی ہے' جب ہم جنگ کے محرکات کا جائزہ لیتے ہیں تو انتقام کا یہ جذبہ ہمیں ہر سطح پر کار فرما نظر آتا ہے۔

جنگ کے متعلق ماہرین کی آراء

مختلف اقوام اور مذاہب میں تصور جنگ سے مفصل بحث کرنے اور جنگ کے محرکات کا جائزہ لینے کے بعد اب بعض ماہرین جنگ کی آراء درج کی جا رہی ہیں تاکہ جنگ کے عجمی تصور کے نقوش مزید اجاگر ہو سکیں اور اسلام کے تصور جہاد پر پڑی شکوک و شبہات کی گرد چھٹ سکے۔

۱۔ جنرل الفریڈ

جنرل الفریڈ ایچ برن نے اپنی کتاب "The Art Of War On Land" میں لکھا ہے۔

"جنگ لڑنے کے آٹھ بنیادی اصول ہیں' یہ اصول آج بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے زمانہ قدیم میں تھے"

ایک دوسرے مقام پر جنرل موصوف نے ایک اچھی فوج کے اخلاقی محاسن میں درج ذیل اوصاف بھی شامل کئے ہیں۔

۱) شجاعت و بہادری
۲) عزم اور حوصلہ
۳) بے نفسی اور بے نیازی
۴) خود اعتمادی

۵) ایثار

۶) محنت اور جفاکشی

۷) اطاعت کیشی

۸) نظم وضبط

۹) عدل وانصاف

۱۰) اخوت ومحبت

۱۱) ہمدردی اور مساوات

۱۲) پاکیزہ سوچ

۱۳) اتحاد واتفاق

۱۴) غیر متزلزل یقین

۲۔ نپولین بوناپارٹ

نپولین بوناپارٹ کا مقولہ ہے۔ "اخلاقی قوت جسمانی قوت سے تین گنا زیادہ طاقتور ہوتی ہے"

۳۔ جنرل فرانس

جنرل فرانس اپنی کتاب Pattern Of War میں رقمطراز ہیں۔

"روایتی طریق جنگ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اسے نہ صرف یورپ کی اٹھارویں صدی کی متحرک جنگوں میں دیکھا جا سکتا ہے بلکہ یہ اس سے بھی پہلے ہنی بال اور اس سے بھی قبل کے زمانے میں نظر آتا ہے یہ حقیقت جنگ کے طریقہ کار کی یکسانیت پر روشنی ڈالتی ہے جو جنگوں کے ارتقاء میں پائی جاتی ہے۔

۴۔ کلازوٹز

کلازوٹز نے اپنی کتاب "اصول جنگ" میں جنگ کا یہ اہم اصول بیان کیا

ہے۔

"ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ دشمن کے اصولی کالم کو تباہ کر دیا جائے، کسی بڑے اور فیصلہ کن مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پوری قوت اور عزم صمیم کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا سارا زور لگا دینا چاہئے۔"

۵۔ جنرل سنسنزو

قدیم چینی سپہ سالار جنرل سنسنزو کا مقولہ ہے۔

"دشمن کی شکست ہمارے اقدام کی صلاحیت میں مضمر ہے"

ایک بار انہوں نے کہا تھا۔

"دشمن کو قبل از وقت اس مقام سے آگاہ نہ ہونے دیا جائے جہاں آپ اس سے لڑنا چاہتے ہیں اس طرح وہ اپنی فوج کو منتشر رکھنے پر مجبور ہوتا ہے یوں دشمن اپنی قوت کو مرتکز نہ کر سکے گا۔ اپنے سپاہیوں کو ایسے مقام پر لے جایئے جہاں سے واپسی کا راستہ نہ ہو اس طرح سے وہ بے جگری سے لڑیں گے۔"

وہ مزید کہتے ہیں۔

"دشمن کو گھیراؤ میں لینے کے بعد اپنی قوت اور وسائل کا جائزہ لیجئے اگر بس میں ہو تو اسے مکمل طور پر کچل ڈالئے ورنہ مجبور نہ کیجئے کہ وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دے بلکہ اسے ایک طرف نکل جانے کا موقعہ دیجئے۔"

۶۔ جنرل رابنسن

جنرل رابنسن کا قول ہے کہ

لڑائی میں تحفظ کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ اپنے ارادے کو دشمن پر مسلط کر دیں۔ (پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت از کیپٹن واحد بخش سیال)

باب-۹

بنیادی جنگی اصول

(Basic Principles Of War)

اگرچہ عملی طور پر جنگ کے ایام میں کسی ضابطے یا اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جینوا کے کسی معاہدے، اقوام متحدہ کے کسی چارٹرڈ کی پروا نہیں کی جاتی، سلامتی کونسل کی کسی قرارداد کا احترام نہیں کیا جاتا، امن کے قیام کی کسی اپیل کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا، طاقتور قومیں جیسا چاہتی ہیں ویسا کرتی ہیں اپنے مفادات کا تحفظ انہیں سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے، عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی وحشیانہ بمباری سے شہری آبادیوں پر قیامت گزر گئی، بچوں کی پناہ گاہوں میں آگ برسائی گئی اور انہیں زندہ جلا دیا گیا، فلسطین میں صیہونیت نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے وہ ایک الگ داستان ہے، بوسنیا میں نسل کشی کے ساتھ نسل کشی کا جو ڈرامہ رچایا گیا اور مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اجتماعی قبریں اس ظلم و بربریت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، چیچنیا میں روس نے جس طرح مسلمانوں کے جذبہ آزادی کو کچلا اور چیچن جانبازوں پر آگ برسائی۔ ماضی قریب میں اس کی مثال دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ہی میں ملتی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی استعمار کی وحشیانہ کاروائیوں اور دختران کشمیر کی اجتماعی بے حرمتی کے واقعات رونما ہوئے لیکن امن عالم کے ٹھیکیداروں کا بنایا ہوا کوئی قانون، کوئی ضابطہ یا کوئی اصول حرکت میں نہیں آیا، ضمیر عالم پر کوئی صدائے احتجاج تازیانہ بن کر نہ گر سکی۔ پوری دنیا مسلمانوں کا خون پیتے ہوئے دیکھ رہی ہے لیکن کسی کے سینے میں انسانی ہمدردیوں کا درد نہیں اٹھتا، بنیادی جنگی اصول کاغذ پر خوشنما تاثر دیتے ہوں گے لیکن عملی طور پر وہ ہمیں نظر نہیں آتے کیونکہ جنگل کے قانون کو اگر سکہ رائج الوقت قرار دے دیا جائے تو پھر تمام ضابطے اور اصول ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں، تاہم ماہرین جنگ نے صدیوں کی جنگی تاریخ پر غور و فکر کرنے کے بعد جنگ کے چند ایک اصول وضع کیے ہیں، ان ضوابط کی تعداد آٹھ ہے دعوی کیا جاتا ہے کہ یہ اصول اس قدر مسلم ہیں توانا اور جاندار ہیں کہ کوئی ان میں کمی بیشی نہیں کر سکتا، انسانی فطرت کی طرح ان میں بھی تبدیلی ممکن نہیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

کسی مروجہ دنیاوی تربیت کے بغیر یہ سارے ضوابط کفار کے ساتھ جنگوں میں آزمائے' یہ اصول حضور ﷺ کے نقوش پا کی خیرات ہیں اس معلم اعظم ﷺ کے فرمودات کی خوشہ چینی ہے جس کا ہر لفظ حکم خداوندی کا درجہ رکھتا ہے' وہ اصول اور ضابطے یہ ہیں۔

۱۔ حفظ ماتقدم (Principal Of Security)

۲۔ مقصد پر نظر (Maintenance of The Objective)

۳۔ حرکت پذیری یا تیز رفتاری (Mobility)

۴۔ تعاون اور امداد باہمی (Co-Operation)

۵۔ جارحانہ اقدام (Offensive Action)

۶۔ ارتکاز توجہ اور اجتماعی حملہ (Concentration)

۷۔ اچانک حملہ (Surprise)

۸۔ طاقت کے استعمال میں کفایت (Economy of Force)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا ضابطے بنیادی اصول ہیں جو غیر متبدل ہوتے ہیں' جب کہ موقعہ کی مناسبت سے جنگ کے طریقے (Methods of War) بدلتے رہتے ہیں' دنیا کا ہر بڑا فوجی جرنیل ان اصولوں پر کاربند رہا ہے لیکن حکمت عملی ہر سپہ سالار کی جدا رہی ہے۔

طلوع اسلام سے قبل جزیرۃ العرب کا جنگی منظرنامہ

جزیرہ نمائے عرب قبائلی عصبیت کی آگ میں جل رہا تھا' یہ قبائل فطرتاً جنگجو تھے' قتل و غارتگری' خون ریزی اور لوٹ مار ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی' جب قبائل کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکتی تو یہ آگ صدیوں پر محیط ہو جاتی' ذرا ذرا سی بات پر تلواریں بے نیام ہو جاتیں' عربوں کی شقاوت قلبی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی'

سنگ دلی' انتقام جوئی' کینہ پروری' درندگی' وحشت اور بربریت کو شیوہ حیات ٹھہرالیا گیا تھا۔ آتش انتقام تھی کہ بجھنے کا نام نہ لیتی تھی' دشمنیاں نسل در نسل چلتیں' بعض اوقات تو فخر و مباہات کے اظہار کے لئے اولاد آدم کا خون بہانے سے دریغ نہ کیا جاتا' منظر نامہ دختر حوا کی چیخوں سے معمور تھا۔ پیش منظر میں خون ہی خون بکھرا ہوا نظر آتا تھا۔ انسانیت سسک رہی تھی۔

عربوں کی توہم پرستی ضرب المثل بن چکی تھی' اگر کوئی شخص بستر پر جان دیتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ اس کی روح ناک سے نکلی ہے اور اگر کوئی شخص میدان جنگ میں مارا جاتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ شخص بہادر تھا کہ اس نے دشمن سے لڑتے ہوئے جان دی' عربوں کا عقیدہ تھا کہ ایسے شخص کی روح اس کی ناک کی بجائے اس کے زخموں سے نکلتی ہے ناک سے روح کے نکلنے کو بہت سخت عار اور ذلت و رسوائی کا باعث سمجھا جاتا جبکہ زخموں سے روح کے نکلنے کو فخر اور غرور کا باعث گردانا جاتا' اہل عرب اس بات پر فخر کرتے کہ ہمارے کسی جوان کی روح ناک سے نہیں نکلی۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وما مات منا سید حتف انفہ
ولا طلہ منا حیث کان قتیل

"ہم میں سے کوئی سردار اپنی ناک کی موت نہیں مرا اور جب ہمارا کوئی آدمی مارا گیا تو اس کا خون کبھی رائیگاں نہ گیا" اور جنگ خواہ کیسی ہو اس سے جی چرانا اور اجتناب سے کام لینا بزدلی اور ناکامی و نامرادی سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ عرب ہمہ وقت جنگ کے لئے تیار رہتے تھے اور جونہی انہیں پکارا جاتا وہ بے تابہ میدان جنگ میں کود پڑتے اگر کوئی شخص ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا یا تساہل سے کام لیتا تو اس کے اس عمل کو بزدلی پر محمول کیا جاتا۔ ایک شعر ہے۔

لا یسالون اخاھم حین یندبھم
فی النائبات علی ما قال برھانا

"(بنو مازن کا حال یہ ہے) کہ جب ان کا بھائی حوادث و مصائب میں ان کو مدد کے لئے پکارتا ہے تو وہ اس کے قول کی کوئی دلیل (اور وجہ) پوچھے بغیر جنگ میں کود پڑتے ہیں"۔

لکن قومی و ان کانوا ذوی عدو
لیسوا من الشر فی شئی و ان ھانا

"مگر میری قوم کثیر التعداد ہونے کے باوجود ایسی ہے کہ جنگ سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتی خواہ وہ معمولی سی جنگ ہو"۔

فلیث لی بھم قوما اذا رکبوا
شدو الا غار ۃ فرسانا و رکبانا

"کاش اس کی بجائے مجھے ایسی قوم ملتی جو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر خوب غارتگری کرتی"۔

عربوں کے جنگی محرکات

قبل از اسلام عربوں کی تاریخ دلچسپ بھی ہے اور عبرتناک بھی' ان قبائلی جنگوں کے محرکات کو ہم درج ذیل عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ مال غنیمت کا حصول' لوٹ مار
۲۔ اظہار تفاخر' نسلی عصبیت
۳۔ جذبہ انتقام

۱۔ مال غنیمت کا حصول

عربوں کا تصور جنگ بھی عجیب و غریب تھا' لوٹ مار' قتل و غارتگری کو معمول کی زندگی کا حصہ سمجھا جاتا' مال غنیمت کے لئے میدان جنگ میں اترنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے' ہتھیار باندھ کر جب گھر سے چلتے تو ان کے سینے میں یہ خواہش مچل رہی ہوتی کہ وہ کس طرح زیادہ سے زیادہ مال غنیمت سمیٹنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں' کس

تجارتی قافلے پر شب خون ماریں گے کہ ان کے وارے نیارے ہو جائیں' عربوں میں ایک بات مشہور تھی کہ تجارت سے حاصل کیا ہوا مال کمتر درجے کا ہوتا ہے' یہ ذریعہ آمدن وقار اور تمکنت کا آئینہ دار نہیں بلکہ ذلت و رسوائی کا باعث بنتا ہے اصل مال وہی ہے جو مرد میدان کو میدان جنگ میں حاصل ہوتا ہے دشمن کا لوٹا ہوا مال باعث عزت ہے۔ ایک شاعر اپنے شوق مال غنیمت کا اظہار کچھ یوں کرتا ہے۔

فلئن بقیت لا رحلن بغزوہ
تحوی الغنائم او یموت کریم

" اگر میں زندہ رہا تو ایک ایسی جنگ پر جاؤں گا جس میں خوب مال غنیمت سمیٹا جائے یا (نہیں تو پھر) ایک شریف آدمی کٹ کر جان دے دے۔"

۲۔ اظہار تفاخر

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قبائلی عصبیت اور نسلی تفاخر کا جذبہ عربوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا مال غنیمت کے حصول کے بعد جنگ کا دوسرا محرک اظہار تفاخر تھا۔ اہل عرب ایک دوسرے پر اپنی بہادری اور شجاعت کی دھاک بٹھانے کے لئے بلا وجہ میدان جنگ میں مسلح ہو کر اتر آتے' قیس بن ثعلبہ کہتا ہے۔

بیض مفارقنا تغلی مراجلنا
ناسوا باموالنا اثار ایدنیا

" ہمارے سر سفید ہیں اور ہماری رگیں جوش کھاتی ہیں ہم اپنے ہاتھوں کے پہنچائے ہوئے زخموں کا مداوا اپنے مال سے کرتے ہیں۔"

زخموں کا مداوا مال سے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم کسی کو قتل کر دیں تو اس کے قبیلے کو ہم سے انتقام لینے کی جرات نہیں ہوتی اور انہیں مجبوراً اپنے مقتول کی جان کے بدلے میں خون بہا قبول کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ جذبہ انتقام

انتقام در انتقام کا سلسلہ صدیوں تک چلتا' جذبہ انتقام عربوں کے قلب و روح

میں اس حد تک راسخ ہو چکا تھا کہ جب تک وہ اپنے انتقام کی آگ بجھا نہیں لیتے تھے چین سے نہیں بیٹھتے تھے دشمن سے دیوانہ وار جنگ جاری رکھتے' عربوں میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ جس مقتول کا انتقام لیا جاتا ہے وہ زندہ رہتا ہے اور جس کے قبیلے والے اس کا انتقام لینے سے قاصر رہتے ہیں وہ مقتول بے جان ہو جاتا ہے۔ عربوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جب تک کسی مقتول کا بدلہ نہیں لے لیا جاتا اس وقت تک مقتول کی قبر میں اندھیرا رہتا ہے چنانچہ انتقام لینا عربوں کے نزدیک نہ صرف عزت اور وقار کا سوال ہوتا بلکہ وہ اسے اپنا فرض عین بھی سمجھتے تھے۔

هيم الى الموت اذا خيروا
بين تباعات و تقتال

"وہ موت کے مشتاق ہوتے ہیں جب ان کو خون بہا لینے اور لڑنے کے درمیان کا اختیار دے دیا جاتا ہے"۔ بنو خزاعہ کا ایک شاعر اپنے قبیلے کے سینوں میں لگی آگ کو مزید بھڑکاتا ہے۔

ولا تطمعن ما يعلفونك انهم
اتوك على قرباهم بالمثل

"جو کچھ وہ تجھے دیتے ہیں اس کا خیال بھی نہ کر کیونکہ وہ باوجود قربت کے تیرے پاس زہر ہلاہل لائے ہیں"۔

باب-۱۰

اسلام کا تصورِ جنگ

اسلام کے تصور جنگ کے حوالے سے تفصیلی بحث ہو چکی ہے اسلام کا تصور جنگ عربوں کے تصور جنگ سے مختلف ہے اسلام محض انتقام کی آگ بجھانے یا اظہار تفاخر کے لئے اخلاقی قدروں کو پامال کرنے اور جنگ چھیڑنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اخلاقی قدروں کی پاسداری پر زور دیتا ہے اسلام نے میدان جنگ میں بھی جب گھمسان کا رن پڑا ہو، قتل ناحق کو روا نہیں رکھا کیونکہ اسلام جنگ برائے جنگ کے نظریے کا قائل نہیں، اسلام تلواروں کو بے نیام کرنے کا حکم اسی وقت دیتا ہے جب ظلم و ستم کا بازار گرم ہو فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جال بنے جا رہے ہوں، اس ظلم کو ختم کرنے کے لئے فتنہ و فساد کے قلع قمع کے لئے، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی بیخ کنی کے لئے، اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے تاکہ اللہ کی زمین پر اس کے حکم کے مطابق عدل قائم ہو اور اولاد آدم امن اور سلامتی کی فضا میں زندگی بسر کر سکے، حدیث پاک میں ہے۔

عن ابن عمر ان امراۃ وجدت فی بعض مغازی رسول اللہ ﷺ مقتولۃ فانکر رسول اللہ ﷺ ذالک و نھی عن قتل النساء والصبیان (الجامع الترمذی، ۱:۲۸۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کسی غزوہ میں ایک مقتولہ عورت ملی حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا۔

تاجدار کائنات ﷺ نے بچوں اور بوڑھوں کے قتل کی ممانعت فرمائی۔

لاتقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امراۃ (سنن ابی داؤد، ۲:۱۰)

کسی بہت بوڑھے، شیر خوار بچے، نابالغ اور عورت کو قتل نہ کرنا۔

روایات میں مذکور ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو ناراض ہوئے، فرمایا

ما کانت ھذہ لتقاتل

یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی۔

پھر اسلامی افواج کے سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ

لا تقتلن امراۃ ولا عسیفا عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔

(ابو داؤد' ۲:۶)

فتح مکہ کے وقت تاجدار کائنات ﷺ نے عفو و درگزر سے کام لے کر جس نظریہ جنگ کی عملی تفسیر پیش کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے' حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے' جو شخص جان بچا کر بھاگ رہا ہو اس کا تعاقب نہ کیا جائے اور جو اپنا دروازہ بند کرلے اسے امان دی جائے۔

قال رسول اللہ یوم فتح مکہ لا تجھزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر ومن اغلق بابہ فھو امن (فتوح البلدان: ۵۳)

حضور نبی اکرم ﷺ نے یوم فتح کے موقع پر فرمایا کہ زخمی پر حملہ نہ کرو' جان بچا کر بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرو اور اسیر کو قتل نہ کرو اور جو اپنا دروازہ بند کر دے پس وہ امن والا ہے۔

انسان کے بنائے ہوئے قوانین جنگ کی مسلسل ناکامی

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس کرہ ارض پر لڑی جانے والی اکثر و بیشتر جنگوں میں نہ کسی ضابطے کا خیال رکھا جاتا اور نہ کسی اصول کی پاسداری کا خیال ذہن انسانی میں آتا' بلکہ سرے سے اقوام عالم میں ایسا کوئی تصور ہی موجود نہ تھا' بلکہ جنگوں میں جنگل کا قانون عملاً نافذ ہوتا' اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ اسلام نے جنگ کے بھی کچھ ضابطے مقرر کئے' کچھ اصول بنائے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اسلام نے ہر مرحلہ اور ہر سطح پر جنگ برائے جنگ کی تکذیب کی۔ اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کے لئے جب جنگ ناگزیر ہو جائے تو پھر بھی تلوار اٹھانے والے کو کھلی چھٹی نہیں مل جاتی بلکہ حدود میں رہ کر فتنہ و فساد اور ظلم و جبر کے خاتمے کے لئے طاقت استعمال کی جاتی ہے' یہیں سے جنگوں میں ضابطہ اخلاق کی پابندی کا شعور پیدا ہوا اور نام نہاد مہذب معاشروں کے

افراد نے بھی جنگ کے قوانین بنائے اور ضابطے مقرر کئے' یہ قوانین اور پابندی کا شعور اور ضابطے بھی مدینے کے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور ہدایات کا ہی پر تو ہیں' اسلام کی روح خیر کے ہر کام میں کار فرما نظر آتی ہے بدقسمتی سے انسان اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی بار بار خلاف ورزی کرتا رہا ہے انسان کے بنائے ہوئے قوانین جنگ کی مسلسل ناکامی کا باعث وہ فتور ہے جو طاقت کے گھمنڈ میں انسانی ذہن میں جنم لیتا ہے اپنے مفادات کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کی ترغیب دیتا ہے' انسان نے ان جنگی قوانین کی خلاف ورزی ہی نہیں کی بلکہ ان کی شکل و صورت مسخ کر کے ان کی ہیئت تک بدل ڈالی ہے' امن و امان قائم کرنے جنگ کو روکنے کے لئے یا دوران جنگ انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے بنائے جانے والے قوانین اپنے مقاصد کے حصول میں کیوں ناکام رہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔

۱۔ عمل درآمد کے لئے باہمی رضامندی

کاغذ پر ضابطے اور اصول ہمیشہ خوشنما دکھائی دیتے ہیں سو آج کے انسان نے بھی جو ضابطے اور اصول وضع کئے ان کی دلکشی کا ایک زمانہ معترف ہے لیکن عملی طور پر وہ کہاں تک مطلوبہ نتائج پیدا کر سکے' اس کا جواب شاید کسی کے پاس نہیں' اصول اور ضابطے تو بنا لئے گئے لیکن ان کے اطلاق کی ذمہ داری کسی نے بھی قبول نہ کی کیونکہ مختلف ممالک خصوصاً بڑی طاقتوں کے مفادات تیسری دنیا کے غریب عوام کے مفادات سے مختلف بلکہ متصادم تھے' یہ قوانین اس وقت نتیجہ خیزی کی ضمانت دے سکتے ہیں جب مختلف ممالک باہمی رضامندی سے مذکورہ قوانین پر خلوص اور دیانت داری سے عمل پیرا ہوں۔ لیکن مختلف ممالک کے نقطہ ہائے نظر میں اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل نظر آتی ہے اس خلیج کو پاٹنا شاید کسی کے بس کی بات نہیں' معاہدہ جات کی جس طرح خلاف ورزیاں ہوتی رہی ہیں اور طاقت کا بے محابہ استعمال ہوتا رہا ہے وہ اب کسی مزید تبصرے کا محتاج نہیں' صرف اتنا ہے کہ نظریات اور مفادات کے اس تصادم میں یہ

قوانین اپنی افادیت کھو چکے ہیں' طاقت ور فریق معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اپنی انا کو تسکین دیتا ہے ایک بار کی خلاف ورزی مسلسل خلاف ورزیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے' کیونکہ اس عمل کے پیچھے کوئی ایسا احساس اور داعیہ ہی نہیں جو فریقین کو معاہدہ کی پابندی پر قائم رکھ سکے لیکن مسلمان اس گئے گزرے دور میں بھی اسلامی قوانین کی پابندی اپنا مذہبی اور اخلاقی فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں اور دشمن کی مسلسل زیادتیوں کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور قانون شکنی پر نہیں اترتے۔

۲۔ اغراض و مقاصد کا عدم تعین

انسان کے بنائے ہوئے قوانین جنگ کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ ان میں جنگ کے اغراض و مقاصد کا ذکر نہیں کیا گیا کہ جنگ کا جواز کیا ہے' اس کا مقصد کیا ہے۔ کون سے مقاصد جائز ہیں اور کون سے ناجائز؟ کن حالات میں جنگ کی اجازت دی جا سکتی ہے اور کون سی صورتوں میں جنگ ممنوع ہو گی۔ کیا ہوس ملک گیری کو جنگ کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے؟ کیا کمزور اقوام کے اقتدار اعلیٰ سے کھیلنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ کیا قتل و غارتگری لوٹ مار اور کسی ملک کے توسیع پسندانہ عزائم اور اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی آمرانہ اور جارحانہ سوچ کو جوازیت کی سند جاری کی جا سکتی ہے؟ لیکن ان جنگی قوانین میں ان سوالات کا جواب نہیں دیا گیا اور خاموشی اختیار کی گئی ہے جواز اور عدم جواز کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا گویا انسان کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ جو جی میں آئے کرے کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا نہیں' وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں' کسی وجہ کے بغیر بھی اگر وہ کسی ملک پر حملہ کر دے تو مضائقہ نہیں۔ طاقتور کی مرضی ہے جب موڈ آیا تو کمزور کی گردن دبوچ لی جب جی چاہا امن عالم کو تباہ کر دیا جب تمنا دل میں مچلی طبل جنگ بجا دیا۔ یہ اعزاز صرف اور صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس نے جہاد کے واضح مقاصد متعین کئے' اس کے آداب اور ضابطے بنائے اور بلاوجہ خونریزی کو سنگین

جرم قرار دیا۔

۳۔ قوانین کی قانونی حیثیت

ان قوانین کی مسلسل ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان قوانین کی کوئی قانونی حیثیت ہی نہیں، ان قوانین کی خلاف ورزی پر کوئی تعزیری اقدام نہیں اٹھایا جا سکتا، قوت نافذہ کے بغیر زیادہ سے زیادہ ان قوانین کی حیثیت ایک ضابطہ اخلاق سی ہے۔ اور ضابطہ اخلاق کی پابندی کون کرتا ہے لہٰذا ان ضابطوں اور اصولوں اور قرار دادوں کو قانون کا درجہ دینا بھی محل نظر ہے۔ ان قوانین کی ناپائیداری کا یہ عالم ہے کہ بڑی طاقتیں جس طرح عمل کرتی ہیں ان کے جو مفادات ہوتے ہیں ان کے مطابق یہ قوانین بھی موم کی ناک کی طرح موڑے جاسکتے ہیں ان کی خود ساختہ اور من مانی تشریح کر کے ان قوانین کی اصل روح کو معدوم کر دیا جاتا ہے اس کے برعکس اسلامی قوانین حالات اور ضروریات کے تابع نہیں ہوتے یہ اصول اور ضابطے تاقیامت غیر متبدل ہیں کسی مسلمان فرد کو یا اسلامی حکومت کو ان بنیادی اصول وضوابط اور قوانین میں ترمیم یا انہیں منسوخ کرنے کا حق حاصل نہیں، اسلامی قوانین ہمہ گیر اور دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے ان قوانین کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے جنہیں کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی قوانین جنگ

جہاں تک اسلامی قوانین جنگ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں وہی امور بیان کئے جائیں گے جن پر قوانین جنگ کی بنیاد قائم ہے۔ جنگ کو ایک منظم ضابطہ کے تحت لانے کے سلسلہ میں سب سے پہلے اطاعت امام کا قانون جاری کیا گیا۔

۱۔ اطاعت امیر

اسلامی قانون میں جنگ کے تمام اعمال کی ذمہ داری اور امر ونہی کے تمام

اختیارات کا حامل امیر کو بنایا گیا ہے۔ اور اسلام کے قوانین جنگ میں اولین اور اہم ترین قاعدہ یہ ہے کہ کوئی معمولی جنگی کاروائی بھی امیر کی اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔

اسلام نے اطاعت امیر کو خود خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے برابر ضروری قرار دیا ہے اور امیر کی نافرمانی کو وہی درجہ دیا ہے جو رسول خدا ﷺ کی نافرمانی کا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

الغزو غزوان، فاما من ابتغی وجہ اللہ و اطاع الامام وانفق الکریمۃ ویاسر الشریک و اجتنب الفساد فان نومہ و نبھہ اجر کلہ و اما من غزا فخرا و ریاء و سمعۃ و عصی الامام و افسد فی الارض فانہ لم یرجع بالکفاف

(سنن ابی داؤد، ۱: ۳۴۸)

لڑائیاں دو قسم کی ہیں، جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا ذریعہ ہے اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت وناموری کے لئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا۔ (یعنی الٹا عذاب میں مبتلا ہو گا)

ایک دوسرے مقام پر حدیث پاک میں آتا ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصی اللہ و من اطاع الامام فقد اطاعنی و من عصی الامام فقد عصانی

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۰: ابواب الجہاد)

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے

گویا خود میری نافرمانی کی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اطاعت امیر پر اس قدر زور دیا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک حبشی غلام جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں حاکم بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔

ان امر علیکم عبد حبشی مجدع فاسمعوا لہ و اطیعوا ما قادکم بکتاب اللہ (سنن ابن ماجہ، ۲۱۱، ابواب الجہاد)

اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو بشرطیکہ وہ کتاب اللہ پر تمہیں عمل کرواتا ہو۔

دوران جنگ اگر اطاعت امیر کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو اس سے شکست وحزیمت کے ساتھ ساتھ جانی ومالی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے غزوہ احد میں جتنا بھی نقصان اٹھانا پڑا اس کی وجہ بھی امیر کی اطاعت نہ کرنا تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم یہ فرمایا تھا کہ سب اپنے اپنے مورچوں پر کھڑے رہیں لیکن جب جنگ ختم ہوئی اور صحابہ کرام مال غنیمت سمیٹنے لگے تو اس دوران بعض مورچوں پر متعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلط فہمی میں اپنے مورچوں کو خالی چھوڑ دیا کافروں نے موقع پاتے ہوئے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیا اور اتنا شدید حملہ کیا کہ اسلام کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی سب منتشر ہو گئے اسی اثنا اعلان کر دیا گیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ (نعوذ باللہ) شہید کر دیئے گئے ہیں اس خبر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے اور پست کر دیئے اور دائیں بائیں دوڑ پڑے نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے پیچھے سے آواز دی آج جو پلٹ کر جائے گا اس کو جنت کی امان دوں گا۔ آقائے دوجہاں ﷺ کا یہ فرمان آپ ﷺ کے سراپا رحمت ورافت ہونے پر دال تھا موقع کی نزاکت کو دیکھا جائے تو یہ بھی زبان سے فرما سکتے تھے کہ آج جو پلٹ کر نہیں آئے گا وہ دوزخ میں جائے گا مگر عین اس وقت بھی ایسا نہیں فرمایا سو صحابہؓ پلٹ کر واپس آ گئے اور اس دوران لڑتے لڑتے کئی صحابہؓ شہید ہو گئے۔ بہت نقصان ہوا اس کے بعد جم کر لڑے اپنی جان قربان کر

دی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ فتح ونصرت سے نوازا اب جسم چور چور تھے زخموں سے نڈھال تھے اسی حالت میں مدینہ واپس پہنچے ابھی نڈھال وچور جسموں کے ساتھ پہنچے ہی تھے کہ آقائے دوجہاں ﷺ کو خبر پہنچی کہ کافروں کا لشکر خاموشی سے دوبارہ حملہ کرنے کو آرہا ہے آپ ﷺ نے جونہی یہ خبر سنی تو اعلان کروادیا اور فرمایا کون ہے جو میرے ساتھ روانہ ہونے کو تیار ہے۔ جونہی کانوں میں یہ آواز پڑی تو صحابہ کرامؓ اپنے زخم بھول گئے جسم میں اٹھنے کی سکت نہ تھی مگر تلواریں اٹھا کر پھر آقا ﷺ کے ساتھ ہولیے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں اعلان جہاد ہوا اس وقت ایک جوان صحابیؓ کی شادی ہوئی تھی ابھی پہلی رات میاں بیوی کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی محو گفتگو تھے باہر سے آواز آئی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اعلان جہاد کردیا ہے لشکر تیار ہو رہا ہے جس نے اس جہاد میں شرکت کرنی ہے آجائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا پیغام ابھی سنایا جارہا تھا کہ دلہن کو چھوڑ کر پلنگ سے نیچے چھلانگ لگادی دلہن نے پوچھا میرے سرتاج کہاں جارہے ہو اس نے کہا اب تو مجھے میرے سرتاج نے بلایا ہے۔ اس نے کہا لشکر تو جہاد کے لئے صبح روانہ ہوگا ابھی رات ہے رک جاؤ صبح چلے جانا اس نے کہا درست ہے لشکر تو صبح روانہ ہوگا لیکن میں آقائے دوجہاں ﷺ کے بلاوے پر ابھی لبیک کہنا چاہتا ہوں معلوم نہیں صبح تک زندہ رہنا ہے یا نہیں۔ بلاوا اب کان میں پڑگیا ہے تاخیر مشکل ہے لہٰذا چلتا ہوں اگر بچ گیا تو زندگی کے چند دن مل کر اکٹھے گزار لیں گے اگر نہ لوٹا تو حوض کوثر پر ملاقات ہوگی۔ یہ وہ اطاعت امیر تھی جس کے باعث آقائے دوجہاں ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور کفار ومشرکین کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پس طے یہ پایا کہ قائد وراہنما کی اطاعت ناگزیر ہے اگر امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو اس کے نتائج برے ہوتے ہیں۔

جرمنی نے دوسری جنگ عظیم میں جب جزوی طور پر ابتدائی کامیابیاں حاصل کیں تو اس موقع پر کسی نے ہٹلر سے پوچھا کہ چند سالوں کے بعد اتنی بڑی شکست کے

بعد تم نے بدلہ بھی لے لیا اور جرمن قوم کو بہت بڑی اونچی قوم بھی بنا دیا اس کا کیا راز ہے ہٹلر نے کہا آؤ اس کا راز بتاتا ہوں ہٹلر اپنے ساتھی کو لے کر چل پڑا راستے میں ایک ایسا مکان آیا جس کی کئی منزلیں تھیں آخری منزل پر ایک بچہ بیٹھا تھا وہ نیچے دیکھ رہا تھا ہٹلر نے اسے اشارہ کیا کہ نیچے آؤ بات سنو! اس بچے نے بجائے سیڑھیوں کے راستے کے آنے کے وہیں سے چھلانگ لگا دی اور ہٹلر کے قدموں میں آکر گر گیا۔ اس کی وہیں جان نکل گئی۔ وہ مسلمان لوگ نہیں تھے ان کے نزدیک تو اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ کسی کا ناحق خون کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔ بہرحال جب بچہ نیچے قدموں میں آکر مر گیا تو اس پر ہٹلر نے کہا یہی وہ نکتہ ہے جس کے پیش نظر یہ قوم جیت گئی ہے اس شخص نے پھر دوبارہ ہٹلر سے پوچھا اس میں کیا راز ہے اس نے کہا اس قوم کو اس نکتے پر تیار کیا گیا ہے کہ جو تمہارا قائد راہبر و راہنما ہو اس کا ادنیٰ سا اشارہ بھی ہو تو اس کی تعمیل میں کسی قسم کی تاخیر نہ کی جائے سو اس چیز کے پیش نظر بچے نے کسی قسم کی تاخیر گوارا نہیں کی حالانکہ سیڑھیوں سے چل کر بھی آسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ پھر اس نے کہا جب قوم اس طرح تعمیل ارشاد پر تیار ہو جاتی ہے تو پھر اس کو کسی قسم کی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

۲۔ ایفائے عہد

جہاں تک ایفائے عہد کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسا حکم ہے جس کی تاکید قرآن مجید میں بھی مختلف مقامات پر ہوئی اور حضور ﷺ نے بھی اس کی سخت تاکید فرمائی کہ جو عہد کیا جائے اس کو ہر حال میں پورا کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ	اور تم اللہ کا عہد پورا کر دیا کرو جب تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد انہیں مت توڑا کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو بے شک

نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

(النحل '16: 91-92)

اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کات لینے کے بعد توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فریب کاری کا ذریعہ بناتے ہو تاکہ (اس طرح) ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا ہو جائے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں ان لوگوں کی بات بھی صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے جو نقض عہد نہیں کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے ایفائے عہد کرتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے قائم رکھتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

(الرعد '13: 20-21)

جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو نہیں توڑتے اور جو لوگ ان سب کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ صادق اور متقی ہونے کی سند عطا کرتا ہے۔ یعنی جو لوگ اس کی رضا کی خاطر جنگ کے مصائب و آلام سے دوچار ہوتے ہیں اور پھر ثابت قدمی سے دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں اور اللہ سے وعدہ کر چکے ہوتے ہیں کہ مولیٰ جانوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے تیرا دین سربلند ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بلندی درجات عطا کرتا ہے اور انہیں دنیا و آخرت میں اپنے انعامات و احسانات سے نوازتا رہتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر جہاں عہد کو پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے وہاں اس بات کو بھی واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ عہد کے بارے بازپرس ہوگی ارشاد ہوا۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل، ۱۷:۳۴)

اور وعدہ پورا کیا کرو بے شک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہمہ گیر، ہمہ جہت ہے اور ہمارے لئے نمونہ کمال ہے۔ جہاں تک عہد کی تعلیم کا تعلق ہے تو اس کا عملی نمونہ آقائے دوجہاں ﷺ کی سیرت مبارک میں ملتا ہے۔

ابو رافع کو قریش نے قاصد بنا کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ بارگاہ نبوت میں آکر ان پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہو گئے اور عرض کی اب میں کافروں میں واپس نہیں جاؤں گا آپ ﷺ نے فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے اس وقت واپس جاؤ پھر آ جانا۔

حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں۔

عن الحسن بن علی بن ابی رافع ان اباررافع اخبره قال بعثنی قریش الی رسول الله ﷺ فلما رأیت رسول الله ﷺ القی فی قلبی الاسلام فقلت یا رسول الله ﷺ انی والله لا ارجع الیهم ابدا فقال رسول الله ﷺ انی لا اخیس بالعهد و لا احبس البرد و لکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الآن فارجع (سنن ابی داؤد، ۲:۲۳)

حضرت حسن بن علی بن ابو رافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابو رافع نے فرمایا کہ قریش نے مجھے نمائندہ بنا کر حضور ﷺ کے پاس بھیجا جب میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں اب کبھی بھی ان کی طرف لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں عہد نہیں توڑتا اور نہ قاصد کو قید کرتا

ہوں تم فی الحال واپس چلے جاؤ اور جو چیز
اب تمہارے دل میں ہے اگر وہ برقرار
رہی تو لوٹ آنا۔

اسی طرح صلح حدیبیہ میں حضرت ابو جندلؓ زنجیریں پاؤں میں پہنے ہوئے آئے اور اپنے بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھے قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیج دیں گے۔ اس پر ابو جندل رضی اللہ عنہ نے رو رو کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا لوگ جوش رقت سے بے قرار ہو گئے اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے تاب ہو گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بار بار جاتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن معاہدہ لکھا جا چکا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے معاہدے کو پورا کرنے کے لئے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو چھڑانے سے انکار کر دیا اور فرمایا ابو جندل رضی اللہ عنہ کو زنجیروں کے ساتھ واپس جانا پڑے گا۔

ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے جو معاہدہ کیا اس کو ہر حالت میں پورا کیا آپ ﷺ جانتے تھے کہ کفار مسلمانوں پر ظلم و تشدد کرتے ہیں اور ان کا ناحق خون کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے عہد کو نہیں توڑا بلکہ جس نے عہد توڑا اس کے بارے میں فرمایا کہ اسے جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہو گی اور جنت اس پر حرام کر دی جائے گی۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل معاهدا فی غیر کنهه حرم اللہ علیه الجنة

(سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴)

حضرت ابو بکرۃ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو عہد والے کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔ ایک اور

حدیث پاک میں ہے۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لکل غادر لواء یوم القیامۃ یرفع لہ بقدر غدرہ الا ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامۃ

(صحیح مسلم، ۲: ۸۳)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہو گا جس کو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا یاد رکھو! امیر مملکت سے بڑھ کر کسی شخص کی عہد شکنی نہیں ہے۔

ایک حضرت امیر معاویہؓ بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے جا رہے تھے حالانکہ ابھی معاہدہ صلح کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر دیں گے مگر ایک صحابی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ، نے زمانہ صلح میں جنگ کی تیاری کی اور سرحدوں کی طرف فوج کی روانگی کو بھی بدعہدی سے تعبیر کیا اور امیر کے پاس دوڑتے ہوئے اور یہ پکارتے ہوئے پہنچے کہ اللہ اکبر، وفاء لا غدر حضرت معاویہ نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

من کان بینہ و بین قوم عھد فلا یشد عقدۃ و لا یحلھا حتی ینقضی امدھا او ینبذ الیھم علی سواء فرجع معاویۃ

(سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴)

جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو نہ اس گرہ کو مضبوط کرے اور نہ کھولے (اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے) یہاں تک کہ جب مدت گزر جائے تو برابری پر عہد کو توڑ دے پس حضرت معاویہ لوٹ گئے۔

ان تمام احادیث سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ عہد کو پورا کرنا ضروری امر ہے اگر عہد توڑ دیا جائے اور عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی قدم اٹھایا جائے تو اس سے وہ اللہ کے انعامات سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور علاوہ ازیں جنت بھی اس پر حرام قرار دے دی جاتی ہے۔

۴۔ اسیران جنگ کے قتل کی ممانعت

اہل عرب اسیران جنگ سے نہایت برا سلوک کرتے تھے اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا جبکہ حضور ﷺ نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید کی کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔

جنگ بدر میں وہ لوگ قیدی بن کر آئے جنہوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو تکلیفیں دے دے کر جلاوطنی پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں صحابہؓ کے حوالے کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو ان کے بارے تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ معاطفت اور نرمی کا سلوک کیا جائے چنانچہ صحابہ کرامؓ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے اور کیوں نہ کھلاتے حضور ﷺ کا بھی ارشاد تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسیران کو کھانا کھلانے والے کو نیکوکار قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا

(الدھر ۷۶: ۸۔۹)

اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں (ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ) ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

اسیران جنگ سے متعلق اسلام کا قانون یہ ہے کہ اختتام جنگ پر انہیں یا تو بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہائی دے دی جائے یا قید رکھ کر اچھا سلوک کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا

پس (اے مسلمانو!) جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو

الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً (محمد، ۴:۴۷)

یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ بچیں ان کو) رسی سے باندھ لو پھر اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان رکھ کر (رہا کر دو) یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو)

۴۔ مثلہ کی ممانعت

دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کرنے اور ان کے اعضاء کو کاٹنے سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

عبد اللہ بن یزید انصاری روایت کرتے ہیں۔

نھی النبی ﷺ من النھبی و المثلۃ (سنن ابی داؤد، ۲:۵)

حضور نبی اکرم ﷺ نے لوٹ کے مال اور مثلہ سے منع فرمایا

علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ نے کفار کو اچھے طریقے سے قتل کرنے والے کو اہل ایمان میں سے قرار دیا یعنی مثلہ نہ کرنا اور مہذب طریقے سے قتل کرنا یہ علامت ایمان ہے۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ اعف الناس قتلۃ اھل الایمان (سنن ابی داؤد، ۲:۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ کفار کو اچھے طریقے سے قتل کرنے والے اہل ایمان ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مثلہ سے منع فرمایا اور صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی۔

کان رسول اللہ ﷺ یحثنا علی الصدقۃ و ینھانا عن المثلۃ (سنن ابی داؤد، ۲:۶)

(صحابہ بیان کرتے ہیں) حضور نبی اکرم ﷺ ہمیں صدقہ دینے کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔

۵- بد نظمی اور انتشار کی ممانعت

اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ جب جنگ پر نکلتے تو راستے میں جو ملتا اسے تنگ کرتے اور جب کسی جگہ اترتے تو ساری منزل پر پھیل جاتے تھے یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس چیز کو بھی منع کر دیا۔ اور منادی کرادی کہ جو کوئی ایسا کرے گا اس کا جہاد، جہاد نہیں۔

قال غزوت مع نبی الله ﷺ غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازلُ قطعوا الطریق فبعث نبی الله ﷺ منادیا ینادی فی الناس ان من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ (سنن ابی داؤد، ۱:۳۶۰)

(حضرت انس) سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ فلاں فلاں غزوات میں حصہ لیا ایک منزل پر لوگوں نے جگہ تنگ کر دی اور راستے بند کر دیئے (یا بعضوں نے رہزنی کی) اس وقت رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں مذاکرے کے لئے ایک منادی کو بھیجا کہ جو منزل کو تنگ کردے اور راستہ روکے (راہ مارے ڈکیتی کرے) تو اس کو جہاد کا ثواب نہ ہو گا۔

ایک دوسرے موقع پر اس فعل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے۔

ان تفرقکم فی ھذہ الشعاب والاودیہ انما ذالکم من الشیطان (سنن ابی داؤد، ۱:۳۶۰)

تمہارا اس طرح وادیوں اور گھاٹیوں میں منتشر ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے۔

اور ابو ثعلبہ خشنی کا بیان ہے کہ اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ جب اسلامی فوج کسی جگہ اترتی تو اس کا گنجان پڑاؤ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر

نان دی جائے تو سب کے سب نیچے آ جائیں گے۔

۶۔ آگ میں جلانے کی ممانعت

اہل عرب سے اس قدر وحشیانہ افعال سرزد ہوتے تھے کہ شدت انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیتے تھے لیکن حضور ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے منع فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہم لوگوں کو لڑائی پر جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ اگر فلاں دو آدمی تم کو ملیں تو ان کے کفر کے باعث ان کو جلا دینا مگر جب ہم روانہ ہونے لگے تو اس وقت فرمایا:

انی امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلانا وان النار لا یعذب بھا الا اللہ فان وجدتموھما فاقتلوھما (صحیح بخاری '۱: ۴۲۳)	میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں اشخاص کو جلا دینا مگر آگ کا عذاب سوائے خدا کے کوئی نہیں دے سکتا اس لئے اگر تم انہیں پاؤ تو بس قتل کر دینا۔

۷۔ غیر جانبداروں سے عدم تعرض

اسلام نے جو قوانین جنگ وضع کئے جو اصول و ضوابط بنائے وہ اتنے جامع' جاندار اور مثبت نتائج کے حامل ہیں کہ عصر جدید میں آج کا "مہذب انسان" بھی ان کی خوشہ چینی پر مجبور نظر آتا ہے۔ ماضی قریب میں غیر جانبدارانہ تحریکوں نے دو بڑی سپرپاورز کے درمیان سرد جنگ کے خاتمے تک انتہائی اہم رول ادا کیا ہے۔ اگرچہ اس رول میں خود غرضی کا عنصر غالب رہا اور غیر جانبداری کی آڑ میں دونوں بڑی متصادم طاقتوں سے مفادات حاصل کئے گئے تاہم جنگی قوانین میں غیر جانبداری کے عنصر کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے' اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق غیر جانبدارانہ فرد' افراد' ملک یا ممالک' نظریاتی اعتبار سے خواہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں جنگ میں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا' بشرطیکہ وہ نہ خود ظالم ہوں نہ ظالم کے ظلم میں اس کے شریک کار رہے ہوں اور نہ یہ دین حق کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے والے ہوں' اسلام

نے ایسے غیر جانبدارانہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اسلام خواہ مخواہ کی جنگ یا تصادم کو پسند نہیں کرتا وہ انسانی جان کا احترام کرتا ہے اور انسانی خون کی حرکت کی پاسداری کا ہر سطح پر پورا پورا اہتمام کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

(الممتحنہ '۶۰:۸)

(اے مسلمانو) اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (بلکہ) اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۸۔ سیاسی پناہ

زمانہ امن اور جنگ دونوں میں سیاسی پناہ کے حصول کا عمل مختلف مقاصد کے لئے آج بھی جاری و ساری ہے اور جمہوری معاشرے بڑے فخر سے انسان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی بات کرتے ہوئے سیاسی پناہ کے قوانین کا حوالہ دیتے ہیں عموماً ترقی پذیر ممالک میں جمہوری روایات سے انحراف کرتے ہوئے ریاستی جبر سیاسی مخالفین پر تازیانہ بن کر گرتا ہے اور وہ جلا وطنی پر مجبور ہو جاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ غیر ممالک بلکہ مخالف ملک کی ہمدردیاں اور مراعات حاصل کرنے کے لئے خود ساختہ جلا وطنی اختیار کر لیتے ہیں' اور اپنے عوام کو بھی بے وقوف بناتے ہیں اور دوسری حکومتوں کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکتے ہیں' بعض حکومتیں دیگر ممالک میں سیاسی اور اقتصادی بحران پیدا کرنے کے لئے ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں اپنے ہاں پناہ (Shelter) دیتی ہیں اور پھر ان سے جواباً اپنے مفادات (Intrests) کے تحفظ کی ضمانت حاصل کرتی ہیں' سیاسی پناہ لینے والے' یہ لوگ اکثر اپنا ضمیر بھی ان بیرونی طاقتوں کے پاس گروی رکھ دیتے ہیں' اس سیاسی پناہ کے قانون کا

غلط استعمال اپنی جگہ لیکن بہر حال یہ قانون انسان کے بنیادی حقوق کا ضامن ہے اور مستشرقین اور اسلام کے خلاف زہرملا پروپیگنڈا کرنے والوں کے لئے مقام عبرت ہے کہ اس قانون کی جڑیں بھی اسلامی طرز معاشرت میں موجود ہیں اور اسلام کے جنگی قوانین میں سیاسی پناہ کے قانون کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

جب بھی کوئی غیر مسلم کسی حالت میں پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دی جائے گی اگرچہ کسی فرد یا گروہ کو ایسی پناہ دینے کا اختیار صرف سربراہ کو حاصل ہوتا ہے لیکن اسلام میں اس کا مفہوم اور دائرہ کار بہت وسیع ہے حتی کہ کوئی مسلمان عورت یا غلام بھی کسی کو پناہ دے دے تو وہ مؤثر ہو گی۔

صحیح البخاری کتاب الجہاد باب امان النساء، ۱: ۴۴۹)

اسلام میں سیاسی پناہ (Political Shelter) کا تصور محدود نہیں، سیاسی پناہ لینے والے کے جان و مال کا تحفظ حکومت وقت کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔ جاسوسی اور بغاوت کے سوا کسی اور جرم پر سیاسی پناہ ختم نہیں ہوتی۔ دوسرے جرائم پر عام قانون کے مطابق سیاسی پناہ گزین کو بھی سزا دی جائے گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط (التوبہ، ۹: ۶)

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دے دیں تا آنکہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں۔

روایات میں درج ہے کہ مسلمانوں نے ہر دور اور ہر عہد میں اس قانون پر سختی سے عمل کیا اگر کسی بڑے سے بڑے مجرم کو بھی کسی مسلمان نے لاعلمی کی بنا پر پناہ دے دی تو اس امان کا پورا پورا احترام کیا گیا اور پناہ گزین سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا بلکہ ممکن حد تک اس کے جان و مال کی حفاظت کی گئی۔

۹۔ میعاد معاہدہ سے قبل جنگ کی ممانعت

اسلام نے ہر مرحلہ اور ہر سطح پر عہد شکنی کی حوصلہ شکنی کی ہے اور اسے

مردان حق کے لئے قابل مذمت فعل قرار دیا ہے۔ تاریخ اسلام ایفائے عہد کی روشن اور اجلی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ایفائے عہد انسان میں تمکنت اور وقار پیدا کرتا ہے اسے اپنی ذات' اپنے قبیلے یا اپنی جماعت کے نصب العین پر اعتماد ہوتا ہے یہی اجتماعی شعور بیدار ہوتا ہے۔ یقین کی متاع عزیز ہاتھ آتی ہے اور معاشرہ زندہ اور توانا روایات کا امین ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسلام میں میعاد معاہدہ ختم ہونے تک جنگ کی ممانعت ہے۔ صلح حدیبیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے' جن غیر مسلموں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا جائے تو بہر صورت اس معاہدہ پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ معاہدہ کی مدت کے خاتمے سے قبل فریق ثانی کے خلاف کسی قسم کی جنگی کارروائی نہیں کی جا سکتی' فریق ثانی کے خلاف کوئی کارروائی اس کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ یہود مدینہ نے عہد توڑا تو ان کے خلاف کارروائی عمل میں لائی گئی معاہدے کی یہاں تک پاسداری کی جاتی ہے کہ اگر فریق ثانی کے علاقے میں کوئی مسلمان مدد طلب کرے تب بھی معاہدے کو قائم رکھا جائے گا معاہدہ توڑا نہیں جائے گا خواہ مسلمانوں کو نقصان ہی برداشت کیوں نہ کرنا پڑے' اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا تو میعاد معاہدہ بہر حال پوری کی جائے گی ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط (الانفال' ۸:۷۲)

اور اگر وہ دین (کے معاملات) میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں (مدد نہ کرنا) کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح وامن کا) معاہدہ ہو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ط (التوبہ' ۹:۴)

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (اپنے عہد کو پورا کرنے میں) کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ پر

کسی کی مدد (یا پشت پناہی) کی سو تم ان کے
عہد کو ان کی مقررہ مدت تک ان کے
ساتھ پورا کرو۔

۱۰۔ اظہار اسلام پر قتال سے دستبرداری

اسلام قتل برائے قتل کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ دوران جنگ اگر مدمقابل کسی مرحلے پر (مغلوب ہو کر ہی سہی) اس امر کا برملا یا اشارتاً اظہار کر دے کہ وہ مسلمان ہے یا اس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو فوراً لڑائی سے ہاتھ کھینچ لینے کا حکم ہے' اب کسی صورت میں بھی اس پر وار کر کے اسے موت کے گھاٹ نہیں اتارا جا سکتا' خواہ اس فرد نے اپنی جان بچانے کے لئے ہی اسلام قبول کیوں نہ کیا ہو۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کفار نے مغلوب ہو کر کلمہ پڑھ لیا لیکن انہیں قتل کر دیا گیا کہ ایسا اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات پر حضور ﷺ رنجیدہ ہو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ج (النساء ۴: ۹۴)	اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) سفر پر نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور اس کو جو تم کو سلام کرے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

حتی کہ اگر آثار و قرائن سے بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ بستی مسلمانوں کی ہے تو آپ اس بستی پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دیتے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک مہم پر نگران گشتی ٹیم کو روانہ کرتے ہوئے اسے ہدایت فرمائی۔

اذ رایتم مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احدا (سنن ابی داؤد' ۱: ۲۶۱)	جب تم کسی جگہ مسجد دیکھو یا مؤذن کی اذان سنو تو پھر کسی ایک شخص کو بھی قتل نہ کرنا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کے بارے میں پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا میں اس کی گردن اڑا دوں' آپ ﷺ نے فرمایا شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ بہت سے نمازی زبان سے کچھ کہتے ہیں لیکن ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل کریدوں یا ان کے پیٹ چیر کر دیکھوں۔" (صحیح البخاری '۲: ۶۲۴)

صحیح البخاری کتاب المغازی کے باب بعث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ میں ہے ' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں حربہ کی طرف بھیجا' ہماری آمد کی خبر پاکر اہل حربہ اپنا علاقہ چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن ایک شخص گرفتار ہوا اس نے لا الہ الا اللہ کہا لیکن ہم نے تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ جب یہ واقعہ تاجدار مدینہ ﷺ کے علم میں آیا آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت تمہارا حال کیا ہو گا جب وہ شخص کلمے کے ساتھ تمہارا دامن پکڑے گا اور تم سے جھگڑا کرے گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے تو موت کو سامنے دیکھ کر کلمہ پڑھا تھا کہ ممکن ہے اس کی جان بچ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ پھر حضور ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے کہ قیامت کے دن تمہارا کیا حال ہو گا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کیفیت دیکھ کر میں دل میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج کے دن ہی اسلام لایا ہوتا (اور اس خون ناحق میں شریک نہ ہوتا جس پر حضور ﷺ اس قدر ناراضی کا اظہار فرما رہے ہیں)

(صحیح البخاری '۲: ۶۱۲)

۱۱۔ لوٹ مار کی ممانعت

جنگ کے محرکات میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اسلام سے قبل محض مال غنیمت کے حصول کے لئے بھی اہل عرب لڑائی چھیڑ دیا کرتے تھے' تجارتی قافلوں کو لوٹنا بعض قبائل کا معمول بن چکا تھا لیکن اسلام نے علاقے میں عام لوٹ مار کی ممانعت کر دی ایک غزوہ میں ، چند لوگوں نے مسافروں کو لوٹنا چاہا تو حضور ﷺ نے انہیں سختی سے

منع کر دیا۔ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضور رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ شرکت کی سعادت نصیب ہوئی بعض لوگوں نے دوسروں کے راستے کو تنگ کیا اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ آقائے دوجہاں ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ایک صحابی کو بھیج کر اعلان کروایا کہ جو شخص دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے یا لوٹ مار میں ملوث ہو اس کا جہاد قبول نہیں۔ گویا اللہ کی راہ میں تلواریں بے نیام کرنے والے اگر لوٹ مار میں مصروف ہو جائیں غیر اخلاقی حرکتوں کے مرتکب ہوں۔ عوام الناس کے لئے ان کا عمل باعث آزار بننے لگے تو راہ حق میں جانیں قربان کرنے کا عظیم جذبہ بھی بارگاہ خداوندی میں مسترد کر دیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد' ۱:۳۶۰)

مال غنیمت اور لوٹ مار میں فرق ہے دشمن مقابلے میں صف آرا ہو اور راہ فرار اختیار کرتے وقت جو مال و اسباب چھوڑ جائے وہ مال غنیمت متصور ہو گا اور ضابطے کے مطابق تقسیم ہو گا اپنی مرضی کے مطابق مال غنیمت کو بھی استعمال میں نہیں لایا جا سکتا۔ یہ ضابطہ اور اصول آج بھی جنگی قانون کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اس کے برعکس اکثر اوقات حدود سے تجاوز کر کے دشمن پر تاوان جنگ بھی مسلط کر دیا جاتا ہے اور اس کی معیشت کو مفلوج کر کے مفتوح قوم کے گرد اقتصادی غلامی کا حصار تنگ کر دیا جاتا ہے۔

۱۲۔ شب خون مارنے کی ممانعت

اسلام نے ہر سطح پر منافقت' ریاکاری اور دھوکہ دہی پر ضرب کاری لگائی ہے' حتی کہ اس کے جنگی قوانین میں بھی منافقت' ریاکاری اور دھوکہ دہی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا (جنگی حکمت عملی اور جنگی داؤ پیچ ایک الگ چیز ہے) اسلامی قوانین جنگ میں ایک یہ بھی ہے کہ رات کے وقت دشمن پر حملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ صبح ہونے کا انتظار کیا جائے گا شجاعت' بہادری اور مردانگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دشمن کے سامنے آ

کرا سے للکارا جائے' تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار واقعات درج ہیں کہ اگر دشمن کے سالار کا گھوڑا زخمی ہو کر ناکارہ ہو گیا تو اسلامی سپہ سالار نے اسے دوسرا گھوڑا پیش کر دیا مسلمان جنگوں میں بھی ضابطہ اخلاق کی مکمل پابندی کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ خیبر میں رات کے وقت پہنچے اور آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب کسی قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے سے قبل حملہ نہ کرتے۔

ان رسول اللہ ﷺ اتی خیبر لیلا وکان اذا اتی قوما بلیل لم یغر بھم حتی یصبح (صحیح البخاری' ۲: ۶۰۳)

رسول اللہ ﷺ رات کے وقت خیبر کے مقام پر پہنچے چنانچہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی جگہ رات کو پہنچتے تو صبح ہونے تک ان لوگوں پر حملہ نہیں کیا کرتے تھے۔

۱۳۔ اسلاب

اسلام کے جنگی قوانین میں یہ بھی ہے کہ دشمن کے مقتول سپاہی کے جسم کے ساتھ جو سامان ہو گا اسے مال غنیمت میں شامل نہیں کیا جائے گا اور اس سے خمس بھی نہیں نکالا جائے گا۔ جو کچھ ملے وہ سب کا سب اس مجاہد کو ملے گا جس نے دشمن کو واصل جہنم کیا ہو گا۔

۱۴۔ خمس اور فے

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ دشمن سے مقابلے کے بعد جو مال ہاتھ آتا ہے اسے مال غنیمت کہتے ہیں' اسے جمع کیا جاتا ہے اور ضابطے کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس پانچویں حصہ کو خمس کہتے ہیں' خمس نکالنے کے بعد باقی مال غنیمت فوج میں تقسیم کر دیا جاتا ہے' ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے

لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرسول و لذی القربی وَ الْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الانفال ۸:۴۱)

پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں' محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

اور دشمن کا جو مال لڑائی کے بغیر ہاتھ لگے یعنی دشمن مال چھوڑ کر بھاگ جائے وہ مال غنیمت میں شمار نہیں ہو گا بلکہ اسے مال فے کہتے ہیں' اس میں سے مجاہدین کو کچھ نہیں ملتا وہ سارے کا سارا بیت المال میں جمع ہوتا ہے' اور ضرورتمندوں پر خرچ ہوتا ہے' ارشاد ربانی ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الحشر ۵۹:۷)

جو مال (بلا جنگ کے) اللہ نے اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے (یعنی اللہ کی راہ میں رسول کے حکم کے مطابق صرف ہو) اور (یہ مال حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے) عزیزوں اور یتیموں اور مسافروں کے لئے ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں چونکہ مجاہدین کی تنخواہیں یا اعزازیے مقرر نہیں تھے اور باقاعدہ فوج کا ادارہ بھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا اس لئے جنگی اخراجات اور مجاہدین کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مال غنیمت ان میں تقسیم کر دیا جاتا' مال غنیمت کو لوٹ مار کے ساتھ گڈ مڈ کر کے اسلام کے جنگی قوانین کا چہرہ مسخ کرنا مستشرقین کی علمی بددیانتی کے سوا کچھ بھی

نہیں، جو لوٹ کھسوٹ آج کے نام نہاد مہذب دور میں جاری ہے اس کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی اور اسلام کے شفاف چہرے پر ان متعصب مفکرین کو داغ ہی داغ نظر آتے ہیں اور انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ان کے آباؤ اجداد جنگوں میں جس وحشت، بربریت اور درندگی کا ثبوت دیتے رہے ہیں اور جن کے ہاں سرے سے کسی جنگی قانون کا تصور ہی موجود نہیں اور جو انسانی حقوق کو ہمیشہ پامال کرتے رہے ہیں کیا ان کا یہ اجتماعی رویہ بھی قابل گرفت نہیں اپنے آبائی قانون شکنی کا محاکمہ نہ کرکے وہ اپنے اس تعصب کا برملا اظہار کرتے ہیں جو تعصب انہیں وراثت میں ملا ہے اور اپنی تمام روشن خیالی کے باوجود جس سے وہ نجات حاصل نہیں کر سکے۔

۱۵۔ عصمت دری کی ممانعت

اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق بلا وجہ کسی عورت کا قتل جائز نہیں، اسلام اپنے پیروکاروں کی ذہنی پاکیزگی (Mental Purity) کا بھی پورا پورا اہتمام کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر انہیں جنسی آلودگی سے بچاتا ہے، اسلام نے عورت کو تحفظ کی چادر فراہم کی، اس کی عصمت و عفت کی حفاظت کے لئے قوانین وضع کئے اور معاشرے میں اسے عزت اور احترام عطا کیا اور اس کے حقوق کا تعین کیا، جنگ میں دشمن کی بیٹی پر ہاتھ اٹھانے اور اس کی عصمت دری کی سختی سے ممانعت کر دی گئی یہ امتیاز صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے مفتوح قوم کی عورتوں کی عصمت کی پاسبانی کا حکم دیا۔ زمانہ امن کی طرح میدان جنگ اور فتح کے بعد بھی اسلام کے نزدیک خواتین کی بے حرمتی ایک گھناؤنا جرم ہے۔ لیکن آج کے "مہذب" معاشرے (Civilized Society) میں کیا ہو رہا ہے، خواتین کی اجتماعی بے حرمتی کا داغ آج کے نام نہاد معاشروں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر چمک رہا ہے، کشمیر میں کیا ہو رہا ہے، دختران اسلام کے سر کی چادر چھینی جا رہی ہے۔ ۹ سال کی بچیوں سے لے کر ۹۰ سال کی بوڑھی خواتین درندگی کا شکار ہو رہی ہیں، بوسنیا میں یورپ کے مہذب درندوں نے مسلمانوں

کی نسل کشی کے لئے جو گھناؤنا کھیل کھیلا ہے مہذب دنیا کی پیشانی اس پر بھی عرق آلود نہیں ہوئی۔ فلسطین میں اسلام کی بیٹیوں پر کیا گزری اس کے تصور ہی سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں قیام پاکستان کے وقت اور پھر سقوط مشرقی پاکستان کی قیامت خیز گھڑیوں میں حوا کی بیٹیوں پر کیا گزری' ضمیر عالم بے حسی کی چادر اوڑھ کر سو رہا ہے' مغربی مفکرین اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں' انہیں حوا کی بیٹی کی چیخیں سنائی نہیں دیتیں کہ حوا کی یہ بیٹی مسلمان ہے اور اس رسول معظم ﷺ کا کلمہ پڑھتی ہے جنہوں نے مظلوم اور مقہور عورت کے برہنہ سر پر سب سے پہلے چادر رحمت دی اور اسے زندہ رہنے کا حق دیا آج اس رسول عظیم ﷺ کی امت کی بیٹیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کا چہرہ مسخ کرنے کی ناپاک سازش میں شریک مستشرقین کو اپنے ہم مذہبوں کی چیرہ دستیوں پر گرفت کرنے کا خیال تک نہیں آتا' اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جنگی قوانین وضع کرتے وقت دشمن کی بیٹی کو احترام کی چادر عطا کر کے عظمت کے جس سفر کا آغاز کیا تھا وہ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اسلام ایک حقیقت پسندانہ مذہب ہے وہ کسی مرحلے پر بھی انسانی ضروریات کو نظر انداز نہیں کرتا وہ احکامات جاری کرتے وقت انسانی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھتا ہے مجاہدین کے لئے ہدایت (Standing Order) تھی کہ شادی شدہ مجاہدین ازدواجی حقوق ادا کرنے کے بعد جہاد میں شریک ہوں' اس حکم میں جو حکمت اور دانائی پوشیدہ ہے اس کا الفاظ میں اظہار ممکن ہی نہیں' ظاہر ہے مجاہدین جب جہاد کے لئے روانہ ہوتے ہیں تو وہ کئی کئی ماہ گھر سے دور رہتے ہیں' اس حکم سے اعتدال اور توازن کی جو مثال قائم کی گئی وہ یقیناً اپنی مثال آپ ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

غزاء نبی من الانبیاء فقال لقومہ لا یتبعنی رجل ملک بضع امراۃ وھو یرید ان یبنی بھا ولما یبن بھا	کسی نبی نے جہاد کا ارادہ کیا تو اپنی قوم سے فرمایا میرے ساتھ جہاد پر وہ شخص نہ جائے جس نے ابھی شادی کی ہو اور

(صحیح البخاری' ۱: ۴۴۰)

عورت سے ہم بستر نہ ہوا اور وہ مجامعت
کرنا چاہتا ہے۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لازمی قرار دے دیا تھا کہ ہر فوجی چار ماہ بعد ضرور اپنے اہل خانہ کے پاس جائے تاکہ فوج میں فحاشی اور بدکاری کے رجحان کو روکا جا سکے' خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی جاتیں' جنسی جذبات پر قابو پانے کے لئے رسول اکرم ﷺ جوانوں کو روزہ رکھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے' ارشاد فرمایا

من استطاع الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء
(صحیح البخاری' ۱:۲۵۵)

جو (جوان) حق مہر دے سکتا ہو تو وہ نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ نیچی کرتا ہے اور زنا سے بچاتا ہے اور جو اس پر قادر نہ ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے ڈھال (کا کام دیتا) ہے۔

۱۶۔ مسئلہ غلامی

اسلام نے ایسے اقدامات کئے کہ رفتہ رفتہ غلامی کا ادارہ ختم ہو گیا' مجموعی طور پر لونڈی اور غلام بنانے کی حوصلہ شکنی کی اور قدم قدم پر غلاموں کی آزادی کی ترغیب دی' تاہم بعض صورتوں میں اسے جائز بھی قرار دیا لیکن کڑی شرائط کے ساتھ اس وقت کا معاشرتی ڈھانچہ ایسا تھا جس میں بتدریج انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں۔ غلاموں کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا لیکن اسلام نے غلاموں کے حقوق متعین کئے اور انہیں سماجی مرتبہ دے کر انسانی مساوات کی اعلیٰ اور روشن مثال قائم کی' غلاموں کو عملاً عزت اور احترام سے نوازا گیا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچے' لفظ غلامی رہ گیا لیکن عملاً اس کا مفہوم بدل گیا' غلاموں کی نسلوں نے درس و تدریس کا منصب سنبھالا' اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں اور حکمران تک ہوئے' "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو غلام ہونے کے بعد امیر لشکر مقرر کیا گیا جس میں جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔" (صحیح بخاری' ۲:۶۴۱)

۱۷۔ انتقامی کارروائی کی ممانعت

اسلام عفو و درگزر سے کام لیتا ہے' اسلامی ریاست میں انتقامی سیاست کا نہ کوئی تصور موجود ہے اور نہ اس کا کوئی جواز فراہم کیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ جنگوں میں بھی انتقام کی ممانعت کر دی گئی' تاریخ عالم اٹھا کر دیکھئے یہی انتقامی عنصر قدم قدم پر جبر و تشدد کی ان گنت مثالیں قائم کرتا نظر آتا ہے' فاتح اقوام جوش انتقام میں فتح کے بعد قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیتی ہیں' انتقام کی آگ ان سے بصیرت کی روشنی چھین لیتی ہے' تباہی و بربادی کو مفتوح قوم کا مقدر بنا دیا جاتا ہے' شرفاء کی سرعام پگڑی اچھالی جاتی ہے اور مفتوح قوم کی تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا' قرآن مجید میں ملکہ بلقیس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○

(النمل' ۲۷: ۳۴)

اس نے کہا (کہ لڑائی بذات خود کوئی اچھی چیز نہیں) جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

۱۸۔ صلح جوئی

اسلام صلح جوئی کو پسند کرتا ہے' نیکی اور شرافت کو فرد اور اجتماع کے روز و شب کے معمولات کا عنوان بنانا چاہتا ہے خیر اور بھلائی کی قدروں کو معاشرے میں فروغ دینا چاہتا ہے' پاکیزگی اور طہارت' امن و آشتی اور اخوت کے جذبات کی ترویج و اشاعت اس کا مطمع نظر ہے' فتنہ و فساد' ظلم و تعدی کو ختم کر کے معاشرہ کو سکون اور عافیت کی دولت بے بہا سے ہمکنار کرنے کا خواہشمند ہے' اسلام لڑائی جھگڑے سے اجتناب کا ہنر سکھاتا ہے' اپنی عزت نفس کے تحفظ کے ساتھ دوسروں کے احترام کا درس

دیتا ہے۔ جنگ یا لڑائی نہیں امن کا قیام اسلام کے اہداف میں شامل ہے۔ قیام امن اور صلح جوئی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر دشمنوں کی جانب سے صلح کی پیش کش ہو تو اسے پائے حقارت سے یا طاقت کے گھمنڈ میں ٹھکرانا نہیں چاہئے بلکہ صلح کی پیش کش کو خوشدلی سے قبول کر لینا چاہئے اور خواہ مخواہ کشیدگی پیدا کر کے تصادم کی فضا کو برقرار نہیں رکھنا چاہئے' خواہ مخواہ لڑائی کو طول نہ دینے کی ہدایت ہے اسلام پوری دنیا میں امن و سلامتی کا خواہاں ہے' تخریب کاری کی ہر شکل کی مذمت کرتا ہے' قتل و غارتگری اور بدامنی کا خاتمہ کر کے اپنے شہریوں کے لئے آسودہ لمحوں کے اہتمام کو اسلام کی آفاقی تعلیمات میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام اس حد تک صلح جوئی اور امن پسندی کی تلقین کرتا ہے کہ اپنے پیروکاروں کو دشمن کی طرف سے صلح کی پیش کش کو ٹھکرانے کی اجازت نہیں دیتا' ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (النساء' ۴:۹۰)

پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے (بھی صلح جوئی کی صورت میں) ان پر (دست درازی کی) کوئی راہ نہیں بنائی۔

دشمن دھوکہ دینے کے لئے بھی صلح پر آمادہ ہو تب بھی صلح کی پیش کش کو ٹھکرانا نہیں چاہئے' البتہ اپنے مفادات کا پورا تحفظ کرتے ہوئے دشمن سے مسلسل چوکنا رہنا چاہئے' اور اپنے ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے لئے فصیلِ ارضِ وطن پر جاگتے رہنے کی روایت کو زندہ رکھنا چاہئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجاہدین اپنے ہتھیاروں کو زنگ آلود کر لیں' جذبہ جہاد کو کسی مصلحت کی بھینٹ چڑھا دیں اور دشمن کے لئے تر نوالہ ثابت ہو کر اقتدار اعلیٰ سے بھی محروم ہو جائیں' مقصد صرف یہ ہے کہ بے مقصد جنگ کو طوالت نہ دی جائے' صرف اس بنا پر جنگ کو طول نہ دیا جائے کہ

دشمن کی نیت میں فتور ہے' عموی طور پر اسلام جارحیت کے خلاف ہے۔ جنگ برائے جنگ اس کے اہداف میں شامل ہی نہیں' جنگ کی اجازت بامر مجبوری دی جاتی ہے۔ صلح کا ذرا سا بھی امکان ہو تو اسلام صلح کو جنگ پر ترجیح دیتا ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ

(الانفال' ۸:۶۱۔ ۶۲)

اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی ان کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہی خوب سننے والا' جاننے والا ہے اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بے شک آپ کے لئے اللہ کافی ہے۔

اگر فریق مخالف کھلی مخالفت پر اتر آئے تو برابری کی بنیاد پر معاہدہ توڑ کر دشمن کے خلاف اعلان جنگ کیا جا سکتا ہے لیکن جب تک فریق مخالف معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرے مسلمانوں کو صبر اور تحمل سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے' اس ضمن میں ارشاد ہے۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ○

(الانفال' ۸:۵۸)

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دیں بے شک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔

۱۹۔ غیر اہل قتال کا قتل ممنوع ہے

اسلام انسانی خون کو کعبے کی حرمت سے زیادہ فضیلت کا سزاوار سمجھتا ہے' دوران جنگ بھی خون ناحق کی مذمت کی گئی ہے۔ دوران جنگ صرف انہی دشمنوں کو قتل کرنے کی اجازت ہے جو عموماً جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہوتے ہیں جبکہ آبادی کا غیر محارب حصہ جس میں بیمار' معذور' گوشہ نشین افراد' بچے' بوڑھے' عورتیں شامل

ہیں قتال کی اجازت سے مستثنیٰ ہیں فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے جو ہدایات جاری فرمائیں ان میں مذکور ہے۔

"جو مقابلہ نہ کرے' جان بچا کر بھاگ جائے' اپنا دروازہ بند کرلے یا زخمی ہو اس پر حملہ نہ کیا جائے۔" (فتوح البلدان: ۵۳)

حدیث پاک ہے کہ

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا و لا صغیرا ولا امراۃ ولا تغلوا و ضموا غنائمکم و اصلحوا و احسنوا ان اللہ یحب المحسنین

(سنن ابی داؤد' ۱: ۳۵۹)

نہ کسی بوڑھے کو قتل کرو' نہ شیر خوار بچے کو نہ نابالغ کو نہ عورت کو' اموال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور اپنے مال غنیمت کو اکٹھا کرلینا۔ نیکی اور احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اگر مذکورہ افراد میں سے کوئی جنگ میں بالواسطہ طور پر حصہ لیتا ہوا پایا جائے یا دوسروں کو جنگ کی ترغیب دیتا ہو تو یہ استثنائی صورت ہوگی اور شر پھیلانے اور جنگ کی آگ بھڑکانے والے ایسے شخص کا قتل جائز متصور ہوگا۔

۲۰۔ اذیتیں دے کر ہلاک کرنے کی ممانعت

دشمن کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھے جانے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے' اسلام میں جنگی قوانین تک کی بنیاد عفوودرگزر اور انسانی ہمدردی پر رکھی گئی ہے' مہذب دنیا کے انویسٹی گیشن سنٹرز (Investigation Centres) پر اذیتیں دے دے کر "راز" اگلوائے جاتے ہیں' ظلم' تشدد' بربریت اور درندگی کی انتہا کردی جاتی ہے۔ بوسنیا سے سری نگر تک پھیلے ہوئے ان اذیت خانوں سے اٹھنے والی دلخراش چیخیں امن عالم کے ٹھیکیداروں کی جمہوریت پسندی اور انسانی حقوق کی پاسداری کے تمام کھوکھلے دعووں کی قلعی کھول

رہی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی میں جنگی قیدیوں پر کیا گزری' کمیونزم (Communism) کا عذاب نازل ہوا تو سائبیریا کے ویرانے بے گناہ انسانوں کے چلتے پھرتے لاشوں سے آباد ہو گئے' اسلام ان تمام غیرانسانی رویوں کی نفی کرتا ہے اور دشمن پر قابو پا لینے کی صورت میں اسے اذیتیں دے دے کر ہلاک کرنے سے اپنے پیروکاروں کو سختی سے منع کرتا ہے۔

عن ابی یعلی قال غزونا مع عبدالرحمن بن خالد بن الولید فاتی باربعۃ اعلاج من العدو فامر بھم فقتلوا صبرا بالنبل فبلغ ذالک فقال سمعت رسول اللہ ﷺ ینھی عن قتل الصبر

(مسند امام احمد' ۵:۴۲۲)

ابو یعلی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے پس دشمن کے چار جاسوس پکڑ کر لائے گئے پس ان کے قتل کا حکم دیا اور ان کو باندھ کر تیر مار کر قتل کیا گیا' حضرت ابو ایوب کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

۲۱۔ چادر اور چار دیواری کا تحفظ

مجاہدین کو بلا اجازت گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں' حالت جنگ میں بھی اسلام نے چادر اور چار دیواری کے تحفظ پر زور دیا' عورتوں اور بچوں کو مارنے پیٹنے کی بھی اجازت نہیں اور بلا قیمت کوئی چیز لے کر کھانا بھی ممنوع ہے' تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔

وان اللہ تعالٰی لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن ولا ضرب نساء ھم ولا اکل ثمارھم

(سنن ابی داؤد' ۲:۷۷)

اور اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے جائز نہیں رکھا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو جاؤ مگر اجازت سے نیز ان

کی عورتوں کو پیٹنا اور پھلوں کو کھانا بھی
حلال نہیں۔

۲۲۔ اسلام تباہی و بربادی نہیں چاہتا

اسلام نہ خون ناحق کی اجازت دیتا ہے اور نہ دشمن کی املاک کی تباہی ہی جہاد کے مقاصد میں شامل ہے۔ اسلام فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا' دین حق امن اور اصلاح کا داعی ہے اس لئے حالت جنگ میں بھی اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ نہ کھیتیاں برباد ہوں اور نہ پھل دار درخت کاٹے جائیں اور نہ املاک کو ہی نذر آتش کیا جائے' دستور زمانہ تو یہی ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے' دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے ہر حربہ آزمایا جاتا ہے لیکن اسلام میدان جنگ میں اخلاق' رواداری اور انسان کے بنیادی حقوق کی پاسداری کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم اور پھر اس پہلے زمانہ قدیم کی جنگوں میں تباہی اور بربادی اور انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا' چنگیزیت ہی چنگیزیت نظر آتی ہے' خیموں کی جلی راکھ سے اٹھتا ہوا دھواں کتنی ہی آہوں اور سسکیوں کو اپنے دامن میں چھپائے ہواؤں میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر بزعم خویش امن کی طرف مثبت قدم اٹھایا گیا۔ اپنی وحشت' بربریت اور درندگی کو اصلاح احوال کے خوشنما لبادے میں چھپانے کا منافقانہ عمل آج بھی جاری ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○
(البقرہ' ۲:۱۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد بپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ سکندر اعظم کا لشکر ہو یا نپولین بوناپارٹ کی فوج' فاتحین عالم جہاں جہاں سے گزرے آبادیوں میں ویرانیاں پھیلاتے گئے' عورتوں' بچوں' بوڑھوں اور مذہبی پیشواؤں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر آگے بڑھتے گئے' شاداب

فصلوں کو روندتے رہے' املاک کو تباہ و برباد کرتے رہے' فریق مخالف کے خون سے در و دیوار کو رنگین بناتے رہے اور دشمن کی بیٹی کو اپنے عشرت کدوں کی زینت بناتے رہے اور بچوں کے سرنیزوں پر سجا کر اپنی انا کی تسکین کا سامان کرتے رہے لیکن اسلام نے اس طرز عمل کی سختی سے ممانعت کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○

(البقرہ' ۲:۲۰۵)

اور جب وہ (آپ سے) پھر جاتا ہے تو زمین میں (ہر ممکن) بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر دے' اور اللہ کو فساد پسند نہیں۔

دشمن کے علاقے میں درخت کاٹنے کی بھی اجازت نہیں' سوائے اشد ضرورت کے' ایسا کرنا فساد کے ضمن میں آتا ہے غزوہ بنی نضیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اشد ضرورت کے پیش نظر کھجور کے کچھ ایسے درخت جو غذائی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہوتے تھے کاٹ لئے تھے' اس ایک مثال کے علاوہ درخت کاٹنے کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

۲۳۔ سفراء کے قتل کی ممانعت

زمانہ جاہلیت میں عسکری قوت کے نشے میں بدمست بادشاہ' سردار اور حکمران غیر ملکی سفراء تک کو قتل کروا دیا کرتے تھے' نہ کوئی ضابطہ اخلاق تھا اور نہ کوئی بین الاقوامی قانون وضع کیا گیا تھا۔ آج جو سفراء کو دوسرے ممالک میں مراعات حاصل ہیں اس کا سراغ بھی اسلام کے جنگی قوانین کے پس پردہ اس اخلاق حسنہ کی وسعتوں میں لگایا جا سکتا ہے جو اسلام کا طرہ امتیاز ہے اور اسے دیگر ادیان پر ممتاز کرتا ہے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے سفیروں کے قتل کی سختی سے ممانعت کر دی بلکہ مسجد نبوی میں انہیں ٹھہرا کر ان کی عزت افزائی کی' دور نبوی ﷺ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نظر

نہیں آتا جس سے ثابت ہو سکے کہ سفراء کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے جبکہ اس دور میں اور بہت بعد تک بھی ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو کر سفراء اور نمائندوں کو قتل کر دیا جاتا تھا' اسلامی حکومت میں سفارتی آداب مرتب کرتے وقت یہاں تک احتیاط سے کام لیا گیا کہ اگر کوئی شخص سفیر نہ بھی ہو لیکن اپنے آپ کو سفیر ظاہر کرے تو اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا البتہ بعد میں اس بارے میں تحقیق کی جا سکتی ہے اور اگر اس کا سفیر ہونا ثابت نہ ہو تو حسب دستور اس کے ساتھ معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

حق و باطل کی بقا اور فنا کا ضابطہ

حق و باطل کی جنگ ایک نہ ختم ہونے والی جنگ ہے اس لئے کہ حق' باطل کے ساتھ کسی سمجھوتے کا روادار نہیں' حق و باطل کی آویزش ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی' نیکی اور بدی کی قوتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں' روشنی اور اندھیروں کا سفر بھی ایک ساتھ جاری و ساری رہتا ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بقائے حق اور فنائے باطل کے قانون کو پیرائے بدل بدل کر بار بار بیان کیا ہے اور انسان پر احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے جدوجہد کی ذمہ داری عائد کر دی ہے' پیغمبرانہ جدوجہد اسی ذمہ داری کو قبول کرنے کا نام ہے' اعلائے کلمۃ الحق کا ہر راستہ طائف کی پگڈنڈیوں سے روشنی کشید کرتا ہے۔ یہ قانون شجر و حجر' نباتات و حیوانات حتی کہ پوری کائنات پر محیط ہے کہ حق باقی رہنے کے لئے ہے اور باطل مٹنے کے لئے آیا ہے۔ سچ کی قسمت میں عظمت کی رعنائی ہے اور جھوٹ کے مقدر میں ازل کی رسوائی ہے' بدر سے کربلا تک حق و باطل کے معرکے برپا ہوئے' سچائی کا پرچم بلند اور حق کا بول بالا ہوا' صداقت کے سر پر فتح و کامرانی کا سہرا بندھا اور پھر کربلا کی تاریخ ہر دور اور ہر عہد میں دہرائی گئی' کربلا کا استعارہ باب شجاعت و حریت کا عنوان قرار پایا۔ تاریخ نے گواہی دی کہ ہزار آندھیوں کے باوجود لہو کے چراغ جلتے رہیں گے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اقوام کو آزادی کی منزل دکھاتے رہیں گے اور شاہراہ آزادی

کے ہر سنگ میل پر اجالوں کی بارش کرتے رہیں گے۔

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا○ (بنی اسرائیل '۱۷:۸۱)

اور فرمادیجئے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا بے شک باطل نے زائل و نابود ہی ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالٰی ہے۔

وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ○ (یونس '۱۰:۸۲)

اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دیتا ہے' اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کرتے رہیں۔

آخری الہامی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں مذکور ہے کہ کائنات ارض و سما کا مالک و خالق' نیکوکاروں' انصاف پسندوں اور پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے لیکن یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت ظالموں' فاسقوں' نافرمانوں' اور سرکشوں کو بھی پسند کرتا ہے۔ بناؤ اور بگاڑ ساتھ ساتھ چلتے ہیں' بقا کی خواہش نے کشمکش کا ایک سلسلہ جاری کر رکھا ہے' بیک وقت دو متحارب قوتوں میں سے ایک نے غالب اور دوسری نے مغلوب ہونا ہے۔ ضعف اور نقص دائمی عوارض نہیں بلکہ اصل چیز قوت اور صحت ہے۔ فطری اعتبار سے کائنات میں بقائے اصلح (Survival of the Fittest) کا قانون جاری و ساری ہے۔ جنگ ہو یا امن' تعمیر ہو یا تخریب' صحت ہو یا بیماری غرضیکہ مدمقابل دو چیزوں میں سے جس میں نقص ہو گا بالعموم وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے' اس اصول کا اطلاق جمادات پر بھی ہوتا ہے اگرچہ ان میں تغیرات کی رفتار انتہائی سست ہوتی ہے' تغیرات کا یہ سلسلہ انسانی خیالات' عقائد' افکار اور تعلیمات میں بھی جاری و ساری رہتا ہے' کائنات کا ذرہ ذرہ تنازعہ للبقاء کی کیفیت میں ہے (Struggle for Existence) اپنی بقاء کے لئے کوشاں ہے اور اپنے ہونے کی جوازیت اور اپنی اکائی کے اثبات کی تلاش میں ہے' انسان نے برس ہا برس کی ذہنی کاوش اور تحقیق ارتقاء کی

بدولت بقائے اصلح کا قانون تو دریافت کر لیا لیکن وہ اپنی عقل کی تمام تر بلندیوں کے باوجود اصلاح کی حقیقت اور ماہیت سے واقف نہ ہو سکا اور ہنوز جستجو کی پگڈنڈیوں پر ٹھوکریں کھا رہا ہے جسے وہ اصلح سمجھتا ہے وہ ابتر ثابت ہوتا ہے اور جتنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے بگاڑ اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اور وہ اپنی سعی رائیگاں پر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ باہم متصادم قوتوں کی اس محاذ آرائی کو مختلف نام دیئے جاتے ہیں' نئی نئی اصطلاحات وضع کی جاتی ہیں' منطق اور فلسفے کی نئی نئی تعبیرات سامنے لائی جاتی ہیں' علم و حکمت کی گتھیاں سلجھانے کے دعوے کئے جاتے ہیں' قدرت کے راز ہائے سربستہ سے پردہ اٹھانے کی باتیں ہوتی ہیں' تسخیر کائنات کے سفر پر نکلا ہوا انسان روشنی کی رفتار حاصل کرنے کی فکر میں ہے لیکن منزل کا سراغ اسے پھر بھی نہیں مل رہا' تشکیک کے بادل بدستور اس کے ذہن رسا پر چھائے ہوئے ہیں اس لئے کہ حقیقت تک رسائی علم نبوت کے بغیر نہ کل ممکن تھی اور نہ آج ممکن ہے' انسان کی خود ساختہ انا اسے علم و حکمت' ہدایت و دانش کے اس منبع و مرکز کی طرف جھکنے نہیں دیتی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (البقرہ' ۲:۲۵۱)

اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (میں انسانی زندگی بعض جابروں کے مسلسل تسلط اور ظلم کے باعث) برباد ہو جاتی مگر اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ (الرعد' ۱۳:۱۷)

اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔

درج بالا آیات مبارکہ سوچ کے نئے دروازے کھولتی ہیں انسان کو دعوت فکر دیتی ہیں' ایک ابدی اور دائمی اصول بتایا جا رہا ہے' جس کا اطلاق کائنات کی ہر شے

پر ہوتا ہے کہ جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہی زمین میں باقی رہتا ہے تاجدار کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی باطل استحصالی قوتیں' ابلیسی طاقتیں اور فتنہ و شر برپا کرنے والے' امن عالم کو تباہ کر کے اس کرہ ارض پر پر امن معاشروں کے قیام کے مخالفین وقت کے فرعون اور یزید اللہ کے دین کے خلاف ہر محاذ پر صف آرا ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعہ انہیں سیاسی اور اقتصادی غلامی کے حصار میں لیا جا رہا ہے امت مسلمہ کے خلاف عالم کفر متحد ہے وہ چاہتا ہے کہ اللہ کے دین کو مٹا دے' صفحہ ہستی پر مسلمانوں کا نام و نشان نہ رہے' ہر خطے اور علاقے میں ہسپانیہ کی تاریخ کو دہرایا جائے' مسجدوں کو تالے لگا دیئے جائیں' خانقاہوں کو مسمار کر دیا جائے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو رقص و سرود کا دلدادہ بنا کر ان کے ہاتھ پر رکھے سچائی کے سورج کی ہر کرن کو اندھیروں کے سپرد کر دیا جائے' اس کی آنکھوں میں جستجو کے جلتے چراغ کو بجھا دیا جائے اس کے اعصاب پر عورت کو سوار کر کے اس سے تخلیق و تحقیق کی صلاحیتوں کو یا تو چھین لیا جائے یا انہیں ناکارہ بنا دیا جائے تاکہ امت مسلمہ آنے والی صدیوں میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کی تلاش کا تصور بھی نہ کر سکے اور عالم مدہوشی میں امن عالم کے ٹھیکیداروں کے اشاروں پر ناچتی رہے اور اپنے آباء اور اپنے اسلاف کے کفن بیچنے کو اپنا اعزاز سمجھنے لگے اور تاریخ کی عدالت میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرتی رہے۔ اور عالمی سطح پر اسلام کے ایک سیاسی قوت بن کر ابھرنے کے تمام امکانات ختم ہو جائیں۔ دشمنان اسلام انتقام کی آگ میں جل رہے ہیں وہ امت مسلمہ سے انتقام لینے کی پوری منصوبہ بندی کر چکے ہیں اور مرحلہ وار آگے بڑھ رہے ہیں' مسلمان اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود اپنی ثقافتی اکائی کے تحفظ کے نہ صرف اہل ہیں بلکہ اگر اپنے تمام مادی وسائل اور افرادی قوت کو جمع کر لیں تو باطل کے مدمقابل اتر کر اس پر

کاری ضرب بھی لگا سکتے ہیں کیونکہ اللہ کے دین کو بہر حال غالب آنا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ○ (الصف ۶۱:۸)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھادیں لیکن اللہ اپنے نور (حق) کو پورا کر کے رہے گا' خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

یہی قدرت کا فیصلہ ہے' یہی انتخاب طبعی (Natural selection) ہے فطرت کبھی کمزور کا انتخاب نہیں کرتی' زمین پر وہی کچھ بچتا ہے جو نفع بخش ہوتا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جنگ بندی کی صورتیں

اسلام کے فلسفہ جہاد کا تفصیلی جائزہ لینے اور اس کے جنگی قوانین کو موضوع بحث بنانے کے بعد آیئے اب جنگ بندی کی مختلف صورتوں کو بھی زیر بحث لائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام جو بقائے باہمی کے اصول پر سختی سے کاربند ہے جو جنگ برائے جنگ کا قائل نہیں اور ناگزیر حالات میں ہی دشمن کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے جنگ بندی کے بارے میں اپنے پیروکاروں کی کس طرح رہنمائی کرتا ہے۔

ا۔ دشمن کی شکست

اگر اسلامی لشکر دشمن کو شکست فاش دے کر اس کے علاقے پر قبضہ کر لے تو مدمقابل کے ہتھیار ڈالنے کی صورت میں جنگ بندی خود بخود عمل میں آجائے گی' فتح مکہ اس کی بہترین مثال ہے' کفار و مشرکین بغیر کسی معرکہ آرائی کے مفتوح ہوئے' کچھ بھاگ گئے' باقیوں نے مقابلہ سے ہاتھ کھینچ لیا اور مسلمان فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

۲۔ دشمن کا قبول اسلام

دشمن اگر کسی مرحلے پر بھی اسلام قبول کر لے تو فوراً جنگ بندی پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس بات کی چھان پھٹک بھی نہیں کی جاتی کہ اس نے قبول اسلام دھوکہ دینے کے لئے کیا ہے یا جان بچانے کے لئے اس نے قبول اسلام کا ڈھونگ رچایا ہے کیونکہ انسان کسی کا دل چیر کر نہیں دیکھ سکتا' اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ اسلام کا مقصود نہیں' وہ صلح اور امن کا علمبردار ہے' اور صلح و امن کی تلاش میں رہتا ہے' اسلام اس حد تک رواداری کا مظاہرہ کرتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ مفتوحہ علاقے اسلامی ریاست کا حصہ بنا لئے جائیں' قبول اسلام کی صورت میں سابق حکمرانوں ہی کو برسراقتدار رہنے دیا جاتا ہے' بحرین اور عمان میں اسی اصول پر عمل کیا گیا۔ نجاشی بھی قبول اسلام کے بعد اپنے علاقوں کا بدستور بادشاہ رہا۔

۳۔ دشمن کا اسلام کی حاکمیت کو تسلیم کرنا

جنگ بندی کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دشمن اسلام کے راستے کی دیوار نہ بننے کا اقرار کرے نہ صرف اقرار کرے بلکہ مسلمانوں کی سیاسی حاکیت کو بھی تسلیم کرے اس صورت میں اسے اسلامی مملکت میں ذمی کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اس کی جان اور اس کا مال مسلمانوں پر حرام قرار دیا جائے گا' اگر وہ جنگ سے قبل انتباہ کی صورت میں اسلامی ریاست کی اطاعت پر آمادہ ہو جائے تو اس پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ فدک' ایلہ اور نجران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

۴۔ بغیر کسی فیصلے کے جنگ بندی'

یک طرفہ طور پر بھی جنگ بندی عمل میں آ سکتی ہے' بعض اوقات جنگ اتنا طول پکڑ سکتی ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک فریق اس طوالت سے تنگ آ کر یا کسی مصلحت کے تحت یا جنگی حکمت عملی کے طور پر یک طرفہ طور پر جنگ بند کر سکتا ہے

ان حالات میں ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوتا اور فریقین ایک دوسرے کے ساتھ اپنے معاملات بھی طے نہیں کر پاتے' کوئی معاہدہ بھی حیطہ تحریر میں نہیں لایا جاتا' غزوہ احزاب میں کفار مدینہ منورہ کا محاصرہ اٹھا کر واپس چلے گئے' اور غزوہ طائف میں مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ اٹھالیا۔

غیر مسلموں سے جہاد کے علاوہ دیگر اصلاحی جنگیں

صدرِ اول میں کفار و مشرکین کے خلاف جہاد کے علاوہ دیگر اصلاحی جنگی کارروائیاں بھی کی گئیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ راہزنی کے خلاف جہاد

اسلام میں غیر مسلموں کے خلاف جہاد کے علاوہ دیگر اصلاحی جنگوں کا تصور بھی موجود ہے' کیونکہ اسلام عالمی سطح پر قیام امن کا خواہاں ہے' فتنہ و فساد کا خاتمہ اس کا مطمح نظر ہے' اور یہ استحصال ظلم اور جبر کی ہر صورت پر کاری ضرب لگاتا ہے تاکہ افراد معاشرہ کے جان' مال اور اولاد کو تحفظ کی چھتری فراہم کی جا سکے۔ معاشرے سے لاقانونیت کا خاتمہ ہو' امن عامہ کی صورت بہتر ہو قانون کو بالادستی حاصل ہو اور اللہ کی زمین پر انسانوں کے درمیان عدل اور مساوات قائم کر کے انسان کے بنیادی حقوق کی عملی تعبیر فراہم کی جائے' چنانچہ اسلامی ریاست میں کوئی فرد یا گروہ راہزنی کا مرتکب ہو' قتل و غارتگری پر اتر آئے' پر امن شہریوں پر عرصہ حیات تنگ کر دے' تجارتی شاہراہوں پر شورش برپا کرتے ہوئے انہیں غیر محفوظ بنا دے' فتنوں کی پرورش کرے' سازشوں میں ملوث ہو اور شرانگیزی کو ہوا دے کر امن عامہ کو تباہ کرنے کی گھناؤنی سازش میں مصروف ہو اور لوٹ مار کا بازار گرم کرے تو ایسے فرد یا افراد کے خلاف علم جہاد بلند کر کے ان کی غیر انسانی اور غیر اخلاقی حرکات کا سدباب کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں مفسدین کا یہ گروہ محاربین کہلائے گا۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ط (المائدہ ۵: ۳۳)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریزی' رہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیے جائیں۔

۲۔ مرتدین کے خلاف جہاد

کسی مملکت کے اساسی نظریے سے انحراف اس مملکت کے اقتدار اعلیٰ کے خلاف اعلان جنگ ہے کوئی ریاست اپنے منحرفین کو معاف نہیں کرتی' انہیں کڑی سے کڑی سزا دی جاتی ہے کہ مملکت کی بنیادوں میں پانی بھرنے اور لاکھوں کروڑوں شہریوں کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے والوں کو معاف کرنا بزدلی اور بے غیرتی ہے اور کوئی قوم بزدلی اور بے غیرتی کا چولا پہن کر اپنے نظریاتی وجود کا تحفظ نہیں کر سکتی' جب نظریاتی وجود ہی ختم ہو جائے تو جغرافیائی وجود کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا' کمیونزم سے انحراف کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ کیا کمیونسٹوں نے انہیں معاف کر دیا' کوئی خود مختار اور باضمیر ملک اپنے آئین کے منحرفین کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیتا۔ منحرف چہروں کی موجودگی میں جرم ضعیفی تو جنم لے سکتا ہے' وہ عزم اور وہ احساس پیدا نہیں ہو سکتا جو قصر

آزادی کے گرد حصار کھینچ دیتا ہے اور قوم و ملک کے اقتدار اعلیٰ کا محافظ سمجھا جاتا ہے' اسلام بھی منحرفین اور مرتدین کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے جو لوگ پیدائشی مسلمان ہوں یا بعد میں اسلام قبول کیا ہو' وہ اسلام سے پھر جائیں کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیں تو ایسے محرف لوگ مرتد کہلاتے ہیں' توبہ نہ کریں تو ان کی سزا قتل ہے اور ان کے خلاف حکومت پر جہاد فرض ہو جاتا ہے' اگر یہ لوگ جماعت کی صورت میں نہ ہوں بلکہ مختلف علاقوں میں منتشر ہوں تو ظاہر ہے ان کے خلاف کھلی جنگ کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ انہیں حراست میں لے کر انہیں توبہ کے لئے کہا جائے گا۔ کچھ شبہات پیش کریں تو گفت و شنید سے یہ شبہات دور کئے جائیں گے' یہ منحرف اور مرتد لوگ تائب ہو جائیں تو انہیں حسب سابق مسلمان تصور کیا جائے گا توبہ نہ کریں تو انہیں سزائے موت دی جائے گی۔ مرتدین اجتماعی طور پر جنگ کریں تو انہی قوانین کا اطلاق ہو گا جن قوانین پر کفار کے مقابلے میں جہاد کرتے وقت عمل کیا جاتا ہے البتہ دارالحرب اور دارالارتداد کے چند ایک احکامات مختلف ہیں' جب کوئی جماعت واجبات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے تو وہ مرتد متصور ہو گی' مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کا انکار کرنے والوں کو مرتد قرار دیا تھا اور ان سے باقاعدہ جنگ کی تھی البتہ اگر یہ جماعت واجبات دین کے واجب ہونے کا انکار نہ کرے اور صرف ادائیگی سے انکار کرے تو اس جماعت کو باغی سمجھ کر اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور اس صورت میں احکامات مختلف ہوں گے۔ (الاحکام السلطانیہ ۵۷)

۳۔ باغیوں کے خلاف جہاد

ریاست اپنے باغیوں کو بھی معاف نہیں کرتی' اسلامی ریاست میں بھی باغیوں کے خلاف احکامات موجود ہیں کچھ لوگ الگ مسلک ایجاد کر کے مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت پر اتر آئیں لیکن اپنی علیحدہ قوت نہ بنائیں اور امام کی اطاعت سے بھی نہ ہٹیں تو ان کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں سے ابتداءً

یہی معاملہ کیا تھا۔ باغیوں اور خارجیوں کو ابتدا میں ہی عقائد درست کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ گڑ بڑ کر کے معاشرے کو انتشار اور افتراق کا شکار کرنے والے کو سزا دی جا سکتی ہے۔ معاشرے کا امن تباہ کرنے والے فرد یا افراد کو سزا ملنی چاہیے اگر ان سے چشم پوشی کی جائے اور ان کی شرانگیزیوں کا نوٹس نہ لیا جائے تو ان کے حوصلے مزید بڑھ جائیں گے اور وہ افراتفری اور بداعتمادی کا ماحول پیدا کر کے پورے معاشرے کو تماشاگاہ میں تبدیل کر دیں گے۔ اسلام میں باغیوں کے بارے میں جو رویہ اپنایا گیا ہے وہ حقیقت پسندانہ ہی نہیں عدل اور انصاف کے تقاضوں پر بھی پورا اترتا ہے۔ باغی اگر علیحدہ ٹھکانہ بھی بنالیں لیکن امام کی اطاعت سے نہ نکلیں اس وقت بھی ان کے خلاف جنگ جائز نہ ہو گی البتہ امام کی اطاعت سے نکل کر اپنا الگ امام بنالیں تو اس صورت میں ان کے خلاف جنگ جائز ہو گی جنگ سے پہلے انہیں توبہ کرنے اور اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی اگر وہ اس پیش کش کو ٹھکرا دیں تو ان کے خلاف فوری ایکشن لیا جائے گا۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

(الحجرات ۴۹: ۹)

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرتا چلا جائے تو (تم خاموشی سے تماشا نہ دیکھو بلکہ) تم سب (مل کر) اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں میں غیر جانبداری (یا مساوات) سے صلح کرا دو اور انصاف ملحوظ رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حرب اور اسلام

عربی زبان میں جنگ کے لئے حرب کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن حرب اور اسلام کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان میں کسی قسم کا اشتراک نہیں پایا جاتا نہ لغوی مفہوم کے اعتبار سے اور نہ ظاہری اور عملی اعتبار کے حوالے ہی سے۔

حرب کا معنی

حرب کا معنی شدید غصے میں آنا اور تحریب کا معنی بھڑکانا' غصہ دلانا اور نیزہ تیز کرنے کے آتے ہیں۔

حربہ الرجل مالہ الذی یعیش بہ — حربہ اسی مال کو کہتے ہیں جس پر آدمی زندگی بسر کرتا ہے۔

(لسان العرب' ۳:۱)

حرب کا اطلاق کسی مال کے لے لینے پر ہوتا ہے یعنی کسی کا مال چھین لیا جائے اس لئے لٹے ہوئے شخص کو محروب اور حریب کہتے ہیں' "احربتہ" یعنی میں نے کسی شخص کے دشمن کے مال کی طرف رہنمائی کی کہ وہ اسے لوٹ لے اور "احرب" کا مطلب ہے وہ شخص لٹ گیا' عربی زبان میں لفظ "حرب" کے سینکڑوں مترادفات ہیں لیکن یہ لفظ مقاصد جنگ کو زیادہ بہتر طریقے سے واضح کرتا ہے' عربوں کی لڑائیاں عام طور پر دو مقاصد کے لئے ہوتی تھیں' ایک لوٹ مار کے لئے جو ان کا معمول بن چکا تھا اور دوسرے نسلی تفاخر اور خود ساختہ غیرت وحمیت کے مظاہرہ کے لئے انتقامی کارروائیوں کے لئے جن پر عرب ہمیشہ فخر کرتے رہے' انہیں ایام العرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور انہیں تاریخی حیثیت حاصل ہے' لفظ حرب ان دونوں مقاصد کے لئے برپا کی جانے والی لڑائیوں کے محرکات اور مقاصد کا ایک بلیغ استعارہ ہے اور اپنا مفہوم پوری طرح واضح اور روشن کرتا ہے عورتوں کی بے حرمتی' دشمن کی تذلیل' اعضاء کا مثلہ وغیرہ جنگ کے مفہوم میں شامل ہیں' جنگ کے لئے عربی میں لفظ روع بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب قوت اور دہشت کے ہیں ایک اور اصطلاح "یوم کریہہ"

بھی ہے جس کا مطلب مصیبت کا دن ہے۔

عربی لغت کے مطابق سرزمین عرب پر جنگ کے لئے جو سینکڑوں تراکیب' محاورے' علامتیں' استعارے استعمال ہوتے ہیں ان تمام سے وحشیانہ پن اور دہشت گردی کا تاثر ابھرتا ہے اس لئے عسکری لٹریچر کی اصلاح کے لئے اسلام نے ان تمام الفاظ اور محاوروں کو ترک کر کے اصلاح احوال کی جدوجہد کو "جہاد" کا نام دیا اس کا اطلاق اعلیٰ اور ارفع مقاصد کے لئے' قیام امن' فتنہ وفساد کے خاتمہ کے لئے اور ظلم' جبر اور تشدد کو مٹانے کے لئے تلوار اٹھانے پر ہوتا ہے ایک مسلمان کی ساری زندگی سراپا جہاد ہوتی ہے۔ وہ اپنے باطن کے اندھیروں سے بھی جہاد کرتا ہے' اور ظاہر کی تاریکیوں سے بھی برسرپیکار رہتا ہے۔ جھوٹ' منافقت' دجل' فریب' عریانی' فحاشی' جہالت' جوا' شراب' زنا کے لئے وہ ابلیسی قوتوں سے مصروف جہاد رہتا ہے' اللہ کی زمین پر عدل اور مساوات قائم کرنے' کفر کے خاتمے اور پرچم توحید بلند کرنے کے لئے وہ ہر لحہ جذبہ جہاد سے سرشار رہتا ہے۔ لفظ جہاد سے لوٹ مار' غیظ وغضب' قتل وغارتگری کی بو نہیں آتی بلکہ اس کا معنی پاکیزہ' اعلیٰ وارفع مقاصد پر دلالت کرتا ہے' ایک مہذب' شائستہ اور بلند عزائم رکھنے والی صلح پسند اور امن پسند قوم کی انقلابی جدوجہد اور مسلسل کاوشوں کے مفہوم کی ترسیل کے لئے لفظ جہاد سے بہتر کوئی دوسرا لفظ نہیں' جہاد اپنے وسیع تر معنوں میں وقتی یا ہنگامی نہیں بلکہ مہد سے لحد تک مرد مومن کی پوری زندگی پر محیط ہے اور وہ لحہ جو جذبہ جہاد سے عاری ہے اسلام کے لئے قابل قبول نہیں۔

حصہ دوم
اسلام کا تصور جہاد

باب-۱

تصوّرِ جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ (الحج ۲۲: ۷۸)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ راہِ حق میں مومن اپنی تمام تر تخلیقی، جسمانی اور مالی صلاحیتیں بروئے کار لائے، ایثار و قربانی کو بابِ بندگی کا عنوان بنائے حتیٰ کہ اپنی جان بھی جان آفریں کے سپرد کر دے، گویا جہاد اپنی تمام خواہشات کو خدا کی رضا کی دہلیز پر قربان کر دینے کا نام ہے، کفر و باطل سے ٹکرا جانے کا نام ہی ایمان ہے، جہاد کے بغیر کوئی مسلمان مومن ہو ہی نہیں سکتا، فقط شہادت مومن کا مقصود و مطلوب ہے، جہاد کا مقصد نہ تو مالِ غنیمت سمیٹنا ہے اور نہ اس کا مقصد کشور کشائی ہی ہے، توسیع پسندانہ عزائم اور ہوسِ ملک گیری کا کوئی تعلق اسلام کے فلسفۂ جہاد سے نہیں اور نہ دہشت گردی کا ہی جہاد سے کوئی دور کا واسطہ ہے۔ اسلامی ریاست پرامن شہریوں کے جان، مال اور عزت کی محافظ ہے حتیٰ کہ ابو سفیان کے گھر میں پناہ لینے والے کو بھی امان دی جاتی ہے، فتنہ وفساد کے خاتمے، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی گوشمالی، سرکشی اور بغاوت کی سرکوبی اور ظلم و بربریت، درندگی و ناانصافی اور ناحق خونریزی کے خلاف تلوار اٹھانا انسانی حقوق کے ہر چارٹر کے مطابق نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض ہے تاکہ اللہ کی زمین فتنہ و فساد سے پاک ہو، امن بحال ہو اور اللہ کی زمین پر قیامِ عدل کے لئے راہ ہموار ہو جائے، جب کوئی فرد، جماعت یا قوم اپنی حدود سے تجاوز کر کے کسی فرد، جماعت یا قوم کا جینا محال کر دے، امن و امان کو تہ و بالا کر دے، کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ رہے، چھوٹی اور غریب اقوام کے اقتدارِ اعلیٰ کو اپنی انا پر قربان کر دیا جائے اور اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے بھی ذلت اور رسوائی کو ان کا مقدر بنا دیا جائے تو قرآن ان حالات میں استحصالی قوتوں کے خلاف جنگ کی ناگزیریت پر نہ صرف مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے بلکہ بین الاقوامی سامراجی غنڈوں، دہشت گردوں، فتنہ پردازوں، فسادیوں، جنگجوؤں اور

امن دشمنوں کے خلاف انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اعلان جہاد کا حکم دیتا ہے یہ حکم صرف اعلان تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ آگے بڑھ کر فتنہ و فساد کے ان مراکز کو بند کرنے کی ہدایت بھی دیتا ہے اور یوں ابن آدم کو دائمی امن کی راہ بجھاتا ہے' محض اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اپنے لہو میں ڈوب کر جہاد بالسیف کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گھوڑا اگر جہاد کی نیت سے پالا جائے تو اس کی لید کو اکٹھا کرنے کے لئے پھاوڑا چلانے کو بھی عبادت کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔ جہاد ہر مومن پر فرض ہے' جہاد محض جنگ یا دشمن کے ساتھ محاذ آرائی کا نام نہیں بلکہ اسلام نے تصورِ جہاد کو بڑی وسعت اور جامعیت عطا کی ہے' قرآن حکیم میں جہاد کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے' جہاد کی چار قسمیں ہیں جہاد بالمال' جہاد بالنفس' جہاد بالعلم اور جہاد بالسیف۔

جہاد کا لغوی مفہوم

جہاد کا لفظ **جہد** سے مشتق ہے' **جَہد** فتح کے ساتھ معنی وسعت اور **جُہد** رفع کے ساتھ معنی مشقت میں مستعمل ہے' ان دونوں مادہ ہائے اشتقاق کی روشنی میں لفظ جہاد کا معنی و مفہوم یہ ہو گا کہ وہ امر خیر جس میں انتہائی طاقت اور وسعت صرف کی جائے اور ہر قسم کی تکلیف اور مشقت برداشت کی جائے۔ علاوہ ازیں لفظ جہاد کسی کام میں مبالغہ کرنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:۔

الجهادُ والمجاهدة استفراغ الوسع في مدافعة العدوِّ — دشمن کے مقابلہ و مدافعت میں فوراً اپنی پوری قوت و طاقت صرف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ (المفردات:۱۰۱)

جہاد کا شرعی مفہوم

اجتہادی اور ارتقائی نقطہ نظر کے مطابق جہاد اپنے اندر ایک بڑا وسیع اور جامع مفہوم رکھتا ہے اور متعدد و متنوع جہات پر محیط ہے' مفکرین و ائمہ نے مختلف اوقات میں اپنے اپنے انداز' فکر اور سوچ کے مطابق جہاد کے شرعی مفہوم کو کچھ یوں

متعین کرنے کی سعی کی ہے۔

(۱) علامہ بدر الدین عینیؒ جہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الجهاد فی الشرع بذل الجهد فی قتال الکفار لاعلاء کلمة الله

(عمدۃ القاری، ۱۴: ۴۹)

عرف شرعی میں جہاد اعلائے کلمۃ اللہ (دین حق کی سربلندی) کے لئے (منافقانہ مشرکانہ اور) کافرانہ طاقتوں کی پوری طاقت و قوت سے سرکوبی کرنے سے عبارت ہے۔

(۲) علامہ علی بن خلف المالکی لفظ جہاد کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

قتال مسلم کافرا غیر ذی عهد لاعلاء کلمة الله او حضوره له، او دخوله ارضه له

(کفایہ الطالب الربانی، ۳: ۵)

مسلمان کا غیر معاہد (کافرانہ قوتوں) سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا، ان پر غلبہ پانا یا ان کی زمین پر (امن و آشتی کے قیام کے لئے) داخل ہونا جہاد کہلاتا ہے۔

(۳) امام کاسانی حنفیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

اما الجهاد فی عرف الشرع بذل الوسع و الطاقة بالقتال فی سبیل الله عزو جل بالنفس و المال و اللسان

(بدائع الصنائع، ۷: ۹۷)

عرف شرعی میں جہاد اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لئے جانی، مالی اور لسانی (تشہیری و اطلاعاتی) قوتوں کو پوری طاقت سے صرف کرنے سے عبارت ہے۔

(۴) الدکتور وھبۃ الزحیلی یوں مفہوم جہاد بیان کرتے ہیں۔

بذل الوسع و الطاقة فی قتال الکفار و مدافعتهم بالنفس و المال و اللسان

(الفقہ الاسلامی و ادلتہ، ۴: ۴۱۴)

کفار (کے فاسقانہ و ظالمانہ نظام) کی دشمنی و عداوت (حتیٰ کہ ان کے) قتال میں قوت و طاقت صرف کرنا اور جانی، مالی اور لسانی (تشہیری) قوتوں کے ذریعہ

الجهاد في الاسلام هو قتال من يسعون في الارض فسادا لتقويض دعائم الامن واقلاق راحة الناس وهم امنون في ديارهم او الذين يثيرون الفتن من مكامنها اما بالحاد في الدين و خروج عن الجماعة و شق عصا الطاعة او الذين يريدون اطفاء نور الله و يناؤون المسلمين العداء و يخرجونهم من ديارهم و ينقضون العهود و يخفرون بالذمم فالجهاد اذن هو لدفع الاذى والمكروه و رفع المظالم و الذود عن المحارم۔

(حکمۃ التشریع و فلسفتہ ۲: ۳۳۰)

کافرانہ طاقتوں سے مدافعت اور مزاحمت کرنا جہاد کہلاتا ہے۔

اسلام میں جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کی سرکوبی کرنا جو اللہ کی زمین میں فساد انگیزی کے لئے کاوشیں کرتے ہیں تاکہ بنائے امن کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور لوگوں کے راحت و سکون کو ختم کر دیا جائے بایں صورت کہ جب وہ انتہائی پر سکون زندگی بسر کر رہے ہوں یا وہ لوگ جو فتنوں کو پوشیدہ و مخفی جگہوں سے (امن عالم کو تباہ کرنے کے لئے) بھڑکاتے ہیں خواہ (یہ کاوش) دین سے منحرف کرنے کی صورت میں ہو یا جماعت (جمیع اہل اسلام) سے باغی کرنے اور اطاعت کی زندگی سے روگردانی کرنے کے لئے ہو یا وہ لوگ جو اللہ کے نور (دین اسلام) کو بجھانے کا ارادہ کریں یا مسلمانوں سے عداوت و دشمنی کریں اور انہیں گھروں سے بے گھر کریں عہد شکنی کریں اور باہمی معاہدات کی پاسداری نہ کریں غرضیکہ جہاد اذیت و تکلیف دہ ماحول اور ناپسندیدہ (نظام حیات) کو بدلنے اور ظلم و ستم کی (سیاہ

رات کو) ختم کرنے اور محارم کی حفاظت
کرنے کا نام ہے۔

جہاد کی مذکورہ بالا تمام تعریفات اگرچہ درست ہیں اور بڑی حد تک قرآن کے فلسفۂ جہاد کی روح کو قرطاس و قلم کے سپرد کرتی دکھائی دیتی ہیں لیکن جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر اور جہاد کی مختلف جہات' اقسام اور ضروریات اور عہد جدید کے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر ایک جامع مگر مختصر تعریف کی ضرورت ہے' ہمارے خیال میں یہ تعریف کچھ یوں ہو سکتی ہے۔

"دین اسلام کی اشاعت و ترویج' سربلندی و اعلاء اور حصول رضائے الٰہی کے لئے اپنی تمام تر' جانی' مالی' جسمانی' لسانی اور ذہنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو وقف کر دینا جہاد کہلاتا ہے۔"

جہاد کے مقاصد جلیلہ

اسلام فرد کی اکائی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی نجی زندگی کی بقاء و سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اور معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔ اسلام کہیں بھی افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتا بلکہ توازن اور اعتدال کے فطری تقاضوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں عملی طور پر نافذ کر کے انتہا پسندی کے دروازوں کو مقفل کرنے کا آرزومند ہے' اسلام کا تصور ریاست بھی منفرد اور مثالی ہے' اسلام اپنے پیروکاروں کو قومیت کی محدود چار دیواری میں مقید نہیں کرتا' حکیمانِ یونان کے کسی فلسفے کا اطلاق اسلام کے تصور قومیت پر نہیں ہوتا' قوم رسول ہاشمی اپنی ہیئت ترکیبی میں اقوام مغرب کے ہر نظریئے اور ضابطے کی نفی کرتی ہے' ملت اسلامیہ ملت واحدہ ہے' دنیا کے ہر خطے کا مسلمان اپنی ثقافتی شناخت' تمدنی پہچان یا لسانی امتیاز کے باوجود اس ملت واحدہ کا ایک حصہ ہے' اسلام وطنیت کے مغربی تصور کی بھی نفی کرتا ہے' اسلام اس کرہ ارض پر پرامن معاشروں کے قیام کا داعی ہے' اسلامی ریاست ایک

فلاحی ریاست ہے جس میں استحصال کی کسی شکل کی بھی گنجائش نہیں' اسلام قانون کی حکمرانی چاہتا ہے اور عدل پر زور دیتا ہے تاکہ شہریوں (کسی مذہبی تفریق کے بغیر) کے جان مال اور عزت کی حفاظت ہو سکے' شہریوں کا اطمینان اور اعتماد ہی حقیقی امن کو جنم دیتا ہے' قیام امن اسلامی ریاست کی ترجیحات میں سر فہرست ہے' جہاد بالسیف کا مقصد بھی فتنہ و شر کو بزور بازو ختم کر کے عالمی سطح پر دائمی امن قائم کرنا ہے۔

جہاد اپنے مقاصد کی روشنی میں معاشرے سے ظلم و ستم' استحصال' ناانصافیوں اور فتنہ و شر کو ختم کر کے قیام امن عالم' عدل و مساوات' حریت فکر و عمل اعلائے کلمۃ اللہ اور ستم رسیدہ انسانیت کو مژدہ امن سنانے والی سعی مشکور کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج

(النساء' ۴:۷۵)

اور (مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے جبکہ بے بس مرد' عورتیں اور بچے جو چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں' اے ہمارے رب' ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے (وڈیرے) ظالم ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں مسلمانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا جا رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ کمزوروں' بے بسوں' لاچاروں اور معاشرے کے مجبور و مقہور انسانوں کی حمایت میں (جن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے) ظالموں کے خلاف اعلان جہاد نہیں کرتے؟ سر بکف ہو کر میدان کارزار میں کیوں نہیں اترتے' ظلم کے خلاف' فتنہ و شر کے خلاف' سماج کی استحصالی قوتوں کے خلاف تم اپنی تلواریں بے نیام کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے یہ بھائی ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں' رہ رہ کر ان کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ رہی ہیں وہ اپنے مالک حقیقی کو پکار پکار کر مدد کے خواستگار ہو رہے ہیں' وہ اس قریہ جبر سے نکلنے کے لئے خدا کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں حرف دعا

ان کے ہونٹوں پر سسک رہا ہے' اٹھو! ظلم اور استحصال کے خلاف تلوار اٹھاؤ اور ان مظلوم عورتوں' مردوں اور بچوں کو ان کے پنجۂ استبداد سے نجات دلاؤ۔ مذکورہ صورت میں اسلام کے پیروکاروں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے' مسلمانو! اس وقت تک اپنے اوپر آرام و سکون حرام کر لو جب تک فتنہ پردازوں اور فسادیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتی اور یہ زمین امن و امان کا گہوارہ بن کر اولاد آدم کی بقاء و سلامتی کی ضامن نہیں بن جاتی۔

۱۔ جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا مقصد یہ ہے کہ مخلوق خدا کو استعماری قوتوں اور استحصالی غاصبوں کے چنگل سے رہائی دلا کر انہیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا جائے' یہ آزادی صرف سیاسی یا جغرافیائی آزادی نہ ہو بلکہ یہ آزادی اقتصادی اور ثقافتی آزادی پر بھی محیط ہو تاکہ محکوم اور مفلوک الحال افراد اور قومیں صحیح معنوں میں آزادی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکیں اور اپنے افکار و نظریات کی روشنی میں زندگی بسر کر سکیں۔

۲۔ جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا مقصد ——— اعلائے کلمۃ الحق ہے ——— یعنی اللہ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے فتنہ انگیزی کا قلع قمع کیا جائے' عالمگیر سطح پر اقامت دین کے لئے انقلابی جدوجہد کی جائے اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا جائے۔

۳۔ جہاد فی سبیل اللہ کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ استحصال کی ہر شکل کو مٹا دیا جائے تاکہ اس کرہ ارض پر عدل قائم ہو اور اولاد آدم کے جمہوری حقوق کی پاسداری کی ضمانت دی جا سکے' جبر مسلسل کا ہدف مسلمان بنے یا غیر مسلم ہر دو صورتوں میں شمشیر اسلام نیام سے باہر نکل آئے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچائے اور مسلمانوں کی تیغ برہنہ بلا تفریق رنگ و مذہب تمام انسانوں کے لئے فیض رسانی کا موجب بنے۔

فرضیت جہاد اور اس کے تدریجی مراحل

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب اللہ تعالٰی کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا شروع

کیا تو آہستہ آہستہ شمع اسلام کی روشنی چاردانگ عالم میں پھیلتی چلی گئی اور تاریکیاں اجالوں میں بدلتی چلی گئیں لیکن یہ چیز کفار و مشرکین کو گوارا نہیں تھی انہوں نے بھی مخالفتوں اور مزاحمتوں کے جال بننا شروع کر دیئے اور اس چراغ کو گل کرنے کی حتی المقدور کوششوں کا آغاز کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○

(التوبہ، ۹:۳۲)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔

چونکہ یہ وعدہ الٰہی ہے کہ یہ چراغ کبھی گل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی روشنی پھیلے گی اور یہ دین تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اس لئے کفار و مشرکین کی کوششیں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○

(التوبہ، ۹:۳۳)

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

یہی کفار و مشرکین تھے جنہوں نے مسلمانوں کے، خلاف مصائب و آلام کے پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے۔ اصحاب رسول کو ہاتھ اور زبان سے شدید اذیتیں پہنچاتے۔ صحابہ کرامؓ اسی حال میں پہنچتے تھے کہ کسی کا سر پھٹا ہوا ہے، کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے اور کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے۔ روزانہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس قسم کی شکایات پہنچتی تھیں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ کی طرف سے صبر و استقامت کا درس

دیا گیا تھا کہ

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (الطور ۵۲: ۴۸) اور آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار فرمایئے بہر حال آپ تو ہماری نظروں میں ہیں۔

اسلئے جب آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایذا رسانی کی شکایات پہنچتیں تو آپ ﷺ اپنے غلاموں کو صبر کی تلقین فرماتے کہ صبرواستقامت سے ان مصائب و آلام کا سامنا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے تنگی کے بعد آسانی آتی ہے' پس ایک وقت آئے گا کہ تم خوش و خرم زندگی گزارو گے۔ ابھی حکم جہاد مجھے نہیں ہوا۔ جب حکم ہو گا تو علم جہاد بلند کرنے کے لئے میدان عمل میں اتر آئیں گے بالآخر جب انہی حالات میں آقائے نامدار ﷺ مکہ کی وادی کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے تو اس وقت آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ (الحج ۲۲: ۳۹) (ان (مسلمانوں) کو جن سے کافر (خواہ مخواہ) جنگ کرتے ہیں (لڑائی کی) اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

حکم جہاد سے قبل حضور نبی اکرم ﷺ کو مشرکین سے اعراض کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ (الحجر ۱۵: ۸۵) (اے اخلاق مجسم) آپ بڑے حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہیے۔

ایک اور مقام پر مشرکین سے منہ پھیر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ پس آپ وہ (باتیں) اعلانیہ کہہ ڈالیں

اَلْمُشْرِكِيْنَ ○ (الحجر ۱۵: ۹۴)

جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ آپ حکمت کے ساتھ نصیحت کر کے لوگوں کو دین کی طرف بلائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (النحل ۱۶: ۱۲۵)

(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اگر مشرکین جنگ کی ابتدا کریں تو ان سے مدافعانہ جنگ کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ ○ (البقرہ ۲: ۱۹۱)

پھر اگر وہ قتال کریں تو انہیں قتل کر ڈالو، (ایسے) کافروں کی یہی سزا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال ۸: ۶۱)

اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ارشاد ہوا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط (البقرہ ۲: ۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ ۹:۵)

تو تم (حسب اعلان) مشرکوں کو قتل کر دو جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ۔

اس کے بعد مشرکین سے جہاد کی فرضیت برقرار رہی اور قیامت تک کے لئے جہاد فرض ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ اس امر پر شاہد و عادل ہیں۔

قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ

(صحیح بخاری ۱:۱۸۸)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا کہ جب تک لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں میں ان سے جنگ کرتا رہوں اور جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا اس نے اپنی جان اور اپنا مال مجھ سے محفوظ کر لیا البتہ جو ان پر حق ہو گا وہ وصول کیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جہاد جاری رکھنے کا ذکر یوں آیا ہے۔

قال النبی ﷺ الجہاد ماض منذ بعثنی اللہ تعالی الی ان یقاتل اخر امتی الدجال (ابو داؤد ۱:۳۵۰)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس وقت سے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے لڑیں گے۔

اور حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے" جہاد جاری رہنے پر واضح دلالت کرتا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ بعثت بین یدی الساعۃ بالسیف حتی یعبد اللہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے

وحدہ لا شریک لہ و جعل رزقی تحت ظل رمحی و جعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری و من تشبہ بقوم فھو منھم

(مسند امام احمد بن حنبل، ۲: ۵۰)

ساتھ مبعوث کیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق نیزوں کے سائے میں ہے اور جو شخص میرے حکم کی مخالفت کرے گا اس کے لئے ذلت اور محکومی ہے اور جو شخص جس قوم سے مشابہت کرے گا اس کا شمار اسی قوم میں ہو گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا ہے، ایک وہ تلوار جس کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا۔ ایک وہ تلوار جس کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کیا۔ جس قوم سے جہاد کیا وہ نبی خلیفہ ہے اور یہ قوم یمامہ میں رہتی تھی اور دراصل یہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے لوگ تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے۔

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ

(الفتح، ۴۸: ۱۶)

تم ان سے (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اطاعت قبول کریں گے۔

تیسری وہ تلوار جس کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ نے مجوس اور اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(التوبہ، ۹: ۲۹)

(اے مسلمانو!) اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت

پر۔

چوتھی وہ تلوار جس کے ساتھ حضرت علیؓ نے خارجیوں، معاہدہ توڑنے والوں اور بغاوت کرنے والوں سے جہاد کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ج (الحجرات، ۴۹:۹)

تو تم سب (مل کر) اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

جہاد فرض ہے اگرچہ گراں ہی کیوں نہ محسوس ہو

ارشاد خداوندی ہے۔

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَ ھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَ عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ع

(البقرہ، ۲:۲۱۶)

(اللہ کی راہ میں) قتال تم پر فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ طبعاً تمہیں ناگوار ہے، اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بہتر ہو اور (یہ بھی) ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بری ہو اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جہاد کی فرضیت کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ حکم جہاد تمہاری طبیعتوں پر گراں گزرتا ہے۔ نعروں کی حد تک تو تم اسے گوارا کر لیتے ہو لیکن جب میدان کارزار میں اتر کر اللہ کی راہ میں تلوار بے نیام کرنے کا وقت آتا ہے تو ہزاروں بہانے تلاش کرنے لگتے ہو، گھریلو مجبوریوں کی آڑ لیتے ہو لیکن یہ سوچ سب کی سوچ نہیں، ایسے بھی ہیں جو زندگی سے زیادہ موت سے پیار کرتے ہیں اور اللہ کی راہ

میں سربکف نکلتے ہیں، جب کسی شہید کی روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے تو جلوہ یار آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم تو جیتے ہی اس امید پر تھے کہ تیری طرف سے پیغام اجل آئے اور ہم تیرے جلووں سے شاد کام ہو سکیں، اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفع و نقصان سے پوری طرح باخبر نہیں، اس لئے اسے اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کو اللہ کی رضا پر قربان کر دینا چاہئے اس لئے کہ اللہ نے ایمان والوں کے لئے جہاد کے راستے کو پسند کیا ہے۔

قابل توجہ نکتہ

فرمان خداوندی ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ، ۲:۲۱۷)

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں فرما دیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے روکنا، اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے اور یہ فتنہ انگیزی قتل و خون سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حرمت والے مہینوں رجب، ذیقعد، ذی الحج اور محرم کے علاوہ باقی آٹھ مہینوں میں جنگ کی اجازت ہے گویا مومن ان چار مہینوں میں جنگ کی تیاری میں مصروف رہے اس طرح اپنی پوری زندگی کو سراپا جہاد بنا دے، یہی مجاہدانہ زندگی اللہ کو محبوب ہے۔ اگرچہ مذکورہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا ایک جرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت بھی کر دی کہ اللہ کے دین پر عمل،

نفاذ دین مصطفےٰ ﷺ اور مصطفوی انقلاب کے لئے جدوجہد کرنے والوں یا مسجد حرام کا طواف کرنے سے روکنا اور مکہ کے مکینوں کو جلاوطنی کی زندگی پر مجبور کر دینا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ اللہ نے فتنہ پروری کے عمل کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ راہ جہاد میں نکلنے سے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے بغیر جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی جہاد ایک آزمائش ہے جس سے گزرنا ہر مسلمان پر فرض ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا

(البقرہ' ۲:۲۱۴)

کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم (یونہی بلا آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت (ہی نہیں بیتی) جو تم سے پہلے گزر چکے' انہیں تو طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا۔

جنت تلواروں کے سائے تلے ہے اس کا حصول اتنا آسان نہیں' مسلمان کو ابتلا و آزمائش کے مراحل سے گذرنے کے بعد ہی جنت کی نوید سنائی جاتی ہے' حدیث شریف میں مذکور ہے۔

ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف (صحیح مسلم' ۲:۱۳۹)

جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔

دشمنان اسلام کے مذموم عزائم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دشمنان دین کے مذموم عزائم کی نشاندہی بھی کی ہے اور مسلمانوں کو ان گھناؤنے عزائم سے خبردار رہنے کی تلقین بھی کی ہے وہ مذموم عزائم جن کو کچل کر امن قائم کرنے کے لئے جہاد مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ (البقرہ ۲: ۲۱۷)

اور (یہ کافر) تم سے ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں (اگر اتنی طاقت) پا سکیں۔

معلوم ہوا کہ دین دشمن قوتیں اسلام کے خلاف ہمیشہ سرد جنگ میں مصروف رہی ہیں انہیں جب بھی موقع ملا انہوں نے اسی سرد جنگ کو گرم جنگ میں تبدیل کرنے میں کسی تامل کا مظاہرہ نہیں کیا یہ ہمیشہ راہ حق کے مسافروں کے لئے مصائب کے پہاڑ کھڑے کرتے رہے ہیں، کبھی اقتصادی ناکہ بندی سے سفر انقلاب کو روکنے کی کوششیں کی گئیں اور کبھی ہتھیاروں پر پابندی لگا کر مسلمانوں کے مورال (Morale) کو ڈاؤن کرنے کی سازش کی گئی جب یہ تمام حربے ناکام ہو گئے تو مسلمانوں پر براہ راست جنگ مسلط کر دی گئی۔

کلمہ طیبہ کی روشنی میں تصور جہاد

تصور جہاد کی صحیح تفسیر تلواروں، تیروں اور بھالوں کی چھاؤں میں ہوتی ہے۔ عہد وفا اہل حق اپنے خون سے لکھتے ہیں اور سر نیزے پہ چڑھ کر اللہ کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کی روشنی میں تصور جہاد کیا ہے؟ کلمہ طیبہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ **لا الہ الا اللہ** سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود تسلیم نہ کیا جائے وہی بندگی کے لائق ہے اور ساری عبادتیں اسی کے لئے ہیں، اول و آخر ایک ہی ذات ہے اور وہ اس کائنات رنگ و بو کے خالق کی ذات ہے، گویا یہ اعلان کائنات کی تمام باطل اور طاغوتی قوتوں کا انکار ہے اور خود ساختہ خداؤں کی مکمل نفی ہے کلمہ طیبہ کے دوسرے حصہ میں **محمد رسول اللہ** کا اقرار حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا ہے گویا بندگی صرف اللہ کی اور پٹکا گلے میں غلامی رسول کا، ہم ہزار ہا بار کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں، ہم اس کے مفہوم کو بھی سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود قلب و باطن ہزاروں بتوں کی آماجگاہ

بنے ہوئے ہیں ہم نے نفسانی خواہشات کے ان گنت بت تراش رکھے ہیں، حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ توحید کا دعویدار ہونے کے باوجود مسلمان اپنی آستین کے اندر نجانے کتنے بت سجائے پھرتا ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

جہاد کے مراحل ثلاثہ

جہاد کے تین مراحل ہیں۔

i۔ مرحلہ اولیٰ

ii۔ مرحلہ ثانیہ

iii۔ مرحلہ ثالثہ

مرحلہ اولیٰ

جہاد کی ایک قسم جہاد بالنفس ہے، اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد، باطل آرزوؤں سے جہاد، من کے اندھیروں سے جہاد، قلب و نظر میں آباد بت خانوں کے خلاف جہاد، مفادات جن کی پرستش کی جاتی ہے ان کے خلاف جہاد۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ (الفرقان، ۲۵: ۴۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

ظاہراً ہم اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں لیکن باطن میں اپنی

خواہشِ نفس کے پجاری ہوتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ایک سجدہ ہزار سجدوں سے بے نیاز کر دیتا ہے لیکن ہماری جبینیں تو ہر دہلیز پر جھکنے کی عادی ہیں۔ خوف خدا کی جگہ خوف حاکم ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے' مفادات کے صنم کدے میں صدائے لا الہ آئے تو کہاں سے آئے۔ پہلا مرحلہ اپنی انا کے بت کو توڑنا ہے' اگر دل لذات نفسانی کا صنم کدہ بن چکا ہے تو کروڑوں سجدے بھی اسے استحصالی اور طاغوتی نظام کے آہنی پنجے سے نہیں چھڑا سکتے' کبر و نخوت اور شہرت و ناموری کے بت توڑے بغیر مالک حقیقی سے رشتۂ بندگی استوار نہیں ہو سکتا' اگر یہ سارے بت جوں کے توں رہتے ہیں تو جبینوں پر پڑے محراب بھی ریاکاری اور منافقت کے مترادفات میں شامل کر دیئے جاتے ہیں' تلوار اٹھانے سے پہلے کردار سازی کا مرحلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور شخصیت کی تعمیر اور کردار کی تشکیل نفس کے خلاف جہاد کئے بغیر ممکن نہیں' لذات نفسانی کے خلاف جہاد میں کامیابی کے بعد دل میں اللہ کے خوف کے سوا کسی کا خوف باقی نہیں رہتا۔ زبان صدیقی رضی اللہ عنہ سے اس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ "اگر سرزمین مکہ کا ایک شخص بھی میرا ہمنوا نہ ہو تب بھی ابوبکر جہاد سے باز نہ آئے گا"

مرحلہ ثانیہ

اپنے من کے اندھیروں کے خلاف جنگ کرنے کا صلہ یہ ملتا ہے کہ مومن کے دل میں تقویٰ' طہارت' پاکیزگی اور نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں باطن کا اجلاپن ظاہر پر بھی محیط ہو جاتا ہے اور اردگرد کا ماحول بھی پاکیزہ اور منزہ فضا میں سانس لینے لگتا ہے' حالانکہ پورے کا پورا ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے' ہر طرف قارونیت اور فرعونیت کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ مذہبی پیشوا (الا ماشاء اللہ) چند ایک کو چھوڑ کر انانیت کے بت اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ سیاسی رہنما ہوس اقتدار کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں اور طاقت کے نشے میں سرشار ہر اخلاقی قدر کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتے چلے جاتے ہیں' درویشی کی آڑ میں دکانداریاں سجائی جاتی ہیں' اقبال" پکار اٹھتے

ہیں۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

دوسرے مرحلے میں انسان جھوٹے خداؤں کی عملاً نفی کرتا ہے' کمر ہمت باندھ کر اصلاح معاشرہ کے لئے اپنی تخلیقی توانائیاں وقف کر دیتا ہے وہ نہ زمانے کے رسم و رواج سے ڈرتا ہے نہ اعزہ واقارب کی مخالفت اس کے پاؤں کی زنجیر بنتی ہے نہ برادریوں کے طعنے اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ گردوپیش کی ان گنت رکاوٹیں اس کے راستے کی دیوار بن سکتی ہیں پورا معاشرہ ایک طرف اور بندہ خدا ایک طرف' کامرانی بالآخر مرد خدا کا مقدر بنتی ہے۔

مرحلہ ثالثہ

یہ مرحلہ فیصلہ کن مرحلہ ہوتا ہے' اس مرحلے میں ظلم پر مبنی استحصالی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے' جہاد کے اس مرحلہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ کی راہ میں مجبوروں اور مقہوروں کے تحفظ کے لئے جنگ کیوں نہیں کرتے؟ قرون اولیٰ میں جب کسی جگہ پر معمولی سا ظلم بھی ہوتا تو پورا عالم اسلام تڑپ اٹھتا ایک بیٹی کی فریاد پر محمد بن قاسم اپنے عساکر کے ساتھ آتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے راجا داہر سے خونریز معرکے ہوتے ہیں اور سندھ باب الاسلام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔

مجاہدانہ سیرت و کردار کا مالک ایک مومن جلال و جمال کا ایک دلنواز پیکر بھی ہوتا ہے اس کی خلوتیں اور جلوتیں دونوں احکام خداوندی اور اتباع شریعت کی آئینہ دار ہوتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا	محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ (ﷺ) کے ساتھ ہیں وہ

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (الفتح‘ ۴۸:۲۹)

کافروں کے مقابلہ میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں ہیں (غرض ہر طرح) اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے۔

حکم ہے کہ عالم کفر کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ‘ دشمنان دین پر نہایت سخت گیر ہو جاؤ لیکن ایک دوسرے کے لئے محبت اور اخوت کے پیکر بن جاؤ‘ کفر کے ساتھ حق کی مفاہمت ممکن ہی نہیں‘ مصلحت کی زنجیریں اہل حق کے پاؤں کی زنجیریں نہیں بنتیں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

احکام اسلام میں جہاد کا مقام

غلامی کی طویل اور سیاہ رات میں حریت فکر کی شمع کی لو بھی مدھم پڑ جاتی ہے‘ فکر و نظر کے زاویے تبدیل ہو جاتے ہیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر ترجیحات بدل جاتی ہیں‘ ملی غیرت اور قومی حمیت جیسی چیزیں قصہ پارینہ بن جاتی ہیں‘ قومی وقار و تمکنت جاہ و جلال اور شوکت و عظمت کا وجود عملی طور پر ختم ہو جاتا ہے اور اپنی ثقافت اور کلچر سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔ غلام قوموں کی سوچ بھی غلامانہ ہو جاتی ہے‘ فصیلِ دیدہ و دل پر چراغ بھی جلنے کا ہنر کھو بیٹھتے ہیں‘ برصغیر پر تسلط جمانے کے بعد برطانوی استعمار نے سب سے پہلے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو اپنے مفادات کی روشنی میں از سر نو مرتب کیا اور

مسلمانوں کو ان کے عظیم الشان ثقافتی ورثے کے بارے میں معذرت خواہانہ لہجہ اپنانے پر مجبور کر دیا، عالمی سامراج سے برطانوی سامراج تک سب مسلمانوں کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ اور جذبۂ جہاد سے خوفزدہ تھے اور ہیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حریت فکر کسی وقت بھی سیاسی بیداریوں کا باعث بن سکتی ہے۔ نت نئے مذاہب متعارف کرائے گئے، قادیانی فتنہ کے ذریعہ جہاد کی روح کو ختم کرنے کی سازش کی گئی اور جہاد بالسیف کو غیر ضروری قرار دے کر اور اس کے ڈانڈے دہشت گردی سے ملا کر اسلام کے پیروکاروں پر خونریزی کا بہتان باندھا گیا، مستشرقین کی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ہمارے بعض اہل قلم نے جہاد کے بارے میں دفاعی نقطۂ نظر اپنانے ہی میں عافیت محسوس کی، مسلسل پروپیگنڈے نے ذہنوں کو ماؤف کر دیا اور ذہنِ جدید میں شکوک و شبہات کی راکھ بھر دی، یہاں تک لکھا گیا کہ اسلام کی اشاعت کا تلوار کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، یہ سچ ہے کہ اسلام کردار کی خوشبو سے پھیلا اور اسلام کی اصل قوت یہی اخلاقی قدریں ہیں لیکن دین کی سربلندی کے لئے قوت نافذہ کے حصول کے لئے میدان کارزار میں دشمن کی عسکری قوت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تلوار کو بے نیام کرنا اکثر اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے اور اسلام اس ناگزیریت پر کہیں بھی کوئی قدغن نہیں لگاتا، اخلاقی قدروں کی حفاظت جہاد کے بغیر ممکن نہیں، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔

عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل و من قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غثاء کغثاء السیل و لینزعن اللّٰہ من

قریب ہے کہ تم (مسلمانوں) پر دوسری اقوام اس طرح حملہ آور ہوں گی جیسے بھوکے کھانے سے بھرے ہوئے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کسی نے پوچھا کیا اس وقت ہم تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں! بلکہ تعداد

صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن اللہ فی قلوبکم الوھن فقال قائل یا رسول اللہ و ما الوھن قال حب الدنیا و کراھیۃ الموت

(سنن ابی داؤد‘ ۲: ۲۴۲)

کے لحاظ سے تم ان دنوں کہیں زیادہ ہو گے لیکن ایسے بیکار ہو گے جیسے سمندر کی جھاگ (تمہاری حیثیت کچھ نہ ہو گی) اللہ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اٹھا لے گا اور تمہارے دلوں میں "وھن" ڈال دے گا‘ کسی نے پوچھا "وھن" (بزدلی) کیا چیز ہے؟ فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

وہ قومیں جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا ہنر جانتی ہیں‘ باوقار زندگی بھی انہی کے مقدر میں لکھی جاتی ہے آج ہم دنیا کی محبت میں اتنے دور نکل گئے ہیں کہ بظاہر واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا‘ بے پناہ افرادی قوت کے باوجود اقوام مغرب ہمیں برابری کا درجہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں‘ ان کے دلوں سے ہماری ہیبت نکل چکی ہے کیونکہ ہم نے اس سفر کے انقلابی کردار سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور اسلام کو مسجدوں‘ خانقاہوں اور مدرسوں تک محدود کرنے کی سامراجی سازش کو اپنی حماقتوں سے مکمل کر رہے ہیں‘ فرمان رسول ﷺ حرف بحرف سچ ثابت ہو رہا ہے۔

جہاد بالسیف سے انکار کفر ہے

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے حوالے سے ہونے والے اشتعال انگیز پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر جہاد کے بارے میں خود ساختہ فلسفے تخلیق کرنا اور پھر اپنی ہرزہ سرائیوں کو حرف آخر جان کر جمہور امت کے خلاف محاذ آرائی اور بہتان تراشی پر اتر آنا‘ یا جہاد بالسیف سے فرار کی راہ اختیار کرنا یا صریحاً

اس کا انکار کر دینا کفر ہے اور امت مسلمہ میں ایک بہت بڑا فتنہ ہے جسے سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینا چاہئے تھا لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا اب یہ پودا ایک ایسے درخت میں تبدیل ہو چکا ہے کہ جس کی جڑیں کاٹنے کے لئے سخت مشقت کی ضرورت ہو گی۔
اصل میں یہود و ہنود اور نصاریٰ مسلمانوں کی تلوار سے خائف ہیں کبھی وہ دام ہمرنگ زمین بچھاتے ہیں اور مسلمانوں کو "رواداری" کا درس دینے لگتے ہیں کبھی ان پر خونریزی کا الزام لگا کر انہیں اپنے ماضی سے تائب ہونے کی ترغیب دینے لگتے ہیں' انہوں نے ایک نئے انداز سے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کر رکھا ہے' وہ کسی بھی اسلامی ملک کو ایٹمی طاقت کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں' ان سامراجی طاقتوں کی منصوبہ بندی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر میدان میں پس ماندہ رکھا جائے' جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول ان کے لئے ناممکن بنا کر انہیں شدید احساس محرومی میں جتلا کر دیا جائے' نہ صرف ان کے مادی وسائل سے اپنے ملکوں کی معیشت کو مستحکم بنایا جائے بلکہ مسلمانوں کی عسکری قوت کو کچل کر انہیں مسلسل اعصاب شکن ماحول دیا جائے تاکہ وہ اور ان کی نسلیں سر اٹھا کر چلنے کا تصور بھی نہ کر سکیں' امن عالم کے ٹھیکیدار مسلمانوں کو اپنی تلواریں نیام میں کر لینے کا مشورہ دیتے ہیں اور خود جدید ترین اسلحے کے انبار لگا رہے ہیں' کیمیاوی ہتھیار اور میزائل بنا رہے ہیں' امن کی فاختہ لہو لہان ہے' اقوام متحدہ بے بسی کی تصویر بنی ہوئی ہے' خون مسلم سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

قبائے امت مسلم سے خوں ٹپکتا ہے

جہاد کے بغیر کھوئے ہوئے وقار کا حصول ممکن ہی نہیں' جہاد کے بغیر نئی نسل کو باوقار مستقبل کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کیونکہ محض وعظ و نصیحت سے غلبۂ دین حق کی بحالی ممکن نہیں' حضور ﷺ نے اپنی حیات مبارک میں جہاد بالسیف کا فریضہ سرانجام دیا کیونکہ اس کے بغیر جزیرۃ العرب میں امن کا قیام ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ خود ایک

بے مثل خطیب تھے، جذبات میں آگ لگا دینے والے شعراء آپ کے ساتھ تھے، مبلغین اسلام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ پھر بھی جہاد بالسیف کی ضرورت پیش آئی اس لئے کہ فتنہ فساد کے مراکز کو ختم کرنے کے لئے ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھانا ضروری ہو گیا تھا، جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے، کبھی فرض کفایہ، کبھی واجب، کبھی سنت اور کبھی مستحب، بعض حالتوں میں بعض لوگ جہاد بالسیف سے مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں، کیونکہ سب لوگ لڑنے کے اہل بھی نہیں ہوتے، کوئی معذور بھی ہو سکتا ہے اور کوئی شدید علیل بھی، اور پھر سب لوگوں کا بیک وقت عملاً جنگ میں شرکت کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا جنگ کے ایام میں فوج کا ایک حصہ مرکز کی حفاظت کے لئے بھی متعین ہوتا ہے، محاذ جنگ پر لڑنے والے سپاہیوں کو اسلحہ اور خوراک کی سپلائی کے لئے افراد کام کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط (التوبہ ۹: ۱۲۲)

اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سارے کے سارے مسلمان (ایک ساتھ) نکل کھڑے ہوں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے اعلان عام فرما دیا تھا کہ سب جہاد کے لئے نکلیں اور کوئی پیچھے نہ رہے، جو صحابہؓ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے حضور ﷺ نے ان سے باقاعدہ باز پرس کی۔ بعض اوقات حالات متقاضی ہوتے ہیں کہ ہر فرد کو عملاً جہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے۔

ہر نیک عمل جہاد ہے

جہاد کی جامعیت اور وسعت کے حوالے سے اوپر بحث ہو چکی ہے، جہاد مذکورہ اقسام تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر نیک کام اور ہر فرض کی ادائیگی میں اپنی جان، مال کی قوت صرف کرنے کا نام جہاد ہے، جب خواتین نے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو

آپ ﷺ نے انہیں حج ادا کرنے کی تلقین کی کہ حج کا فریضہ ادا کرنا ہی تمہارے لئے جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔

عن عائشہ ام المؤمنین قالت استاذنت النبی ﷺ فی الجہاد فقال جہاد کن الحج

(صحیح البخاری، ۱: ۴۰۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رجلا هاجر الی رسول اللہ ﷺ من الیمن فقال ھل لک احد بالیمن فقال ابوای فقال اذنالک قال لا قال ارجع الیھما فاستاذنھما فان اذنالک فجاھد و الا فبرھما

(سنن ابی داؤد، ۱: ۳۴۹-۳۵۰)

یمن سے ایک صحابی (جہاد میں شرکت کی نیت سے) حاضر خدمت ہوئے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یمن میں تمہارا کوئی ہے بھی؟ عرض گزار ہوا کہ میرے والدین ہیں فرمایا کیا ان سے اجازت لی ہے؟ عرض کی نہیں فرمایا ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے اجازت طلب کرو اگر وہ تمہیں اجازت دیں تو جہاد کرو، ورنہ ان دونوں کے ساتھ نیکی (خدمت) کرو۔ یعنی ان کی خدمت ہی تمہارے لئے جہاد ہے۔

جہاد کا عقلی جواز

ہوائیں اگر چلنے کا ہنر کھو بیٹھیں، پھول اگر مہکنے کی ادا بھلا دیں، دھنک اگر رنگ بکھیرنے کی خوئے دلنواز سے محروم ہو جائے۔ تتلیاں، جگنو اور پرندے اگر فضا

میں اڑنا چھوڑ دیں' کالی گھٹائیں اگر تشنہ زمینوں پر اترنے کی عادت ترک کر دیں تو یہ دنیائے رنگ و بو قریۂ قضا میں بدل جائے گی سارے رنگ' ساری خوشبوئیں اور سارے موسم خطۂ دیدہ و دل سے ہجرت کر جائیں گے۔ رعنائیٔ خیال دم توڑ دے گی اور ندرتِ فکر اپنی موت آپ مرجائے گی اس لئے کہ حرکت زندگی کی علامت ہے اور جمود موت کا استعارہ ہے' جہاد جمود مسلسل کے قفل توڑ کر عزم و عمل کے دروازے کھولتا ہے' بے عملی اور بے بسی کی ردائے خبیثہ کو تار تار کرتا ہے' فلسفۂ جہاد کو عملاً نافذ کئے بغیر ایک باوقار زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' بزدلی قوموں کو مصلحت کی زنجیریں پہننے پر مجبور کر دیتی ہے' غلامی پر رضامند قومیں اپنے بچوں کا مستقبل تک گروی رکھ دیتی ہیں جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کے سوا کچھ بھی نہیں' شجاعت' دلیری' بہادری جیسے اوصاف میدان جنگ میں دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جانے سے ہی پیدا ہوتے ہیں' جہاد کے بغیر آزاد زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں'

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کی حالت زار کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے لیکن اپنی تمام اعتقادی گمراہیوں' معاشرتی بے اعتدالیوں اور سماجی بے راہرویوں کے باوجود غیرت' شجاعت' جرأت اور سخاوت جیسے اوصاف عربوں کی فطرت میں شامل تھے' اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی' پورا عرب' قبائل میں بٹا ہوا تھا جن کے درمیان اکثر خونریز جنگوں کا سلسلہ برس ہا برس چلتا رہتا اس کے باوجود اس وقت عربوں جیسی گرم دم جستجو کوئی اور قوم نہ تھی کھری اور دو ٹوک بات کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی' تند خو عرب مصلحت کوشیوں سے کوسوں دور تھے' شاید ان کے انہی اوصاف کی بنا پر قدرت نے انہیں دنیا کی امامت کے لئے منتخب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ جنگ ہمیشہ تباہی لاتی ہے۔ جانوں کا اتلاف ہوتا ہے' اموال تباہ ہوتے ہیں' آپس میں نفرتیں بڑھتی ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ قوم کے قوائے خفتہ کو بیدار کرنے کا سبب بنتی ہے' باہم متصادم طبقات' وقتی طور پر ہی سہی' اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں' اشتراک عمل کی یہ صورتیں صرف میدان جنگ

تک ہی محدود نہیں رہتیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے واضح اثرات دیکھے اور محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ وطن سے محبت کا جذبہ فروغ پاتا ہے قوت کار اور رفتار کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور وطن کی مٹی کی خوشبو سے مشام جاں مہکنے لگتا ہے۔

جب تک جہادی روح برقرار رہتی ہے' اس وقت تک ملک و قوم کے لئے کچھ کرگزرنے کا جذبہ بھی زندہ وبیدار رہتا ہے۔ خود مرعوب ہونے کی بجائے فریق مخالف پر رعب اور دبدبہ قائم ہو جاتا ہے' ملک کی سرحدیں پھیلتی ہیں اور دیگر کئی اقوام اپنے اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لئے اس کی طرف پر امید نظروں سے دیکھنے لگتی ہیں' جذبۂ جہاد سے بلند حوصلگی اور محنت ومشقت کی عادت پیدا ہوتی ہے جس کا اثر زندگی کے مختلف شعبوں میں تعمیر و ترقی کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بزدلی افکار کو بھی پژمردہ کر دیتی ہے' شمشیر وسنان ہاتھ سے چھوٹ جاتے ہیں تو رقص و سرود کی محفلیں جمنے لگتی ہیں اور طبیعت طاؤس ورباب کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

اپنے دین' قوم اور ملک کی عصبیت کا کامل ظہور بھی زمانہ جنگ ہی میں ہوتا ہے' عصبیت جملہ اخلاقی محاسن کا ایک ذخیرہ ہے جو قومی تشخص کو مٹنے نہیں دیتی' تفرقہ بازی' سیاسی اختلافات اور خود غرضی مٹ جاتی ہے اسی جہادی روح اور اسلامی عصبیت نے مسلمانوں کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا' تاریخ عالم گواہ ہے کہ انسان فطرتاً قوت اور طاقت کے آگے سر جھکاتا ہے بعض مظاہر فطرت کی پرستش کی بھی بنیادی وجہ یہی تھی' بہر حال قوت ہمیشہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر فیصلہ کن طاقت رہی ہے' یہ قوت علمی و فکری ہو یا مادی وروحانی اس کی کوئی بھی شکل ہو' کوئی بھی صورت ہو اس کے کردار سے صَرفِ نظر کر کے آگے نہیں بڑھا جا سکتا' میدان جنگ میں ہارنے کے بعد مفتوح قوم فکری ونظریاتی' معاشی و معاشرتی غرض ہر میدان میں فاتح قوم سے متاثر اور مغلوب دکھائی دیتی ہے۔ احساس کمتری کا کچھ اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ محکوم اقوام فاتحین جیسی وضع قطع اختیار کر کے اپنی "نیک نیتی" اور وفاداری کا ثبوت دیتی ہیں۔ ملی غیرت اور حریت فکر کے پیکران وفا سامراج کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں لیکن عام آدمی

سر تسلیم خم کرنے ہی میں عافیت سمجھتا ہے حتیٰ کہ فاتح جیسی وضع قطع میں اپنے آپ کو رنگ لیتا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ جہاد سے صَرف نظر کرنے کے بعد مسلمانوں نے اجتہاد کے دروازے بھی بند کر دیئے اور ان پر بڑے بڑے قفل چڑھا کر نئے عہد کے نئے مسائل سے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ تحرک ختم ہوا' تحریک ختم ہوئی' مضطرب موجوں سے آشنائی ختم ہوئی اور اس کی جگہ جمود اور تقلید محض نے لے لی جب تک مسلمانوں میں روح جہاد زندہ و بیدار رہی اس وقت تک فتوحات کا شاندار سلسلہ بھی جاری رہا مسلمانوں نے اقوام عالم کو ایک نئی تہذیب اور نئی ثقافت سے روشناس کرایا اور علم' تقویٰ اور دانائی معیار فضیلت ٹھہرا۔ معاشرتی میل جول نے وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کرنے والوں کو متمدن اور مہذب اقوام بنا دیا۔ اس کے برعکس جب جہادی روح پر جمود طاری ہوا۔ جاں نثاری کا جذبہ ماند پڑنے لگا' مسلمانوں نے طاؤس و رباب کو ہی سب کچھ سمجھ لیا تو اخلاقی قوت جو ان کی سب سے عظیم طاقت تھی ماند پڑنے لگی' مادی وسائل کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ اجتماعی مفادات کے تحفظ اور امن و سلامتی کی بقاء کے لئے ہر مرحلے اور ہر سطح پر جہادی جذبہ برقرار رہنا چاہئے۔ میدان جنگ میں قوموں کے زندہ رہنے کی صلاحیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے پر فوقیت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا آگ اور خون کا یہ کھیل' بعض تحفظات کے ساتھ' ایک لحاظ سے انسانیت کے لئے باران رحمت کی گھٹا ثابت ہوتا ہے' فتنہ و فساد' شر اور ظلم کے خاتمے سے انسانیت امن و سکون کا سانس لیتی ہے۔ جنگجوئی سے وصف شجاعت کو جلا ملتی ہے' غیرت ملی کی آبیاری ہوتی ہے' حریت فکر کو تازہ ہواؤں کا لمس عطا ہوتا ہے۔ اسلامی تمدن جہادی روح کے باعث ہی بام عروج پر پہنچا اور ہمدوش ثریا ہوا۔ جذبہ جہاد امن پسندی کی ضد نہیں جہاد کا تو مقصود ہی' قیام امن ہے۔ امن پسندی یقیناً ایک پسندیدہ فعل ہے لیکن بعض اوقات امن پسندی کے کھوکھلے نعروں کے پیچھے سفلی جذبات کام کر رہے ہوتے ہیں۔ بزدل' عیش پسند اور نفس پرست جہاد کے نام سے ہی بدکنے لگتے ہیں کیونکہ سروں پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں اترنے سے ان کے

عیش و آرام میں خلل پڑتا ہے اور جہاد کا نام ان کی طبع نازک پر گراں گزرنے لگتا ہے۔ عہد حاضر میں بڑی طاقتیں امن کا لیبل لگا کر بارود کے ڈھیر تخلیق کرنے میں مصروف ہیں۔ امن عالم کی باتیں منافقت اور ریاکاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بزدلی اور مصلحت کوشی کا نام ڈپلومیسی رکھ دیا گیا ہے۔ پہاڑی علاقے میں دریا جب تنگ گھاٹیوں سے گزرتا ہے تو رکاوٹوں کے باعث اس میں طغیانی اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے پانی سرعت کے ساتھ بہتا ہے میدانی علاقے میں جونہی رکاوٹیں ختم ہوتی ہیں تو سرعت، روانی اور قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

فضیلتِ جہاد:

جہاں تک جہاد کی فضیلت کا تعلق ہے تو اللہ رب العزت نے اس کو قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

۱- إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ○ (الصف، ۶۱: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح قطار باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (سخت مضبوط اور مستحکم جیسے کفار کے مقابلہ میں اصحاب رسول ﷺ)

اس آیت مبارکہ میں اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر دشمنان دین کا مقابلہ کرتے ہیں اور بالآخر اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کر دیتے ہیں، تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور مزید یہ کہ جب مجاہدین اپنی جان قربان کر دیتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار سے نوازتا ہے۔ یہی شوقِ لقاء محبوب ہوتا تھا جو صحابہ کرامؓ کو گھر نہیں بیٹھنے دیتا تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ کونسی گھڑی ہوگی جب آقائے دو جہاں ﷺ ہمیں میدان کارزار میں

اترنے کا حکم فرمائیں گے اور ہم دیدارِ الٰہی جیسی نعمت سے نوازے جائیں گے۔ بعض اوقات تو یہ جذبہ اس قدر شعلہ بن کر ان کے اندر بھڑکتا تھا کہ وہ آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت طلب کرتے اور جب اجازت نہ ملتی تو زاروقطار رونا شروع کر دیتے اور انہی آنسوؤں کے ساتھ واپس اپنے گھروں کو لوٹتے تھے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۲ - وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ (التوبہ ۹:۹۲)

اور نہ ایسے لوگوں پر (طعنہ والزام کی راہ ہے) جبکہ وہ آپ کی خدمت میں (اس لئے) حاضر ہوئے کہ آپ انہیں (جہاد کے لئے) سوار کریں (کیونکہ ان کے پاس اپنی کوئی سواری نہ تھی تو) آپ نے فرمایا میں (بھی) کوئی (زائد سواری) نہیں پاتا ہوں جس پر تمہیں سوار کر سکوں تو وہ (آپ کے اذن سے) اس حالت میں لوٹے کہ ان کی آنکھیں (جہاد سے محرومی کے) غم میں اشکبار تھیں کہ (افسوس) وہ (اس قدر) زادِ راہ نہیں پاتے جسے وہ خرچ کر سکیں (اور شریک جہاد ہو سکیں)

جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں پر مجاہدین کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا۔

۳ - لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو (جہاد سے جی چرا کر) بغیر کسی (عذر و) تکلیف کے (گھروں میں) بیٹھے رہنے والے ہیں اور

اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَۃً

(النساء ۴:۹۵)

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں (یہ دونوں درجہ و ثواب میں) برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت کی وجہ سے ہی اسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا اور حقیقت پسندانہ نظروں سے دیکھا جائے تو یہی چیز تمام فضائل و مکارم اخلاق کی روح اور اصل ہے۔ قرآن مجید میں مختلف آیات بیان کی گئی ہیں جن میں فضیلت جہاد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

۱- یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

(الصف ۶۱:۱۰-۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

۵- اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی

کیا تم نے (محض) حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی آبادی و مرمت کا بندوبست کرنے (کے عمل) کو اس شخص کے (اعمال) کے برابر قرار دے رکھا ہے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَاللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

(التوبہ ۹: ۱۹-۲۰)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا' یہ لوگ اللہ کے حضور برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ ہی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر جہاد کو بیوی' بچوں کی محبت اور مال و دولت کی محبت سے زیادہ محبوب قرار دیا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ ﹰاقْتَرَفْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○

(التوبہ ۹: ۲۴)

(اے نبی مکرم) آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہا. ے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارتی کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو' تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ

اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ
نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

جہاد تو ایمان کی پہچان ہے اور ایمان میں سچا انہی لوگوں کو قرار دیا گیا جو جان اور مال سے جہاد کرتے ہیں۔

۷۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○ (الحجرات، ۴۹:۱۵)

بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان سے) ایمان لاتے ہیں پھر (اس میں ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے (اور پکے مسلمان) ہیں۔

اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے لیکن اللہ کی رحمت کے کون لوگ امیدوار ہو سکتے ہیں اس کا ذکر بھی جہاد کے حوالے سے فرمایا گیا۔

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (البقرہ، ۲:۲۱۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

علاوہ ازیں مختلف احادیث میں بھی جہاد کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

۱۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ یعنی یقول اللہ المجاهد فی سبیلی هو علی ضمان ان قبضته اورثته الجنة وان رجعته رجعته

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص میرے راستے میں جہاد کرتا ہے میں اس

باجر او غنیمۃ (جامع الترمذی، ۱:۱۹۵)

کا ضامن ہوں اگر میں اس کی روح قبض کرتا ہوں تو اسے جنت کا وارث بناتا ہوں اور اگر واپس (گھر) لوٹاتا ہوں تو ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹاتا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ مجاہد پر انعامات خداوندی اس قدر ہوتے ہیں کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر وہ جان قربان کردیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنی جنت کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور اگر وہ غازی بن کر گھر لوٹتا ہے تو اس وقت بھی اللہ کا سحاب کرم اس قدر اس پر برستا ہے کہ اسے اپنے عظیم اجر سے نوازتا ہے اور مال غنیمت سے بھی اسے سرخرو کرتا ہے۔ الغرض مجاہد دنیوی اور اخروی ہر اعتبار سے انعامات الٰہیہ سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس وہ شخص جو جہاد سے جی چراتا ہے اور میدان کارزار میں دشمن کا مقابلہ نہیں کرتا اور بزدلی سے کام لیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کی بارش بند ہوجاتی ہے اور اسے قیامت سے قبل قیامت جیسی مصیبت میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ عن ابی امامۃ عن النبی ﷺ قال من لم یغز او یجھز غازیا او یخلف غازیا فی اھلہ بخیر اصابہ اللہ (سبحانہ) بقارعۃ قبل یوم القیامۃ

(سنن ابی داؤد، ۱:۳۴۶)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے نہ تو خود جہاد کیا نہ مجاہد کے لئے سامان (جہاد) مہیا کیا اور نہ مجاہد کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کے ساتھ کوئی بھلائی کی تو اللہ تعالیٰ اسے

قیامت سے پہلے ہی قیامت جیسی مصیبت
میں مبتلا کر دے گا۔

اس حدیث پاک سے ہمیں جو درس عمل ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں جہاد میں آنے والے مصائب و آلام سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ثابت قدمی سے ان کو برداشت کرنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ ان تکالیف سے گھر بیٹھ کر بچ سکتا ہوں تو ایسا ہرگز نہیں۔ جو ایسا بزدلانہ کردار ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گھر بیٹھے اس کی بزدلی کی سزا اس طرح دیتا ہے کہ اسے قیامت سے پہلے ہی قیامت جیسی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ میدان عمل میں اتر کر صبر و استقامت کے ساتھ مصائب و آلام کا مقابلہ کریں اور دشمنان دین سے نبرد آزما ہو کر غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہیں اور اپنی مسلسل کوششوں سے شمع اسلام کو چار دانگ عالم میں روشن کریں۔

۳۔ عن ابی سعید خدری قال سئل رسول اللہ ﷺ ای الناس افضل قال رجل یجاھد فی سبیل اللہ قالوا ثم من قال ثم مومن فی شعب من الشعاب یتقی ربہ ویدع الناس من شرہ (صحیح البخاری ۱:۳۹۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا انسان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ پوچھا پھر کون؟ فرمایا وہ مومن جو کسی گھاٹی میں سکونت پذیر ہو اپنے رب سے ڈرے اور لوگوں کو اپنی شر سے محفوظ رکھے۔

۴۔ قال رسول اللہ ﷺ من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ فھما حرام علی النار (جامع ترمذی ۱:۱۹۶)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں ان پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

۳۔ عن ابی ھریرہ قال قال رسول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

الله ﷺ ما من مجروح یجرح فی سبیل الله والله اعلم بمن یجرح فی سبیل الله الا جاء یوم القیامه وجرحه کهیئته یوم جرح اللون لون دم والریح ریح مسک

(سنن ابن ماجہ ۲۰۱)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اللہ کی راہ میں زخمی ہوا تو وہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے زخم تازہ ہوں گے۔ رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی ہوگی۔

۵ - عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال عرض علی اول ثلاثة یدخلون الجنة شهید و عفیف متعفف و عبدا حسن عباده الله ونصح لموالیه

(جامع الترمذی' ۱: ۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے سامنے جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے تین اشخاص پیش کیے گئے' ایک شہید' دوسرا پاک دامن اور حرام و شبہات سے بچنے والا اور تیسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے اور مالکوں کی خیر خواہی کرتا ہے۔

اللہ کی راہ میں قربان ہونے والا شخص جہاں جنت جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوگا وہاں کئی اور بھی لوازمات و احسانات سے نوازا جائے گا۔ لیکن وہ شخص جو میدان کار زار میں اتر آتا ہے لیکن اس کے پیش نظر ریاکاری اور طلب دنیا ہوتی ہے تو اس کا جہاد جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑا جانے والا جہاد وہ ہے جس میں مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔

۶- عن ابی موسی قال سئل رسول الله ﷺ عن الرجل یقاتل شجاعة

حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے ایسے شخص کے

ویقاتل حمیۃ ویقاتل ریاء فای ذالک فی سبیل اللہ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ (جامع ترمذی' ۱: ۱۹۸)

بارے میں پوچھا گیا جو بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے اور جو آدمی غیرت کی خاطر لڑتا ہے اور جو شخص دکھاوے کے لئے لڑتا ہے ان میں سے کون اللہ کے لئے لڑ رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ (دین) بلند رہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سے کون شخص سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

۷۔ مومن یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ (صحیح البخاری' ۱: ۳۹۱)

وہ مومن جو اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرے۔

ایک بار رسول خدا ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔

۸۔ والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (صحیح البخاری)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میری تو یہی آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کر دیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کر دیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔

ایک مسلمان کی زندگی میں جہاد کس قدر اہم ہے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اس تصور کو واضح کرتا ہے۔

۹۔ من مات و لم یغز و لم یحدث بہ نفسہ

جو شخص مر گیا در آں حالیکہ اس نے جہاد

مات علی شعبۃ من نفاق　　کیا تھا نہ جہاد کی تمنا کی تھی اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوگی۔

(الصحیح لمسلم، ۲:۱۴۱)

باب — ۲

آداب جہاد

جہاں ایک طرف اللہ جل مجدہ نے مختلف مقامات پر جہاد کے احکامات کو بیان فرمایا وہاں دوسری طرف آداب جہاد کی بھی وضاحت فرما دی۔ اگر آداب جہاد کو پس پشت ڈال دیا جائے اور محض جذبات کی بنا پر میدان کار راز میں کودا جائے تو اس صورت میں ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا لہٰذا دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آداب جہاد سے متعلق جو تعلیمات دی گئی ہیں انہیں ملحوظ رکھا جائے اور پھر باطل و سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کیا جائے۔

آداب جہاد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

(الانفال ۸: ۴۵-۴۶)

اے ایمان والو! جب (دشمن کی) کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہو کر) بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا (یعنی قوت) اکھڑ جائے گی۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان آیات مبارکہ میں غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل امور بطور آداب جہاد کے بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ ثابت قدمی

۲۔ ذکر الٰہی

۳۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ

۴۔ اتحاد و اتفاق

۱۔ ثابت قدمی

جہاد میں ثابت قدمی سے مراد یہ ہے کہ جہاد کی مشقتوں اور صعوبتوں کو خوش دلی سے برداشت کیا جائے اور کسی قسم کا شکوہ زبان پر نہ لایا جائے بلکہ میدان کارزار میں اترتے ہوئے یہی جذبہ ہونا چاہیے کہ میرے مولا جان چلی جائے تو کوئی بات نہیں تیرا دین سربلند ہو جائے۔ درحقیقت جان تو اسی مولیٰ کی عطا کردہ چیز ہے لہٰذا اسی کے حضور یہ نذرانہ پیش کر دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کی تلقین کی ہے کہ قلت تعداد کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ○

(الانفال ۸:۶۵۔۶۶)

اے نبی (مکرم ﷺ) آپ ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیں (یعنی حق کی خاطر لڑنے پر آمادہ کریں) اگر تم میں سے (جنگ میں) بیس (۲۰) ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو (۲۰۰) (کفار) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (ایک) سو (ثابت قدم) ہوں گے تو کافروں میں سے (ایک) ہزار پر غالب آئیں گے اس وجہ سے کہ وہ (آخرت اور اس کے اجر عظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔ (سو وہ اس قدر جذبہ و شوق سے نہیں لڑ سکتے جس

قدر وہ مومن جو اپنی جانوں کا جنت اور
اللہ کی رضا کے عوض سودا کر چکے ہیں)
اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ)
ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی
قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے
بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک)
سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں
(تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے
اور اگر تم میں سے (ایک) ہزار ہوں (تو)
وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر
غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے
والوں کے ساتھ ہے۔

گویا ان آیات میں اللہ جل مجدہ نے اس بات کی صراحت فرمادی کہ نصرت خداوندی انہی کے ساتھ ہوگی جو ثابت قدم ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور خدا کے بھروسہ پر ہر قسم کی مشکلات کے سامنے ڈٹ جائیں گے۔ دوسرے مقام پر بھی اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۠

(النحل ۱۶: ۱۱۰)

پھر آپ کا رب ان لوگوں کے لئے
جنہوں نے آزمائشوں (اور تکلیفوں) میں
مبتلا کئے جانے کے بعد ہجرت کی (یعنی اللہ
کے لئے وطن چھوڑ دیا) پھر جہاد کیا اور
(پریشانیوں پر) صبر کیا تو (اے حبیب مکرم)
آپ کا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا
نہایت مہربان ہے۔

بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکلنے کے بعد جب کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان عمل میں اترنا پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلا سبق استعانت باللہ کے ساتھ ثابت قدمی کا دیا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

(الاعراف ۷:۱۲۸)

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام خیر پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے۔

بنی اسرائیل آس پاس بسنے والی بت پرست قوموں سے تعداد میں بہت کم تھے لیکن جب انہوں نے ہمت دکھائی اور ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا تو ان کی ساری مشکلات حل ہو گئیں اور ایک مدت تک خود مختار سلطنت پر قابض ہو گئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس کامیابی کا راز اسی ثابت قدمی میں ظاہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○

(الاعراف ۷:۱۳۷)

اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور (یوں) بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے (فرعونی مظالم پر) صبر کیا تھا اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کر دیا جو

فرعون اور اس کی قوم نے بنا رکھے تھے
اور ان چنائیوں (اور باغات) کو بھی
جنہیں وہ بلندیوں پر چڑھاتے تھے۔

اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل جیسی کمزور قوم فرعون جیسی طاقت کے سامنے اس لئے سربلند ہوئی کہ اس نے ثابت قدمی سے کام لیا اور اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے ان کو شام کی بابرکت زمین کی حکومت سے نوازا۔

جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے انہوں نے بھی اسی ثابت قدمی کی تلقین ان الفاظ میں کی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال لا تمنوا لقاء العدو فاذا لقیتموھم فاصبروا (الصحیح لمسلم، ۲: ۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو پھر ثابت قدم رہو (بزدلی سے کام نہ لو بلکہ جرات مندانہ کردار ادا کرو)

جن کو دل کی مضبوطی اور حق پر ثابت قدمی کی دولت ملی انہی کے حصہ میں دنیا کی فتح یابی کے ساتھ آخرت کی کامیابی بھی آئی اور جنت جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوئے کیونکہ جنت کی بشارت اسی کے لئے ہے جس نے تلواروں کے سائے تلے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ثابت قدمی سے لڑ کر تن من قربان کرنے والے کو جنت جیسی نعمت عطا ہوتی ہے اور وہ مجاہد خدا کے حضور سرخرو ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص بزدلی سے کام لیتے ہوئے شکست قبول کر لیتا ہے تو اس کے اس عمل سے سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا اور وہ انعامات

خداوندی سے بھی محروم رہتا ہے۔

۲۔ ذکر الٰہی:

ذکر الٰہی دوسرا ادب جہاد ہے۔ ذکر الٰہی سے عام طور پر یہ مفہوم مراد لیا جاتا ہے کہ دل سے اللہ کو یاد کیا جائے اور زبان سے اسی ذات کبریا کی عظمت کے نغمے الاپے جائیں لیکن اس مقام پر ذکر الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ سے "مدد و نصرت کی دعا کرنا" ہے۔

ذکر کے اس مفہوم کو امام رازیؒ نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ان المراد من هذا الذكر الدعا بالنصر والظفر لان ذالک ولا يحصل الا بمعونة الله تعالیٰ

اس ذکر سے مراد نصرت خداوندی اور کامیابی و کامرانی کی دعا ہے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی معونت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

(تفسیر کبیر، ۱۵:۱۷۱)

میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ سے نصرت اور کامیابی کی دعا کرنا ضروری امر ہے کیونکہ اسکے بغیر ہو سکتا ہے کہ کامیابی، ناکامی میں بدل جائے اور شکست و نامرادی کا سامنا کرنا پڑے۔ حضور ﷺ جب میدان جہاد میں دشمن سے نبرد آزما ہوتے تو اس وقت اللہ کے حضور دعائیں مانگتے تھے کہ یا اللہ دشمن کو شکست دے اور مسلمانوں کی مدد فرما۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

عن عبدالله بن ابی اوفی قال دعا رسول الله ﷺ علی الاحزاب فقال اللهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزم الاحزاب اللهم اهزمهم وزلزلهم

(صحیح مسلم، ۲: ۸۴)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے احزاب (کفار کے گروہوں) کے خلاف دعائے ضرر کی پس فرمایا اے اللہ! اے کتاب کے نازل کرنے والے، اے بسرعت حساب لینے والے، احزاب کو شکست دے۔ اے اللہ! ان کو شکست

دے اور ان کو متزلزل کر۔

اسی طرح غزوہ بدر کے دوران دو صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حسیل رضی اللہ عنہ کہیں سے آ رہے تھے۔ راستے میں کفار نے روکا کہ محمد ﷺ کی مدد کو جا رہے ہو انہوں نے انکار کر دیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور صورت حال عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم واپس لوٹ جاؤ ہم ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے۔ ان کے خلاف اللہ سے مدد و نصرت طلب کریں گے۔

حدیث پاک کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

حدثنا حذیفہ بن الیمان قال مامنعنی ان اشھد بدرا الا انی خرجت انا وابی حسیل قال فاخذنا کفار قریش فقالوا انکم تریدون محمدا ﷺ فقلنا ما نریدہ ما نرید الا المدینہ فاخذوا منا عھد اللہ ومیثاقہ لننصرفن الی المدینہ ولا نقاتل معہ فاتینا رسول ﷺ فاخبرناہ الخبر فقال انصرفا نفی لھم بعھدھم ونستعین اللہ علیھم

(الصحیح لمسلم، ۲:۱۰۶)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرے شامل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اور میرے والد حسیل دونوں نکلے تو ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو ہم نے کہا ہم ان کے پاس نہیں جانا چاہتے ہم تو صرف مدینہ منورہ جانا چاہتے ہیں انہوں نے ہم سے یہ عہد اور میثاق لیا کہ ہم مدینہ جائیں گے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ

سے مدد طلب کریں گے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ جب کبھی میدان عمل میں اتر کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو اپنے مولیٰ سے مدد و نصرت کی دعا کرتے تھے تاکہ فتح و کامیابی کے ساتھ واپس لوٹ سکیں۔

کفار پر غالب آنے کے لئے کبھی ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے نصرت اور ثابت قدمی کی دعا کی جاتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ، ۲:۲۵۰)

تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر میں وسعت وارزانی فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

ذکر الٰہی سے مراد جہاد کے دوران "نعرہ تکبیر" لگانا مراد لیا جائے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ اس طرح کفار کے دل میں ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ مجاہدین کو جہاد سے پہلے کوئی خاص ذکر بتا دیتے تھے کہ یہ زبان پر دوران جنگ جاری رکھو اس سے مومن کی پہچان رہتی ہے۔ گرد و غبار کے اندھیرے میں مومن پہچانا جائے اور مسلمانوں کے ہاتھوں نہ مارا جائے۔

الغرض، جہاد کے دوران حالت یہ ہونی چاہیے کہ باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے ہاتھ میں تلوار ہو زبان پر ذکر یار ہو۔ جب یہ صورت حال ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ "لعلکم تفلحون" کے ساتھ حقیقی فلاح کا مژدہ جانفزا سناتا ہے کیونکہ ذکر الٰہی ایک ایسا روحانی ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں ہے اس ہتھیار سے دشمن پر غالب آنا آسان ہے۔

۳۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ

اگرچہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ہر وقت

ضروری ہے مگر جہاد جیسی نازک حالت میں تو بہت ہی ضروری ہے۔ موت جب انسان کی آنکھوں کے سامنے رقصاں ہو اس وقت خواہش یہ ہو کہ خدا کرے موت ان کی اطاعت میں آئے تو یہ بہترین موت ہے۔

جہاد میں اپنی ناموری و شہرت کی نیت نہ ہو اور نہ ہی مال غنیمت حاصل کرنے یا محض ملک گیری کی نیت ہو بلکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہو کیونکہ جہاد انہی کی اطاعت کے ساتھ نفع بخش ہوتا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

لان الجهاد لاینفع الا مع التمسک بسائر الطاعات (تفسیر کبیر' ۱۵:۱۷۱)

کیونکہ جہاد نفع نہیں پہنچاتا مگر تمام تر اطاعت کے ساتھ۔

۴۔ اتحاد و اتفاق

دوران جہاد اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنا کامیابی و کامرانی کی اولین ضمانت ہے۔ حالت جنگ میں آپس میں لڑنا جھگڑنا گناہ بھی ہے اور سخت خطرناک بھی ہے کیونکہ دشمن سامنے ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے آپس کے نزاعات اور جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر جیتی ہوئی بازی ہار میں بدل سکتا ہے اور ویسے بھی جھگڑا اور نااتفاقی بزدلی کا سبب بنتا ہے اور اس طرح ہوا اکھڑ جاتی ہے اور دشمن کے دل میں مسلمانوں کا جو ایک رعب و دبدبہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (الانفال' ۸:۴۶)

اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہو کر) بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا (یعنی قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ

ہے۔

مسلمانوں کی نااتفاقی کے باعث کفار کا غلبہ ہو جائے گا اور امن و امان برقرار نہیں رہے گا۔

وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ کَبِیْرٌؕ (الانفال ۸: ۷۳)

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں (اے مسلمانو!) اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) ایسا (تعاون اور مدد و نصرت) نہیں کرو گے تو زمین میں (غلبہ کفر و باطل کا) فتنہ اور بڑا فساد بپا ہو جائے گا۔

لہٰذا اس قسم کے نقصانات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہ کر اور جسد واحد کی طرح دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور اس کو اس کے انجام تک پہنچایا جائے۔ قرآن مجید میں اتحاد و اتفاق کی تلقین ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۳: ۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔

باہمی انتشار اور نزاعات سے دشمن کو موقع ملتا ہے کہ تمہیں نقصان پہنچا سکے لہٰذا ایسی حالت میں صبر و استقامت اور اتحاد و اتفاق سے کام لینا چاہیے۔

۵۔ غرور سے پرہیز

مذکورہ آداب جہاد کے علاوہ ایک ادب جہاد تکبر، ریاکاری اور اترانے سے اجتناب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایسی عادات سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ

اور ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے تھے اور (جو

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ○
(الانفال ۸: ۴۷)

لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ ان (کاموں) کو جو وہ کر رہے ہیں (اپنے علم وقدرت کے ساتھ) احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تکبر وغرور اور ریاکاری جیسی عادات کفار میں پائی جاتی تھیں۔ وہ جب بھی میدان جنگ میں آتے تو اپنی طاقت اور افرادی قوت پر اتراتے تھے اور فخر وغرور سے مختلف اشعار پڑھتے تھے لیکن مسلمانوں کو اس سے یہ درس عمل ملتا ہے کہ تم جہاد میں کفار مکہ ابو جہل وغیرہ کی طرح نہ ہونا جو بدر کی طرف گھروں سے اتراتے اکڑتے اور فخر وتکبر کرتے نکلے تھے۔

لہٰذا جو بدر کی طرف اتراتے ہوئے آئے ان کا انجام یہ تھا کہ ان کے ستر سردار مارے گئے اور ستر سردار قید ہوئے۔ انہوں نے بدر میں شراب ہی نہ پی بلکہ اپنے خون کے پیالے بھی پیے۔ ان کے سامنے رنڈیوں نے گانا ہی نہیں گایا بلکہ ان کی نعشوں پر ان کی عورتوں نے رویا پیٹا بھی۔ الغرض ہمیں اس قسم کے واقعات سے عبرت پکڑنی چاہیے اور ایسے افعال کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔

چاہئے کہ انسان علائق دنیویہ سے منقطع ہو کر قرب الٰہی کے لئے جہاد کرے راہ حق کی صعوبتوں کو خوش دلی سے برداشت کرے۔ اللہ تعالیٰ کو میدان جنگ میں یاد رکھے اور اس سے مدد ونصرت کی طلب کرے اور تکبر وغرور اور رعونت جیسی عادات کے قریب تک نہ جائے۔ ریاکاری سے بھی اجتناب کرے کیونکہ جہاد اگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اور اس کی رضاجوئی کے لئے ہو تو یہی عبودیت کا سب سے عظیم مقام ہے۔ اگر جنگ، شہرت اور ناموری کے لئے اور طلب غنیمت کے لئے ہو تو پھر یہ کامیابی وفلاح کا ذریعہ نہیں۔

امام فخرالدین رازیؒ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

مقاتلۃ الکافر ان کانت لاجل طاعۃ اللہ کان ذالک جاریا مجزی بذل الروح فی طلب مرضاۃ اللہ تعالی وھذا ھو اعظم مقامات العبودیۃ اما ان کانت المقاتلۃ لا للہ بل لاجل الثناء فی الدنیا و طلب المال لم یکن ذلک وسیلۃ الی الفلاح والنجاح (تفسیر کبیر' ۱۵:۱۷۱)

کافر سے جنگ اگر اطاعت الٰہی کے لئے ہو تو یہ روح کو رضائے الٰہی کے طلب کرنے میں خرچ کرنے کے قائم مقام ہے اور یہ عبودیت کا سب سے عظیم مقام ہے .... اور اگر یہ جنگ اللہ کے لئے نہیں بلکہ دنیوی شہرت اور مال کو طلب کرنے کے لئے ہو تو یہ فلاح اور کامیابی کا ذریعہ نہیں ہے۔

۶۔ میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھانا

شہادت کی سعادت سے فرار منافقت کی علامت ہے۔ میدان جنگ میں پیٹھ دکھانا' مردان حق کا شیوہ نہیں' تاریخ شہادت دے گی کہ اسلام کی راہ میں نقد جاں لے کر نکلنے والے اللہ کے سپاہیوں نے میدان جنگ میں جب جام شہادت نوش کیا تو تلواروں' نیزوں اور تیروں کے زخم اکثر ان کے جسم کے سامنے والے حصوں پر پائے گئے' پشت پر زخم نہیں کھائے کیونکہ انہوں نے میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر موت کو ترجیح دی اور دشمن کے سامنے استقامت کا کوہ گراں بن کر کھڑے ہو گئے' فرمایا۔

وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ (الانفال' ۸:۱۶)

اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیر لے گا' سوائے اس کے جو جنگ (ہی) کے لئے داؤ چل رہا ہو یا اپنے (ہی) کسی لشکر سے (تعاون کے لئے) ملنا چاہتا ہو' تو واقعتاً وہ اللہ کے غضب کے ساتھ پلٹا اور

اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانہ ہے۔

۷۔ غیر متحاربین کے ساتھ بھلائی

اسلام کسی بھی مرحلے پر جنگ برائے جنگ کے آمرانہ اور جارحانہ فلسفے کو نہیں اپناتا جو لوگ امن پسند ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے مد مقابل نہیں آتے اور نہ فتنہ پروروں اور شرانگیزی پھیلانے والوں کے ساتھی بنتے ہیں ان کے لئے عفو و درگزر سے کام لینے کی ہدایت ہے' ان کے ساتھ نیکی' بھلائی اور عدل و انصاف کے معاملہ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الممتحنہ ۶۰: ۸-۹)

(اے مسلمانو!) اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (بلکہ) اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اللہ تو تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑے ہوں اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالے جانے میں دوسروں کے شریک ہوئے ہوں (یعنی دوسروں کی مدد کی ہو تاکہ وہ تم کو نکالیں) اور جو ان

سے دوستی کرے (ان پر شفقت اور ان کی اعانت کرے) تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

۸۔ سستی، کاہلی یا تساہل کی اجازت نہیں

جہاد کے ضمن میں کسی قسم کی سستی، کاہلی یا تساہل کا مظاہرہ کرنا جہاد سے انکار کے مترادف ہے ایسے لوگوں کو شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع کر دیا گیا، مومن کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ وہ کسی قسم کے روحانی اور فکری تضادات کا شکار نہیں ہوتا، اللہ، رسول ﷺ اور آخرت پر اس کا ایمان پختہ ہوتا ہے وہ نہ دو عملی کا شکار ہوتا ہے اور نہ دوغلے پن کا، قرآن مجید میں جہاد سے جی چرانے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (التوبۃ ۹: ۳۹، ۴۰)

اگر تم (جہاد کے لئے) نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا، اور تمہاری جگہ (کسی) اور قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی غلبہ اسلام کی جدوجہد میں) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطن مکہ سے) نکال دیا تھا۔

۹۔ مہاجرین کی معاونت کا حکم

اللہ کی راہ میں گھربار چھوڑ کر ہجرت کی راہ اختیار کرنا ایثار و قربانی کی ایک

لازوال مثال ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں سے قدم قدم پر قربانیاں طلب کرتا ہے۔ انہیں آزمائش کے مراحل سے گزارتا ہے تاکہ وہ سچے مومن بن جائیں اور ان کی شاخ ایمان ہمیشہ سرسبز و شاداب اور ثمربار رہے دوران جنگ کچھ لوگ بے گھر بھی ہو جاتے ہیں انہیں ہجرت کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ مہاجرین کی اعانت' ان کی دلجوئی اور دل کھول کر ان کی مدد کرنے اور انہیں پناہ دینے پر اجر کا وعدہ کیا گیا ہے' یہ عمل ایمان کی پہچان ہے اور اس سے رزق میں فراوانی اور کشادگی آتی ہے اور محبت واخوت کے جذبے کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (الانفال' ۸: ۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (راہ خدا میں گھربار اور وطن قربان کر دینے والوں کو) جگہ دی اور (ان کی امداد کی وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں' ان ہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

۱۰۔ سفارتی آداب کا لحاظ

زمانہ جاہلیت میں بھی سفیروں کے قتل کو معیوب سمجھا جاتا تھا بلکہ بزدلی اور کم ہمتی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ سفارتی آداب کا لحاظ نہ رکھنے کے باعث قبائل یا ممالک کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ کشیدگی ذرا سی اشتعال انگیزی سے جنگ کی صورت اختیار کر سکتی ہے' سفیروں اور قاصدوں کے بارے میں حضور نبی رحمت ﷺ کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے سفیروں اور قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا جب مسیلمہ کذاب کے قاصد عبادہ بن حارث نے آکر گستاخانہ گفتگو کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

اما واللہ لولا ان الرسل لاتقتل لضربت اعنا قکما

خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردن اڑا دیتا۔ (سنن ابی داؤد' ۲: ۲۴)

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیلی (انہیں سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا) کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے تو حضور ﷺ نے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی حتیٰ کہ حضور ﷺ نے وصال کے وقت بھی سفیروں اور قاصدوں کے احترام کے متعلق خصوصی وصیت فرمائی۔

۱۱۔ منافقین سے سلوک

منافقوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ (التوبہ' ۹: ۷۳)

اے نبی معظم آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔

ایک نکتہ کی وضاحت

نبی کریم ﷺ نے منافقین کے ساتھ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں کی البتہ ان کی ریشہ دوانیوں' سازشوں اور شرانگیزیوں کا بروقت نوٹس لے کر ان کا سدباب ضرور کرتے رہے' چونکہ منافق بظاہر شعائر اسلام کا احترام کرتے ہر جگہ ساتھ ساتھ ہوتے البتہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے' جہاد کے لئے میدان جنگ میں اترنے سے گھبراتے اور کتراتے' دشمن ان منافقین اور ان کا ظاہری عمل دیکھ کر انہیں مسلمان ہی تصور کرتا۔ اب اگر مسلمان ان کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرتے تو اس سے بدگمانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ خانہ جنگی کی راہ ہموار ہوتی اور منافقین کے قتل کو منافقین سیاسی قتل سے تعبیر کر کے حاشیہ آرائی کرتے' آقائے دوجہاں ﷺ نے بعض صحابہؓ کے اصرار کے باوجود منافقوں کے خلاف کھلی کارروائی سے اجتناب کیا تاہم انہیں تخریب کاری کی کھلی چھٹی بھی نہ دی گئی' منافقین پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی' ایک موقعہ پر حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

دعه لا يتحدث الناس ان محمدا يقتل اصحابه (صحیح البخاری '۲:۷۲۹) اس کو چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

جب تک ظاہری طور پر جرم ظاہر نہ ہو منافقین کے خلاف بھی کارروائی (قتل) کی اجازت نہیں کیونکہ اسلامی احکام کا اطلاق ظاہر پر ہوتا ہے باطنی کیفیات اور نیتوں پر نہیں اور نیتوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔

۱۲۔ جنگ سے قبل اسلام کی دعوت

اسلام بے وجہ قتال کا ہرگز حامی نہیں' خونریزی سے بچنے کا حکم ہے' جنگ سے پہلے مخالفین کو اسلام کی دعوت دینے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ کفار امن اور سلامتی کا راستہ اختیار کر لیں اور اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ مل کر فتنہ و فساد اور ظلم واستحصال کے خاتمے کے لئے جہاد میں عملاً شریک ہو جائیں' دائرہ اسلام میں آنے کے ساتھ ہی انہیں مسلمانوں کے سارے حقوق حاصل ہو جائیں گے اگر وہ اسلام پسند کرنا قبول نہ کریں تو کم از کم مسلمانوں کے راستے کی دیوار بھی نہ بنیں' اور دنیا میں قیام امن کی راہ میں رکاوٹ بھی نہ ڈالیں' انہیں اسلامی ریاست میں مکمل قومی آزادی حاصل ہو گی۔ حکومت ان کے جان' مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہو گی البتہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کے پاس ہو گا۔ اگر دشمن یہ شرائط قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو اور دامن رحمت میں آنے سے انکار کر دے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ جنگ پر ادھار کھائے بیٹھا ہے اور کسی طور پر بھی فتنہ و فساد سے باز آنے کے لئے تیار نہیں اس صورت میں قتال جائز ہو گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جنگ سے قبل یا بعد میں کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا' غزوہ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو زبردستی مسلمان بنا لینے کے بارے میں پوچھا تو حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ "ان پر اسلام نرمی

سے پیش کرو' اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام قبول کرلے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" (بخاری 'کتاب المغازی: باب غزوہ خیبر)

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اسلام کسی قوم یا علاقہ کے خلاف یا دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے جنگ کی اجازت نہیں دیتا بلکہ دنیا سے فتنہ و فساد کے خاتمے اور قیام امن کے لئے ظلم کے خلاف جنگ کی اجازت ہے بلکہ شرانگیزیوں کی روک تھام کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ، ۲: ۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔

۱۳۔ دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کی جائے

اسلام اپنے پیروکاروں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ ممکن حد تک تصادم سے گریز کریں لیکن جب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو پوری جرات اور بہادری کے ساتھ باطل' استحصالی قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اسلام میں جنگ انا کی تسکین کے لئے جائز نہیں'

یا ایھا الناس لا تتمنوا لقاء العدو و سلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا (سنن ابی داؤد' ۱: ۳۹۰)

اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو' جب تمہارا دشمن سے تصادم ہو جائے تو صبرو استقلال سے کام لو۔

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔

لا تمنوا لقاء العدوا فاذا لقیتوھم فاصبروا (الصحیح لمسلم' ۲: ۸۴)

دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کیا کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو۔

۱۴۔ دورانِ جنگ ہر وقت مسلح رہنا

جنگ کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ مجاہدین ہر وقت چوکنا رہیں، دشمن کسی وقت بھی شب خون مار سکتا ہے یا سامنے سے حملہ آور ہو سکتا ہے اس لئے ایک لمحہ کی غفلت بھی میدان جنگ کا نقشہ تبدیل کر سکتی ہے اور جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے نکل سکتی ہے، مجاہدین کو دورانِ جنگ ہر وقت مسلح رہنا چاہئے اور اپنے ہتھیاروں سمیت مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ (النساء ۴:۱۰۲)

کافر چاہتے ہیں کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر دفعتاً حملہ کر دیں اور تم پر کچھ مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے کوئی تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اپنے ہتھیار (اتار کر) رکھ دو اور اپنے سامان کی حفاظت کے لئے رہو۔

بارش اور بیماری کے عذر کے علاوہ ہتھیاروں کو اپنے جسم سے الگ کرنے کی اجازت نہیں، اپنے اسلحے اور ساز و سامان کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

۱۵۔ میدانِ جنگ میں ادائیگی نماز

عین لڑائی کے وقت بھی قوم حجاز کو نماز ترک کرنے کی اجازت نہیں، حالات کے مطابق مجاہدین کے گروہ باری باری باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں، دور جدید میں ٹینکوں اور جہازوں میں باجماعت، نماز ادا کی جا سکتی ہے البتہ ڈرائیور یا پائلٹ اشاروں سے نماز ادا کریں گے، تلواروں کی چھاؤں میں سجدہ شبیری ادا کرنے کی رسم آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گی، قرآن میں ارشاد باری ہے۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ

(النساء، ۴:۱۰۲)

اور (اے محبوب) جب آپ ان (مجاہدوں) میں (تشریف فرما) ہوں تو ان کے لئے نماز (کی جماعت) قائم کریں۔ پس ان میں سے ایک جماعت کو (پہلے) آپ کے ساتھ (اقتدا) کھڑا ہونا چاہئے اور انہیں اپنا ہتھیار بھی لئے رہنا چاہئے پھر وہ سجدہ کر چکیں تو (ہٹ کر) تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور (اب) دوسری جماعت کو جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آ جانا چاہئے پھر وہ آپ کے ساتھ (مقتدی بن کر) نماز پڑھیں اور چاہئے کہ وہ (بھی بدستور) اپنے اسباب حفاظت اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔

یعنی مجاہدین قصر نماز باری باری ایک ایک رکعت فرداً فرداً ادا کریں۔

۱۶۔ شان و شوکت کا مظاہرہ

کبر و نخوت اور غرور و تکبر کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، البتہ وقار و تمکنت کا اظہار مومن کے لئے ضروری ہے۔ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے فخریہ اشعار اور رجزیہ کلام کی اجازت ہے کیونکہ یہ احساس برتری اور تکبر نفس کے لئے نہیں اسلام کی سربلندی کے لئے ہوتا ہے، عظمت و شوکت اور جاہ و جلال کے اظہار کی ایک صورت پرچم کو سربلند رکھنا بھی ہے، سینہ تان کر اور سر اٹھا کر چلنا بھی مردان حق کا شیوہ رہا ہے۔ اس سے نمود و نمائش کا نہیں اللہ کے دین کی سربلندی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، فتح مکہ کے دن حضور رحمت عالم ﷺ نے ابو سفیان کو ایک بلند مقام پر کھڑا کیا

اور عساکر اسلام کو حکم دیا کہ اپنا پرچم بلندیوں پر اڑاتے ہوئے پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ سامنے سے گزریں تاکہ دشمن کے دل میں لشکر اسلام کی دھاک بیٹھ جائے۔ عہد جدید میں اسلحہ کی نمائش اور افواج کی پریڈ اسلامی احکامات کے عین مطابق ہے اس سے نہ صرف مجاہدین اور عام شہریوں کا مورال (Moral) بلند ہوتا ہے بلکہ دشمن بھی عسکری قوت سے مرعوب ہوتا ہے اور جارحانہ اقدامات سے باز رہتا ہے۔ غزوہ احد کے موقعہ پر جب حضور ﷺ نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو تلوار عنایت فرمائی تو وہ متکبرانہ چال چلتے ہوئے میدان میں اترے آقا ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا عام حالات میں یہ چال ناپسندیدہ ہے لیکن اس وقت اللہ کو محبوب ہے۔

۱۷۔ نعرہ بازی اور رجزیہ اشعار

میدان جنگ میں فضا تکبیر و رسالت کے نعروں سے معمور ہو تو مجاہدین کے چہرے تمتمانے لگتے ہیں ان کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگتے ہیں۔ دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور سینوں میں آرزوئے شہادت مچلنے لگتی ہے۔ دشمن پر ایک ہیبت سی طاری ہو جاتی ہے اور فرشتے بھی قطار اندر قطار اتر آتے ہیں' حضور ﷺ خیبر میں اترے تو فرمایا **"اللہ اکبر خربت خیبر"** رجزیہ اشعار پڑھنا بھی سنت نبوی ہے' ان اشعار سے ایک نیا ولولہ اور نیا حوصلہ دلوں میں پیدا ہوتا ہے' قدم خود بخود میدان جنگ کی طرف اٹھنے لگتے ہیں اور تلوار برق رعد بن کر دشمن پر گرتی ہے۔

غزوہ احزاب کے موقعہ پر خندق کھودتے وقت نبی اکرم ﷺ درج ذیل رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اللھم لو لا انت ماھتدینا

و لا تصدقنا و لا صلینا

فانزلن سیکنۃ علینا

و ثبت الاقدام ان لا قینا
ان الاولی قد بغوا علینا
اذا ارادوا فتنۃ ابینا

"اے اللہ اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم راہ ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ خیرات کر سکتے اور نہ نماز پڑھتے پس ہم پر سکینت نازل فرما اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا یہ لوگ ہم پر بغیر کسی وجہ کے زیادتی کرتے ہیں جب وہ ہمیں بہکاتے ہیں تو ہم ان کی بات نہیں مانتے۔"

(صحیح البخاری، ۱: ۳۹۸)

آخری شعر آپ نے دو تین بار دہرایا۔ روایات میں ہے کہ یہ رجزیہ اشعار آپ ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

غزوہ حنین کے موقعہ پر حضور ﷺ کی زبان اقدس پر یہ شعر رواں تھا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب میں سچا نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

۱۸۔ فتح کے بعد سجدہ شکر کی ادائیگی

اسلام میں جشن فتح حصول نعمت کے بعد اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالانے کا نام ہے۔ کیونکہ حقیقی معنوں میں فتح مادی وسائل یا محض انسانی کاوشوں کی مرہون منت نہیں ہوتی بلکہ یہ فتح توفیق خداوندی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ فتح، نصرت خداوندی کے باعث ہی ممکن ہوتی ہے اس لئے جشن فتح اس کے حضور جھک جانے کا نام ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ○ (النصر، ۱۱۰: ۳)

تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے استغفار کریں بے شک وہ بڑا ہی توبہ

قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے
ساتھ رجوع فرمانے والا ہے۔)

۱۹۔ عبادت گاہوں کا احترام

مسلمانوں نے تحمل' بردباری' احسان' رواداری اور عدل وانصاف کی اعلیٰ اور روشن مثالیں قائم کر کے دنیا کی جہاں بانی کو ایک نئے انداز سے روشناس کرایا' افراد معاشرہ کو قوت برداشت کا ہنر سکھایا' یہ اعزاز صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو مفتوحہ علاقوں میں واقع عبادت گاہوں کا پورا پورا احترام کرنے کی تلقین کی' ان کی بے حرمتی اور انہدام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلام مذہبی آزادی اور سماجی روایات کا علم بردار ہے' غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی اسلامی عساکر کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہؓ کو جو ہدایات دیں ان میں ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ دشمن کے معبدوں کا احترام کیا جائے۔

۲۰۔ اسیران جنگ کے ساتھ حسن سلوک

آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ بین الاقوامی قانون کے تمام تر تحفظات اور اقوام متحدہ کی ان گنت قرار دادوں کے باوجود اتنا شرمناک اور غیر انسانی ہے کہ محض اس کے ذکر سے ہی شرافت کے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے اور امن عالم کے ٹھیکیداروں کی گردن ندامت سے جھک جاتی ہے' پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اسیران جنگ کے ساتھ کیا ہوا؟ نازیوں کے مظالم کی داستان طویل بھی ہے اور عبرتناک بھی' خود حضور ﷺ کے زمانے میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ ذلت آمیز اور رسوا کن طرز عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ جنگی قیدیوں کے حقوق کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ انہیں غلام بنا کر بھیڑ بکریوں کی طرح ان کی تجارت کی جاتی' حضور ﷺ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی

حتی کہ انہیں وہی کھلایا، پلایا اور پہنایا جاتا جو مسلمان خود کھاتے، پیتے یا پہنتے۔ قرآن مجید نے بنیادی اصول دیا کہ

فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً
(محمد: ۴۷: ۴)

پھر اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان رکھ کر (رہا کر دو) یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو

۲۱۔ عدل و انصاف کے اصولوں کی پاسداری

مفتوح اقوام اور محکوم عوام کو آج بھی کسی عدل و انصاف کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، فتح کے نشے میں بدمست قابض اقوام ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتیں اور ان کے وسائل پر قبضہ جما کر ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتی ہیں۔ لیکن اسلام مفتوحہ علاقوں کے عوام کے حقوق کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ مفتوح اقوام کے معاملے میں بھی عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ، ۵: ۸)

اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو، عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔

باب۔ ۳

جہاد بالنفس

جہاد بالنفس، اپنی نفسانی خواہشات سے مسلسل اور صبر آزما جنگ کا نام ہے، یہ جہاد ہے انسان کی خود ساختہ کبریائی کے خلاف، یہ جہاد ہے سجدوں کی ریا کاری اور زہد و تقویٰ کی منافقت کے خلاف، یہ جہاد ہے ذہنوں میں بننے والی جنسی آلودگی اور فکری پراگندگی کے خلاف، یہ جہاد ہے خون میں دوڑنے والی انانیت، نمرودیت، فرعونیت اور قارونیت کے خلاف، یہ جہاد ہے طمع، حرص، لالچ، بغض، غیبت، حسد، چغلی، کینہ، دجل، فریب، جھوٹ اور ظاہری نمود و نمائش کے خلاف، یہ جہاد ہے اندر کے انسان کی سرکشی اور بغاوت کے خلاف، یہ جہاد ہے شیطانی حملوں اور وسوسوں کے خلاف اور یہ جہاد ہے خوشامد پسندی اور خوشامد پرستی کے خلاف۔ یہ جہادی عمل ایک مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط ہے۔ یہ ایک مشکل اور دشوار مرحلہ ہے کیونکہ شیطان براہ راست انسان پر حملہ آور ہوتا ہے، اگر نفس کو مطیع کر لیا جائے اور اس کا تزکیہ ہو جائے تو انسان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے، جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے، لیکن جہاد بالنفس ہمیشہ جاری رہتا ہے، تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے ریاضت اور مجاہدہ کے کٹھن مراحل کو عبور کرنا پڑتا ہے یہ کوئی آسان کام نہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جملہ اسلامی تعلیمات کو تزکیہ کا عنوان بنا کر اس ایک عمل پر بھی کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس، ۹۱: ۹-۱۰)

بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی) اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔

قرآن مجید فرقان حمید میں جا بجا خواہشات نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔

نفس پر جبر کئے بغیر اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا ممکن نہیں۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ○ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (النازعات ۷۹: ۴۰، ۴۱)

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بری) خواہشات و شہوات سے باز رکھا تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہو گا۔

ایک مرتبہ حضور رحمت عالم ﷺ نے جہاد کے سفر سے واپسی پر ارشاد فرمایا۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

ہم جہاد اصغر (جہاد بالسیف) سے جہاد اکبر (جہاد بالنفس) کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ (الدر المنثور: ۸۹)

ارشاد نبوی سے معلوم ہوا کہ نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے کیونکہ یہ مسلسل جاری رہتا ہے اور انسان کو اس سے قدم قدم پر واسطہ پڑتا ہے جبکہ کفار کے ساتھ مقابلہ تو کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

تنوروا قلوبكم بالجوع و جاهدوا انفسكم بالجوع و العطش

اپنے دلوں کو بھوک کے ذریعے منور کر لو اور اپنے نفس کے ساتھ بھوک اور پیاس سے مجاہدہ کرو۔

بزرگان دین کا معمول یہ رہا ہے کہ نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذتوں سے اپنا دامن بچاتے رہے اور زیادہ وقت خلق خدا کی بھلائی میں صرف کرتے رہے، ان کی راتیں مصلے پر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریزیوں میں گزرتیں، ریاضت اور مجاہدہ ان کا اوڑھنا بچھونا رہتا، محبت الٰہی اور خشیت الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن رہتے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب سے ایمان لایا ہوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ عبادت کا مزہ لے سکوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں اپنے نفس کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ

پر ایک چرواہے کی طرح ہوں جو انہیں ایک طرف اکٹھا کرتا ہے تو وہ دوسری طرف نکل جاتی ہیں۔"

نیک لوگوں نے معدہ کو اس ہنڈیا کی طرح ٹھہرایا ہے جو ہر وقت ابلتی رہتی ہے اور اس کے بخارات دل تک پہنچتے رہتے ہیں' ان بخارات کی کثرت سے دل آلودہ ہو جاتا ہے' بسیار خوری فکر و نظر کو کھا جاتی ہے اور ذہانت' فطانت اور متانت کے لئے خطرے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

افضل الجهاد ان تجاهد نفسک افضل جہاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ (کنزالعمال' ۴:۴۳۱)

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو نفس کے فتنوں سے خبردار کرنے کی غرض سے پوچھا "تم پہلوان کسے کہتے ہو" عرض کیا یا رسول اللہ! جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں' حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا۔

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عندالغضب پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں غالب آجائے پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر اختیار رکھے۔ (الصحیح لمسلم' ۲:۳۲۶)

خواہشات نفس کا غلبہ ہو جائے تو عملی طور پر انسان کا نفس ہی اس کا معبود بن جاتا ہے۔ انسانی ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے کہ نفس اس کا معبود ہے لیکن عملاً وہ ہوس زر اور ہوس اقتدار کی آگ میں جلتے ہوئے اس نفس کی پرستش کر رہا ہوتا ہے اس حقیقت کو قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے نفس کو ہی اپنا معبود بنالیا ہے۔ (الفرقان' ۲۵:۴۳)

مجاہدہ نفس کے بارے میں کتب احادیث میں مذکور ہے۔

۱۔ **المجاهد من جاهد نفسه** مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ (جامع الترمذی' ۱:۱۹۵)

۲۔ افضل الجهاد ان تجاهد نفسک وهواک فی ذات اللّٰه
(کنز العمال، ۴: ۴۳۱)

افضل جہاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس اور خواہش کے خلاف اللہ کے بارے میں جہاد کرے۔

۳۔ مرحبا بکم قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر قیل و ما الجهاد الاکبر قال جهاد النفس
(احیاء علوم الدین، ۳: ۵۷)

تمہیں خوش آمدید کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہو عرض کیا گیا کہ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کے خلاف جہاد۔

اللہ رب العزت کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ جو اس کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں، دن رات ریاضت میں بسر کرتے ہیں تو انہیں راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے، صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق خداوندی عطا ہوتی ہے۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا
(العنکبوت، ۲۹: ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں (ہمارے لئے) کوشش کرتے ہیں ہم ضرور اپنا راستہ انہیں دکھاتے ہیں۔

حقیقتِ نفس

صوفیاء کے نزدیک منبع شر کو نفس کہتے ہیں اس ضمن میں علماء کے بہت سے اقوال بھی مذکور ہیں جن کے مطابق نفس روح اور جسم کے معنوں پر دلالت کرتا ہے بعض کا خیال ہے کہ نفس دل کے اندر پنہاں ایک حقیقت کا نام ہے، بہر حال کار رذیلہ کا تعلق اسی نفس سے ہے لہٰذا نفس کا تزکیہ ہی کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے، آیات قرآنی اس حقیقت پر گواہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج (البقرہ، ۲: ۸۷)

جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس وہ (احکام) لایا جنہیں تمہارے نفس پسند

نہیں کرتے ہیں تو تم وہیں اکڑ گئے۔

معلوم ہوا کہ نفس ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے لہٰذا ہر سطح پر اس کے خلاف مسلسل جہاد کی ضرورت ہے حضور رحمت عالم ﷺ نے بار بار اہل ایمان کو اپنے ان اقوال مبارکہ کی طرف متوجہ کر کے عمل کی تلقین فرمائی ہے۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ بعیب نفسہ — اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے۔

(المغنی عن حمل الاسفار' ۴: ۳۳۰)

احادیث میں کثرت کے ساتھ نفس اور اس کی خرابیوں کا ذکر ملتا ہے چونکہ شیطان بھی نفس ہی کے ذریعہ حملہ آور ہوتا ہے اس لئے نفس کے خلاف جہاد کی اہمیت کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے' نفس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ ہر وقت برائی پر آمادہ رہتا ہے تا آنکہ سخت جہاد سے اس کی تہذیب نہ کر دی جائے۔ حقیقت نفس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ کہلوا کر واضح کر دیا کہ۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ — اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعویٰ) نہیں کرتا بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔

(یوسف' ۱۲: ۵۳)

نفس کو مارا تو نہیں جا سکتا البتہ اس کے خلاف جہاد کر کے اسے بڑی حد تک کمزور کیا جا سکتا ہے پھر نفس کی صفات بدلنے لگتی ہیں اور نفس' نفس امارہ نہیں رہتا بلکہ اس کا سفر نفس مطمئنہ کی جانب شروع ہو جاتا ہے۔

نفس کی آفات میں یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی تعریف' اچھے ذکر اور ستائش کو پسند کرتی ہے' ان رذائل کے حصول کے لئے بعض اوقات انسان منافقت اور ریاکاری سے بھی کام لیتا ہے' شرک خفی کا تعلق بھی انہی آفات نفس سے ہے' حضرت

ابو حفصؒ کا قول ہے کہ نفس پورے کا پورا تاریکی ہے' اس کا چراغ اخلاص ہے۔ اخلاص کا چراغ جلانے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کی مشقت ضروری ہے۔ اس مجاہدے اور ریاضت کی اصل' خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے۔

باب ۔ ۴

جہاد بالعلم

جس وقت پوری دنیا گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی کفر اور جہالت نے شرف انسانی کی بحالی کے ہر خواب کو شرمندہ تعبیر ہونے سے پہلے ہی بکھیر دیا تھا اسلام نے اس وقت علم کی فضیلت کا پرچم بلند کر کے جہالت کے اندھیروں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا' روشنی کے جس سفر کا آغاز غار حرا میں لفظ **اقراء** کے نزول سے ہوا تھا وہ سفر آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اسلام نے جہالت کے اندھیروں کے خلاف جنگ کر کے ذہن انسانی میں شعور و آگہی کے چراغ جلانے کا جو منصب سنبھالا تھا وہ اولاد آدم کے وقار کی بازیابی کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا اور آج تہذیب انسانی کی ساری روشنیاں' علوم جدیدہ کی ساری توانائیاں اور تحقیق و جستجو کی ساری رعنائیاں دہلیز پیغمبر اسلام ﷺ پر سرنگوں کھڑی صدیوں سے اسی در کی دریوزہ گری میں مصروف ہیں ان کا کشکول آرزو حکمت و دانش کے موتیوں سے لبریز ہے اور انسان تسخیر کائنات کے سفر میں بہت دور تک نکل گیا ہے کہ افق دیدہ و دل پر اسلام کی حقانیت کا گلرنگ سویرا طلوع ہو رہا ہے۔

جہاد بالعلم جہاد کی ایک قسم ہے یہ وہ جہاد ہے جس میں قرآن و سنت پر مبنی احکامات کے علم کی چار دانگ عالم میں تشہیر کی جاتی ہے اور تعلیمات اسلامی سے دنیا کے ہر خطے میں چراغاں کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ کفر اور جہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور پوری دنیا رشد وہدایت کے نور سے مستنیر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کا نور پھیلانے کے لئے آخری الہامی کتاب قرآن مجید کے ذریعہ منکرین حق کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ○ (الفرقان' ۲۵:۵۲)

پس آپ ان منکروں کا کہنا نہ مانئے بلکہ قرآن ہی سے ان کا مقابلہ پوری قوت کے ساتھ کیجئے۔

تمام ائمہ تفسیر نے "بہ" کے ضمیر سے کتاب مقدس قرآن مجید ہی مراد لیا ہے' قرآن مجید تمام علوم کا منبع ہے اور ایسی روشنی فراہم کرتا ہے جو ذہن انسانی کو علم و

عرفان اور شعور و آگہی کے سرمدی اجالوں سے منور کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ (المائدہ ۵:۱۶)

اور انہیں اپنے حکم سے (کفر و جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و ہدایت کی) روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

قرآن اور صاحب قرآن ﷺ سراپا رشد و ہدایت ہیں، علم کے نور کا منبع و سرچشمہ ہیں، حکمت و دانش کا اجالا ہیں' یہ اجالے شرک و جہالت کے اندھیروں کو دور کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے دلائل اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کے ارشادات و فرامین قلب و نظر میں طمانیت پیدا کرتے ہیں جبکہ تلوار کی دلیل سے ایسا ممکن نہیں، علم ذہنوں کی تسخیر کرتا ہے اور قلوب کو اللہ کی یاد میں دھڑکنے کا ہنر سکھاتا ہے۔

علم کی اہمیت

علم انسان کو تمیز خیر و شر کا ہنر عطا کرتا ہے' ذہن کے مقفل دروازوں کو کھولتا ہے یہ ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے جس کے بغیر کوئی قوم ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتی' جس کے بغیر جدید ٹیکنالوجی کا حصول ممکن نہیں، علم ایک ایسا مینارہ نور ہے جس کی روشنی میں نسل انسانی تہذیبی' تمدنی' ثقافتی' معاشی اور سیاسی طور پر آگے بڑھتی ہے اور ستاروں پر کمندیں ڈالتی ہے۔ سوچوں میں کشادگی اور وسعت پیدا ہوتی ہے، حقوق و فرائض کا صحیح ادراک حاصل ہوتا ہے' قوت برداشت کو جلا ملتی ہے' روح کو بالیدگی عطا ہوتی ہے' ذہن انسانی سے جہالت کے جالے کٹ جاتے ہیں اور فصیل دیدہ و دل پر چراغاں سا ہونے لگتا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۝ (المجادلہ ۵۸:۱۱)

اللہ تم میں سے ایمان والوں کو' اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو

کچھ تم کرتے ہو۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فہم و ادراک عطا کر دیتا ہے' ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

قال حمید بن عبد الرحمن سمعت معاویة خطیبا یقول سمعت النبی ﷺ یقول من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین (صحیح بخاری' ۱:۱۶)

حضرت حمید بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوران خطبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کا فہم بخش دیتا ہے۔

جسے اللہ علم کا نور عطا کرتا ہے اسے بھی چاہئے کہ یہ نور دوسروں تک بھی پہنچائے تاکہ وہ بھی علم کے اس نور سے اپنے قلب و باطن کو منور کر سکیں' اشاعت علم کا یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک ایک قابل رشک عمل ہے۔

قال النبی ﷺ لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاه اللہ مالا فسلطه علی هلکته فی الحق و رجل اتاه اللہ الحکمة فهو یقضی بها و یعلمها (صحیح البخاری' ۱:۱۷)

حضور ﷺ نے فرمایا رشک بجز دو آدمیوں کے کسی پر جائز نہیں' ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہے اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی تو اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

غار حرا سے جنگ بدر کے قیدیوں تک اور پھر جناب رسالت مآب ﷺ کی پوری حیات مبارکہ سے لے کر آج تک علم کی فضیلت کے چراغ روشن ہیں اس کے باوجود بہت سے لوگ آج بھی جہالت کے اندھیروں میں زندگی بسر کر رہے ہیں یا علم کے فروغ میں بخل سے کام لیتے ہیں اور مال و زر کی طرح علم کے خزانے پر بھی سانپ بن کر

بیٹھے ہیں حالانکہ علم ایک ایسی دولت ہے جسے جتنا خرچ کیا جائے اس میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے اور پھر یہ عمل انسان کی موت کے بعد بھی کام آتا ہے نہ صرف اس کا اعمال نامہ روشنیوں سے تحریر ہوتا ہے بلکہ خلق خدا بھی اس کے جلائے ہوئے چراغوں کی روشنی میں حکمت و دانش کے موتی اپنے دامن میں سمیٹنے کا کار خیر سرانجام دیتی ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ان مما یلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته علما علمه و نشره

(سنن ابن ماجہ: ۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا مومن کے مرنے کے بعد اس کی نیکیوں اور اعمال میں سے جو چیزیں اسے نفع دیتی ہیں ان میں سے ایک وہ علم ہے جس کی وہ تعلیم دے اور پھیلائے۔

علم کی فضیلت

قانون فطرت بھی یہی ہے اور تاریخ انسانی بھی اس پر عادل و شاہد ہے کہ جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے' علم' علم والے کے سر پر دستار فضیلت سجاتا ہے' اسے مسند ارشاد پر جلوہ گر کرتا ہے اور معاشرے میں اسے مقام ارفع نصیب ہوتا ہے اور تاریخ میں اس کے کارنامے آب زر سے تحریر ہوتے ہیں جبکہ جہالت انسان سے تقویٰ اور دانائی کے اوصاف بھی چھین لیتی ہے' نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کا شعور بھی بے علم کو حاصل نہیں ہوتا' جہالت انسان کو بے توقیری کے جہنم میں دھکیل دیتی ہے' اجتماعی اور انفرادی سطح پر بھی ان مثبت اور منفی قدروں کا ردعمل ہوتا ہے جب تک مسلمانوں نے علم' اور دانائی کو معیار فضیلت قرار دیئے رکھا اور فروغ علم کی مشعل سے اکناف عالم میں چراغاں کرتے رہے اس وقت تک دنیا کی امامت بھی ان کے ہاتھ میں رہی اور اقوام عالم بغداد اور قرطبہ کے علمی سرچشموں سے اپنی علمی پیاس بجھاتی رہیں جونہی فروغ علم کی یہ مشعل ان کے ہاتھ سے گر گئی یا اغیار نے چھین لی تو ہر

شعبہ زندگی میں زوال وانحطاط ان کا مقدر بن گیا اور آج حالت یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں شرح خواندگی شرمناک حد تک گر چکی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کا حصول اسلامیان عالم کے لئے ناممکن بنایا جا رہا ہے مسلمان خود بھی اپنی علمی میراث کے احیاء کے لئے کسی انقلابی جدوجہد کے قائل نظر نہیں آتے' فکری بانجھ پن جہالت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے' اور علمی کم مائیگی سے شکست خوردگی کا احساس پرورش پاتا ہے۔آج امت مسلمہ ہر محاذ پر پسپائی اختیار کر رہی ہے اس لئے کہ علم اور قلم کی طاقت اس کی دسترس سے باہر ہو چکی ہے ہمارا پورا ثقافتی ورثہ علم اور قلم کے سرچشموں سے پھوٹنے والی توانائیوں کا امانت دار ہے۔ اسی لئے حدیث کی تمام کتب میں علم کی فضیلت پر بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ من جاء ہ الموت و هو يطلب العلم ليحي به الاسلام' فبينه و بين النبيين درجه واحد ۃ في الجنة (سنن دارمی' ۱:۸۵)

جس شخص کو موت آئی اس حال میں کہ وہ ایسا علم حاصل کرتا رہا جس کے ذریعہ وہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان جنت میں ایک درجے کا فرق ہو گا۔

۲۔ من طلب العلم كان كفاره لما مضى (سنن دارمی' ۱:۱۱۴)

جو شخص علم طلب کرتا ہے (یہ علم) پہلے کئے گئے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

۳۔ قال النبی ﷺ ان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم و ان طالب العلم يستغفرله من في السماء و الارض حتى الحيتان في الماء (سنن دارمی' ۱:۸۳)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ طالب علم کی رضا مندی کے لئے اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں اور طالب علم کے لئے مغفرت مانگتے ہیں جو (مخلوق) آسمان و زمین میں ہیں حتی کہ مچھلیاں پانی میں۔

۴۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (سنن ابن ماجہ: ۲۰)
علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

دعوت و تبلیغ کا کام جہاد بالعلم کا پہلا نصب العین ہے' اس ہدف کو حاصل کرنا حصول تعلیم کے بغیر ممکن ہی نہیں' دلائل و براہین سے اسلام کی صداقت اور حقانیت کا علمی اور فکری سطح پر ابلاغ اور معترضین کے اعتراضات کا جواب جہاد بالعلم کا دوسرا بڑا ہدف ہے۔ جہاد بالعلم کی اہمیت مسلّم ہے۔ یہ جہاد بھی ایک مسلسل عمل کا نام ہے جسے اسلامی معاشرے میں عوامی اور حکومتی سطح پر ہر وقت جاری و ساری رہنا چاہیے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر مسلمان عورت اور مرد کا فرض ہے کہ وہ جہاد بالعلم میں بھی بھرپور حصہ لے اور اپنی تخلیقی اور تحقیقی توانائیاں جہاد بالعلم کے لئے وقف کر دے' جہاد بالعلم کے ذریعہ ہی ہم اپنی نسلوں کو محفوظ اور باوقار مستقبل کی ضمانت دے سکتے ہیں' علم اور قلم کی طاقت کو نظر انداز کرنے کی سزا ہم جرم ضعیفی کی صورت میں بھگت رہے ہیں' ہماری مجرمانہ غفلت اس سے بھی بھیانک نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔ ارباب فکر و نظر کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے' معجزوں کی منتظر رہنے والی قومیں بے عملی کا شکار ہو جاتی ہیں ان کی سوچوں کو زنگ لگ جاتا ہے اور شعور و آگہی کے دروازوں پر قفل پڑ جاتے ہیں امت مسلمہ کو اس اندوہناک صورت حال سے بچانے کے لئے ارباب علم و دانش کو آگے آنا چاہئے اور اسلامیان عالم کو علمی انحطاط اور فکری زوال سے بچانے کے لئے فروغ علم کو ایک تحریک بنا دینا چاہئے اور جہاد بالعلم کے قرآنی فلسفے کو اپنی روداد روز و شب کا عنوان بنا کر نئے آفاق کی تسخیر کے لئے ذہن جدید کو تحقیق و جستجو کی شاہراہ پر گامزن کرنے اور اس سفر کی رفتار کو تیز تر کرنے کے عملی اقدامات کرنا چاہئیں کہ اس عمل میں ملت اسلامیہ کی ثقافتی بقاء کا راز مضمر ہے۔

کامیابی کا راز ------ دعوت و تبلیغ

علم اگر کتابوں میں بند ہو تو اس کی عملی افادیت ختم ہو جاتی ہے' جب تک عملی زندگی میں علم و ہنر کی روشنی سے اکتساب شعور کر کے تبلیغی و دعوتی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعی نہ کی جائے۔ قرآن حکیم میں تصور تبلیغ کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے فرمایا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
(آل عمران' ۳: ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں کی رہنمائی کے لئے ظاہر کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○
(آل عمران' ۳: ۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار وہی لوگ ہوں گے جو دعوت و تبلیغ کا کام پوری تندہی اور اخلاص سے سرانجام دیں گے' جو افراد معاشرہ کو نیکی کی دعوت دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور برائی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کریں گے کیونکہ محض وعظ و تبلیغ سے برائی کو نہیں روکا جا سکتا اس لئے قوت نافذہ کے حصول کو کسی مرحلے پر بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر امت دعوت و تبلیغ کے کام سے صرف نظر کرے گی تو ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جائے گی اور یہ تباہی و بربادی کے عمیق گڑھوں میں جا گرے گی' ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

اذا عظمت امتی الدنیا نزعت عنھا ھیبۃ الاسلام و اذا ترکت الامر بالمعروف و النھی عن المنکر حرمت برکۃ الوحی

(الدر المنثور، ۲: ۳۰۲)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کی عظمت میں کھو جائے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔

گویا جو شخص دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اللہ کے خاص لطف و کرم کا سزاوار ٹھہرتا ہے حدیث مذکورہ کی روشنی میں زوال امت کے اسباب تلاش کریں تو انکشاف ہوتا ہے کہ ہم اجتماعی طور پر بھی خرافات دنیا میں کھو چکے ہیں، ہم نے اپنے مفادات کے بت تراش رکھے ہیں اور دن رات ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں عریانی، فحاشی، بے غیرتی، بے حمیتی اور بے حیائی نے ہماری تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام کی ہیبت ہمارے قلوب سے کب کی رخصت ہو چکی ہے ہم فقط نام کے مسلمان رہ گئے ہیں ہم لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں نہ انہیں برائی سے روکتے ہیں۔ برائی کو پہنچنے کے لاکھ مواقع میسر ہیں۔ قدم قدم پر عشرت کدے تعمیر ہیں، عورت کو نیلام گھر کی زینت بنا دیا گیا ہے، رقص و سرود کی مخلوط محافل نے ہماری نوجوان نسل کے اعصاب کو شل کر رکھا ہے، دعوت و تبلیغ کے محاذ پر ایک خوفناک سناٹا طاری ہے۔ حالانکہ خطبہ حجۃ الوداع میں تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا تھا۔

لیبلغ الشاھد الغائب فانہ رب مبلغ یبلغہ اوعی لہ من سامع

(سنن ابن ماجہ: ۲۱)

جو یہاں حاضر ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں کیونکہ بعض اوقات پہنچانے والے کی نسبت سننے والا زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

تبلیغ، جہاد بالعلم کی ایک اعلیٰ قسم ہے لیکن جب تک تبلیغ کا طریق کار اپنی تمام جزئیات کے ساتھ مبلغین اسلام کے اذہان پر نقش نہ ہو جائے اس وقت تک مطلوبہ نتائج کی ضمانت نہیں دی جاسکتی اس ضمن میں تین امور کا پیش نظر رہنا بہت ضروری ہے۔

۱۔ افراط و تفریط سے اجتناب ۲۔ تفرقہ و انتشار سے اجتناب ۳۔ سخت کلامی سے اجتناب

دعوت و تبلیغ کے میدان میں مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا سنت انبیاء (علیہم السلام) ہے، مبلغین اسلام کے لئے لازمی ہے کہ سب سے پہلے توحید الٰہی پر زور دیں، سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کا احساس دلائیں پھر دیگر احکامات سے لوگوں کو آگاہ کریں، ذہنوں پر ایک دم بوجھ نہ ڈالا جائے نہ انہیں فلسفیانہ موشگافیوں اور علمی مباحث میں الجھایا جائے، کیونکہ جو شخص پہلی بات ہی ماننے کے لئے تیار نہیں اسے مزید الجھانا حکمت و دانش کے خلاف ہے، دین میں آسانی رکھی جائے اسے مشکل بنا کر پیش نہ کیا جائے۔ قلوب اور اذہان کو زبردستی مسخر نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ نے ایک نفسیاتی اصول سمجھا دیا ہے۔

۱۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ، ۲:۲۸۶)

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

۲۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ، ۲:۲۵۶)

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

۳۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ، ۲:۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔

کامیابی کی کلید ---- صبر واستقامت

جہالت' کفر اور گمراہی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے جہاد بالعلم کے لئے میدان عمل میں اترنے والوں کو قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑا ہے' اندھیرے آسانی سے روشنی کو راستہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے' علم کے سفر میں اہل علم کو ہر قدم پر مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد بالعلم کا راستہ نسبتاً آسان راستہ ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں' علم کا علم بلند کرنے والوں پر کفر کے فتوے لگے' مخالفتوں اور سازشوں کے لامتناہی سلسلے ان کی راہ میں حائل ہوئے' اہل علم کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں' حرف حق کی "پاداش" میں انہیں کوڑوں کی سزا دی گئی' امام احمد بن حنبل ؒ کو قید بامشقت کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ امام غزالی ؒ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا' خود انبیاء کرام کی زندگیاں مصائب و آلام میں گزریں انہیں طرح طرح کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی' مقام صبر و رضا پر فائز یہ عہد ساز لوگ آج بھی ہمارے لئے مینارہ نور ہیں۔ صبر واستقامت کامیابی کی کلید ہے اور اہل دانش نے ہر عہد میں اس کلید کا امانت دار ہونے کا عملاً ثبوت فراہم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ

(السجدہ: ۴۱: ۳۰-۳۱)

بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں (جو ان سے کہتے ہیں) کہ تم مت ڈرو اور غم نہ کھاؤ اور تم جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ہم تمہارے دنیا میں رفیق ہیں اور آخرت میں (بھی رفیق رہیں گے)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ○ (المزمل '۷۳:۱۰)

اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کیے جایئے اور وضع داری کے ساتھ ان سے الگ رہیے۔

نتیجہ بحث

مختصراً یہ کہ صبر و استقامت کے بغیر جہاد بالعلم ممکن نہیں اور اس میدان میں دعا ہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ غیب سے کامیابی اور کامرانی کے دروازے کھلتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

(المومن '۴۰:۶۰)

مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

علم بغیر عمل کے کوئی وقعت نہیں رکھتا ایک عالم اگر باعمل بھی ہو تو اس کی تحریک فروغ علم نتیجہ خیز ثابت ہو گی ورنہ قول و فعل کا تضاد خود اسے بھی لے ڈوبے گا اور وہ اپنے ساتھ دوسروں کی عاقبت بھی خراب کرے گا۔ قرآن تنبیہہ کر رہا ہے کہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف '۶۱:۲)

اے ایمان والو! (ایسی باتیں زبان سے) کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

جہاد بالعلم کے لئے مطالعہ قرآن اصل الاصول ہے' اسلامی زندگی اسی سے سرسبز و شاداب ہوتی ہے افسوس کہ اس سرچشمۂ ہدایت اور اس منبع علم کو ہم نے طاق نسیاں میں رکھ دیا ہے' امت مسلمہ کو مسلسل خسارے سے بچنے کے لئے ایک دفعہ پھر قرآن کی سرمدی تعلیمات کی طرف لوٹنا ہو گا' رجوع الی القرآن کا پرچم بلند کئے بغیر امت مسلمہ ذلت و رسوائی کے اندھیروں سے باہر نہیں نکل سکتی اور تمسک بالقرآن کے بغیر ان گنت مادی وسائل اور افرادی قوت کے ہوتے ہوئے بھی ہم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہیں کر سکتے اور نہ خوشحالی اور آسودہ زندگی ہی گزارنے کے قابل ہو سکتے ہیں' عظمت و شوکت کا تعلق وسائل کی کثرت سے نہیں بلکہ یاد الٰہی کے ساتھ مشروط ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ، ۲۰:۱۲۴)

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس پر معیشت تنگ کر دی جائے گی اور اس کو ہم قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

قرآن کے فلسفۂ انقلاب پر عمل پیرا ہونے سے ہی امت مسلمہ کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کے ساتھ حبی تعلق پھر سے استوار کیا جائے، قرآن علم و معرفت کا سمندر ہے اس کی غواصی کو اپنے قول و فعل کی بنیاد بنایا جائے، ہر لحظہ قرآن سے روشنی کے لئے دامن آرزو پھیلایا جائے، قرآن اپنے قاری کو اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے اور پھر قرآن بولتا ہے، قاری کے ذہن پر نئے مفاہیم آشکار ہوتے ہیں، زندگی انقلاب آشنا ہوتی ہے۔ جہاد بالعلم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے خود کو قرآن کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ قرآن کا دامن مضبوطی سے تھامے بغیر شاہراہ حیات پر عزت و وقار کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اجتماعی خودکشی سے بچنے کے لئے قرآن کو اپنے سینوں کے ساتھ اپنی روحوں میں بھی اتارنا ہو گا۔ فرمایا گیا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل، ۱۶:۱۲۵)

(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

باب ـ ۵

جہاد بالعمل

عقیدہ و نظریہ تو ایک دعویٰ ہوتا ہے جسے بغیر دلیل کے تسلیم نہیں کیا جاتا' اس دعوی کی دلیل عمل ہے' عمل جس کے بغیر علم بھی اپنی طاقت کھو دیتا ہے اور اپنی اہمیت بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ اقسام جہاد میں جہاد بالعمل بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے' عمل سے زندگی جنم بھی بنتی ہے اور جنت بھی' عمل لحد میں بھی چراغ بن کر چمکتا ہے اور کارگہ حیات میں بھی انسان کے لئے روشنیوں اور آسودگیوں کا باعث بنتا ہے' بے عمل آدمی عمر بھر اعتبار اور اعتماد کی دولت سے محروم رہتا ہے لہٰذا اسلامی معاشرت' اسلامی تہذیب و تمدن میں عمل اور مسلسل عمل پر زور دیا گیا ہے' عمل کے بغیر زندگی جمود کا شکار ہو جاتی ہے اور سکوت نام ہے موت کا۔ وہ قومیں جو اس مرض کا شکار ہو جائیں اور بے عملی جن کے خون میں سرایت کر جائے جیتے جی مرجاتی ہیں' عالمی برادری میں ان کا کوئی کردار باقی نہیں رہ جاتا۔

ہم تارک قرآن ہو کر دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں' اگر قرآن کی سرمدی تعلیمات پر ہم نے عمل کیا ہوتا تو آج پھر ہم دنیا کی امامت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوتے' قرآن و حدیث میں احکامات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ان پر عمل کر کے دین و دنیا میں فلاح حاصل کی جائے' مؤذن پانچ وقت اذان دیتا ہے۔ ہم کاروبار زندگی ترک کر کے موذن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو جاتے ہیں' یہ بھی جہاد بالعمل ہے۔ اسی طرح دیگر احکامات کی دن میں کئی بار آزمائش ہوتی ہے۔

حیات و ممات کا سلسلہ ایک عملی آزمائش

اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحیفہ انقلاب قرآن حکیم میں زندگی اور موت کا جو سلسلہ قائم فرمایا ہے اس کے جاری کرنے کی حکمت بھی عمل کی آزمائش بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(الملک '۶۷:۲)

وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون (تصور صالح کے ساتھ) اچھے کام کرتا ہے۔

درج ذیل سورہ مبارکہ میں بھی عمل کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

وَ الْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

(العصر '۱۰۳:۱۔۳)

زمانہ کی قسم (جس کی گردش انسانی حالات پر گواہ ہے) بے شک انسان خسارے میں ہے (کہ وہ عمر عزیز گنوا رہا ہے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور (معاشرے میں) ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور (تبلیغ حق کے نتیجے میں پیش آمدہ مصائب و آلام میں) باہم صبر کی تاکید کرتے رہے۔

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ ہمارا سفر خسارے کی جانب جاری ہے' نقصان سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق پر ثابت قدم رہنے اور راہ حق میں آنے والے مصائب و آلام پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں' یہ تلقین کرنا بھی ایک نیک عمل ہے' نقصان سے بچنے اور کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہونے کے لئے عمل کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں' جہاد بالعمل کا راستہ اختیار کرنا اتنا بھی آسان نہیں' انسان قدم قدم پر اپنے نفس کو اپنے مد مقابل پاتا ہے' شیطانی وسوسے قدم قدم پر پاؤں کی زنجیر بنتے ہیں' آدمی کی انا' اس کا سماجی مرتبہ اور اس کا علمی منصب دیوار بن کر راستے میں حائل ہو جاتے ہیں' پھر طبعی سستی اور غفلت نفس پر غالب آ جاتی ہے' نفس انسان کو شر پر آمادہ کرتا ہے اور گناہ کی ترغیب دیتا

ہے ان شیطانی ہتھکنڈوں کے خلاف عزم اور استقامت کی چٹان بن جانا اور ان گناہوں سے اپنا دامن بچالینا ایک جہادی عمل ہے اور ایک مومن کی ساری زندگی اس جہادی عمل سے عبارت ہے۔

جہاد بالعمل کا ایک دوسرا پہلو (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)

اسلامی معاشرے میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے بنیادی اصول کو بڑی اہمیت حاصل ہے یعنی لوگوں کو بھلائی کے کاموں کی طرف بلانا اور انہیں برائی سے روکنا' یہ فریضہ کسی خاص فرد یا جماعت کا ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ دعوت و تبلیغ انفرادی ہی نہیں ایک اجتماعی عمل بھی ہے۔ اسلامی معاشرے کا حسن اسی عمل کا مرہون منت ہے۔ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک اعمال اختیار کرے' بدی کے کاموں سے بچے' گناہوں سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ وہ نہ صرف برائی سے خود اجتناب کرے بلکہ دوسروں کو بھی برائی سے روکے کہ معاشرے کا توازن اسی عمل سے قائم رہ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تین درجے بیان کئے گئے ہیں' قوت میسر ہو تو برائی کو ہاتھ سے روکے' بصورت دیگر زبان سے برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو منع کرے' اور صرف برائی کو دل سے اچھا نہ سمجھنا اور برائی کے خلاف کوئی عملی کاروائی نہ کر سکنا کمزور ایمان کی نشانی ہے اس لئے خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے کو آگے بڑھانا بھی بے حد ضروری ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران' ۳: ۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

۲۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(آل عمران‘ ۳:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے‘ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۳۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

(المائدہ‘ ۵:۷۸‘ ۷۹)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا‘ انہیں داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر (سے) لعنت کی جا چکی (ہے) یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے (اور اس لعنت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ) وہ جو برا کام کرتے تھے ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے بے شک وہ کام برے تھے جنہیں انجام دیتے تھے۔

۴۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

(الاعراف‘ ۷:۱۶۵)

پھر جب وہ ان (سب) باتوں کو فراموش کر بیٹھے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے منع کرتے تھے (یعنی نہی عن المنکر) کا فریضہ ادا کرتے تھے اور ہم نے (بقیہ سب) لوگوں کو جو (عملاً یا سکوتاً) ظلم کرتے تھے نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا۔

۵۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

(التوبہ ۹: ۷۱)

مددگار ہیں' وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجا لاتے ہیں' ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

۶۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(التوبہ ۹: ۱۱۲)

(یہ مومنین جنہوں نے اللہ سے اخروی سودا کر لیا ہے) توبہ کرنے والے' عبادت گزار' (اللہ کی) حمد وثناء کرنے والے' دنیوی لذتوں سے کنارہ کش روزہ دار' (خشوع وخضوع سے) رکوع کرنے والے' (قرب الٰہی کی خاطر) سجود کرنے والے' نیکی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی (مقرر کردہ) حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے۔

دعوت و تبلیغ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ا۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اے (برگزیدہ) رسول جو کچھ آپ کی

مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ؕ (المائدہ ۵:۶۷)

طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

۲۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (المائدہ ۵:۹۹)

رسول پر (احکام کاملاً) پہنچا دینے کے سوا (کوئی اور ذمہ داری) نہیں۔

۳۔ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنَہٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ (الاحزاب ۳۳:۳۹)

اور آپ سے قبل بھی ایسے اولوا العزم پیغمبر گزرے ہیں) جو اللہ کا حکم (بلا تامل) پہنچاتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

۴۔ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ وَ ادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (القصص ۲۸:۸۷)

اور کہیں (کفار) آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں جبکہ یہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں اور آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلاتے رہئے اور مشرکین (کے معاونین) میں نہ ہو جایئے۔

۵۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ (النحل ۱۶:۱۲۵)

(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز میں کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

۶۔ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ

اور اس سے بہتر کس کا قول ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور

اَلْمُسْلِمِيْنَ○ (حٰمٓ السجدۃ' ۴۱: ۳۳)

(خود) عمل صالح کرے اور یہ کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (اللہ کا بندہ ہوں مسلمان ہوں)

۷۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ (الشوریٰ' ۴۲: ۱۵)

پس (آپ ان کا خیال نہ فرمائیں) آپ ان کو اسی (دین حق) کی طرف بلاتے رہیے اور (حسب معمول) آپ اسی پر قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ملا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔

احادیث مبارکہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

۱۔ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان (الصحیح لمسلم' ۱: ۵۱)

میں نے خود رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کوئی کام کرے تو اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی تردید کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

۲۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال ایاکم و الجلوس علی الطرقات فقالوا ما لنا بد انما ہو مجالسنا نتحدث فیہ قال فاذا ابیتم الا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کی ہمیں وہاں بجز بیٹھنے کے کوئی چارہ نہیں ہے

المجالس فاعطوا الطریق حقها قالوا وما حق الطریق قال غض البصر وکف الاذی و رد السلام و امر بالمعروف و نہی عن المنکر
(صحیح البخاری، ۱: ۳۳۳)

کیونکہ وہی ہمارے بات چیت کرنے کے ٹھکانے ہیں آپ نے فرمایا اگر وہاں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے دریافت کیا راستہ کا حق کیا ہے؟ فرمایا نگاہ نیچی رکھنا اور کسی کو ایذا نہ دینا اور سلام کا جواب دینا اور اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے منع کرنا۔

۳۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ان من اعظم الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر
(جامع الترمذی، ۲: ۴۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

۴۔ عن جریر قال سمعت النبی ﷺ یقول ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه فلا یغیروا الا اصابهم الله منه بعقاب قبل ان یموتوا
(سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴۸)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی قوم ایسی نہیں کہ اس میں گناہ کئے جاتے ہوں اور وہ انہیں روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو مرنے سے پہلے انہیں اللہ کا عذاب پہنچ جاتا ہے۔

۵۔ عن حذیفة بن الیمان عن النبی ﷺ قال و الذی نفسی بیده لتامرن بالمعروف و لتنهون عن المنکر او لیوشکن الله ان یبعث

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ تم ضرور

علیکم عذابا منہ
(جامع الترمذی، ۲: ۳۹)

نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے (ایسا نہ کرنے پر) اللہ تمہارے اوپر اپنا عذاب نازل فرمائے اور تم دعا مانگو مگر وہ تمہارے لئے قبول نہ کی جائے۔

۶۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذالک من اجورھم شیاء و من دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اثام من تبعہ لا ینقص ذالک من اثامھم شیئا (الصحیح لمسلم، ۲: ۳۴۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اسے اس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہو گی اور جس شخص نے کسی گمراہی کی دعوت دی اسے اس گمراہی کی پیروی کرنے والوں کے برابر گناہ ہو گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

۷۔ عن ابی مسعود الانصاری قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی ابدع بی فاحملنی فقال ما عندی فقال رجل یا رسول اللہ انا ادلہ علی من یحملہ فقال رسول اللہ ﷺ من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ
(الصحیح لمسلم، ۲: ۱۳۷)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا، یا رسول اللہ میرا جانور ضائع ہو گیا آپ مجھے کسی جانور پر سوار کر دیجئے، آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو اس کو سوار کر دے گا، آپ نے فرمایا جو شخص

کسی نیکی کا راستہ بتائے گا اس کو بھی نیکی کرنے والے کا اجر ملے گا۔

۸۔ عن سلیمان قال سمعت ابا وائل قال قیل لاسامۃ الا تکلم ھذا قال قد کلمتہ ما دون ان افتح لک بابا اکون اول من یفتحہ و ما انا بالذی اقول لرجل بعد ان یکون امیرا علی رجلین انت خیر بعد ما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یجاء برجل فیطرح فی النار فیطحن فیھا کطحن الحمار برحاہ فیطیف بہ اھل النار فیقولون ای فلان الست کنت تامر بالمعروف و تنھی عن المنکر فیقول انی کنت اٰمر بالمعروف و لا افعلہ و انھی عن المنکر و افعلہ

(صحیح البخاری، ۲: ۱۰۵۲)

ابو وائل کا بیان ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ اس بارے میں کچھ فرماتے کیوں نہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میں کہتا تو ضرور ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ پہلے فتنے کا دروازہ کھول دوں اور نہ میں وہ شخص ہوں کہ اگر کوئی دو آدمیوں کے اوپر امیر ہو تو کہہ دوں کہ اس سے تم بہتر ہو جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اس کے اندر اس طرح گھومے گا جیسے چکی چلانے والا گدھا گھومتا ہے پس جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے کہ حضور والا! آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع فرمایا کرتے تھے؟ وہ جواب دے گا کہ میں اچھی باتوں کا حکم تو دیتا لیکن خود کرتا نہ تھا اور برے کاموں سے روکتا لیکن خود باز نہیں رہتا تھا۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا ھذا اتق اللہ و دع ما تصنع فانہ لا یحل لک ثم یلقاہ من الغد فلا یمنعہ ذالک ان یکون اکیلہ و شریبہ و قعیدہ فلما فعلوا ذالک ضرب اللہ قلوب بعضھم علی بعض ثم قال لعن الذین کفر من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم الی قولہ فاسقون ثم قال کلا واللہ لتامرن بالمعروف و لتنھون عن المنکر و لتاخذن علی یدی الظالم و لتاطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا

(سنن ابی داؤد ۲: ۲۴۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلا نقص جو بنی اسرائیل میں آیا وہ یہ تھا کہ ایک آدمی جب دوسرے آدمی سے ملتا تو کہتا: اللہ سے ڈرو اور جو میرا کام تم کرتے ہو اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہارے لئے جائز نہیں پھر جب اگلے روز ملتا تو اسے منع نہ کرتا کیونکہ کھانے پینے اور بیٹھنے میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اچھے دلوں کو برے دلوں سے ملا دیا۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا انہیں داؤد اور عیسٰی ابن مریم کی زبان پر (سے) لعنت کی جا چکی ہے۔

پھر فرمایا: پھر فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ تم ضرور اچھی باتوں کا حکم دو گے اور بری باتوں سے ضرور روکے گے اور ظالم کے دونوں ہاتھ پکڑ کر حق کی جانب ایسا جھکاؤ گے جو جھکانے کا حق ہے اور اسے حق پر ٹھہراؤ گے جو ٹھہرانے کا حق ہے۔

اسلام محض نظریہ یا تھیوری پر نہیں عمل پر یقین رکھتا ہے' زندگی جہد مسلسل

سے عبارت ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے دو اہم اجزا ہیں' اسلامی زندگی' عقائد' اعمال' معاملات' احوال اور اخلاق کے بگاڑ کے خلاف ایک مسلسل جہاد کا نام ہے اور اسے جہاد بالعمل کہتے ہیں۔

باب-٦

جہاد بالمال

کسی بھی اعلیٰ وارفع مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے' مصائب و آلام جھیلنے پڑتے ہیں' صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں' کٹھن اور دشوار گزار راستوں پر چل کر ہی منزل مراد تک پہنچا جا سکتا ہے' انقلاب کی راہ پھولوں کی سیج نہیں ہوتی' قدم قدم پر دامن کانٹوں سے الجھتا ہے' آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے' بعض اوقات جان و دل کے نذرانے پیش کرنے کی نوبت بھی آ جاتی ہے' گھربار کو خیرباد کہہ کر غبار ہجرت کو سر کا سائبان بنانے کے مرحلے سے بھی گزرنا پڑتا ہے' جہاد بالعلم ہو یا جہاد بالسیف ہر دو قسم کے جہاد میں مالی قربانیوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاد بالمال بھی جہاد کی ایک قسم ہے جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے' سرد جنگ ہو یا گرم' مادی اسباب کے بغیر دشمن کی طرف ایک قدم بھی پیش رفت نہیں کی جا سکتی' جنگیں محض جذبات سے نہیں لڑی جاتیں' میدان جنگ میں اترنے سے پہلے اپنے ہتھیاروں کو صیقل بھی کرنا پڑتا ہے اور جہاد کے لئے اپنے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم ہے' یہ سب مالی امداد کے بغیر ممکن نہیں ہوتا' اپنے مال کو دین کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جہاد بالمال کہتے ہیں جس طرح دنیاوی امور کی انجام دہی مال و دولت کے بغیر ممکن نہیں بعینہٖ حق کی حمایت اور نصرت کے امور بھی انفاق فی سبیل اللہ پر موقوف ہیں۔ جہاد بالمال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ دل سے سیم و زر کی محبت اور رغبت ختم نہ ہو جائے جب دین پر کڑا وقت آئے تو اہل وفا اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں اور اپنا گھربار اللہ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ مال و دولت کی قربانی کی لازوال مثالوں سے بھی بھری پڑی ہے۔ صحابہؓ کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ اس حد تک راسخ ہو چکا تھا کہ وہ ہر وقت اللہ کی راہ میں اپنے مال سے جہاد کرنے پر بھی تیار رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال اپنے آقا ﷺ کے قدموں پر ڈھیر کر دیتے ہیں جس طرح پروانے کے لئے چراغ اور بلبل کے لئے پھول کافی ہوتا ہے۔ اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول

ﷺ کے بعد کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ صدیق رضی اللہ عنہ ایک علامت ہیں ایثار و قربانی کی جس سے تاریخ اسلام کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر (جامع ترمذی' ۲:۲۰۷)
مجھے کبھی کسی شخص کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع پہنچایا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایثار دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا کہ میرے محبوب ﷺ کی وساطت سے میرے اس بندے کو میرا سلام پہنچا دو اور پوچھ کر بتاؤ کہ سب کچھ مری راہ میں قربان کر کے کہیں ناراض تو نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی اور وجد کے عالم میں زبان صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ کلمات جاری ہوئے۔

انا عن ربی راض انا عن ربی راض انا عن ربی راض (تاریخ الخلفا' ۳۹)
میں اپنے رب سے راضی ہوں' میں اپنے رب سے راضی ہوں' میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جذبہ جہاد بالمال بھی اپنی مثال آپ ہے۔ جب حضور ﷺ جیش عسرت کے متعلق انفاق کی ترغیب دے رہے تھے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کرنے کا اعلان فرمایا تو آقائے دوجہاں ﷺ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا:

ما علی عثمان ما عمل بعد هذه (جامع ترمذی' ۲:۲۱۱)
اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے گا اسے کوئی حرج یا نقصان نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں۔

فبما وجبت علیّ زکوٰۃ مال فهل تجب الزکوٰۃ علی جواد
میرے اوپر کبھی زکوۃ واجب نہیں ہوئی کیا سخی لوگوں پر بھی زکوۃ واجب ہو سکتی ہے

مطلب یہ ہے کہ کبھی اتنا مال جمع ہی نہیں ہوا کہ اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا مرحلہ آتا۔ قرآن مجید میں بیان جہاد بالمال کے حوالے سے عموماً جہاد بالسیف کو جہاد بالمال سے مؤخر کیا گیا ہے۔

۱۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○
(التوبہ ۹: ۴۱)

تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو۔

۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○
(الحجرات ۴۹: ۱۵)

بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان سے) ایمان لاتے ہیں۔ پھر (اس میں ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے (اور پکے مسلمان) ہیں۔

۳۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ
(النساء ۴: ۹۵)

اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں جہاد بالمال کا ذکر مقدم ہے کیونکہ جہاد بالسیف کی کامیابی کے لئے دیگر عوامل کے علاوہ جہاد بالمال بھی ضروری ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اپنے خون میں ڈوب کر اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دینا یقیناً غیر معمولی بات ہے۔ جہاد بالمال کے ذکر مقدم سے جہاد بالسیف کی اہمیت خدانخواستہ کم نہیں ہوئی' بتانا یہ مقصود ہے کہ جہاد بالسیف کی تیاری کے لئے پہلے مالی قربانی کی ضرورت پڑتی ہے' ہتھیاروں' سواروں اور سامان رسد کا انتظام جنگ سے

پہلے کرنا ہوتا ہے اور کمک اور اشیاء ضروریہ کی فراہمی کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ اس فطری ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے قرآن پاک میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ یہ اسلوب اس نکتے کی وضاحت کرتا ہے کہ جہاد بالسیف کا آغاز جہاد بالمال سے کیا جائے۔ یہ اس لئے بھی کہ جہاد بالسیف کا موقع تو کبھی کبھی آتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے مواقع زندگی میں کثرت سے آتے ہیں۔

جہاد بالمال---اصل نیکی اور تقویٰ

کوئی شخص خواہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو اس وقت تک متقی اور پرہیزگار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ خرچ کرنے کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر نہیں۔ مال جمع کرنے والا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والا بخیل ہے جس کے لئے دوزخ کی وعید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِؗۖ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـٕدَةِؕ (الھمزہ، ۱۰۴: ۲-۷)

(خرابی اور تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی، ہرگز نہیں، یہ ضرور حُطَمَہ (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ حُطَمَہ (چورا چورا کر دینے والی آگ) کیا ہے؟ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی۔

معاشی ناانصافیاں طبقاتی کشمکش کو جنم دیتی ہیں اور اقتصادی ناہمواریوں سے

احساس محرومی پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس محرومی انسان کو سرکشی اور بغاوت پر اکساتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں سرکشی اور بغاوت کا لاوا پھوٹ پڑتا ہے تو خانہ جنگی کا آغاز ہوتا ہے۔ خانہ جنگی اپنے ساتھ تباہی اور بربادی لاتی ہے۔ ہر شئے نفرت کی آگ میں جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس اندوہناک صورتحال سے بچنے کے لئے اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے ملئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دینے سے بھی ہے۔ ہوس زر کے مارے ہوئے دولت کے پجاری جو سونے چاندی کے انباروں پر سانپ بن کر بیٹھے ہیں اور ان کی دولت رفاہی کاموں پر خرچ نہیں ہو رہی۔ معاشی تعطل کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ (التوبہ ۹: ۳۴)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

متقی کہلانا اسے زیب دیتا ہے جو پریشان حال، مفلسوں ناداروں اور ضرورت مندوں کے دکھوں اور محرومیوں کا مداوا کرنے کے لئے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔ جہاد بالمال اصل نیکی اور تقویٰ ہے۔ اس تصور کی وضاحت قرآن مجید میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مال خرچ کرنے پر "اتقی" کا لقب دے کر کی گئی ہے۔

وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی ○ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ○ (الیل ۹۲: ۱۷-۱۸)

اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیزگار شخص کو بچا لیا جائے جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے۔

جہاد بالمال، نسل انسانی کے لئے خیر و بھلائی

جہاد بالمال میں نسل انسانی کے لئے خیر و بھلائی ہے۔ اس عمل سے معاشرے

میں اعتدال و توازن پیدا ہوتا ہے۔ معیشت افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتی اور دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز بھی نہیں ہونے پاتا۔ وسائل قدرت پر چند لوگوں کی اجارہ داری ختم ہو جاتی ہے اور معاشرے میں ایک ایسی فضا جنم لیتی ہے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے ہیں۔ اسلام جس رفاہی اور فلاحی معاشرے کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے وہ جہاد بالمال کو اپنائے بغیر ممکن نہیں۔

شفاخانے بنانا' سرائے تعمیر کرنا' کنواں کھدوانا' پل بنوانا' درخت لگوانا' عوامی تعلیمی ادارے کھولنا' تحقیق و جستجو کے لئے تجربہ گاہیں اور لائبریریاں قائم کرنا جہاد بالمال کے بغیر ممکن نہیں۔ رفاہ عامہ کے ہزاروں کام کر کے دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے معاشرے کے صاحب ثروت افراد پر لازم آتا ہے کہ وہ عوامی فلاح و بہبود کے لئے دل کھول کر خرچ کریں تاکہ جہاد بالمال کے تقاضے احسن طریقے سے پورے کئے جا سکیں اور ہم اجتماعی طور پر ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں جو ایک آزاد اور مہذب معاشرے کے فرد ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (التوبہ '۹: ۴۱)	اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو۔

اس آیت کریمہ میں قرآن مجید مال و جان کے جہاد کو لفظ خیر سے تعبیر کرتا ہے یعنی جہاد میں خیر ہی خیر ہے' بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یہ اشارہ ہے اس عالمی امن کی طرف جو اسلام بین الاقوامی سطح پر قائم کر کے زمین پر اللہ کی مخلوق کے لئے آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے مال جمع کرنے کو شر کہا ہے۔

عن ابی امامۃ قال قال رسول اللّٰہ	حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ﷺ یا ابن ادم انک ان تبذل الفضل خیر لک و ان تمسکہ شر لک ولا تلام علی کفاف وابداء بمن تقول و الید العلیاء خیر من الید السفلی (الصحیح لمسلم' ۱:۳۳۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن آدم! تیرے لئے ضرورت سے زائد چیز کا خرچ کرنا بہتر ہے اور اگر تو اس کو روکے رکھے تو برا ہے' اور ضرورت کے مطابق خرچ رکھنے پر تجھے ملامت نہیں ہے اور جو تیرے زیر پرورش ہیں ان سے ابتدا کر اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ (اللیل' ۹۲:۸-۱۰)

اور جس نے بخل کیا اور (راہ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دین حق اور آخرت) کو جھٹلایا تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے۔ (تاکہ وہ تیزی سے مستحق عذاب ٹھہرے)

انفاق فی سبیل اللہ ----- جہاد بالمال کی عملی اساس

انفاق فی سبیل اللہ جہاد بالمال کی عملی اساس ہے کیونکہ اس کے بغیر تصور جہاد کی عملی صورت ممکن نہیں' دکھاوے اور ریاکاری کے لئے نہیں صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے۔ اگر دکھاوا اور ریاکاری آ گئی تو یہی عملی منافقت میں تبدیل ہو جائے گا۔ فرمایا گیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا

رَزَقْنٰکُمْ (البقرہ، ۲: ۲۵۴) کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ ہمارا ہی عطا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عطاؤں کا مالک و مختار ہے۔ اپنے بندوں کو انعامات سے نوازتا ہے، اسی کے دیئے ہوئے میں سے اسی کی راہ میں خرچ کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ جہاد بالمال میں اپنی بساط کے مطابق ہر مومن کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ تصور انفاق کو قرآن مجید نے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ○ (الانفال، ۸: ۶۰)

اور تم جو کچھ (بھی) اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم سے ناانصافی نہ کی جائے گی۔

وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ (التوبہ، ۹: ۱۲۱)

اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف و سفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہاں لفظ "صغیرہ" (معمولی چیز) قابل توجہ ہے جس سے اس بات کی تصریح کی جا رہی ہے کہ راہ خدا میں خرچ کیا جانے والا مال مقدار کے اعتبار سے خواہ کتنا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس کا اجر ضرور ملے گا۔ صرف زیادہ مال لٹانے پر ہی اجر نہیں ملتا وہ علیم و خبیر نیتوں کا حال جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس نے کتنا مال کس اخلاص سے اس کی راہ

میں خرچ کیا ہے۔ اللہ کی راہ میں اٹھائی جانے والی صعوبتوں اور مشقتوں پر بھی اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے چہ جائیکہ مالی ایثار، وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو اللہ کے ہاں شرف قبولیت پاتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ
(البقرہ، ۲:۳)

اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

جس کے پاس مال اگرچہ تھوڑا ہے لیکن اس کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں وہ زیادہ خرچ کرتا ہے تو اس شخص کی نسبت زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہے جس کے پاس مال اگرچہ زیادہ ہے لیکن مال کے مقابلے میں وہ کم خرچ کرتا ہے۔ ایک مالدار آدمی اگرچہ مقدار میں زیادہ مال خرچ کرے لیکن غریب کو تھوڑے انفاق پر بھی نسبتاً زیادہ اجر و ثواب کا مستحق گردانا جاتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○
(البقرہ، ۲:۲۱۵)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں فرمادیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے آئے جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کچھ لا کر حاضر کر دیا اور مالی تنگی کا خیال تک نہ کیا۔ قرآن مجید میں جو لفظ "قل العفو" آیا ہے اس سے ایک حد بندی کا تصور ابھرتا ہے لیکن دونوں تصورات میں تضاد نہیں بلکہ عوام اور خواص کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ "قل العفو" کا تعلق عوام کے ساتھ ہے اور "ما انفقتم من خیر" کا حکم خواص کے لئے ہے۔ اگر بوجھ محسوس نہ ہو اور دل میں تنگی نہ آئے تو سب کچھ بھی لٹایا جا سکتا ہے

عمل انفاق ----- ہلاکت سے بچاؤ کا ذریعہ

ترک انفاق اور ہلاکت کے تعلق کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ ۲:۱۹۵)

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

جو لوگ دین کی سربلندی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ان پر مال صرف کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ جہاد بالمال کی عدم موجودگی میں بین الاقوامی سطح پر بڑا خسارہ ہوتا ہے۔ ملکی سطح پر سامان جنگ تیار نہیں ہوتا جبکہ دشمن زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے اور حملہ کر کے اپنے حریف کو تباہ کر دیتا ہے۔ امام رازیؒ اس تصور کو یوں واضح کرتے ہیں۔

لا ینفقوا فی مہمات الجہاد اموالھم فیستولی العدو علیھم و یھلکھم
(تفسیر کبیر، ۵:۱۴۹)

وہ اپنے اموال کو جہاد کی ضروریات میں خرچ نہیں کرتے لہٰذا دشمن ان پر حکمران بن جاتا ہے اور ان کو ہلاکت و تباہی کے کنارے لا کھڑا کرتا ہے۔

احادیث نبوی ﷺ سے بھی اس تصور کو تقویت ملتی ہے۔

۱۔ عن ابی ذر قال انتھیت الی النبی ﷺ و ھو جالس فی ظل الکعبۃ فلما رانی قال ھم الاخسرون و رب الکعبۃ قال فجئت حتی جلست فلم اتقاران ان قمت فقلت یا رسول اللہ فداک ابی و امی من ھم قال ھم اکثرون اموالا الا من قال ھکذا و

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا در آں حالیکہ آپ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم وہ لوگ خسارے والے ہیں۔ میں آکر بیٹھ گیا پھر بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ

هكذا و هكذا من بين يديه و من خلفه وعن يمينه وعن شماله و قليل ما هم (الصحیح لمسلم، ۱:۳۲۰)

فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں ماسوا ان کے جو ادھر ادھر آگے پیچھے دائیں بائیں خرچ کرتے ہیں اور ایسے سرمایہ دار بہت کم ہیں۔

۱۔ عن علی قال قال رسول الله ﷺ بادرو بالصدقة فان البلاء لا يتخطاها (مشکوٰۃ المصابیح: ۱۶۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ جلدی دو کیونکہ بلا صدقہ سے تجاوز نہیں کرتی۔

ظل المومن يوم القيامة صدقة (مسند امام احمد بن حنبل، ۵:۴۱۱)

قیامت کے دن مومن کا صدقہ اس کے لئے سایہ ہوگا۔

گویا مال و دولت کو مستحق لوگوں پر خرچ کرنے سے انسان دنیا میں بھی مصیبتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور قیامت کے دن بھی یہ خرچ شدہ مال کام آئے گا۔

عمل انفاق ---- دوزخ سے نجات اور مغفرت کا باعث

بخل سے کام لینے کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سے مال کی محبت سرفہرست ہے۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا۔ محتاجی اور غربت تیرا مقدر بن جائے گا عیش و عشرت کیسے کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (البقرہ، ۲:۲۶۸)

شیطان تمہیں (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے کے لئے) تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل

کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بہت ہی
وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کے بندے شیطانی وسوسوں پر غالب آ جاتے ہیں اور فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتے' غربت و افلاس کا ڈر رکھنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسی بات کا درس دیا ہے۔

عن ابی هريرة ان النبی ﷺ دخل علی بلال وعنده صبرة من تمر فقال ما هذا يا بلال؟ قال شئی ادخرته لغد فقال اما تخشی ان تری له غدا بخارا فی نار جهنم يوم القيامة انفق بلال و لا تخش من ذی العرش اقلالا

(مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی: ۱۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس کھجوروں کی ایک ٹوکری تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال! یہ کیا ہے؟ عرض کیا آقا! میں نے کچھ کھجوریں کل کے لئے جمع کر رکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کل قیامت کے دن ان کے لئے دوزخ کا بخار دیکھے۔ اے بلال! خرچ کر اور عرش والے سے فقر کا ڈر نہ رکھ۔

اللہ کے احسانات کی بارش جاری و ساری رہتی ہے تا آنکہ بندہ ایسے اعمال کا مرتکب ہو جو اس کی رحمت کو روک دیتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ اعمال رحمت الٰہی کو جوش میں لے آتے ہیں عمل انفاق بھی انہیں افعال میں سے ایک فعل ہے۔ آیات قرآنی اس حقیقت پر شاہد و عادل ہیں۔

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ (الیل' ۹۲: ۱۷-۱۸)

اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیزگار شخص کو بچالیا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی)

پاکیزگی حاصل کرے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۝

(الحاقہ ۶۹: ۲۵-۳۱)

اور جس کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا کاش مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! (میری) موت (ہمیشہ کے لئے) مجھے ختم کر گئی ہوتی۔ (افسوس) میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا۔ مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی (حکم ہوگا) اس کو پکڑ لو پھر زنجیر میں جکڑ دو پھر دوزخ کی (آگ) میں اسے جھونک دو۔

اسلامی طرز حیات میں مال جمع کر کے رکھنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جبکہ انفاق پر زور دیا گیا تاکہ دولت صرف امیروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے بلکہ معاشی عدل اور سماجی انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے محتاجوں کی معاشی کفالت کا ایک پورا نظام دے دیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ یکون کنز احدکم یوم القیامة شجاعا اقرع یفر منه صاحبه و یطلبه و یقول انا کنزک قال والله لن یزال یطلبه حتی یبسط یده فیلقمها فاه

(صحیح البخاری ۲: ۱۰۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز تمہارا جمع کیا ہوا مال کالا گنجا سانپ ہو گا۔ مالک اسے دیکھ کر بھاگے گا لیکن وہ اسے تلاش کر کے کہے گا میں تو تیرا مال ہوں۔ فرمایا: خدا کی قسم وہ اسے برابر تلاش کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ شخص ہاتھ پھیلائے گا تو وہ اسے اپنے منہ

میں ڈال لے گا۔

عملِ انفاق ------ رضائے الٰہی کا ثمر

حیاتِ انسانی کا اصل نصب العین اور مقصدِ وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں ایک شاندار تمثیل کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

وَ مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ وَ تَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ کَمَثَلِ جَنَّۃٍۭ بِرَبۡوَۃٍ اَصَابَہَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُکُلَہَا ضِعۡفَیۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡہَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۝

(البقرہ، ۲:۲۶۵)

اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و طاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اسے زوردار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

مرطوب آب و ہوا میں اونچائی پر واقع باغ بارش کے بغیر ہی جس طرح پھل دیتا ہے اس طرح راہِ خدا میں خرچ کیا جانے والا مال ہر حال میں رضائے الٰہی کا موجب بنتا ہے لہٰذا مال خرچ کرنے میں نیت صرف اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ

(البقرہ، ۲:۱۷۷)

اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال دے۔

اگر کوئی شخص اپنا مال اس لئے لٹاتا ہے تاکہ لوگ اسے سخی کہیں اس کی تعریف کریں تو اس پر وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ الٹا اللہ کی ناراضی مول لینے کا سبب بنے گا۔ سخاوت اعلانیہ کی جائے یا چھپ کر، پیشِ نظر اللہ کی خوشنودی ہو

کوئی اور غرض شامل نہ ہو تو اللہ راضی ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا ومن خلف غازيا في سبيل الله بخير فقد غزا (صحیح بخاری، ۱:۳۹۹)

جو کوئی جہاد کے لئے کسی غازی کو سامان فراہم کرے تو گویا اس نے خود جہاد کیا اور جس نے غازی کے گھر کی اس کی عدم موجودگی میں خبر رکھی اس نے بھی گویا خود جہاد کیا۔

اسلامی تحریک کو کامیابی سے آگے لے جانے کے لئے سرمائے کی اہمیت جسم میں خون کی مانند ہے اس لئے قرآن مجید میں بار بار مالی جہاد کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ مالی جہاد کی اہمیت کے پیش نظر ایک آدھ مقام کے سوا ہر جگہ جہاد بالمال کو جہاد بالنفس پر تقدم حاصل ہے۔ اگرچہ دنیا میں جان سب سے زیادہ پیاری چیز ہے لیکن بعض طبیعتوں میں مال کی رغبت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے حصول کے لئے اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے اس لئے بخل کو دور کرنے کے لئے مال کو جان پر تقدم بخشا اور اس جانب زیادہ توجہ مبذول کروائی گئی، فرمایا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال ۸: ۷۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

باب ۔۷

جہاد بالسیف

جنگ کی ناگزیریت کے حوالے سے بحث پہلے آ چکی ہے کہ اکثر و بیشتر عالمی سطح پر قیام امن کے لئے فتنہ و فساد کو طاقت کے ذریعہ کچل دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ طاقت کا یہ استعمال پر امن معاشرہ کے قیام کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کا مقصود و مطلوب ابن آدم کے لئے آسودہ لمحوں کی تلاش اور ازلی صداقتوں اور سچائیوں کے فروغ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ظلم اور بربریت کے خلاف' کفر اور باطل کے خلاف' استحصال اور استبداد کے خلاف یہ جنگ جہاد کہلاتی ہے۔ اس جہاد میں فتح و کامرانی سے بہرہ ور ہونے والا غازی اور اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے ابدی زندگی سے سرفراز ہونے والا شہید کہلاتا ہے۔ ان جاں نثاروں اور جانبازوں کا انعام یہ ہے کہ انہوں نے اپنی متاع زندگی کو راہ خدا میں قربان کردیا ہوتا ہے۔ وہ زندگی انہیں دوبارہ عطا کر دی جاتی ہے۔ شہید زندہ ہوتے ہیں لیکن ہمیں ان کی اس زندگی کا ادراک و شعور نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ' ۲:۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں۔ (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔

قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ ان جاں نثاروں اور جانبازوں کی عزت افزائی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

(آل عمران' ۳:۱۶۹-۱۷۰)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔ وہ (حیات جاودانی کی) ان (نعمتوں) پر فرحاں و شاداں رہتے ہیں جو

اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے ان پچھلوں سے بھی جو (تاحال) ان سے نہیں مل سکے (انہیں ایمان اور اطاعت کی راہ پر دیکھ کر) خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ رنجیدہ ہوں گے۔

جادۂ عشق کے یہ مسافر زندہ و جاوید ہیں۔ ان کے عظیم کارنامے تاریخ کی پیشانی کا جھومر ہیں۔ اصل میں مفہوم زندگی اللہ کی راہ میں جان قربان کر کے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اجر دونوں کو ملے گا شہید کو بھی اور غازی کو بھی۔ شرط جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں اترنے کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا

(النساء، ۴: ۷۴)

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرے، خواہ وہ (خود) قتل ہو جائے یا غالب آ جائے تو ہم (دونوں صورتوں میں) عنقریب اسے عظیم اجر عطا فرمائیں گے۔

باب-۸

مقاصد جہاد

۱۔ قیام امن

اسلامی جنگ کے شعائر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صلح کے لئے تیار رہنا چاہئے کیونکہ اگر مقاصد مصالحت کے ذریعے حاصل ہو جائیں تو ہتھیار نہیں اٹھانے چاہئیں اور اگر دشمن خود صلح کی درخواست کرے تو اسے کھلے دل سے قبول کرلینا چاہئے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○

(الانفال ۸: ۶۱۔ ۶۲)

اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بے شک آپ کے لئے اللہ کافی ہے وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے اور اہل ایمان کے ذریعے طاقت بخشی۔

اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ اگر کوئی دشمن ہتھیار ڈال دے اور زبان حال سے امان مانگے تو پھر تمہیں اس پر ہاتھ اٹھانے کا حق باقی نہیں رہتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا

(النساء ۴: ۹۰)

پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرلیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے (بھی صلح جوئی کی صورت میں) ان پر (دست درازی کی) کوئی راہ نہیں بنائی۔ (لڑنے کا تم کو کسی

طرح حق نہیں پہنچتا)

ان آیات سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ معاملہ کو صلح سے حل کیا جائے تاکہ جنگ و قتال کی ضرورت پیش نہ آئے لیکن اگر مسئلہ مصالحت سے حل ہوتا دکھائی نہ دے تو پھر جنگ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ لڑنے کے بنیادی طور پر دو مقاصد ہوتے ہیں۔

۱۔ قتال فی سبیل اللہ

۲۔ قتال فی سبیل الطاغوت

انہیں مقاصد کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (النساء ۴:۷۶)

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں (نیک مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں (طاغوتی مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں۔

۲۔ غلبہ دین حق کے لئے جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (الصف ۶۱:۹)

وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس (دین اسلام) کو سب دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو کتنا ہی برا معلوم ہو۔

علاوہ ازیں ظلم و ستم کا خاتمہ کیا جائے۔ جہاں ظلم کی تلوار اٹھتی ہوئی نظر آئے وہاں ظلم کے خلاف دیوانہ وار جنگ کی جائے کیونکہ یہ نیکی ہے اور نیکی کے کاموں

میں تعاون حکم الٰہی ہے۔ فرمایا گیا۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص

(المائدہ' ۵:۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

۳۔ انسداد ظلم کے لئے جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا

(النساء' ۴:۷۵)

اور (مسلمانو) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (غلبہ دین حق کے لئے) اور ان بے بس (مظلوم و مقہور) مردوں' عورتوں اور بچوں (کی آزادی) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو (ظلم و ستم سے تنگ ہو کر) پکارتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے (وڈیرے) لوگ ظالم ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں مسلمانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا جا رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم سربکف ہو کر کمزور اور ناتواں انسانیت کی مدد کے لئے میدان کارزار میں نہیں اترتے۔ ایسے حالات میں جنگ اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم ہے جب تک ظلم و ستم کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور فتنہ و فساد کے شعلے سرد نہیں ہو جاتے۔ ظلم کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں' عقائد کی وجہ سے ظلم کیا جائے' جائز حقوق نہ دیئے جائیں' گھربار سے محروم کر دیا جائے یا ان کی حکومت چھین لی جائے۔ ان کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہئے۔

ظلم کی چکی میں پسنے والی انسانیت کو ظلم کے شکنجے سے آزادی دلانے کے لئے اور روئے زمین سے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے جنگ کرنا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

(الحج‘ ۲۲: ۳۹-۴۰)

ان (مسلمانوں) کو جن سے کافر (خواہ مخواہ) جنگ کرتے ہیں (لڑائی کی) اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا (گو مسلمانوں کے پاس جنگ کا وہ ساز و سامان نہیں مگر ان کے ساتھ زبردست قوت والا اللہ تو ہے) بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ (ان کی ضرور مدد کرے گا یہی ہیں وہ لوگ) جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کا جرم واضح اور واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ انسانیت پر ظلم و ستم کرتے ہیں‘ انہیں اپنے گھروں سے نکال کر بے گھر کرتے ہیں۔ جب پیارے رب کا نام اپنی زبانوں پر لاتے ہیں تو اس وقت یہ چیز ان کی طبیعتوں پر ناگوار گزرتی ہے۔ ایسی صورت حال میں انسانیت دشمن درندوں کے دست تظلم سے انسانوں کو نجات دلانا فرض ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر سونا اور آرام و سکون کی زندگی بسر کرنا حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ ظالموں کی طرف سے فتنہ و فساد اور ظلم پر مبنی بھڑکائی ہوئی آگ ہمیشہ کے لئے سرد نہیں ہو جاتی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ تم ظالموں کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے نہیں ہوتے۔

پوری دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ملت واحدہ کا حصہ ہیں۔ اگر کسی مسلمان ملک پر کوئی افتاد پڑتی ہے یا کوئی طاقت ان پر حملہ آور ہوتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچیں اور حملہ آور کے خلاف علم جہاد بلند کر کے عالمی سطح پر اسلام کے کردار کو مؤثر بنائیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (الانفال، ۸:۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے (مگر) انہوں نے (اللہ کے لئے) گھر بار نہ چھوڑے تو تمہیں ان کی دولت سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین (کے معاملات) میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے۔

۴۔ استیصال فتنہ کے لئے جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ، ۲:۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔

ایک اور مقام پر فتنہ کی سنگینی کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

(البقرہ، ۲:۱۹۱)

اور (دوران جنگ ان) کافروں کو جہاں بھی پاؤ مار ڈالو اور انہیں وہاں سے باہر نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ

سخت (جرم) ہے۔

مفاد عامہ کے لئے اسلام فتنہ و فساد کا کلی استیصال چاہتا ہے کیونکہ سازشوں اور شرانگیزیوں کے اعصاب شکن ماحول میں نہ پر امن معاشروں کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ عالمی سطح پر قیام امن کی کوئی ضمانت ہی دی جا سکتی ہے۔ یہ استیصال معاشی' سیاسی اور معاشرتی استحصال کی ہر شکل کا ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر ہر شعبہ زندگی انقلاب آفریں تبدیلیوں سے آشنا نہیں ہو سکتا اور نہ اسلامی شعائر کا احترام ہی برقرار رہ سکتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ و شر کے خاتمے کے لئے ایک مستقل بندوبست کر دیا ہے تاکہ زمین کو اولاد آدم کے رہنے کے قابل بنایا جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد آدم کو ایک پر امن ماحول دیا جائے اور ایک ایسا معاشرتی ڈھانچہ وضع کیا جائے کہ زمین پر عدل قائم ہو سکے۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ' ۲:۲۵۱)

اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (میں انسانی زندگی بعض جابروں کے مسلسل تسلط اور ظلم کے باعث) برباد ہو جاتی۔

بلا تفریق مذہب اور بلا تفریق رنگ و نسل مسلمانوں کو ہر طبقے یا قوم کی داد رسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام شہری آزادیوں کا علمبردار ہے۔ انسان کے بنیادی حقوق کا محافظ ہے اور پوری دنیا میں آزادی کی تحریکوں کا مؤید و ہمدرد ہے۔ یہی انسانی رویہ کرہ ارض پر فتنوں کی سرکوبی کا ضامن ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ○ (الانفال' ۸:۷۳)

(اے مسلمانو!) اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) ایسا (تعاون اور مدد و نصرت) نہیں کرو گے تو زمین میں (غلبہ کفر و باطل کے سبب) بڑا فتنہ و فساد برپا ہو جائے۔

عالمی تناظر میں سامراجی طاقتوں کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ غریب اقوام کا ہر سطح پر استحصال جاری ہے۔ ان کے اقتدار اعلیٰ کو ہی نہیں ان کی سیاسی اور اقتصادی آزادیوں کو بھی زبردست خطرہ لاحق ہے۔ عالمی سامراج طاقت کے نشے میں سرشار اپنے افکار و نظریات مقروض ممالک پر مسلط کر رہا ہے۔ اپنی ثقافت ان کے سر پر تھوپ رہا ہے نئے عالمی نظام کی آڑ لے کر ان کے وسائل پر قبضہ جمانے کی فکر میں طاغوتی طاقتیں، ترقی پذیر ممالک کے ذہن جدید پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر بنا رہی ہیں۔ سامراج چاہتا ہے کہ عریانی اور فحاشی کی افیون دے کر ان کی تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو بے کار بنا دیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے دست نگر رہیں اور سر اٹھا کر چلنے کا تصور بھی بھول کر اپنے دل میں نہ لائیں۔ اسلام ان استحصالی طاقتوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے ہر جگہ اسلامی تحریکوں کا راستہ روکا جا رہا ہے اور دہشت گردی کا الزام لگا کر مجاہدین کی کردار کشی کی جا رہی ہے حالانکہ انہی سرفروشان راہ حق کی انقلابی جدوجہد طاغوت کے عزائم خاک میں ملانے کا باعث بنی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ○
(الحج، ۲۲: ۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں) کے عبادت خانے (جو زمانہ قدیم میں اللہ کے ذکر کا مرکز رہے ہیں) اور مسجدیں جن میں (آج بھی) اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے منہدم ہو چکے ہوتے۔

۵۔ حقوق انسانی کے لئے جہاد

اقوام مغرب نے اپنے پروپیگنڈہ کی بنیاد حقوق انسانی پر رکھی ہے حالانکہ

اقوام متحدہ کی چھتری تلے حقوق انسانی کی سب سے زیادہ خلاف ورزیاں بھی انہی اقوام نے کی ہیں۔ پوری دنیا میں بے یارومددگار مہاجرین کے کیمپ امن عالم کے ٹھیکیداروں کی بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اقوام عالم کے بارے میں ان کے دوہرے معیارات منافقت اور ریاکاری پر مبنی ہیں۔ اس منافقت اور ریا کاری کے خلاف عملی جدوجہد کر کے انسانی حقوق کو بحال کرنا ہر دور میں مسلمانوں کا مطمح نظر رہا ہے۔ زمین کرب و بلا سے مظلوم اور مقہور مردوزن کا انخلاء اور ان کے اعتماد کو بحال کرنا بھی ایک عظیم جہاد ہے۔

۶۔ کفروشرک کی بیخ کنی کے لئے جہاد

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اصنام پرستی کا خاتمہ کر کے کفروشرک کی بیخ کنی کی جائے اور اللہ کی توحید کا پرچم بلند کیا جائے تاکہ حق کا بول بالا ہو، کفر مغلوب ہو اور غلبۂ دین حق کی بحالی کا فریضہ سرانجام دیا جاسکے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کفار جب بھی کسی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں یا ان پر کوئی عذاب ٹوٹتا ہے تو وہ دباؤ یا عذاب کے حصار سے نکلنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھانے لگتے ہیں۔ ان سازشوں کی گوشمالی کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ○ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ○

(الانفال، ۸: ۷-۸)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے تم سے (کفار مکہ کے) دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ و فتح کا وعدہ فرمایا تھا کہ وہ یقیناً تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح (کمزور گروہ) تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرما دے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں

کی فتح یابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان و شوکت کی) جڑ کاٹ دے تاکہ (معرکہ بدر اس کامیابی کے ذریعہ) حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے۔ اگرچہ مجرم لوگ (معرکہ حق و باطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو عظیم فتح عطا کی، کفار کو شکست فاش ہوئی اور اسلام کے بارے میں ان کے ناپاک عزائم خاک میں مل گئے۔

۷۔ دفاع مملکت

دشمنان اسلام ہر دور اور ہر عہد میں اسلامی حکومت کے خلاف درپردہ سازشوں میں مصروف رہے ہیں اور اپنے عوام کو جنگی جنون میں مبتلا کر کے ہتھیاروں کے انبار جمع کرتے رہے ہیں تاکہ خاکم بدہن اسلام کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ یہ ان ممالک کی نظریاتی سرحدوں پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں اور جغرافیائی سرحدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔ دونوں محاذوں پر دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو کر عملی طور پر میدان جہاد میں اترنا ایک اجتماعی فریضہ بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ، ۲:۱۹۰)	اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو۔

۸۔ عہد شکنی کی سزا

انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عہد شکنی ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ کسی معاہدے کی خلاف ورزی اعلان جنگ کے مترادف ہے تاآنکہ تجدید عہد نہ ہو۔

اگر عہد شکنی اور معاہدوں کی خلاف ورزی پر جہادی جذبے سے کام نہ لیا جائے اور عملاً عہد شکنوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے تو معاہدوں کی حیثیت کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ نہیں رہے گی۔ اس طرح طاقتور کو اپنی من مانی کرنے کے لئے کھلی چھٹی مل جاتی ہے اور معاشرے کا توازن ہی نہیں بگڑتا بلکہ امن و امان کی صورت حال بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی ضروری ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(التوبہ' ۹: ۱۲ - ۱۳)

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم (ان) کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو' بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ وہ (اپنی فتنہ پروری سے) باز آ جائیں۔ کیا تم ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ پہلی مرتبہ انہوں نے تم سے (عہد شکنی اور جنگ کی) ابتدا کی' کیا تم ان سے ڈرتے ہو جبکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مومن ہو۔

۹۔ راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کرنا

راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کرنا بھی جہاد کا ایک مقصد ہے۔ باطل قوتیں ہمیشہ اسلام کی پیش رفت سے خائف رہی ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے تصور سے عالم کفر

آج بھی لرزہ براندام ہے۔ اسلامیان عالم کے اتحاد سے وہ خوفزدہ ہے۔ مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو طاقت کے استعمال سے کچلا جا رہا ہے اور ان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ دختران اسلام کی اجتماعی آبروریزی کے شرمناک واقعات جنم لے رہے ہیں۔ ان سارے ہتھکنڈوں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ ہر محاذ پر اسلامیان عالم کو پسپائی پر مجبور کیا جائے' راہ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا

(محمد' ۴:۴۷)

پس (اے مسلمانو!) جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ بچیں ان کو) رسی سے باندھ لو پھر اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان رکھ کر (رہا کر دو) یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) (اور یہ قید و بند کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جائے) یہاں تک کہ لڑائی اپنا ہتھیار (اتار کر) رکھ دے (یعنی جنگ موقوف ہو جائے۔)

۱۰۔ قتال فی سبیل الطاغوت

یہ وہ جنگ ہے جو شیطانی عزائم کی تکمیل کے لئے لڑی جاتی ہے۔ اس جنگ میں کبھی تو چھوٹی ریاستوں کو اپنی تجارتی منڈیاں بنایا جاتا ہے اور کبھی کمزور قوموں کی آزادی چھین لی جاتی ہے اور ان کا امن و سکون غارت کر دیا جاتا ہے۔

تاریخ انسانی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر غیر اسلامی جنگیں توسیع پسندانہ مقاصد کی تکمیل کے لئے لڑی جاتی رہی ہیں وسیع پیانے پر انسانی

استحصال اور جبرو تشدد کے طویل سلسلے کا آغاز ہوتا رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ اکثر طاغوتی و استحصالی جنگوں پر انسانی آزادی اور جمہوریت کی بحالی کا لیبل چڑھایا جاتا رہا لیکن درحقیقت ان کے پیش نظر پوری قوم کو غلام بنانا ہوتا۔ آج بھی مختلف قسم کے حملے جو اسلام پر ہو رہے ہیں ان کا مقصد اولین بھی یہی ہے کہ بالخصوص مسلمانوں کو آزادی جیسی نعمت بے بہا سے محروم کر دیا جائے اور ان سے انسانی عزت و وقار چھین کر انہیں اس طرح بے آبرو کر دیا جائے کہ وہ اسلام دشمن قوتوں کے ماتحت غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کرنے کی سوچ و فکر ان میں پیدا نہ ہونے پائے۔

جہاد محض جنگ نہیں

جنگیں اپنے مفادات کے لئے لڑی جاتی ہیں۔ اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے جاتے ہیں' اپنے خود ساختہ احساس برتری کا بھرم قائم رکھنے کے لئے کمزور اقوام کے خون ناحق سے ہاتھ رنگنے کو روا سمجھا جاتا ہے' جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز کا نعرہ بلند کر کے ہر ضابطے اور اصول کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ مفتوح قوم پر تاوان کا بوجھ ڈال کر اس کی بچی کھچی معیشت سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جاتا ہے' دشمن کی بیٹی کو جنسی درندوں کے آگے پھینک کر شیطانی کھیل رچایا جاتا ہے' اجتماعی غلامی کے ایک ایسے دور کا آغاز ہوتا ہے جس میں ہر قدم پر شرف انسانی کا خون ہوتا ہے' خود عربی زبان میں جنگ کے لئے "حرب" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تصور جنگ تصور جہاد سے اپنے مفہوم کے اعتبار سے بھی بہت مختلف چیز ہے اسی لئے جہاد پر حرب کا اطلاق نہیں کیا گیا' جنگ فتنوں کی پرورش کرتی ہے جبکہ جہاد فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اسلامی جنگوں (جہاد) کے مقاصد دنیا کی جنگوں سے قطعی مختلف ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ "حرب" چھ مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک کے سوا کہیں بھی اس سے جہاد کا مفہوم مترشح نہیں ہوتا۔ اس ایک مقام کے

بارے میں الگ مقام پر بحث کی جائے گی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرہ ۲: ۲۷۸-۲۷۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہو' پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آیت مذکورہ میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ جہاد مسلمانوں کے خلاف نہیں کیا جاتا۔ اصل میں یہاں سود کی سنگینی کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ حرب استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عملی طور پر بھی کبھی اس بنا پر جہاد نہیں کیا گیا لہذا یہاں لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی نہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ (الانفال ۸: ۵۶-۵۷)

یہ (وہ) لوگ ہیں جن سے آپ نے (بارہا) عہد لیا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے) نہیں ڈرتے' سو اگر آپ انہیں (میدان) میں پائیں تو ان کے عبرتناک قتل کے ذریعہ ان کے پچھلوں کو (بھی) بھگا دیں تاکہ انہیں نصیحت حاصل ہو۔

یہودی اسلام کے کھلے دشمن تھے اور ہیں۔ قبائل یہود بار بار عہد شکنی کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ آیات الٰہی انہی کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں نے ذاتی بغض و عناد کے باعث لڑائیوں کا جو سلسلہ شروع کیا ہوا تھا اور قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں مصروف تھے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر حرب سے کیا گیا ہے۔

حرب سے یہاں بھی مراد جہاد نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ○ (المائدہ ۵:۶۴)

اور ہم نے ان کے درمیان روز قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب بھی یہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور یہ (روئے) زمین پر فساد انگیزی کرتے رہتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ کا روئے سخن یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ یہاں بھی حرب سے مراد ہرگز ہرگز جہاد نہیں۔ آیت روز روشن کی طرح واضح ہے اور اپنا مفہوم و مدعا کھول کھول کر بیان کر رہی ہے۔ ایک اور مقام پر ہے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ (التوبہ ۹:۱۰۷)

اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور اہل ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کے لئے گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے ہی جنگ کر رہا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک عرب ابو عامر راہب قبیلہ ہوازن کی شکست کے بعد شام کی طرف فرار ہو گیا۔ اس نے وہاں سے منافقین مدینہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک مسجد تعمیر کر کے اس میں اسلحہ جمع کرتے جائیں۔ میں شاہ روم سے مدد حاصل کر کے پہنچتا ہوں۔ منافقین مدینہ نے ابو عامر کی ہدایت پر مسجد تعمیر کر لی جسے نبی کریم ﷺ نے گرا کر جلا دیا۔ اس آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہے یہاں بھی لفظ حرب اپنے عربی لغت کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کیونکہ اس سازش میں جذبۂ انتقام اور بغض کار فرما ہے۔ فرمایا

گیا۔

إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْٓا أَوْ يُصَلَّبُوْٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَ أَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○

(المائدہ‘ ۵:۳۳)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریزی‘ راہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیئے جائیں یہ (تو) ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

ان آیات ربانی کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اسلام جہاد کے ذریعہ دنیا سے جنگ (غارتگری) کا خاتمہ چاہتا ہے‘ لڑائی میں ہتھیار ڈال دینے کا یہی مفہوم ہے کہ فی نفسہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے اور دنیا امن اور سلامتی کا گہوارہ بن جائے اور صلح جوئی افراد معاشرہ کا اجتماعی رویہ ٹھہرے۔

حصہ سوم

قیام امن اور اسلام کا انقلابی کردار

باب-۱

تصور امن-پس منظر و پیش منظر

انسان فطری طور پر امن پسند واقع ہوا ہے' امن پسندی اور صلح جوئی اس کی جبلت میں شامل ہے' تہذیب انسانی کا ارتقاء انبیاء کی آمد' آسمانی رشد وہدایت کے سلسلے' مختلف مذاہب کا وجود' مصلحین قوم وملت کی تبلیغ' دانشوران عالم کی حکمت' قوانین اور اصولوں کا مدون ہونا' احترام آدمیت اور امن کی اسی خواہش کے مختلف مظاہر ہیں' وہ خود بھی جینا چاہتا ہے' اور دوسروں کو بھی جینے کا حق دیتا ہے۔ جنگل کے کالے قانون کے پنجۂ استبداد میں بھی پر امن فضا کی آرزو' ہونٹوں پر جبر کے قفل پڑنے کے باوجود انسان کے دل میں مچلتی رہی ہے لیکن ہر دور میں حضرت انسان ہی اس کی اس خواہش کا خون بھی کرتا رہا ہے۔ جنگل کے کالے قانون کے محافظ امن' سلامتی' عدل اور مساوات کی ہر قدر کو پائے حقارت سے ٹھکراتے رہے ہیں' جب انسان کے ذہن میں طاقت کا فتور سرایت کر جاتا ہے تو وہ خدائی کے منصب پر جلوہ افروز ہونے کی ابلیسی سازش کا شکار ہو جاتا ہے۔ خون آشامی کو وہ اپنی اکائی کی بقاء کے لئے ضروری خیال کرنے لگتا ہے' قوت برداشت سے محروم یہ وڈیرے' سردار' جاگیردار اور سرمایہ دار اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے قدم قدم پر سولیاں گاڑ دیتے ہیں اور در زنداں کھول کر حرف حق کی تلاش میں نکلنے والے سقراطوں کو زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کر دیتے ہیں یا انہیں زنجیریں پہنا کر اس انقلاب کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں جو انقلاب مجبور ومقہور انسانوں کی خواہش امن کا سب سے توانا اور جاندار رد عمل قرار پاتا ہے۔ جبر کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں ہونے والے تصادم سے دامن انسانیت پر لہو کے چھینٹے بھی پڑتے رہے ہیں۔ اور تاریخ کے اوراق نسل آدم کے خون میں ڈوب ڈوب بھی جاتے رہے ہیں' بعض جنگیں امن قائم کرنے کے لئے لڑی جاتی ہیں' حضور نبی اکرم ﷺ کی ۲۳ سالہ انقلابی جدوجہد کے بعد عرب معاشرے میں امن قائم ہو چکا تھا'

اضطراب اور بے یقینی کی جگہ سکون اور یقین کی دولت سے ذہن انسانی ہمکنار ہو کر ابن آدم کے لئے آسودہ لمحوں کی تلاش کا فریضہ سرانجام دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ یمن سے ایک عورت طواف کعبہ کے لئے گھر سے نکلتی ہے' تن تنہا اتنا طویل سفر طے کرتی ہے اور طواف کعبہ کے بعد سلامتی سے یمن پہنچ جاتی ہے یہ امن ہر شعبہ زندگی میں برپا ہوتا ہے' اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے' اسکی آفاقی تعلیمات کا مرکز و محور ہی خوف خدا ہے اور یہ کہ خوف خدا کے سوا ہر خوف انسان کے دل سے نکل جائے اور ہر سطح پر یہ احساس بیدار ہو جائے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور انسان طہارت' پاکیزگی اور تقوٰی کی علامت بن کر نا آسودہ اور دکھی لوگوں میں روشنیاں تقسیم کرنے کا منصب سنبھالے۔

ظہور اسلام سے قبل عالم انسانیت پر آمریت (Dictatorship) اپنی بدترین صورت میں مسلط تھی' کائی بھرے پانیوں میں کہیں بھی تموج کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ جمود مسلسل ذہن انسانی پر محیط تھا' ہر طرف ظلم اور بربریت کی حکمرانی تھی' درندگی کا راج تھا۔ اولاد آدم جبر' تشدد اور ظلم کی چکی میں پس رہی تھی اور مسلسل قعر مذلت میں گر رہی تھی' اخلاقیات (Morality) کا جنازہ نکل چکا تھا' قبائلی زندگی وحشت اور خونخواری کی علامت بن چکی تھی' نظریں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتیں' بنجر زمینیں ہونٹوں پر زبان پھیر کر سراپا حرف دعا بن جاتیں لیکن افق پر ابر کرم کا ایک بھی ٹکڑا دکھائی نہ دیتا اور توقیر آدم اور شرف انسانی کی بحالی کے کوئی آثار نظر نہ آتے۔ بعثت نبوی کے وقت دنیا میں بدامنی (Anarchy) کا دور دورہ تھا' دنیا کی دو بڑی طاقتیں ایران اور روم ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھیں' ان کی باہمی کشمکش عالمی امن کی تباہی کا باعث بن رہی تھی' عالم عرب عجیب بدنظمی کا شکار تھا' کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی' قبائل نسلی تفاخر کی آگ میں جل رہے تھے' لوٹ مار کا بازار گرم تھا' کسی کی جان' عزت اور مال محفوظ نہ تھا' انتقام در انتقام کا سلسلہ چلتا تو صدیوں تک پھیل جاتا۔ طبقاتی کشمکش (Ethnic Conflict) اپنے عروج پر تھی' ایک طرف سرداران عرب تھے تو دوسری طرف غریب عوام' جن کا استحصال جاری

تھا۔ سود پر مبنی نظام نے عرب کی اقتصادیات (Economics) پر سرطان کی طرح اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے' امارت اور غربت کے درمیان ایک سرد جنگ جاری تھی اور اس سرد جنگ کی کوکھ سے ان گنت سماجی برائیاں (Social Evils) جنم لے رہی تھیں' غلامی کی انتہائی گھناؤنی صورت رائج تھی' قوم پرستی کا عفریت امن عالم کو تباہ کر رہا تھا' ایرانی احساس برتری میں اپنے گرد انا کی دیواریں تعمیر کر رہے تھے۔ انہیں اپنی نسلی وجاہت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ ہندوؤں اور حبشیوں کو کوے کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ عرب تھے کہ اپنے علاوہ ہر ایک کو عجمی (گونگا) کہتے' مذہبی' سیاسی اور معاشرتی سطح پر اقوام عالم میں کشمکش جاری تھی' پوری دنیا کا معاشرہ بری طرح بدامنی (Anarchy) کا شکار تھا' مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز رخ زیبا کے چراغ لے کر نکلنے سے بھی نہیں ملتی تھی' عورت کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں تھی' بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا' فضا دختر حوا کی چیخوں سے معمور تھی' مذہبی دہشت گردی عام تھی' ایک مذہب کئی کئی فرقوں میں بٹ چکا تھا' یہ فرقے باہم دست و گریباں رہتے' مخالفین کو زندہ جلا دیا جاتا' عیسائیت اور یہودیت کا اصل چہرہ مسخ ہو چکا تھا' مذہبی تعصب اپنی انتہا کو چھو رہا تھا' عیسائیت اور یہودیت کی تعلیمات فکری مغالطوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کے سراب کی نذر ہو چکی تھیں' انسان گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا' اصل مقصد حیات کو فراموش کر کے خرافات میں کھو چکا تھا' زندگی بے مقصدیت کے الاؤ کا ایندھن بنی ہوئی تھی' حتیٰ کہ خواہش امن بھی اس الاؤ کی راکھ میں دب چکی تھی' امن کا لفظ لغت انسانی سے غائب ہو چکا تھا' انسانی اور کائناتی تخلیق کے مقاصد کے حوالے سے پائے جانے والے جملہ نظریات معقولیت اور حقیقت سے کوسوں دور تھے' دین اور دنیا کو الگ الگ کر کے ابلیسی سیاست کو شعوری سطح پر بھی سکہ رائج الوقت تسلیم کر لیا گیا تھا۔ سیاست کو کسی اخلاقی ضابطے کا پابند نہیں بنایا گیا تھا۔ اپنے سیاسی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے بربریت' درندگی اور استحصال کی ہر شکل کو جائز قرار دے لیا گیا تھا۔ اس عہد کی دانش کو غیر مؤثر بنا دیا گیا تھا اور وہ دانش رہبانیت کی چادر اوڑھ کر گوشہ گمنامی میں گم ہو چکی

تھی، رحمت حق جوش میں آئی فاران کی چوٹیوں پر آفتاب رشد وہدایت طلوع ہوا تو اس اندوہناک منظر نامے میں دھنک کے ساتوں رنگ اتر آئے، دیدۂ حیراں میں رتجگوں کا خمار صبح نو کی تمہید تحریر کرنے لگا، تشنہ زمینوں اور بے چین روحوں کی صدیوں اور قرنوں پر محیط دعاؤں کو خلعت انوار عطا ہوئی، نبی آخر الزماں ﷺ کو کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا، کشت ویراں میں باد بہاری چلنے لگی، انقلاب رحمت کے قدموں کی چاپ قریب سے قریب تر ہو گئی۔

قیام امن کے لئے پیغمبر اسلام کی حکیمانہ منصوبہ بندی

موسم لالہ وگل صحرا نشینوں کا مقدر بنا، سرزمین عرب سے طلوع سحر کا اعلان ہوا، جبر کی زنجیریں ٹوٹیں، شرف آدمیت بحال ہوا، فتنہ وفساد کا خاتمہ ہوا، بدامنی کی فضاء میں امن کی خوشبو چاروں طرف بکھر بکھر گئی۔

۱۔ اسلام کے انقلابی اقدامات میں نظریہ توحید (Unitarianism) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ غار حرا سے حجۃ الوداع تک خدائے وحدہ لاشریک کی حاکمیت کا اعلان ہوتا رہا اور توحید کو اپنی انقلابی جدوجہد کا مرکزی نقطہ بنا کر حضور ﷺ دشمنان اسلام سے مصروف جہاد رہے اور یہ جہاد ہر سطح پر کیا گیا اور استحصال کی ہر شکل کے خلاف کیا گیا اسلام نے وحدت الٰہ اور وحدت انسانیت کا نظریہ پیش کر کے وہ بنیاد فراہم کر دی اور وہ پلیٹ فارم مہیا کر دیا جس پر رنگ ونسل کے تمام امتیازات مٹا کر اولاد آدم کو اتحاد و یگانگت اور بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیا جا سکتا ہے، اور عالمی امن کے قیام کی تعبیر کو عملی صورت دی جا سکتی ہے، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اطراف واکناف میں مختلف فرمانرواؤں کو امن وسلامتی کے پرچم تلے آنے کی دعوت دی، خطوط ارسال کئے گئے اور سفارتی سطح پر سرگرمیوں کو تیز کر دیا گیا۔ ان خطوط کا مثبت رد عمل بھی ہوا اور منفی بھی، حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد خلفائے راشدین انسانیت کو اپنے عہد کے ظالم، جابر اور قہار حکمرانوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے میں کامیاب

ہوئے۔

۲۔ اسلام نے لسانی، علاقائی اور نسلی تعصبات پر کاری ضرب لگائی، رنگ و نسل کے بتوں کی پرستش کو ختم کیا، انسانی مساوات کا پرچم بلند کر کے ہر انسان کو برابری کا درجہ دیا۔ کسی گورے کو کالے پر کسی کالے کو گورے پر، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ معیار فضیلت محض تقویٰ اور دانائی ہے، حتیٰ کہ اسلام نے عبادات میں بھی مساوات کا درس دیا، اسلام کے نظام رحمت کی بدولت غلامی کا ادارہ بڑی تیزی سے ختم ہو گیا اور قانون کی بالادستی کا تصور ذہن انسانی میں اجاگر ہوا۔ انصاف مظلوم کی دہلیز تک پہنچنے لگا اور یوں ہر سطح پر قیام امن کے لئے راہ ہموار ہوئی۔

۳۔ اجتماعی بدامنی فرد کی داخلی شکست و ریخت اور بے سکونی کی آئینہ دار ہوتی ہے اگر افراد معاشرہ ذہنی اور جسمانی طور پر مطمئن ہوں تو معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ جب حقوق و فرائض کی بجا آوری کا احساس ایک ساتھ ذہنوں میں جنم لے تو کوئی معاشرہ عدم توازن کا شکار نہیں ہو سکتا۔

۴۔ معاشرے کی بنیادی اکائی (Basic Unit) گھر ہے۔ اسلام نے گھر سے معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ گھر اینٹ پتھر کی دیواریں ہی نہیں افراد خانہ کے اجتماعی رویوں اور انفرادی سوچوں سے پیدا ہونے والے اس شعور کا نام ہے جو ہماری سماجی زندگی کی راہیں متعین کرتا ہے وہ شعور جو افراد معاشرہ کو تمیز خیر و شر کا ہنر عطا کرتا ہے اور زندگی کی گاڑی کے اعتدال کی راہوں پر رواں دواں ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام نے خاندان کو ٹوٹ پھوٹ سے بچا کر مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ خونی رشتوں کے تقدس کو بحال کیا، دختر حوا کے برہنہ سر پر شرم و حیا کی اوڑھنی دی اور محبت و یگانگت اور اپنائیت کی خوشبو کو عام کر کے ایک ایسے معاشرے کی صورت پذیری کا کارنامہ سرانجام دیا جس کی نظیر تو کیا ایک جھلک بھی آج کے نام نہاد ترقی یافتہ معاشروں میں نظر نہیں آتی، اس مثالی معاشرے کے قیام میں اس چیز کو پیش نظر رکھا گیا کہ

معاشرے کی سلامتی کا دارومدار اس کی بنیادی اکائی کی سلامتی پر ہوتا ہے' قبائلی اور علاقائی عصبیتوں کو ختم کر کے پوری انسانیت کو گلے سے لگانے کی تعلیم دی گئی' خود نبی اکرم ﷺ نے بڑے بڑے قبائل حتی کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی (مسلمان کرنے کے بعد) نکاح کئے' یہ ذہنی کشادگی اور فراخدلی کئی ایک سیاسی و معاشرتی فوائد کا باعث بنی اس سے کئی پرانی دشمنیاں ختم ہوئیں اور صلح و آشتی کے دروازے کھلتے گئے۔ ان دروازوں سے ہوائے خوشگوار کے جھونکے مسلسل سفر کرتے رہے اور انسان کو آسودہ لمحات کی تلاش کی نئی نئی راہیں بجھاتے رہے۔

۵- ہر مرحلے اور ہر سطح پر مذہبی رواداری کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ افراد معاشرہ کے ذہنوں کی اس طرح تطہیر کی گئی کہ ان میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ خود غرضی' ہٹ دھرمی اور ضد کی جگہ باہمی رواداری' محبت' یگانگت اور اخوت نے لے لی۔ مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی' انہیں اپنے عقائد کے مطابق عبادات کرنے کا حق دیا گیا' مشترک امور پر انہیں تعاون اور اشتراک عمل کی دعوت دی گئی۔ ذہنی اور قلبی فاصلے کم ہوئے اور بھائی چارے کی ایک ایسی فضا تیار ہوئی جو عالمی سطح پر قیام امن کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

۶- اقتصادی محرومیوں اور معاشرتی ناآسودگیوں کی کوکھ سے ہمیشہ سرکشی کے عناصر نے جنم لیا ہے۔ استحصال کا ردعمل (Reaction) ہمیشہ بغاوت کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ اسلام نے استحصال کی ہر شکل کو مٹا کر ایک نئے عالمی نظام کی بنیاد رکھی' عرب کے معاشی نظام میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت تھی حضور ﷺ نے عالم انسانیت کو ایک ایسا معاشی نظام دیا جو نہ صرف استحصال سے پاک تھا بلکہ اس کی بنیادیں عدل و انصاف کے اعلیٰ اصولوں پر استوار کی گئی تھیں۔ اسلام نے ارتکاز دولت کو روکا' وسائل قدرت پر چند لوگوں کی اجارہ داری کو شرف انسانی کے خلاف قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور امن و سلامتی کے لحاظ سے بھی ایک بہترین دور تھا جس کی آج تک کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکی۔

معرکہ آرائیوں اور مہمات کی وجوہات پر ایک نظر

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں سے فضا آج بھی آلودہ ہے۔ جہاد اور عورت کے حوالے سے ان بدگمانیوں کا زہر اس تسلسل سے قرطاس و قلم کی رگوں میں اتارا گیا ہے اور بہتان تراشیوں کا وہ طومار باندھا گیا ہے کہ خود ہمارے بعض محققین بھی دفاعی پوزیشن (Defensive Position) اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ ہر آن ان کے اعصاب پر ایک برف سی گرتی دکھائی دیتی ہے۔ ایک سازش کے تحت اسرائیلی روایات کو سند جواز فراہم کی گئی اور حالات و واقعات کی من مانی تاویلات کر کے تاریخ کے چہرے کو مسخ کرنے کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز ہوا لیکن مؤرخ جب حالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرتا ہے تو ان گنت خوشگوار حیرتیں اس پر حقائق کو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ منکشف کرنے لگتی ہیں۔ مثلاً یہ پروپیگنڈا (Propaganda) بڑے زور و شور سے کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے حالانکہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں جتنی بھی معرکہ آرائیاں ہوئیں، جتنی بھی مہمات روانہ کی گئیں ان پر ایک نظر دوڑائیں اور ان معرکہ آرائیوں اور مہمات کا تجزیہ کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا اگرچہ ضرورت کے وقت آگے بڑھ کر باطل پر ضرب کاری بھی لگائی گئی اور فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے پہل بھی کی گئی لیکن جنگوں کی نوعیت زیادہ تر دفاعی ہی رہی۔ کسی قسم کا توسیعی منصوبہ ان جنگوں کے پس منظر اور پیش منظر کا حصہ نہیں بنا، نہ یہ جنگیں قیصرو کسریٰ کی طرح کسی احساس برتری کا نتیجہ تھیں، نہ یہ جنگیں فتوحات کے شوق میں لڑی گئیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مخالفین نے سر تسلیم خم کر دیا، منتشر ہو گئے یا راہِ فرار اختیار کی، صلح کے لئے ہاتھ بڑھایا، ہتھیار ڈال دیئے یا مقابلے پر ہی نہ آئے تو پھر مسلمانوں نے بھی تلوار نہیں اٹھائی، جنگ برائے جنگ کے فلسفے کی کبھی اسلام نے پزیرائی نہیں کی، اسلام میں جنگ محض برائے

جنگ نہیں بلکہ جنگ قیام امن کا ایک ذریعہ ہے۔ جب ٹارگٹ حاصل کر لیا جائے یا مہم کا مقصد پورا ہو جائے تو بے مقصد تلوار اٹھانے کی اسلام اجازت نہیں دیتا' مستشرقین جو اسلام کی خون آشام تصویر کھینچتے ہیں وہ اس لئے بھی بے بنیاد ہے کہ ان تمام معرکہ آرائیوں میں فریقین کا جو نقصان ہوا وہ اس قدر کم ہے کہ ان الزامات اور بہتان تراشیوں میں کوئی جان ہی باقی نہیں رہ جاتی' اس کے برعکس جدید تہذیب کے علمبرداروں کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ دور حاضر کی جنگوں میں لاکھوں جانوں کا اتلاف ہوتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں املاک کا جو نقصان ہوا وہ تو ہوا لیکن جس طرح انسانی خون پانی کی طرح بہایا گیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہیرو شیما اور ناگاساکی میں ایٹمی دہشت گردی میں لاکھوں بے گناہ افراد مارے گئے لیکن حرف شکایت زبان پر لانے کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں اور کفار کے درمیان جو جنگیں لڑی گئیں ان میں فریقین کے کل ۸۳۸ افراد لقمہ اجل بنے' ان میں سے مسلمانوں کے شہداء کی تعداد ۱۵۲ ہے جب کہ ۶۸۶ غیر مسلم مارے گئے' نتیجہ ان جنگوں کا یہ نکلا کہ ۹ لاکھ مربع میل کے علاقے میں امن و امان قائم ہو گیا۔ اتنے لوگوں کا آج کل کسی ایک آدھ بلوے' احتجاجی مظاہرے یا بم دھماکے میں ہلاک ہو جانا معمول کی بات ہے۔ چند سو مقتولین کی کہانی کو افسانوی رنگ دے کر اسلام کو بدنام کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں ۸۵ لاکھ انسان مارے گئے جبکہ دوسری جنگ عظیم میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ کروڑ تک پہنچ گئی۔

انسانیت کی بقا کے لئے امن کی ناگزیریت

شاہراہ زندگی پر انسان اپنے سفر کے نقطۂ آغاز ہی سے امن کی تلاش میں ہے' ہابیل اور قابیل کی باہمی رقابت نے جنگ اور امن کی اصطلاحوں کو استعاراتی مفہوم عطا کیا' جنگ کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں کسی بھی زاویۂ نگاہ سے مباحث کا موضوع بنیں انہیں کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا گو بعض صورتوں میں قیام امن کے

لئے جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ تاہم اس بات پر ارباب دانش کی دو آراء نہیں ہو سکتیں کہ انسانیت کی بقاء کے لئے قیام امن کی ناگزیریت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس سے کسی ذی شعور کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر دور اور ہر عہد میں انسانیت امن کی تلاش میں رہی ہے۔ امن کے بغیر سماجی استحکام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے تو گفتگو ہو سکتی ہے کہ انسان بنیادی طور پر امن پسند ہے یا اس کے برعکس قیام اَمن کا دشمن ہے لیکن انسان اجتماعی طور پر امن کا متلاشی ہے اس پر دو آرا نہیں ہو سکتیں۔ امن و سلامتی' صلح و آشتی' راحت و آرام بڑے خوشنما الفاظ ہیں لیکن ان کے ساتھ انسان کی کئی ایک مصلحتیں اور کئی ایک مفادات وابستہ ہیں' رویوں کے بدلنے کے ساتھ یہ الفاظ اپنے مفہوم کی قدر و قیمت بھی کھوتے رہتے ہیں۔ دور جدید کا سب سے بڑا المیہ (Major Tragedy) بھی یہ ہے کہ ہر سطح پر امن وسکون کا فقدان ہے۔ ایک اضطراب ہے جو انسان کو بے چین رکھتا ہے۔ اطمینان قلب کی دولت اس سے چھن چکی ہے۔ مادی سہولتوں کی فراوانی اور آسائشات کی بھرمار بھی اس کے روحانی کرب اور ذہنی انتشار کا مداوا نہیں کر سکی' انسان کے اندر جو خلا پیدا ہو چکا ہے اور تنہائی کا جو احساس اس کے وجدان کا حصہ بن چکا ہے ہزار کوشش کے باوجود نہ یہ خلا پر ہو سکا ہے اور نہ تنہائی کا یہ احساس ہی دور کیا جا سکا ہے۔ یہ روحانی کرب اور ذہنی فتور (Spiritual and Mental Frustration) لحہ بہ لحہ بڑھتا جا رہا ہے' عیش و نشاط کی محفلیں' شراب و کباب کے اجتماعات' عریانی و فحاشی کے نظارے وقتی طور پر کام و دہن اور گوش و نظر کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں جونہی یہ عارضی اثرات زائل ہوتے ہیں اور وہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتا ہے تو اس کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے' حقائق کا بھیانک چہرہ اس کے سامنے آ جاتا ہے' روپے کی ریل پیل' وسائل کی فراوانی ، مادی ترقی اور بے پناہ تحفظات حاصل ہونے کے باوجود ترقی یافتہ ممالک میں خودکشی کی شرح ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ معاشرہ قوت برداشت کی دولت سے محروم ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم اجتماعی خودکشی کے

دہانے پر کھڑے ہیں اور بارود کے ڈھیر پر اپنے خیمے نصب کر رہے ہیں' نوجوان نسل میں بے چینی بلکہ بغاوت کے آثار نمایاں ہیں' بے مقصدیت ان کے اعصاب کو مفلوج کئے ہوئے ہے۔ نئی نسل اپنے اندرونی دباؤ (Depression) سے نجات حاصل کرنے کے لئے تخریب کاری کا سہارا لیتی ہے یا پھر منشیات کے دھوئیں میں اپنے وجود کو تحلیل ہوتا دیکھ کر "سکون" محسوس کرتی ہے۔ انسانی تہذیب کے ارتقاء (Evolution) کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی اور قومی زندگی افراد معاشرہ کی سوچ کی عکاس اور آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک معاشرے کے ایک ایک فرد کا روحانی کرب اور ذہنی فتور دور نہیں ہوتا اور اس کے بھٹکے ہوئے ذہن کو مطمئن نہیں کیا جاتا حقیقی معنوں میں اسے سکون اور امن کی لذت سے آشنا نہیں کیا جاسکتا اسے سکون کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔ آج ماہرین نفسیات (Psychologists) بھی یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ تضادات کے اس دور فتن میں ذکر الٰہی ہی فرد کو ڈپریشن (Depression) کی دلدل سے نکال کر اسے آسودہ لمحات کی فراہمی کی ضمانت دے سکتا ہے خود ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ
(الرعد' ۱۳:۲۸)

جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

امن اور خوشحالی

امن اور خوشحالی کا چولی دامن کا ساتھ ہے' جنگ' بدامنی' سیاسی بحران ہڑتالیں اور اجتماعی مظاہرے مادی ترقی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ صنعتی ترقی کا پہیہ رک جاتا ہے' تجارتی لین دین متاثر ہوتا ہے۔ اشیاء کی پیداوار میں کمی کے سبب مہنگائی بڑھ جاتی ہے اور مزدوروں اور محنت کشوں میں بے چینی کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں۔ امن داخلی بھی ہوتا ہے اور خارجی بھی' امن فرد کے اندر بھی ہوتا ہے اور فرد کے باہر بھی' سیاسی طور پر غیر مستحکم معاشرے (Unstable Societies) عسکری طور پر

بھی عدم استحکام کو جنم دیتے ہیں۔ داخلی بدامنی افراد معاشرہ کی تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو بھی مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے چنانچہ ارتقاء کا عمل رک جاتا ہے اور سماجی زندگی تھوڑ پھوڑ کا شکار ہو کر ترقی معکوس کی طرف پیش رفت کرنے لگتی ہے۔

فتنہ وفساد کا خاتمہ

ریاست کے قیام کا بنیادی مقصد امن وامان کو بحال کرنا ہے اور فرد کے جان ومال کے تحفظ (Security) کے لئے عملی اقدامات کر کے اس تحفظ کو ممکن حد تک یقینی بناتا ہے اور فتنہ وفساد کے سرچشموں کو بند کر کے اپنے شہریوں کو ایک پر امن اور پرسکون زندگی کی ضمانت دینا ہے اس لئے شہریوں کی عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے شرانگیزی کے ہر امکان کو ختم کرنا ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ فتنہ وفساد کے خاتمے کے لئے قوت درکار ہوتی ہے محض وعظ ونصیحت سے قانون پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ قوت فیصلہ ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے چنانچہ فتنہ وفساد کو ختم کر کے امن وامان قائم کرنے کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔ ظلم' بربریت' درندگی' قتل وغارتگری' ناانصافی' شرانگیزی اور دہشت گردی کے خلاف جہاد ضروری ہو جاتا ہے۔

اسلام کی بحیثیت دین امن ناگزیریت

ظلم' بربریت' جارحیت' درندگی' قتل وغارتگری' ناانصافی' شرانگیزی اور دہشت گردی کو روکنا ہی جہاد کا مقصد وحید ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں نے تلوار اس وقت اٹھائی جب فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے سفارتی سطح پر تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور باطل استحصالی قوتوں کے قلع قمع کے لئے طاقت کا استعمال ناگزیر ہو گیا بحیثیت دین امن اسلام کی ناگزیریت سے انکار ممکن نہیں' پیغمبر اسلام کو کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا' اسلام کی تعلیمات زمان ومکان کی حدود سے ماوراء ہیں اور قیامت تک انسانی

تمدن کی جبین کا جھومر، علم و دانش کی آبرو اور حکمت و تدبیر کا وقار ہیں، اسلام امن عالم کا سب سے بڑا علمبردار ہے، حضور رحمت عالم ﷺ کی حیات مبارکہ میں حق کے دشمن کے خلاف لڑی جانے والی لڑائیوں کا نتیجہ پائیدار امن کی صورت میں سامنے آیا۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی نشوونما ایک ایسے نظام حیات کے بغیر ممکن نہیں جو ہر سطح اور ہر مرحلے پر امن و سلامتی کی ضمانت فراہم نہ کرتا ہو، ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔
(آل عمران، ۳:۱۹)

اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی پر امن معاشرے کا قیام ممکن ہے، ان تعلیمات کے عملی نفاذ سے شاہراہ حیات پر کامیابی و کامرانی کے ان گنت مقفل دروازے بھی کھولے جاسکتے ہیں، خوشحالی کو عام آدمی کی دہلیز تک بھی لایا جا سکتا ہے، جب تک ہر فرد معاشرہ آسودہ لمحوں سے ہمکنار نہ ہو، جب تک ہر دریچے میں چراغ نہ جلیں، جب تک ہر گھر کی چمنیوں سے دھواں نہ اٹھے اور جب تک ہر گھر کے آنگن میں آسودگی کی دلہن کی ڈولی نہ اترے اس وقت تک زندگی کے تمام فلسفے اور ان کی توضیحات اور تشریحات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا بنایا ہوا کوئی نظام نہ حرف آخر ہو سکتا ہے اور نہ غلطیوں سے مبرا، لیکن اسلام نے جو نظام حیات ہمیں دیا ہے وہ اعتدال و توازن کا شاہکار ہے اور عدل و انصاف کے آفاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ اس میں نہ کوئی جھول ہے اور نہ کوئی خلا۔ اسلام ہر حوالے سے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے کہ یہ محض چند دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں فرد کی عملی رہنمائی کرتا ہے۔

باب ۲

امن کا مفہوم
قرآن وحدیث کی روشنی میں

آیات قرآنی سے استدلال

۱- اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران' ۳:۱۹)
بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

۲- وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (طٰہٰ' ۲۰:۴۷)
اور جو کوئی ہدایت کی بات مان لے (ایمان لے آئے) اسی پر سلامتی ہے۔

وَ اللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ (یونس' ۱۰:۲۵)
اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام سراسر سلامتی کا دین ہے اور امن عالم کا داعی ہے' اسلام قبول کر لینے کے بعد انسان امن اور سلامتی کے دائرے میں آ جاتا ہے مسلمان نہ صرف خود امن پسند ہوتا ہے بلکہ دہشت گردی اور تخریب کاری کی ہر شکل کی مخالفت کرتا ہے اور اپنے قول و فعل سے ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جس میں اس کے اہل خانہ ہی نہیں بلکہ اس کے اہل قبیلہ اور اہل محلہ بھی عافیت اور سکون محسوس کرتے ہیں اور فتنہ و فساد کے خاتمے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

۳- وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ' ۲:۱۹۱)
اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت (جرم) ہے۔

کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات (Code of Life) ہے اس لئے اسے جزوی طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا' حکم ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ تاکہ نتیجہ خیزی کی ضمانت دی جا سکے۔

۴- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (البقرہ' ۲:۲۰۸)
اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

انسان نے تاریخ کے تلخ تجربات سے بہت کچھ سیکھا ہے' قوموں کے عروج و

زوال میں عبرت کی بہت سی نشانیاں ہیں جو انسان کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہو سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود انسانی عقل کسی آخری نتیجے تک نہیں پہنچ سکی، عقلِ عیار سو بھیس بدلتی رہی ہے اور اکثر حقائق کا سامنا کرنے سے کتراتی رہی ہے لیکن بالآخر عقل انسانی بھی ان سائنسی حقائق تک پہنچ چکی ہے جن حقائق کا انکشاف آج سے چودہ سو سال قبل بذریعہ وحی حضور ﷺ کے قلب اطہر پر کیا گیا تھا۔ ایک دن دنیا کو اس نتیجہ پر پہنچنا ہے اور اس کے آثار ابھی سے نمایاں ہو رہے ہیں کہ انسانیت کا واحد نجات دہندہ دین اسلام ہے اور دکھی انسانیت کے زخموں کا مداوا صرف اور صرف اسلام کی آغوش رحمت ہی میں ممکن ہے عہدِ نبوی اور دور خلافت کی مثال آج تک تاریخ پیش نہیں کر سکی، کوئی معاشرہ ان روشن دنوں کی نظیر یا مماثل نہیں ہو سکا، خیر کی ساری قوتوں کا سرچشمہ عہدِ نبوی ہے امن کے سارے دھارے حضور ﷺ کے نقش کف پا سے پھوٹتے ہیں۔

احادیث مبارکہ سے امثال

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (صحیح البخاری، ۱:۶)	مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

گویا کسی شخص کے مسلمان ہونے کا معیار یہ مقرر کیا گیا ہے کہ امن اس کی جبلت میں شامل ہوتا ہے، وہ اپنی عملی زندگی میں بھی پر امن ہوتا ہے، وہ دوسروں کے لئے کبھی باعث آزار نہیں بنتا، اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہتے ہیں، اسلام قبول کر لینے کے بعد انسان نفع بخشی اور فیض رسانی کا منبع بن جاتا ہے، رفتہ رفتہ یہ نفع بخشی اور فیض رسانی پورے معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔

مسلمان کی تعریف یہ کر دی گئی ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے اس کا دوسرا مسلمان بھائی محفوظ رہتا ہے گویا ہر قسم کی فحش کلامی کی ممانعت ہو گئی، دل آزاری، بدزبانی، بہتان تراشی اور گالم گلوچ سے مسلمانوں کو روک دیا گیا کہ یہ چیزیں اخلاق کے

منافی ہیں اور افراد معاشرہ کے کردار اور ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ مسلمان کا مسلمان کے ہاتھ سے محفوظ رہنے کا مطلب ہے کہ ہر قسم کی دہشت گردی، تخریب کاری اور جسمانی تشدد کی ہر صورت پر پابندی لگا دی گئی ہے، قتل تو خیر بہت بڑا جرم ہے معمولی ہاتھاپائی کی بھی اجازت نہیں دی گئی، اسلام ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کرتا ہے، انسانی خون کی حرمت کعبہ کی حرمت سے زیادہ ہے، ان تمام اقدامات اور تعلیمات کا ایک ہی بنیادی مقصد ہے وہ یہ کہ انسانی معاشروں کو حیوانی معاشروں میں تبدیل ہونے سے روکا جائے، معاشرے کے ہر فرد کو ایک باوقار اور آسودہ زندگی گزارنے کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں، وہ پاکیزہ معاشرہ قائم کیا جائے جو اونچ نیچ اور ذات پات کی لعنتوں سے پاک ہو امیر اگر حبشی بھی ہو تو اس کی اطاعت کا حکم ہے، اسلام نے عملی طور پر رنگ و نسل کے بتوں کو پاش پاش کر کے اولاد آدم کے وسیع تر اتحاد کی بنیاد رکھی، انسانوں کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی میل جول سے جذبۂ اخوت اور جذبۂ مسابقت فروغ پذیر ہوتا ہے اور حقیقی معنوں میں امن کا قیام عمل میں آتا ہے، آدمیت کا احترام دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے تو معاشرہ خیر کی قدروں کا امین و محافظ بن کر عالمی سطح پر بھی اپنی سماجی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے خیر کی انہی قدروں کی ترویج کے لئے مختلف بادشاہوں کی طرف خطوط ارسال کئے اور سفارتی محاذ پر سفراء کے تبادلوں سے عالمی سیاست میں اسلام کے اثر و نفوذ کی بنیاد رکھی، ہرقل کی طرف لکھے جانے والے خط میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم (صحیح البخاری، ۱:۵)	میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کر لو امن و سلامتی میں رہو گے۔

فرض نماز کے بعد جو دعا مسلمانوں کو سکھائی گئی اس کے کلمات قابل توجہ ہیں۔

اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام
(الصحیح لمسلم' ۱: ۲۱۸)

اے اللہ تو سلام ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے' تو برکت والا ہے اے جلال و بزرگی والے

احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تحمل اور رواداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ اشتعال میں آنے سے روکا گیا ہے اور ممکن حد تک اسے پر امن رہنے کی تلقین کی گئی ہے' اس ضمن میں زبان کو بے لگام ہونے سے روکا گیا ہے اور مسلمانوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں زبان پر قابو رکھیں کہ اس سے کسی کی دلآزاری نہ ہونے پائے' یہ جھوٹ کے گند میں ملوث نہ ہو بلکہ اس پر ہمیشہ سچائی کے پھول کھلیں یہ افراد معاشرہ کے زخموں پر مرہم رکھنے کا فریضہ سرانجام دے اور یہ ہر حال میں صداقتوں کی امین ٹھہرے ایک بھی حرف ناروا زبان سے ادا نہ ہو بلکہ یہ خلق عظیم کی مظہر بن کر معاشرے میں چراغ بانٹنے کا منصب سنبھالے' زبان شخصیت کے اظہار کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے یہ ایک قوت ہے جو تخریب نہیں تعمیر کے کام آنی چاہئے۔

اسلام خیر و برکت کا سرچشمہ

اسلام خیر و بھلائی کا دین ہے' اس کی تعلیمات خیر و برکت کا سرچشمہ ہیں اور امن و سلامتی کی ضامن ہیں' ہر شخص کو دعوت و تبلیغ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے البتہ صالحین کی ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئے۔ جو لوگوں کو ہر وقت بھلائی کی ترغیب دیتی رہے' اور دین کی طرف بلاتی رہے' اگر دعوت و تبلیغ کے کام میں سستی دکھائی گئی یا غفلت کا مظاہرہ کیا گیا تو اس کا بار ہر شخص کی گردن پر ہو گا کیونکہ اقامت دین کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے' دعوت دین کیا ہے' طائف کی وادیوں میں سرکف چلنے کا نام' قرآن مجید میں بار بار اسے لفظ "خیر" سے تعبیر کیا گیا ہے' نیکی اور بھلائی سے امن اور سکون پیدا ہوتا ہے' توازن اور اعتدال کی قدروں کو

فروغ ملتا ہے جبکہ برائی کی کوکھ سے بدامنی جنم لیتی ہے معاشرہ افتراق و انتشار کا شکار ہو جاتا ہے' ہر طرف افراتفری کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
(آل عمران' ۳:۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(آل عمران' ۳:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

بدامنی' افراتفری' افتراق و انتشار اور احتجاج' ناانصافی کا فطری ردعمل ہے اس لئے اسلام کے نظام عدل کا نفاذ ہر عہد اور ہر دور کی بنیادی ضرورت ہے اس کے بغیر قیام امن کا ہر خواب ادھورا رہے گا۔ تعلیمات اسلامی زمان و مکان (Space Time And) کی قیود سے ماوراء ہیں' یہ تعلیمات کسی ایک خطے' کسی خاص زمانے یا کسی خاص گروہ یا جماعت کے لئے نہیں بلکہ یہ پیغام رحمت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اسلام کے پیش نظر پوری انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اسلام کسی ایک علاقے میں امن کا خواہاں نہیں بلکہ یہ پوری دنیا میں امن کا قیام چاہتا ہے لہٰذا امت مسلمہ کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ عالمی سطح پر پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے۔ ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر ہر فرد کے دکھوں کا مداوا کرے اور ہر فرد کے زخموں پر مرہم رکھے کہ یہی کار خیر اس کی تعمیر و تشکیل کا مقصود اور اس کی بقاء کی جوازیت ہے۔ ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

الدين النصيحة

دین خیر خواہی کا نام ہے۔

(صحیح البخاری' ۱:۱۳' الصحیح لمسلم' ۱:۵۴)

ارشاد نبوی کے مطابق دین (اسلام) سراسر بھلائی اور خیر خواہی کا نام ہے یہ

محض چند عبادات کے مجموعے کا نام نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے اپنی کم فہمی کی بنا پر اسلام کو عبادات کی بجا آوری تک محدود کر رکھا ہے وہ پانچ وقت کی نماز پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے بندگی کا حق ادا کر دیا حالانکہ ایسا نہیں ہے عبادات کا انکار کفر ہے لیکن عبادات دین کا جزو ہیں کل نہیں' اسلام پوری انسانیت کی بھلائی اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے ایک مکمل اور جامع نظام پیش کرتا ہے' اسلام ہر فرد خواہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم' عربی ہے یا عجمی 'گورا ہے یا کالا' اس کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے جہاں ہر شخص کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جائے' کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے اور زندگی کی بنیادی ضروریات سب کو میسر ہوں' اس کے باوجود اگر کوئی فتنہ و شر پھیلائے' اپنے شر سے بدامنی کو ہوا دے اور فتنہ پروری سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو اسے کڑی سے کڑی سزا دی جائے گی کیونکہ فتنہ کو قتل سے بھی بڑا شر قرار دیا گیا ہے' مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اسلام نے سزاؤں کا ایک مکمل نظام دیا ہے جو معاشرے کو اعتدال اور خیر کی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔

اندرونی اور بیرونی خطرات کے پیش نظر حفاظتی اقدامات

اسلام معاشرے کے ہر فرد کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے جملہ حفاظتی اقدامات کے اہتمام کا ذمہ دار ہے اور ہر فرد کو جان اور مال کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اس کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ افراد معاشرہ بھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کریں گے' اسلام ہر سطح پر عدل قائم کرتا ہے کیونکہ عدل ہی معاشرے میں دائمی امن کا ضامن ہے' قانون کی نظروں میں شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں' اسلام میں انصاف فوری طور پر مظلوم کی دہلیز پر پہنچایا جاتا ہے' انصاف اگر تاخیر سے ملے تو یہ اپنی وقعت' اہمیت اور افادیت کھو دیتا ہے' اسلام قیام امن کے لئے ہر سطح پر خوف خدا کے جذبے کو بیدار اور متحرک رکھنا

چاہتا ہے کیونکہ یہی جذبہ بے لگام، منہ زور جذبوں کے آگے بند باندھتا ہے اور انسان کو بداعمالیوں اور بے اعتدالیوں سے روکتا ہے، انسان کے ذہنی فتور کا تدارک کرتا ہے اسکی شیطانی سوچوں کا سدباب کرتا ہے اور سازشی اور مجرمانہ ذہنیت کی اصلاح کرتا ہے، ان حفاظتی اقدامات اور تحفظات کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ ایک پرامن معاشرے میں انسان کو اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کا موقع ملے اور افراد معاشرہ کے لئے خوشحالی اور آسودگی کا اہتمام کرتے ہوئے ان کے دکھ درد میں شریک ہو۔ پرامن معاشرہ تجارتی اور صنعتی ترقی کا بھی محافظ ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ کی تولیت کے باعث اہل قریش دیگر قبائل کے مقابلے میں زیادہ محترم ومکرم سمجھے جاتے تھے اور اعزاز کی بدولت ان کے تجارتی سفر بھی عموماً محفوظ ہوتے۔ ان کے تجارتی قافلے بے خوف وخطر تجارتی شاہراہوں پر سفر کرتے۔ یہ پرامن فضا قریش کے لئے اللہ کا بہت بڑا انعام تھا جس کا ذکر یوں ہوا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ○ اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ○ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ○ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ○ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○
(قریش، ۱۰۶)

قریش کو رغبت دلانے کے سبب سے انہیں سردیوں اور گرمیوں کے (تجارتی) سفر سے مانوس کر دیا۔ پس انہیں چاہیے کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی عبادت کریں (تاکہ اسکی شکر گزاری ہو) جس نے انہیں بھوک (یعنی فقر وفاقہ کے حالات) میں کھانا دیا (یعنی رزق فراہم کیا) اور (دشمنوں کے) خوف سے امن بخشا (یعنی محفوظ ومامون زندگی سے نوازا)

تعلیمات اسلامی پر عمل پیرا ہونے کے کیا ثمرات حاصل ہوتے ہیں کیا کیا انعامات ملتے ہیں اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح مذکور ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے

هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ ۲: ۳۸)

کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا' نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ جنہیں اپنا دوست رکھتا ہے اور جن سے محبت کرتا ہے ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (یونس' ۱۰: ۶۲)

خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔

ایمان اور تقویٰ کی روش اپنا لینے سے آدمی اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور اس دوستی کے صلہ میں اسے خوف اور غم سے نجات دے کر امن اور سلامتی' سکون و طمانیت کی دولت سے مالامال کر کے ہر دنیاوی حرص و لالچ سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے۔

عصر حاضر کا المیہ

آج کے انسان کا المیہ یہ ہے کہ بے پناہ مادی وسائل' ان گنت آسائشات اور بے تحاشا اختیارات کے باوجود اس کا دامن امن' سکون اور عافیت کی دولت سے خالی ہے' انسانوں کے جنگل میں رہتے ہوئے بھی وہ تنہا ہے' تہذیب انسانی کی بے پناہ ترقی کے باوجود وہ اپنے اندر کے خلاؤں میں محو سفر ہے' ہنگامہ ہائے روز و شب کے باوجود مرگ مسلسل اس کے تعاقب میں ہے اس کی حیثیت ایک زندہ لاش سے زیادہ نہیں اس لئے کہ اس کا بحر اضطراب کی موجوں سے آشنا نہیں' اس کی سوچیں تحریک کے جوہر سے محروم ہو چکی ہیں؟ تحفظ کی دیواروں کی بجائے اس نے اپنے گرد انا کی دیواریں چن رکھی ہیں۔ وہ نالہ ہائے نیم شب سے بھی بے نیاز ہو چکا ہے ایک جمود اس کی رگوں میں منجمد ہوتے لہو پر طاری ہے وہ تفریحات اور خرافات کے دامن صد چاک میں پناہ ڈھونڈتا ہے' شراب و کباب اور رقص و سرود کے تعفن زدہ ماحول میں سانس لینا چاہتا ہے لیکن نئی تہذیب کی چکا چوند میں اور محافل ہاؤ ہو کے شور بے ہنگم میں اس کا

دم گھٹنے لگتا ہے' مدہوشی کے عالم میں یہ سکون عارضی ثابت ہوتا ہے' شراب و کباب کا نشہ جب اترتا ہے تو اسے من کی دنیا میں ویرانیاں ہی ویرانیاں نظر آتی ہیں' یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح بچے کو کھلونے دے کر چند لمحوں کے لئے بہلایا جاتا ہے جس طرح ایک بچے کو حقیقی سکون ماں کی گود میں ملتا ہے اس طرح ایک شخص کو سکون کی دولت محبت الٰہی اور عشق رسول ﷺ میں فنا ہونے سے ملتی ہے۔ اسی فنا میں اس کی بقاء ہے' خالق حقیقی سے لو لگانے اور شب کے پچھلے پہر اسکی بارگاہ میں سجدہ ریزی سے آج کا انسان معاشرتی دباؤ اور حالات کی تلخیوں اور سنگینیوں کی شدت کو بڑی حد تک کم کر سکتا ہے کیونکہ اسی کا ذکر جمیل شکستہ دلوں کا سہارا بنتا ہے اور روح کے زخموں پر مرہم رکھتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد' ۱۳:۲۸)	جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

باب ۳

انسانی حقوق کے اولین چارٹر سے اقوام متحدہ تک

خطبہ حجۃ الوداع

اسلامی عالمی نظام

ISLAMIC WORLD ORDER

۹ ذی الحجہ ۱۰ھ جمعہ کا چمکتا دمکتا دن تکمیل دین کی بشارت لے کر افق عالم پر طلوع ہوا، چشم فلک بہر سلامی جھک گئی۔ آسمان نے خورشید صبح انقلاب کی پیشانی کو احتراماً بوسہ دیا۔ عرفات کا میدان خوشبوؤں، رنگوں اور روشنیوں سے بھر گیا۔ ساعتیں دم سادھے کھڑی تھیں، ہوا کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی، رسول محتشم ﷺ کی دلکش اور باوقار آواز ازلی صداقتوں اور ابدی سچائیوں کی نقیب بن کر سماعتوں میں رس گھول رہی تھی، ارض و سما کی وسعتیں گوش بر آواز تھیں، فضائیں حیرتوں کا آئینہ خانہ بنی ہوئی تھیں، غار حرا کی تنہائیوں میں اپنے مقدس آنسوؤں سے حمد وثنائے کبریا تحریر کرنے والے آقا ﷺ خطبہ حجۃ الوداع میں رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے منشور اعظم کا اعلان فرما رہے تھے، تاریخ اس یادگار خطبے کو انسانی حقوق کے پہلے چارٹر کے نام سے یاد کرتی ہے، یہ اقوام عالم کے لئے نئے عالمی نظام کے نفاذ کا اعلان تھا۔ پچھلا عالمی نظام ظلم اور استحصال پر مبنی تھا اس فرسودہ اور بوسیدہ نظام میں جبر، تشدد اور ناانصافی کا سکہ رائج الوقت تھا۔ نبی آخر الزماں ﷺ فرما رہے تھے کہ ظلم اور استحصال کا وہ دور ختم ہوا آج میں اسے اپنے پاؤں تلے روند رہا ہوں، سابقہ جاہلانہ نظام کو منسوخ کر کے عالمی امن کا پرچم بلند کیا گیا اور اسلامک ورلڈ آرڈر (Islamic World Order) کے تحت عالمی انسانی مساوات قائم ہوئی۔ معاشی اور اقتصادی استحصال کا خاتمہ ہوا، عورتوں کے حقوق کو تحفظ کی ردا عطا ہوئی۔ زیردست اور افلاس زدہ افراد معاشرہ کے حقوق کی ضمانت دی گئی۔ اس تاریخ ساز اعلان نے عالمی نظام سے غلامی کے خاتمے کی بنیاد رکھ دی محسن انسانیت ﷺ نے صحابہؓ کے عظیم اجتماع سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

۱۔ الحمد للہ نحمدہ ونستعینه ونستغفره ونتوب الیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یهده اللہ فلامضل له ومن یضلله فلاهادی له واشهد ان لاالٰه الا اللہ وحده لاشریك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں اسی سے معافی مانگتے ہیں، اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اسے بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ ضلالت عطا کرے تو پھر کوئی اس کو ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔

1)
"All Praise is for Allah. We praise Him. We seek His pardon and His help and we turn to Him. We take refuge with Allah from the evils within ourselves and the severe consequences of our actions. There is none to lead man astray whom Allah guides aright and there is none to guide man whom Allah misguides. I bear witness that there is no deity but Allah alone without any partners. I bear witness that Muhammad is His servant and His Messenger.

۲۔ اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ و احثکم علی طاعته واستفتح بالذی هو خیر

اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پرزور طور پر آمادہ کرتا ہوں اور میں ابتدا اسی سے کرنا چاہتا ہوں جو بھلائی ہے۔

2)
I admonish you, servants of Allah, to be conscious of Allah and I urge you to obey Him.

۳- اما بعد! ایها الناس إسمعوا منی ابین لکم فانی لاادری لعلی لاالقاکم بعد عامی هذا فی موقفی هذا

اما بعد! لوگو مجھ سے سنو میں تمہیں بتاتا ہوں کیونکہ اللہ جانتا ہے شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔

3)
O people, listen to me as I deliver a message to you for I do not know whether I shall ever get an opportunity to meet you after this year in this place.

٤- ایها الناس ان دماء کم واموالکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا الا هل بلغت؟ اللهم فاشهد

لوگو! تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لئے (ایک دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے (قیامت) تک حرام ہیں ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمہارے آج کے دن' آج کے مہینے اور اس مقام کی حرمت ہے۔ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

4)
O people, indeed your lives, your properties and your honour are sacred and inviolable to you till you appear before your Lord, like the sacredness of this day of yours, in this moth of yours, in this city of yours. You will certainly meet your Lord and He will ask you about your actions. Have I conveyed the message? O Lord be witness!

٥- فمن کانت عنده امانة فلیؤدها الی من ائتمنه علیها

جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کر دے جس نے وہ اس کے پاس امانت رکھائی۔

5)
So he who has any trust to discharge, he should restore it to the person who deposited it with him.

٦- وان کل ربا موضوع ولکن لکم رؤس اموالکم لاتظلمون ولاتظلمون

خبردار! جاہلیت کا سود گرا دیا جاتا ہے۔ البتہ تمہارے لئے راس المال پر حق ہو گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا

6)
Behold! All interest based transactions of the days of ignorance (before Islam) are declared null and void. But your capital belongs to you. Nei-

قضی الله انه لاربا وانّ ربا عباس بن عبد المطلب موضوع کله

ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے اور پہلا سود جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا ہے۔

ther oppress others nor be oppressed. Allah has forbidden you to take any interest (usury) and all obligations in this behalf stard waived. So begin with I cancel all interest due to my uncle Abbas Bin Abdul Muttalib

۷- وان کل دم کان فی الجاهلیة موضوع وان اول دماء کم اضع دم ابن ربیعه بن الحارث بن عبد المطلب

خبردار! جاہلیت کے خون گرا دیئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ (میرے چچا زاد بھائی کے بیٹے) عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کا ہے۔

7)
Behold! Revenge for bloodshed as was the practice in the days of ignorance (before Islam) is forbidden. As an initiative for others I forgive those who murrdered my Cousin Ibn-e-Rabi'ah Bin Hareth Bin Abdul Muttalib

۸- وان مآثر الجاهلیة موضوعة غیر السدانة والسقایة

خبردار! جاہلیت کے آثار اور عہدے گرا دیئے جاتے ہیں۔ بجز (خانہ کعبہ کی) رکھوالی اور (حجاج کو) پانی پلانے کے۔

8)
Behold! All relics and designations of Pre-Islamic days of ignorance stand abolished except that for the maintenance of holy Ka'bah and the obligation of satisfying the thirst of the Pilgrims of the House of Allah.

۹- والعمد قود وشبه العمد ماقتل بالعصا والحجر وفیه مائة بعیر

قتل عمد پر قصاص ہے۔ مشابہ عمد وہ ہے جس میں لٹھ اور پتھر سے موت واقع ہو اس میں سو

9)
Wilful murder by way of retaliation is to be punished with life-taking Any other

فمن زاد فهو من اهل الجاهلية

اونٹ بطور خون بہا ہیں جو اس میں زیادتی کا مطالبہ کرے تو وہ جاہلیت والا ہے۔

analogous murder with a club, stick or stone invokes retaliatory payment of hundred camels. A demand made in excess thereon should be deemed as a practice pertaining to Pre-Islamic days of ignorance

۱۰- ايها الناس ان الله عزوجل قد اعطى كل ذى حق حقه فلاوصية لوارث

لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا ہے اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیت نہ کرے۔

10)
O ye people, God has (through the law of inheritanc) fixed the right of every rightful heir, therefore no other testament be considered valid for any of these.

۱۱- الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب وکتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

11)
Only the child born within wedlock will be considered legitimate heir to the parents Adultery proved will be punishable with stoning. All acts of omissior and commission will be accountable to God hereafter.

۱۲- من ادعى الى غير ابيه اوتولى الى غير مواليه فعليه لعنة الله

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

12)
Anybody claiming false ancestry or ascribing untrue bondage against his own matter will be accursed by God.

۱۳- الدین مقضی والعاریة مرداة والمنحة مردودة والزعیم غارم

قرض قابل ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہے وہ تاوان ادا کرے۔

13)
Debts payable should be cleared, all borrowed property is to be returned, while gifts should be countered and a surety must make good the loss on behalf of the assured.

۱۴- ایها الناس انما المؤمنون اخوة ولایحل لامرئ مال اخیه الا عن طیب نفس منه

لوگو! تمام مومن بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں، بجز اس کے کہ وہ اس کی طبعی خوشی سے ہو۔

14)
O people, the Muslim are one brotherhood. Nothing of his brother is lawful for a Muslim except what he himself allows.

۱۵- الا لایحل لامراة ان تعطی من مال زوجها شیئا الا باذنه

عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

15)
A woman has no right to part with or transfer to any other person her husband's property without the latter's express permission.

۱۶- ایها الناس انما النسئی زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیواطئوا عدة ما حرم الله فیحلوا ما حرم الله ویحرموا ما أحل الله و ان الزمان قداستدار

لوگو! سال میں کبیسہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا ہے۔ وہ اس کے باعث بہکائے جا رہے ہیں۔ وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام تاکہ اس تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے۔ اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال کر لیتے ہیں

16)
O people! the practice of adding a month in Calendar year is tantamount to excess in "Kufr" (disbelief). The unbelievers are being duped on that account. They make it 'halal' (lawful) in a year and 'haram' (unlawful) the next year so as to compensate the number, in violation of Divine commandment. In

كهيئة يوم خلق الله السموات والارض ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ثلاثة متواليات وواحد فرد ذوالقعده وذوالحجة ومحرم ورجب الذى بين جمادى وشعبان الاهل بلغت؟ اللهم فاشهد

اور حلال کردہ چیز کو حرام۔ حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل پر آگیا ہے جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے دن تھا۔ بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے ہی کے دن بارہ مہینے لکھی ہے۔ ان میں سے چار حرام ہیں، تین پے درپے اور ایک تنہا، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے بیچ میں ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

this way they legitimise the things prohibited by Allah as lawful and vice versa treat the lawful things as unlawful. As a matter of fact the circle of time has by revolution, taken the form on it was at the time of creation of the heavens and the Earth by Almighty Allah. Indeed the number of months, as recorded in thr Book of Allah since the creation of the Heavens and the Earth by Him is twelve. Of them four months, as per their sanctity, are inviolable. the three months are consecutively Dhu Al-Qadah, Dhu Al-Hijjah and Muharram and the One is Rajab intervening between Jumada Al-Thani and Shaban. O Lord! Have I conveyed the message? Be my witness.

۱۷- الا فلاترجعوا بعدى ضلالا يضرب بعضكم رقاب بعض

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت وخون کرنے لگو۔

17)
After me do not go astray and begin to kill one another.

18)

۱۸- ایها الناس کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوة ارقاءکم ارقاءکم اطعموهم مما تاکلون واکسوهم مما تلبسون

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

O ye people, a Muslim is another Muslim's brother and thus all Muslims are brothers among themselves.

19)

۱۹- ایها الناس ان لکم علی نساءکم حقا ولهن علیکم حقا لکم علیهن الا یوطئن فرشکم احدا تکرهونه وعلیهن ان لا یاتین بفاحشة مبینة فان فعلن فان الله قد اذن لکم ان تهجروهن فی المضاجع وان تضربوا ضربا غیر مبرح فان انتهین فلهن رزقهن وکسوتهن بالمعروف

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم نہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

O ye people, you owe your women certain rights and likewise you have rights over your women. Your right is that the women should not allow near them anybody whom you do not like. Their right is to maintain complete integrity and shun indecency. If they fail, God allows you to chastise them and when they behave better and come round, let them be well looked after.

20)

۲۰- واستوصوا بالنساء خیرا فانهن

عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں

Treat your women nicely as they are bound to you and are

عوان لكم لا يملكن لانفسهن شيئا فاتقوا الله في النساء فانكم اخذتموهن بامان الله و استحللتم فروجهن بكلمات الله

اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتیں، چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔

incapable of managing many of their affairs themselves. Hence always keep God's command in view, namely, that you have accepted them in the na.ne of God and in His name have they been made lawful to you. O people understand what I say. I have conveyed to you the message of God.

۲۱- ايها الناس ان الشيطان قد يئس ان يعبد في ارضكم هذه ولكنه قد رضي ان يطاع فيما سوى ذالك مما تحقرون من اعمالكم فاحذروه على دينكم

لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے، کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو۔ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو۔ اس لئے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

21)
O people, verify Satan is very disappointed from being ever worshipped in this land of yours. But he is satisfied to be obeyed in actions of yours you think trifling. So be coutious of him in your religion.

۲۲- الا فاعبدوا ربكم وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وادوا زكوة اموالكم طيبة بها انفسكم

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل

22)
Do listen to me. Worship your Lord and Sustainer. Perform your five daily salah. Fast your month of Ramadan. Make pilgrimage to your House - the Kaba - in Makkah. Pay the

وتحجوا بيت ربكم واطيعوا ولاة امركم تدخلوا جنة ربكم

امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

zakah on your property willingly and obey whatever I command you. Then will you enter the Paradise of your Lord and Sustainer.

۲۳- الا لايجني جان الا على نفسه الا لا يجني جان على ولده ولا مولود على والده

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہو گا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا' نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

23)
Be aware, no one committing a crime is responsible for it but himself. Neither is a son responsible for the crime of his father nor is a father responsible for the crime of his son.

۲٤- وقد تركت فيكم ما لن تضلوا بعدى ابدا ان اعتصمتم به- امرين كتاب الله عزوجل وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم

میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اسے تھامے رہو گے میرے بعد تم گمراہ نہ ہو گے' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ

24)
Verily, I have left among you something clear which if you hold fast to, you will never go astray after that - the Book of Allah and the Example - sunnah - of His Messenger.

۲۵- ايها الناس ان ربكم واحد وان اباكم واحد، كلكم لادم وادم من تراب، اكرمكم عند الله اتقاكم وليس لعربى

لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک' تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے' تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو' کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی

(25)
O people, verily your Lord and sustainer is One and your ancestor is one. All of you descend from Adam and Adam was made from earth. There is no superiority for an Arab over a non-Arab nor for a non-Arab over an Arab; neither

على عجمى فضل الا بالتقوى الا هل بلغت؟ اللهم فاشهد قالوا نعم قال فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعى من سامع

فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے ہاں کیا میں نے (تم تک پیغام حق) پہنچا دیا؟ اے اللہ! تو گواہ رہنا' تو لوگوں نے کہا۔ ہاں! آپ نے فرمایا تو پھر (تم میں سے) حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک (یہ پیغام) پہنچا دے۔ اس لیے کہ اکثر اوقات جس کو بات پہنچائی جائے وہ (براہ راست) سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہوتا ہے۔

for a white man over a black man nor a black man over a white man xcept the superiority gained through Allah consciousness - taqwa. Indeed the noblest among you is the one who is most deeply conscious of Allah.
All those who listen to me shall pass on my words to others and those to others in turn; and may the last persons understand my words better than those who listen to me directly."

(مسند احمد بن حنبل' ۵: ۴۱۱، ۴۱۱)

السيرة النبوية لابن هشام' ۲ : ۶۰۳

تاريخ اليعقوبى' ۲: ۱۱۲

سبل الهدى والرشاد، ۸: ٦٤٢

البيان والتبيين للجاحظ، ۲: ٢٤- ٢٥

مجموعة الوثائق السياسية: ۳۰٦

خطبہ حجۃ الوداع قیام امن کی طرف مزید پیش رفت

خطبہ حجۃ الوداع ایک تاریخی دستاویز ہے' انسانیت کے اس منشور اعظم اور انسان کے بنیادی حقوق کے اس اولین چارٹر سے درج ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں جن پر

عمل پیرا ہو کر ہر دور اور ہر عہد کا انسان عالمی سطح پر قیام امن کی طرف مزید پیش رفت کر سکتا ہے۔

۱۔ باطل استحصالی طاقتیں ہر عہد اور ہر دور میں محکوموں اور زیر دستوں کے بنیادی حقوق کو پامال کرتی رہی ہیں، محکوموں اور زیر دستوں کو جینے کا حق بھی نہیں دیا جاتا حالانکہ ایک آزاد اور فلاحی معاشرہ میں جیو اور جینے دو کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے، یہی اصول جمہوریت کی روح ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اسی اصول اور ضابطے کو برقرار رکھنے پر زور دیا تھا۔ کیونکہ بین الاقوامی سطح پر یہی اصول عالمی امن کا ضامن بن سکتا ہے۔ تیسری دنیا کا المیہ یہ ہے کہ سامراجی طاقتیں غریب ممالک پر اپنی سیاسی بالا دستی قائم کرنا چاہتی ہیں چنانچہ ان کے گرد اقتصادی غلامی کے حصار کو تنگ کر کے غریب اقوام پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اور نیو ورلڈ آرڈر جو عالم اسلام کے خلاف ایک صیہونی سازش ہے کے ذریعہ مغربی دنیا خصوصاً امریکہ اور اس کی طفیلی ریاست اسرائیل اپنی عالمی حکومت کے مجوزہ نقشے میں رنگ آمیزی کر رہے ہیں اور اس نقشے کا ہر خط غریب اقوام کے سرخ خون سے کھینچا جا رہا ہے تیسری دنیا کے کھیتوں میں بھوک اگتی ہے اور افلاس کی فصل کاٹی جاتی ہے۔ پس ماندگی، جہالت اور بیماری کو تیسری دنیا کا مقدر بنا دیا گیا ہے، خطبہ حجۃ الوداع کے مطابق اگر جیو اور جینے دو کے آفاقی اصول کو خلوص دل سے عالمی سطح پر نافذ کر دیا جائے اور قوموں کے درمیان سفارتی سطح پر مراسم طے کرتے وقت اس ضابطہ حیات کو رہنما اصول مان لیا جائے تو بھوک، افلاس، ننگ، جہالت اور بیماری کی آگ میں جلتی ہوئی تیسری دنیا جنت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے۔ بین الاقوامی تناظر میں ایک ایسی صبح درخشندہ طلوع ہو گی جو امن عالم کا پیش خیمہ ہو گی اور پوری دنیا اخوت و محبت کی خوشبو سے مہک اٹھے گی اور توسیع پسندی کا آمرانہ جذبہ اپنے ہی ملبے میں دفن ہو جائے گا۔

۲۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے انتقام در انتقام کے منفی جذبے پر فیصلہ کن

ضرب لگائی' انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر یہ جذبہ انتقام ہولناک تباہی لاتا ہے اور معاشرے کا امن ہی تباہ نہیں ہوتا بلکہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں اور ترقی یافتہ معاشروں میں انتقام در انتقام کی سیاست کو سند جواز فراہم کرنے کے لئے خوبصورت الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے اور من مانی تاویلات کر کے جذبہ انتقام کو ہوا دی جاتی ہے۔

۳۔ اسلامی معاشرے میں جوابدہی کے احساس کو ہر سطح پر زندہ و بیدار رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع میں بھی تصور آخرت کے حوالے سے خوف خدا کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے' اگر محاسبے کا احساس ختم ہو جائے' انسان جوابدہی کے ڈر سے بے نیاز ہو جائے تو پھر وہ خیر و شر میں تمیز کا ہنر بھی کھو بیٹھتا ہے اور دوسروں کے استحصال اور ظلم کو وہ اپنا حق سمجھنے لگتا ہے اور اسکی خواہشات بے لگام ہو کر معاشرے کو افراتفری کا شکار کر دیتی ہیں اور پر امن معاشروں کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے پہلے ہی بکھر جاتا ہے۔

۴۔ حضور ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں عورت کے حقوق کے تحفظ کی تاکید فرمائی۔ دختر حوا کو عزت' وقار اور احترام کی چادر عطا ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں عورت ظلم کی چکی میں پس رہی تھی' بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا' اسلام نے عورت کو جینے کا حق دیا لیکن مغرب نے حقوق نسواں کے نام پر اسے چراغ خانہ سے شمع محفل بنا دیا۔ عورت کو تشہیری مواد کا حصہ بنا کر اس کی تذلیل کی جا رہی ہے' قاہرہ سے بیجنگ کانفرنس تک عورت کی رسوائی کا سامان فراہم کیا جا رہا ہے' مردوں کے اس معاشرے میں حقوق کے نام پر اس کے حقوق پر شب خون مارا گیا ہے اور اسے نیلام گھر کی زینت بنا دیا گیا ہے۔

۵۔ محسن انسانیت ﷺ نے اس عہد ساز خطبے میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے شعور کو پختہ کیا۔ معاشرے میں اتحاد' یگانگت' بھائی چارے' اخوت اور رواداری

کی قدروں کو فروغ دینے کی تلقین فرمائی' چوری' ڈکیتی اور قتل و غارتگری کی ممانعت فرمائی۔

۶۔ سود کو حرام قرار دے کر معیشت کو کھلی اور آزادانہ فضا میں مستحکم ہونے کے مواقع فراہم کیئے گئے۔ سود استحصال کی بدترین شکل ہے اور اسلام استحصال کی ہر شکل کا مخالف ہے' سود ایک ایسی لعنت ہے جس سے غیر مسلم معاشرے بھی نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں' سود در سود کے غیر فطری نظام نے عالمی معیشت کو مفلوج کر رکھا ہے افراد کا ہی نہیں قوموں کا بھی استحصال ہو رہا ہے' مقروض اقوام کو اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل رہن رکھ کر عملاً اپنی آزادی سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ غریب اقوام جو قرضوں کے بوجھ تلے سسک رہی ہیں اور سود کی ادائیگی کے قابل بھی نہیں عالمی امور و مسائل پر اپنی آزادانہ رائے کے اظہار سے بھی قاصر ہیں' سود سے پاک بینکاری پوری دنیا کی ضرورت ہے۔

۷۔ خطبہ حجۃ الوداع میں زمانہ جاہلیت کی فرسودہ رسومات کو ختم کر کے معاشرے میں صحت مند سماجی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی۔ ہمارا معاشرہ آج بھی غیر اسلامی رسومات کے شکنجے میں ہے ان رسومات کی ادائیگی سے نہ صرف ہمارے اسلامی تشخص کا چہرہ مسخ ہوتا ہے بلکہ معاشرے میں جہالت کی تاریکی کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے' فرسودہ اور بیہودہ رسومات سے نجات فروغ علم کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ہمارے سفر انقلاب کا آغاز ہی لفظ اقراء سے ہوتا ہے' جہالت کے اندھیروں کے خلاف جہاد آج بھی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

۸۔ خطبہ حجۃ الوداع میں اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے رہنما اصولوں کی بھی نشاندہی کر دی گئی' بنیادی عقائد کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا تاکہ کوئی ان بنیادی عقائد کی توجیہہ اپنے مفادات کے حوالے سے نہ کرنے لگے' ختم نبوت کے عقیدے کو ایک بار پھر واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا۔ اللہ کی آخری کتاب کی طرف دعوت دی گئی کہ

آؤ اگر عافیت کی تلاش ہے تو قرآن کو اپنا رہنما بناؤ اور صاحب قرآن کے اسوۂ حسنہ سے روشنی کشید کرنے کا ہنر سیکھو۔

۹۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے اس تاریخی دستاویز میں ارکان اسلام کی بجاآوری پر زور دے کر عبادات کی اہمیت کو اجاگر کیا اور بتایا کہ خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی اسلامی معاشرے کا بنیادی دستور ہے۔

۱۰۔ امیر وقت کی اطاعت کی تلقین کی گئی' معاشرے کو اندرونی اور بیرونی دباؤ سے بچانے کے لئے انتشار و افتراق کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات پر زور دیا گیا' خطبہ حجۃ الوداع کی عالمی سطح پر تشہیر کی ہدایت فرمائی گئی کہ اولاد آدم کو اپنے حقوق سے آگاہی حاصل ہو۔

انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے دنیا کو بیسویں صدی میں ہوش آیا اور اقوام عالم اس صدی کے وسط میں اس قابل ہوئیں کہ اقوام متحدہ کے ذریعے انسانی "حقوق کا عالمی منشور" جاری کر سکیں لیکن متعصب مؤرخین جان بوجھ کر اس حقیقت کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ دنیا میں انسانی حقوق کا سب سے پہلا تذکرہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ انسانی حقوق اور آزادیوں کی جدوجہد کو بارہویں اور تیرھویں صدی کی برطانوی تاریخ میں تلاش کرتے ہوئے "میگنا کارٹا" پر بات ختم کی جاتی ہے حالانکہ یہ بادشاہ جان اور پوپ کے درمیان ایک معاہدہ تھا جسے بعد میں حقوق کے حوالے سے زبردستی ایک تاریخی حیثیت دے دی گئی۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے "انسانی حقوق کا عالمی منشور" پر ایک نظر ڈالیں اور آخری خطبہ سے تقابل کریں۔ خطبہ کی دفعہ نمبر ۴ میں انسانی جان' مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے حق کو تسلیم کیا گیا۔

دفعات نمبر ۵' ۶ میں دھوکے' خیانت اور ظلم سے حفاظت کے حق کا ذکر ہے۔ دفعہ نمبر ۷

انتقامی کارروائیوں سے محفوظ رہنے کا حق تسلیم کرتی ہے جبکہ دفعہ نمبر ۸، ۱۸ اور ۲۵ میں انسانی مساوات کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حق وراثت دفعہ نمبر ۱۰ میں بیان کیا گیا ہے۔ دفعہ نمبر ۱۹، ۲۰ عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق کا ذکر کرتی ہے۔ دفعہ نمبر ۲۲، کا تعلق قیام امن سے ہے جو اللہ اور صاحبان امر کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ دفعہ نمبر ۲۳ میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ دوسروں کے جرم میں کسی شخص کو نہیں پکڑا جائے گا۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا انسانی حقوق کا عالمی منشور

اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ چار دانگ عالم میں تعلیمات اسلامی کا نور پھیل رہا تھا۔ تصوف کی روشنی باطن کے اندھیروں کو منور کر رہی تھی۔ یورپ کے کلیساؤں میں اذانیں دی جا رہی تھیں۔ کفرستان ہند میں ایمان کی چاندی بکھر رہی تھی پورا یورپ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا لیکن بلاد اسلامیہ میں علم و آگہی، عرفان و معرفت اور تحقیق و جستجو کے چراغ جل رہے تھے۔ تاریخ کا سفر جاری رہا، قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں اس کے سینے میں محفوظ ہونے لگیں، تاریخ کے ساتھ جغرافیہ بھی تبدیل ہونے لگا۔ چنگیز اور ہلاکو وحشت اور بربریت کی علامت بن گئے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہسپانیہ میں آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں کی عظیم ثقافت آثار قدیمہ میں تبدیل ہو گئی۔ ہندوستان پر ایک ہزار سال تک حکمرانی کرنے کے بعد برطانوی استعمار نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے برائے نام تخت کو بھی تاراج کر دیا۔ غلامی کی زنجیریں چھنک اٹھیں، دنیا کے مختلف خطوں میں انقلابات رونما ہوئے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب آیا۔ فرانس نے افریقہ کے تپتے ہوئے ریگ زاروں کو اپنے پنجۂ استبداد میں جکڑنے کا عمل جاری رکھا۔ پرتگال کا نو آبادیاتی نظام اس پر مستزاد تھا، جنوبی افریقہ بھی غلامی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب انسان

نے بیسویں صدی میں قدم رکھا تو انسانی تمدن ایک نئی کروٹ لے کر بیدار ہو رہا تھا۔ انسان لاشعوری طور پر امن کی تلاش میں تھا کہ دنیا پہلی جنگ عظیم کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئی، آگ اور خون کے اس کھیل میں انسان کو بجھی ہوئی راکھ کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ کمیونزم کے عفریت نے مادیت کی کوکھ سے جنم لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جبر کے سائے گہرے ہونے لگے وسط ایشیاء کے مسلم علاقے آہنی پردے کے پیچھے چلے گئے۔ رات گہری ہوتی چلی گئی لیگ آف نیشنز وجود میں آئی لیکن جلد ہی امن کی فاختہ ایک بار پھر لہولہان ہو گئی۔ دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا انسان نے ایک بار پھر بھیڑیے کا روپ دھار لیا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسائے گئے اور جنگ ختم ہوئی، ہوس اقتدار کا نشہ ہرن ہوا تو انسان نے اقوام متحدہ کے نام سے ایک عالمی ادارہ بنایا تاکہ اس کرہ ارضی کو جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ کیا جاسکے اور امن عالم کو انسان کا مقدر بنایا جاسکے۔

امن عالم اور بڑی طاقتیں

اس وقت دنیا کے حالات پر نظر دوڑائیں تو امن، سلامتی، جمہوریت اور انسانی حقوق کے خوبصورت نعرے تو ملتے ہیں لیکن ان نعروں کے پیچھے بڑی طاقتوں کے اپنے مخصوص عزائم کارفرما ہوتے ہیں۔ وہ مفادات کے حصول کے لئے کس طرح خفیہ پالیسیاں بناتے اور دوسروں کو بیوقوف بناتے ہیں یہاں اس کا جائزہ خود مغربی دانشوروں کی تحریروں کے اقتباسات سے پیش کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بڑی طاقتیں ذاتی مفاد کے لئے کس طرح چھوٹے ممالک کا استحصال اور استیصال کرنے کی کوششیں کرتی ہیں یعنی "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور اور کھانے کے اور" والا معاملہ ہوتا ہے جبکہ ہم نے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی جو صورتحال پیش کی ہے اس کے تقابل میں موجودہ بڑی طاقتوں کے نام نہاد امن منصوبوں کا پول کھل جاتا ہے۔

Human Rights

International Documents

Natural rights is simple nonsense, natural and imprescriptible rights, rhetorical nonsense, - nonsense upon stilts.' Thus wrote the English political and legal philosopher Jeremy Bentham two centuries ago. Yet the signatories of the Universal Declaration of Human Rights did not consider human rights to be nonsense. That document speaks of the 'recognition of the ... inalienable rights of all members of the human family'. When the representatives of the members of the United Nations signed the Declaration in 1948, they pledged 'every individual and every organ of society ... to promote respect for those rights and freedoms and ... to secure their universal and effective recognition and observance'. If the notion of human rights is not arrant nonsense, two main questions arise for us. These are: what are the rights which all human beings should be able to enjoy; and what can the community of nations do to try to ensure that they are observed?

The idea of rights became commonplace from the late seventeenth century. The English philosopher, John Locke, defined them as life, liberty and property. The American Declaration of Independence defined them as 'life, liberty and the pursuit of happiness'. The French Declaration of the Rights of Man and the Citizen (which provoked Bentham's irascible comment) defined them as 'liberty, property, security and resistance to oppression'. It was the duty of the state to respect these rights.

However, at no time before 1948 did the whole international community formally and collectively commit itself to protecting and pursuing human rights. It was the Universal Declaration that introduced the crucial change of

establishing human rights as a recognised international concern. It is this international focus on the topic in which we are primarily interested here. We need to make another distinction also. There is obviously a very real moral difference between governments who deliberately persecute their opponents and those who, for reasons beyond their control, cannot, for example, provide their citizens with minimum nutritional and health standards. It is the first category of government that is culpable in the eyes of those (predominantly the liberal democracies of the northern hemisphere) who espouse the cause of human rights. What we are mainly, though not exclusively, concerned with in this chapter therefore is the international protection of individuals whose human rights are violated by their own government agents.

The world is now by no means short of documents proclaiming and defining the rights that human beings should expect to enjoy. The Universal Declaration itself contains thirty articles. The basic proposition is that all human beings have an equal right to 'life, liberty and security of person'. There follow more detailed expositions of particular rights. These include freedom from slavery, torture and arbitrary arrest, freedom of speech and to practise a religion. These could be found in eighteenth-century documents. However, a characteristically twentieth-century flavour is present too. For example, the individual is declared to have the right to a national identity and to the opportunity to participate in the government of his/her own country. Social and economic rights also feature prominently. Thus, everyone has a right to marry, to receive an education, to enjoy rest and leisure and be assured of 'a standard of living adequate for the health and well-being of himself and of his family'. Also, the right to work and to do so for a proper remuneration are proclaimed.

The Universal Declaration was the work of the UN Human Rights Commission, which has continued its activities and produced many more documents. Some of these are declarations, that is, statements of principles, which member states are invited to approve. However, they do not require of states anything more than good intentions. Other documents do. Conventions and convenants have the force of international law. All signatory states bind themselves to implement their contents and they are therefore more significant than Declarations.

Conventions and convenants are of two kinds. Some deal with specific topics. They include: the Convention of Genocide (1948): the Convention on the Status of Refugees (1951): the Convention on Slavery, the Slave Trade and Institutions and Practices similar to Slavery (1957): the Convention on the Elimination of All Forms of Racial Discrimination (1966): the Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against Women (1979): and the Convention on the Rights of the Child (1990). The other kind are general covenants: on civil and political rights: and on economic, social and cultural rights. Basically they expand on the Universal Declaration, though one novel feature is the recognition of the collective right of a people to national self-determination, as distinct from the traditional emphasis on the rights of individuals. Unfortunately, however, as we shall see (pp. 99-102), securing the honouring and enforcement of these instruments of international law is by no means as easy as securing signatures.

In the meantime, a number of European states founded the Council of Europe and soon (in November 1950) committed themselves to their own regional European Convention on Human Rights. As the definition of rights in this convention was closely modelled on the UN Declaration, it might well be asked why another document

was thought to be necessary. The clue lies in the preamble, which refers to the signatories, resolve 'to take the first steps for the collective enforcement of certain of the Rights stated in the Universal Declaration'. Indeed, nearly two-thirds of the text is given over to arrangements for the operation of a European Commission of Human Rights and a European Court of Human Rights. The Council of Europe correctly foresaw that the UN was to prove ineffectual in bringing to book those regimes guilty of offending against the declarations, conventions and convenants. In contrast, the Europeans were determined to make a better effort at actual enforcement[1].

انسانی حقوق

بین الاقوامی دستاویزات

"فطری حقوق کا ذکر محض احمقانہ بات ہے' فطری حقوق جن کی کوئی تعریف وضع نہیں کی جا سکتی محض جوش خطابت ہے اور حماقت پر حماقت کے سوا اور کچھ نہیں"

یہ قول آج سے دو سو سال پہلے ایک انگریز سیاستدان ماہر قانون فلسفی جیری بنتھم (Jeremy Bentham) سے منسوب ہے۔ تاہم انسانی حقوق کے آفاقی اعلان پر دستخط کرنے والے ارباب فکر و نظر نسل انسانی کو احمقانہ بات نہیں گردانتے تھے۔ اس دستاویز میں نسلِ انسانی کے تمام افراد کے ناقابل تنسیخ حقوق مذکور ہیں۔ جب اقوام متحدہ کے نمائندہ ارکان نے ۱۹۴۸ء کے اعلان پر دستخط کئے تو انہوں نے عہد کیا کہ انسانی معاشرہ کے ہر فرد کے حقوق اور آزادیوں کو فروغ دیں گے۔ ان کی مؤثر شناخت اور پابندی کا حصول ممکن بنائیں گے۔ اگر حقوق انسانی کا خیال منافقانہ حماقت

---

[1] Introduction to International Politics By Derek Heater & G.R Berridge, P. 91- 93

نہیں تو ہمیں دو سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اولاً وہ حقوق کیا ہیں جن سے تمام انسانوں کو مستفید ہونا چاہیے ثانیاً اقوام عالم کے اس اجتماع کو ان کے عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے کیا اقدام کرنے چاہیں۔

حقوق کا خیال سترہویں صدی سے عام موضوع گفتگو بن گیا تھا۔ انگریز فلسفی جان لاک (John Locke) نے ان کی تعریف "زندگی حریت اور جائیداد" کے الفاظ سے کی ہے۔ امریکی اعلان آزادی نے اس کی تعریف کے لئے "زندگی، حریت اور حصول مسرت" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ انسان اور شہری حقوق کے بارے میں فرانسیسی اعلان نے انسانی حقوق کی تعریف میں کہا "حریت، جائیداد، تحفظ اور ظلم وتعدی کے خلاف مزاحمت" جن کا احترام ریاست کا فرض بنتا تھا۔

تاہم ۱۹۴۸ء سے پہلے کسی مرحلے میں بین الاقوامی انسانی برادری نے کبھی اپنے آپ کو انسانی حقوق کے تحفظ اور حصول کا اجتماعی طور پر پابند نہیں بنایا تھا۔ یہ آفاقی اعلان تھا جس نے انسانی حقوق کے قیام کی بنیادی فیصلہ کن تبدیلی کو ایک تسلیم شدہ بین الاقوامی معاملے کے طور پر متعارف کرایا۔ یہ اس موضوع پر بین الاقوامی توجہ کا ارتکاز ہے جو بنیادی طور پر ہماری توجہ کا مرکز ہے۔ یہاں ہمارے سامنے ایک اور امتیازی پہلو ہے جو بظاہر ان حکومتوں کے مابین واضح فرق کرتا ہے جو عمداً اپنے مخالفین کو بدسلوکی کا نشانہ بناتی ہیں اور وہ جو ایسا ان وجوہ کی بنا پر کرتی ہیں جو ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتے ہیں اور ان کے پاس مثال کے طور پر اتنے وسائل نہیں کہ شہریوں کو کم سے کم خوراک اور صحت کا معیار فراہم کر سکیں۔ یہ اول الذکر حکومتیں ہی ہیں جو انسانی حقوق کی علم بردار اور آزادانہ جمہوریتوں کی نام لیوا۔ تنظیموں کی نگاہوں میں مورد الزام ہیں۔ اس باب میں ہمارے لئے کلی طور پر نہیں بلکہ زیادہ تر تشویش کا باعث وہ افراد ہیں جن کی حکومتیں ان کے انسانی حقوق کے بین الاقوامی تحفظ میں تساہل اور غفلت شعاری کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

آج کی دنیا میں ایسی قانونی دستاویزات کی کمی نہیں جن میں ان حقوق کا تعین

اور اعلان کیا گیا ہے جن سے مستفید اور مستفیض ہونا انسانوں کا حق ہے۔ حقوق کے آفاقی اعلان میں ان کے بارے میں تیس آرٹیکلز شامل ہیں جن کا بنیادی عنصر برابری کی سطح پر تمام انسانوں کے زندگی، حریت اور شخصی تحفظ کے حق سے متعلق ہے۔ حقوق کی تخصیص کے بارے میں تفصیلات ان کے ذیل میں دی گئی ہیں۔ وہ غلامی، اذیت اور بلا قانون یک طرفہ گرفتاری سے آزادی اور تقریر ومذہب کی آزادی کے بارے میں ہیں ان کا اٹھارھویں صدی کی دستاویزات میں موجود ہونا ثابت ہے۔ تاہم بیسویں صدی میں نمایاں اور خصوصی طور پر ان کے موثرات زیادہ واضح ہیں۔ مثال کے طور پر کسی شخص کے انفرادی حق کے بارے میں اعلان کے مطابق قومی تشخص اور بلالحاظ تذکیر وتانیث اپنی حکومت میں شامل ہونے کا حق بھی مذکور ہے۔ معاشرتی اور معاشی حقوق بھی ان کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کو شادی کرنے، تعلیم یافتہ ہونے، آرام وفراغت سے لطف اندوز ہونے اور اپنی اور خاندان کی صحت وبہبود کے لئے مناسب اور یقینی معیار زیست حاصل کرنے کا حق حاصل ہے نیز کام اور اس کے لئے مناسب اجرت ومعاوضہ کا حق بھی اعلان میں درج ہے۔

آفاقی اعلان یو این انسانی حقوق کمیشن کا کارنامہ ہے جو اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے اور جس کے نتیجے میں مزید دستاویزات پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض تو محض اعلانات یا اصولوں کے بیانات ہیں جن کی منظوری کا مطالبہ رکن ممالک سے کیا جاتا ہے۔ تاہم وہ کسی ریاست سے ماسوائے اچھے ارادوں کے اور کسی چیز کا تقاضا نہیں کرتے، جبکہ دوسری دستاویزات میں یہ تقاضا کیا گیا ہے، روایات (Conventions) اور معاہدوں (Covenants) کو بین الاقوامی قانون ہونے کی طاقت حاصل ہے۔ تمام دستخط کنندہ ریاستیں اپنے آپ کو اس امر کا پابند بناتی ہیں کہ ان کے مندرجات پر عمل کریں۔ لہٰذا ان کی اہمیت ومعنویت اعلانات سے بہر حال کہیں زیادہ ہے۔

کنونیشنز اور معاہدوں کی دو قسمیں بعض خصوصی عنوانات سے سروکار رکھتی ہیں۔ ان میں قتل عام کے بارے میں کنونیشنز ۱۹۴۸ء مہاجرین کی حیثیت کے بارے میں کنونیشنز (۱۹۵۱ء) غلاموں کی تجارت اور غلامی سے ملتے جلتے اداروں اور معمولات کے بارے میں کنونیشنز (۱۹۵۷ء) نسلی امتیاز کی تمام صورتوں کے خاتمے کے بارے میں کنونیشن (۱۹۶۶ء) عورتوں سے متعلق امتیازات کی تمام صورتوں کے خاتمے کے بارے میں کنونیشن (۱۹۷۹ء) اور بچے کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں کنونیشن (۱۹۹۰ء) شامل ہیں۔ دوسری قسم کے ذیل میں عام نوعیت کے معاہدے آتے ہیں۔ مثلاً شہری اور سیاسی حقوق اور اقتصادی' معاشرتی اور ثقافتی حقوق وہ آفاقی اعلان میں بنیادی توسیع کے مظہر ہیں' تاہم ان کا ایک پہلو اچھوتی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ کسی بھی قوم کے حق خودارادی کو اجتماعی طور پر افراد کے حقوق پر روایتی اصرار کے مقابلے میں زیادہ نمایاں اور خصوصی پہچان عطا کی گئی ہے تاہم افسوسناک بات' جیساکہ ہم دیکھیں گے کہ بین الاقوامی قانون کے نفاذ اور اس کے ذرائع کا احترام حاصل کرنا کسی اعتبار سے اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ ان پر دستخط حاصل کرنا۔

اس اثنا میں متعدد یورپی ریاستوں نے یورپی کونسل کی تاسیس کو حتمی شکل دی (نومبر ۱۹۵۰) اور اپنے آپ کو یورپ کی علاقائی سطح پر انسانی حقوق کا پابند بنایا۔ چونکہ اس کنونیشن میں اٹھائے گئے حقوق کی تعریف اقوام متحدہ میں منظور کئے گئے اعلان کے نمونے کے انتہائی قریب رہ کر متعین کی گئی ہے اس لئے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ اس طرح کی ایک اور دستاویز کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کا اشاراتی جواب اس کے ابتدائیہ میں موجود ہے جو دستخط کنندہ ریاستوں کے اس عزم کا مظہر ہے کہ وہ اجتماعی طور پر آفاقی اعلان میں درج شدہ بعض خاص حقوق پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے ابتدائی اقدام اٹھانا چاہتے ہیں۔ واقعی کنونیشن کا تقریباً دوتہائی متن' یورپی کنونیشن

برائے حقوق انسانی اور یورپی عدالت برائے حقوق انسانی کو عملی جامہ پہنانے کے انتظامات کے بارے میں ہے۔ پوری کونسل نے متوقع صورت حال کا درست پیشگی اندازہ لگا لیا کہ یو این کی آنے والے دنوں میں کنونشن، معاہدات اور اعلانات کی خلاف ورزی کرنے والی حکومتوں کو قانون کے دائرے میں لا کر تعزیر عائد کرنے کی کوششیں بے اثر اور بے سود ثابت ہوں گی اور مجرم کیفر کردار کو نہ پہنچ سکیں گے۔ ان کے مقابلے میں اہل یورپ ان کے نفاذ اور عمل در آمد کے بارے میں مصمم طور پر پُرارادہ تھے۔

<u>INTERNATIONAL PROTECTION OF HUMAN RIGHTS</u>

<u>UNITED NATIONS</u>

Universal Declaration of Human Rights (1948)
International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights (1966)
International Covenant on Civil and Political Rights (1966)

The acceptance of the Universal Declaration of Human Rights by the General Assembly of the United Nations in 1948, was viewed as the first step towards the formulation of an international bill of rights. The drafting of a universally applicable document on human rights was seen by the newly established United Nations as one of its most important duties. The Universal Declaration of Human Rights was subsequently adopted on 10 December 1948 by the General Assembly with no countries opposing but with eight abstentions. The countries abstaining were the Byelorussian SSR, Czechoslovakia, Poland, Saudi Arabia, the Ukrainian SSR, the USSR, the Union of South Africa and Yugoslavia. The declaration contains no provision for enforcing its

principles and it is generally accepted that it is not legally binding on member states. However, many arguments have been raised that it has at least become part of international customary law and can serve as an important document when the provisions of the charter are interpreted. Irrespective of the lack of enforcement procedures, the declaration provides a firm moral, political and quasi-legal framework to which member states have to adhere.

The declaration, which has been labelled the 'Magna Carta of the world', refers not only to the traditional civil and political rights of individuals, but also contains provisions relating to economic, social and cultural rights.

COUNCIL OF EUROPE

The aim of the Council of Europe, according to Article 1 of its statute, is to achieve "greater unity" among its members. The council which was established on 5 May 1949, at present comprises 21 countries, namely Austria, Belgium, Cyprus, Denmark, Germany, France, Greece, Iceland, Ireland, Italy, Liechtenstein, Switzerland, the United Kingdom and Turkey. the member countries' common heritage that is to be promoted includes "the spiritual and moral values which are ... the true source of individual freedom, political liberty and the rule of law, principles which form the basis of all geniune democracy".

The central theme which characterizes the statute of the council of Europe, is the desire to defend and promote democracy. The rules of the council are strict and only democratic states can become members thereof. It is therefore easy to understand why the council of Europe became the first regional association of nations to accept a treaty on the protection of human rights.

EUROPEAN CONVENTION ON HUMAN RIGHTS (1950)

The Convention for the Protection of Human Rights and Fundamental Freedoms was signed on 4 November 1950 and came into force on 3 September 1953. The convention is supplemented by five additional Protocols. The importance of the Convention is not embodied in the rights that it aims to protect, but in the institutional aspects thereof and its binding effect on the member states. The European Convention is a treaty among the respective member states, which means that it is indisputably legal and binding. Unlike the Universal Declaration, the European Convention leaves no doubt about its legal status.

The institutional framework provided by the convention comprises the following:

* *The European Commission of Human Rights* (Article 19) which is one of the two organs whose purpose it is to ensure the observance of the convention.

EUROPEAN SOCIAL CHARTER (1961)

The Committee of Members of the Council of Europe announced in 1954 that the purpose of the Social Charter would be to determine the social objectives that member states would seek to achieve. The Social Charter was thus seen as complementing the European Convention on Human Rights. The Social Charter focuses on those rights that should be realized and not only protected by the state. The state therefore has the responsibility of assisting the individual to achieve certain social objectives. Although the member states agreed as early as 1953 on the civil and

political rights of individuals, it was another eight years before the Social Charter was signed in 1961.

The rights acknowledged in the Social Charter are not binding and can best be described as aims for social policy. Similarly to the European Convention on Human Rights, the Social Charter provides for an infrastructure to over see the implementation is ensured by of the under taking of the states. The implementation, four bodies, namely the committee of Experts, the Governmental Committee of the Social Charter, the Consultative Assembly and the Committee of Ministers.

UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS (1948) GA Res. 217A (III), 3(1) P.N. GAOR Resolutions 71, U.N. Doc. A/810 (1948)

PREAMBLE

Whereas recognition of the inherent dignity and of the equal and inalienable rights of all members of the human family is the foundation of freedom, justice and peace in the world,

Whereas disregard and contempt for human rights have resulted in barbarous acts which have outraged the conscience of mankind, and the advent of a world in which human beings shall enjoy freedom of speech and belief and freedom from fear and want has been proclaimed as the highest aspiration of the common people,

Whereas it is essential, if man is not to be compelled to have recourse, as a last resort, to rebellion against tyranny and oppression, that human rights should be protected by the rule of law,

Whereas it is essential to promote the development of friendly relations between nations,

Whereas the peoples of United Nations have in the Charter reaffirmed their faith in fundamental human rights, in the dignity and worth of the human person and in the equal rights of men and women and have determined to promote social progress and better standards of life in larger freedom,

Whereas Member States have pledged themselves to achieve, in co-operation with the United Nations, the promotion of universal respect for and observance of human rights and fundamental freedoms,

Whereas a common understanding of these rights and freedoms is of the greatest importance for the full realization of this pledge,

Now, therefore,

THE GENERAL ASSEMBLY

Proclaims this Universal Declaration of Human Rights as a common standard of achievement for all peoples and all nations, to the end that every individual and every organ of society, keeping this Declaration constantly in mind, shall strive by teaching and education to promote respect for these rights and freedoms and by progressive measures, national and international, to secure their universal and effective recognition and observance, both among the peoples of Member States themselves and among the peoples of territories under their jurisdiction.

Article 1

All human beings are born free and equal in dignity and rights. They are endowed with reason and conscience and should act towards one another in a spirit of brotherhood.

Article 2

Everyone is entitled to all the rights and freedoms set forth in this Declaration, without distinction of any kind, such as race, colour, sex, language, religion, political or other opinion, national or social origin, property, birth or other status.

Furthermore, no distinction shall be made on the basis of the political, jurisdictional or international status of the country or territory to which a person belongs, whether it be independent, trust, non-self-governing or under any other limitation of sovereignty.

Article 3

Everyone has the right to life, liberty and security of person.

Article 4

No one shall be held in slavery or servitude; slavery and the slave trade shall be prohibited in all their forms.

Article 5

No one shall be subjected to torture or to cruel, inhuman or degrading treatment or punishment.

Article 6

Everyone has the right to recognition everywhere as a person before the law.

Article 7

All are equal before the law and are entitled without any

discrimination to equal protection of the law. All are entitled to equal protection against any discrimination in violation of this Declaration and against any incitement to such discrimination.

Article 8
Everyone has the right to an effective remedy by the competent national tribunals for acts violating the fundamental rights granted him by the constitution or by law.

Article 9
No one shall be subjected to arbitrary attest, detention or exile.

Article 10
Everyone is entitled in full equality to a fair and public hearing by an independent and impartial tribunal, in the determination of his rights and obligations and of any criminal charge against him.

Article 11
1. Everyone charged with a penal offence has the right to be presumed innocent until proved guilty according to law in a public trial at which he has had all the guarantees necessary for his defence.
2. No one shall be held guilty of any penal offence on account of any act or omission which did not constitute a penal offence, under national or international law, at the time when it was committed. Nor shall a heavier penalty be imposed than the one that was applicable at the time the penal offence was committed.

Article 12

No one shall be subjected to arbitrary interference with his privacy, family, home or correspondence, nor to attacks upon his honour and reputation. Everyone has the right to the protection of the law against such interference or attacks.

Article 13

1. Everyone has the right to freedom of movement and residence within the borders of each State.

2. Everyone has the right to leave any country, including his own, and to return to his country.

Article 14

1. Everyone has the right to seek and to enjoy in other countries asylum from persecution.

2. This right may not be invoked in the case of prosecutions genuinely arising from non-political crimes or from acts contrary to the purposes and principles of the United Nations.

Article 15

1. Everyone has the right to a nationality.

2. No one shall be arbitrarily deprived of his nationality nor denied the right to change his nationality.

Article 16

1. Men and women of full age, without any limitation due to race, nationality or religion, have the right to marry and to found a family. They are entitled to equal rights as to

marriage, during marriage and at its dissolution.

2. Marriage shall be entered into only with the free and full consent of the intending spouses.

3. The family is the natural and fundamental group unit of society and is entitled to protection by society and the State.

Article 17

1. Everyone has the right to own property alone as well as in association with others.
2. No one shall be arbitrarily deprived of his property.

Article 18

Everyone has the right to freedom of thought, conscience and religion; this right includes freedom to change his religion or belief, and freedom, either alone or in community with others and in public or private, to manifest his religion or belief in teaching, practice, worship and observance.

Article 19

Everyone has the right to freedom of opinion and expression; this right includes freedom to hold opinions without interference and to seek, receive and impart information and ideas through any media and regardless of frontiers.

Article 20

1. Everyone has the right to freedom of peaceful assembly and association.
2. No one may be compelled to belong to an association.

Article 21

1. Everyone has the right to take part in the government of his country, directly or through freely chosen representatives.
2. Everyone has the right of equal access to public service in his country.
3. The will of the people shall be the basis of the authority of government; this will shall be expressed in periodic and genuine elections which shall be by universal and equal suffrage and shall be held by secret vote or by equivalent free voting procedures.

Article 22

Everyone, as a member of society, has the right to social security and is entitled to realization, through national effort and international co-operation and in accordance with the organization and resources of each State, of the economic, social and cultural rights indispensable for his dignity and the free development of his personality.

Article 23

1. Everyone has the right to work, to free choice of employment, to just and favourable conditions of work and to protection against unemployment.

2. Everyone, without any discrimination, has the right to equal pay for equal work.

3. Everyone who works has the right to just and favourable remuneration ensuring for himself and his family an existence worthy of human dignity, and supplemented, if necessary, by other means of social protection.
4. Everyone has the right to form and to join trade unions for the protection of his interests.

Article 24

Everyone has the right to rest and leisure, including reasonable limitation of working hours and periodic holidays with pay.

Article 25

1. Everyone has the right to a standard of living a adequate for the health and well-being of himself and of his family, including food, clothing, housing and medical care and necessary social services, and the right to security in the event of unemployment, sickness, disability, widowhood, old age or other lack of livelihood in circumstances beyond his control.
2. Motherhood and childhood are entitled to special care and assistance. All children, whether born in or out of wedlock, shall enjoy the same social protection.

Article 26

1. Everyone has the right to education. Education shall be free, at least in the elementary and fundamental stages. Elementary education shall be compulsory. Technical and professional education shall be made generally available and higher education shall be equally accessible to all on the basis of merit.

2. Education shall be directed to the full development of the human personality and to the strengthening of respect for human rights and fundamental freedoms. It shall promote understanding, tolerance and friendship among all nations, racial or religious groups, and shall further the activities of the United Nations for the maintenance of peace.

3. Parents have a prior right to choose the kind of education that shall be given to their children.

Article 27

1. Everyone has the right freely to participate in the cultural life of the community, to enjoy the arts and to share in scientific advancement and its benefits.

2. Everyone has the right to the protection of the moral and material interests resulting from any scientific, literary or artistic production of which he is the author.

Article 28

Everyone is entitled to a social and international order in which the rights and freedoms set forth in this Declaration can be fully realized.

Article 29

1. Everyone has duties to the community in which alone the free and full development of his personality is possible.
2. In the exercise of his rights and freedoms, everyone shall be subject only to such limitations as are determined by law solely for the purpose of securing due recognition and respect for the rights and freedoms of others and of meeting the just requirements of morality, public order and the general welfare in a democratic society.

3. These rights and freedoms may in no case be exercised contrary to the purposes and principles of the United Nations.

Article 30

Nothing in this Declaration may be interpreted as implying for any State, group or person any right to engage in any activity or to perform any act aimed at the destruction of any of the rights and freedoms set forth herein.[1]

---

[1] **Human Rights By B de Villiers, D J Van Vuuren & M Wichers P. 1-18**

انسانی حقوق کا بین الاقوامی تحفظ

اقوام متحدہ

آفاقی حقوق انسانی کا اعلان (۱۹۴۸ء)

اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی معاہدہ (۱۹۶۶ء)

شہری اور سیاسی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی معاہدہ (۱۹۶۶ء)

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی جانب سے ۱۹۴۸ء میں آفاقی حقوق انسانی کے اعلان کی قبولیت کو حقوق کے بین الاقوامی بل کی تشکیل کی طرف پہلا قدم گردانا گیا۔ حقوق انسانی کی عالمی سطح پر قابل اطلاق دستاویز کی تیاری کو نو قائم شدہ اقوام متحدہ نے اپنے اہم ترین فرائض منصبی میں سے ایک فریضہ سمجھا۔ چنانچہ جنرل اسمبلی نے بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو آفاقی حقوق انسانی کے اعلامیے کو بغیر کسی ملک کی مخالفت کے منظور کر لیا۔ آٹھ ملکوں نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا جن میں بائلو رشین ایس ایس آر، چیکوسلواکیہ، پولینڈ، سعودی عرب، یوکرینین ایس ایس آر، یو ایس ایس آر، یونین آف جنوبی افریقہ اور یوگوسلاویہ شامل تھے۔ اعلامیے میں امن کے اصولوں کو لاگو کرنے کے بارے میں کوئی شق شامل نہیں اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کوئی رکن ریاست قانونی طور پر اس کی پابند نہیں۔ تاہم اس امر کے بارے میں بہت سے مباحث ہوئے ہیں کہ اسے کم از کم بین الاقوامی طور پر رائج قانون تصور کیا جائے اور نیز یہ کہ اسے چارٹر کی شقوں کی تشریح و تعبیر کرتے وقت ایک اہم دستاویز کے طور پر لیا جائے، قطع نظر امن کے کہ اسے قابل عمل بنانے کے لئے کوئی طریق کار وضع نہیں کیا گیا۔ یہ اعلامیہ ایک ٹھوس اخلاقی، سیاسی اور ایک نیم قانونی ساڈھانچہ فراہم کرتا ہے جس کی

پابندی پر تمام ممبر ریاستیں مامور ہیں۔ یہ اعلامیہ جسے "دنیا کا میگنا کارٹا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے نہ صرف افراد کے روایتی شہری اور سیاسی حقوق کا حوالہ پیش کرتا ہے بلکہ اس میں اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے متعلق شقیں بھی شامل ہیں۔

یورپی کونسل

یورپی کونسل کے قیام کا مقصد اس کے وضع کردہ قانونی کے آرٹیکل نمبرا کے مطابق اس کے اراکین کے اندر "زیادہ سے زیادہ اتحاد" پیدا کرنا ہے۔ یہ کونسل جس کا قیام ۵ مئی ۱۹۴۹ء کو عمل میں آیا سردست اکیس (۲۱) ملکوں پر مشتمل ہے جو آسٹریا، بلجیئم، سپرس، ڈنمارک، جرمنی، فرانس، یونان، آئس لینڈ، آئرلینڈ، اٹلی ----- سوئٹزرلینڈ، یوکے اور ترکی ہیں۔ رکن ممالک کے مشترک ورثے میں جس کو فروغ دینا مقصود ہے وہ روحانی واخلاقی اقدار شامل ہیں جو آزادی فرد، سیاسی حریت اور قانون کی حاکمیت کا سچا سرچشمہ ہیں وہ اصول جو تمام تر حقیقی جمہوریت کی بنیاد ہیں۔

یورپی کونسل کے وضع کردہ قانون کا مرکزی خیال جمہوریت کی موافقت اور اس کو فروغ دینے کی خواہش ہے۔ کونسل کے قواعد وضوابط سخت ہیں اور صرف جمہوری ریاستیں ہی اس کی رکنیت اختیار کر سکتی ہیں۔ بنابریں یہ سمجھنا آسان ہے کہ کیونکر یورپی کونسل اقوام کی پہلی علاقائی انجمن تھی جس نے انسانی حقوق کے تحفظ کے معاہدے کو تسلیم کر لیا۔

انسانی حقوق کے بارے میں یورپی کنونیشن (۱۹۵۰ء)

انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے تحفظ سے متعلق اس کنونیشن پر ۴ نومبر ۱۹۵۰ء کو دستخط ہوئے اور یہ ۳ ستمبر ۱۹۵۳ء کو نافذ العمل ہو گیا۔ کنونیشن کے مسودے میں مزید پانچ دستخط شدہ معاہدوں کا اضافہ کیا گیا۔ کنونیشن کی اہمیت تحفظ حقوق کی بنا پر ہی نہیں بلکہ وہ اس کے انضباطی پہلوؤں اور رکن ریاستوں پر لازم ہونے میں مضمر ہے۔ یورپی کنونیشن متعلقہ ممبر ریاستوں کے مابین ایک معاہدہ ہے جس کی

قانونی اور نافذ العمل ہونے کی حیثیت کے بارے میں کوئی تنازعہ نہیں۔ عالمی حقوق انسانی کے اعلامیے کے برعکس یورپی کنونشن کی قانونی حیثیت ہر قسم کے شک واشتباہ سے بالاتر ہے۔ کنونشن کا فراہم کردہ انضباطی دائرہ کار درج ذیل امر پر مشتمل ہے۔

انسانی حقوق کا یورپی کمیشن (آرٹیکل نمبر۱۹) اس کے دو تشکیلی اعضاء میں سے ایک ہے جن کا مقصد کنونشن کی عملدرآمد کو یقینی بنانا ہے۔

یورپی عمرانی منشور (۱۹۶۱ء)

یورپی کونسل کے اراکین مجلس نے ۱۹۵۴ء میں اس امر کا اعلان کیا کہ اس کے عمرانی منشور کا مقصد رکن ریاستوں کے مطلوبہ معاشرتی اغراض ومقاصد کا تعین کرنا ہے گویا اس عمرانی منشور کو یورپی کنونشن کے انسانی حقوق کے تتمہ کے طور پر دیکھا گیا۔ عمرانی منشور ان حقوق پر توجہ مرکوز کرتا ہے جنہیں نہ صرف یہ کہ تحفظ فراہم کیا جائے بلکہ ریاست ان پر عملدرآمد بھی کرے۔ ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بعض مخصوص معاشرتی مقاصد کے حصول میں فرد کی معاونت کرے۔ اگرچہ رکن ریاستوں نے اس پر آٹھ سال پہلے ۱۹۵۳ء میں اتفاق رائے کرلیا تھا' عمرانی منشور پر دستخط کرنے کا مرحلہ ۱۹۶۱ء میں یعنی آٹھ سال بعد پیش آیا۔

عمرانی منشور میں تسلیم کردہ حقوق لاگو نہیں ہوتے اور ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بہتر طور پر معاشرتی پالیسی کے مقاصد کے طور پر بیان کی جاسکتی ہے۔ انسانی حقوق پر یورپی کنونشن کے مماثل عمرانی منشور ایک ذریعہ اور راستہ فراہم کرتا ہے تاکہ اس بات پر نظر رکھی جاسکے کہ ریاستیں کہاں تک اپنی ذمہ داریوں کی تعمیل کے بارے میں عہدہ برآ ہوتی ہیں اس تعمیل کو یقینی شکل دینے کے لئے چار مجالس برسرعمل ہیں۔ یعنی مجلس ماہرین' عمرانی منشور کی حکومتی مجلس' مشاورتی اسمبلی' اور مجلس وزراء

انسانی حقوق کا آفاقی اعلان (۱۹۴۸ء)

جی اے قراداد ۲۱۷ اے (iii) ۳ (ا) یو این۔ جی اے او آر

قراردادہائے اے'یو این دستاویز۔ اے / ۸۱۰ (۱۹۴۸ء)

تمہید

○ جبکہ معاشرہ وخاندانِ انسانی کے تمام افراد کے مساوی اور ناقابل تنسیخ حقوق اور ودیعت کردہ شرف وعظمت کا اعتراف ہی دنیا میں آزادی' عدل وانصاف اور امن کی بنیاد ہے۔

○ جبکہ حقوق انسانی کی تحقیر اور صرف نظر کرنے کی روش وحشت وبربریت پر مبنی افعال کی صورت پر منتج ہوئی ہے جس نے بنی نوع انسان کے ضمیر پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ایک ایسی دنیا کا ورود جس میں انسانوں کو تقریر اور عقیدے کی آزادی میسر ہوگی اور خوف واحتیاج سے آزادی جس کا اعلان عامۃ الناس کی بلند ترین تمنا و آرزو کے طور پر کیا گیا ہے۔

○ جبکہ یہ لازمی ولابدی امر ہے کہ انسان کو اس امر پر مجبور نہ کیا جائے کہ وہ آخری حربے کے طور پر ظلم اور جبر وتعدی کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔ یہ کہ انسانی حقوق کو تحفظ کی ضمانت قانون کی حاکیت کے ذریعے فراہم کی جائے۔

○ جبکہ اقوام کے مابین مروت ودوستی کے تعلقات کو قائم کرنا اور فروغ دینا ایک ضروری امر ہے۔

جبکہ اقوام متحدہ کے چارٹر (منشور) میں شامل تمام قوموں نے بنیادی انسانی حقوق' فرد انسانی کی عظمت' قدر ومنزلت اور مرد وزن کے مساویانہ حقوق پر ایمان وایقان کی توثیق کی ہے اور انہوں نے اس بارے میں مصمم عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ معاشرتی ترقی اور وسیع تر آزادی کے بہتر معیارہائے زندگی کو فروغ دیں گے۔

○ جبکہ رکن ریاستیں اس امر کا حتمی وعدہ کرتی ہیں کہ وہ اقوام متحدہ کے ساتھ تعاون

کرتے ہوئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے حصول کے لئے عالمی احترام کے فروغ کو تقویت دیں گی۔

○ جبکہ اس حتمی وعدے کے مکمل ایفا کے لئے ان حقوق اور آزادیوں کے بارے میں عام مفاہمت عظیم ترین اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا بنا بریں

جنرل اسمبلی

حقوق انسانی کے اس عالمی اعلان کو تمام افراد واقوام کے لئے قابل حصول عمومی معیار گردانتی ہے اور یہ کہ ہر فرد اور رکن معاشرہ ہمیشہ اس اعلان کو اپنے مدنظر رکھتے ہوئے تدریس وتعلیم کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کے احترام کو فروغ دینے کے لئے کوشاں رہے گا۔ نیز یہ کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ترقی یافتہ اقدام کرے گا جن سے ان کا ادراک اور تعمیل نہ صرف ممبر ریاستوں کے اقوام میں بلکہ ان کے زیر اختیار علاقوں میں جو قومیں بستی ہیں ہو سکے۔

آرٹیکل۔ا

تمام افراد انسانی آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وہ حقوق اور عظمت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ انہیں قدرت نے عقل وشعور اور ضمیر سے نوازا ہے۔ انہیں چاہئے کہ بھائی چارے کے جذبے کو بروئے کار لا کر ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔

آرٹیکل۔۲

ہر فرد بلا امتیاز نسل ' جنس ' رنگ ' زبان ' مذہب وعقیدہ ' سیاسی یا دیگر وابستگی ' رائے ' قومی یا سماجی مرتبہ ' جائیداد ' پیدائش یا کسی اور حیثیت سے بالاتر ہو کر ان تمام حقوق اور آزادیوں کا حقدار ہے جن کی تفصیل اعلان میں درج ہے۔

مزید برآں کسی ملک یا علاقے کی سیاسی ' اختیاراتی یا بین الاقوامی مرتبہ وحیثیت کی بنیاد پر کسی شخص سے جو اس سے تعلق رکھتا ہے خواہ وہ آزاد ہو ' زیر تولیت '

عدم خود اختیاراتی یا محدود خود مختاری سے متعلق ہو کو خاطر میں لائے بغیر کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

آرٹیکل۔۳

زندگی' آزادی وحریت اور تحفظ پر ہر شخص کا حق مسلم ہے۔

آرٹیکل۔۴

کسی فرد کو غلامی اور محکومی کی حالت میں نہیں رکھا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت ہر صورت میں ممنوع قرار دی جائے گی۔

آرٹیکل۔۵

کسی فرد کو اذیت یا ظالمانہ غیر انسانی برتاؤ' توہین آمیز سلوک یا سزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

آرٹیکل۔۶

ہر فرد کو بحیثیت ایک شخص ہر جگہ قانون کے سامنے پیش ہونے اور تسلیم کئے جانے کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل۔۷

قانون کے سامنے تمام انسان برابر ہیں اور بغیر کسی تفریق کے قانونی تحفظ کے حقدار ہیں سب کو بغیر کسی رو رعایت کے عالمی حقوق کے اعلان کی خلاف ورزی اور کسی قسم کی امتیازی کارروائی کے لئے اکسائے جانے کے خلاف مساوی قانونی تحفظ کا حق پہنچتا ہے۔

آرٹیکل۔۸

ہر فرد کو مجاز قومی ٹریبیونل سے مؤثر شنوائی اور انصاف کا حق حاصل ہے ان تمام بنیادی حقوق کی خلاف ورزیوں کی صورت میں جو آئین اور قانون کی رو سے اسے

حاصل ہیں۔

آرٹیکل۔ ۹

کسی فرد کو یک طرفہ طور پر گرفتار' نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل۔ ۱۰

ہر فرد کو مکمل مساویانہ اور سرعام آزاد اور غیرجانبدار ٹریبونل سے کھلی منصفانہ سماعت کا استحقاق حاصل ہے تاکہ اس کے حقوق اور ذمہ داریوں اور اس پر عائد کئے گئے الزام جرم کا تعین کیا جا سکے۔

آرٹیکل۔ ۱۱

(۱) ہر فرد جس پر کوئی مستوجب سزا جرم عائد کیا گیا ہو اسے اس وقت تک معصوم متصور کیا جائے گا جب تک کھلے عام مقدمے میں جہاں اسے اپنے دفاع کی تمام ضروری ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں' اسے قانون مجرم نہ ثابت کردے۔
(۲) کوئی فرد کسی کردہ یا ناکردہ فعل سے مستوجب سزا جرم کا ملکی یا بین الاقوامی قانون کے تحت' مجرم نہیں ٹھہرایا جائے گا جو اس وقت جب اس کا ارتکاب ہوا تھا مستوجب سزا جرم نہیں تھا۔ نہ کوئی بھاری تعزیر عائد کی جائے گی بہ نسبت اس تعزیر کے جس کا اطلاق مستوجب سزا جرم کے ارتکاب کے وقت ہوتا تھا۔

آرٹیکل۔ ۱۲

کسی شخص کو نجی خانگی زندگی' گھر یا خط و کتابت میں یک طرفہ طور پر مداخلت کا نہ اس کی عزت و آبرو کو ہی حملوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔ ہر شخص قانون کی نظر میں ایسی ہر قسم کی مداخلت اور حملوں سے تحفظ کا حقدار ہے۔

آرٹیکل۔ ۱۳

(۱) ہر شخص کو ریاستی حدود کے اندر رہائش اور نقل مکانی کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص کو بشمول اپنے کسی بھی ملک سے جانے اور پھر اپنے ملک کو لوٹ آنے کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل ۔ ۱۴

(۱) ہر شخص کو ایذا رسانی سے بچنے کے لئے دوسرے ملکوں میں سیاسی پناہ کی جستجو اور حصول کا حق حاصل ہے۔

(۲) یہ حق اس صورت میں بروئے کار نہ لایا جائے جب ایذا رسانی حقیقی طور پر غیر سیاسی جرائم کا نتیجہ ہو یا ایسے افعال کی بنا پر ہو جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی ہوں۔

آرٹیکل ۔ ۱۵

(۱) ہر شخص قومیت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

(۲) کسی شخص کو یک طرفہ طور پر اس کی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا نہ اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کے حق سے ہی محروم کیا جائے گا۔

آرٹیکل ۔ ۱۶

(۱) بالغ مردوں اور عورتوں کو نسل، قومیت یا مذہب کی کسی حد بندی یا قدغن کے بغیر شادی کرنے اور کنبے کی بنیاد ڈالنے کا حق حاصل ہے۔ انہیں شادی، دوران شادی اور اس کی تنسیخ سے متعلق تمام حقوق مساوی طور پر حاصل ہیں۔

(۲) شادی ازدواجی زندگی کا ارادہ رکھنے والے جوڑوں (میاں بیوی) کی آزادانہ اور بھرپور مرضی ہی سے کی جائے گی۔

(۳) کنبہ معاشرے کی فطری اور بنیادی گروہی اکائی کا نام ہے اور اسے معاشرے اور ریاست کا تحفظ حق کے طور پر حاصل ہے۔

آرٹیکل ۔ ۱۷

(۱) ہر شخص کو جائیداد کی ملکیت کا حق انفرادی طور پر اور دوسروں کے اشتراک کے ساتھ حاصل ہے۔

(۲) کسی شخص کو یک طرفہ طور پر جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل ۔ ۱۸

خیال ' ضمیر اور مذہب کی آزادی ہر شخص کا حق ہے اس حق میں مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے کی آزادی شامل ہے اور اس آزادی کا استعمال خواہ تنہا عمل میں آئے یا بطور جماعت کے دوسروں کے ساتھ سرعام یا نجی طور پر ہو خواہ مذہب و عقیدہ کا اظہار درس و تدریس ' عمل ' عبادت اور معمولات میں ہو۔

آرٹیکل ۔ ۱۹

ہر شخص کو رائے اور اظہار کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا اکراہ وجبر آرا قائم کرنے کی آزادی اور ابلاغ عامہ کے کسی ذریعہ سے بلا لحاظ حدود ریاست اطلاعات وخیالات حاصل کرنا اور انہیں منتقل کرنا شامل ہے۔

آرٹیکل ۔ ۲۰

(۱) ہر شخص کو پرامن اجتماع سازی اور جمع ہونے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

(۲) کسی شخص کو کسی اجتماع (ایسوسی ایشن) میں شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔

آرٹیکل ۔ ۲۱

(۱) ہر شخص کو اپنی ملکی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ انتخاب کے ذریعے منتخب ہونے والے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص کو اپنے ملک کی پبلک سروس تک رسائی کا حق برابری کی بنیاد پر حاصل،

ہے۔

(۳) لوگوں کی مرضی اور خواہش حکومتی طاقت کی بنیاد ہو گی جس کا اظہار وقتاً فوقتاً عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کیے جانے والے حقیقی انتخابات کے ذریعے برابری کی سطح پر کیا جائے گا۔ یہ انتخابات یا تو خفیہ ووٹ کے ذریعے ہوں گے یا اس کے مساوی آزادانہ رائے دہی کے طریق کار کے ذریعے۔

آرٹیکل ۔ ۲۲

ہر شخص کو معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے سماجی تحفظ کا حق حاصل ہے اور اس کا استحقاق ہے کہ قومی مساعی' بین الاقوامی تعاون اور ریاستی تنظیم اور وسائل کی حد تک ان معاشی؛ معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو جو اس کی شخصیت کے بے روک ٹوک نکھار اور وجاہت کے لئے ناگزیر ہوں بروئے کار لایا جائے۔

آرٹیکل ۔ ۲۳

(۱) ہر شخص کو کام آزادانہ روزگار کے انتخاب' منصفانہ سازگار حالات کار اور بے روزگاری سے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص کو بلا امتیاز مساوی کام کے لئے مساوی تنخواہ کا حق حاصل ہے۔

(۳) ہر کارکن کو منصفانہ سازگار معاوضہ لینے کا حق حاصل ہے جس سے وہ اپنے کنبے کے لئے انسانی عظمت کے شایان شان زندگی یقینی بنا سکے اور ضرورت پڑنے پر سماجی تحفظ کے دیگر ذرائع سے اس میں خاطر خواہ اضافہ کر سکے۔

(۴) ہر شخص کو اپنے مفادات کی نگہداشت کے لئے ٹریڈ یونین بنانے اور اس میں شمولیت اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل ۔ ۲۴

ہر شخص کو بشمول اوقات کار میں معقول تخفیف اور وقفوں سے باتنخواہ

تعطیلات آرام اور فراغت کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل ۔ ۲۵

(۱) ہر شخص کو زندگی بسر کرنے کے ایسے معیار کا حق حاصل ہے جو اس کی اور اس کے بال بچوں کی صحت و عافیت کے لئے مناسب ہو جس میں خوراک' مکان' طبی علاج معالجہ دیگر سماجی خدمات بے روزگاری' بیماری' معذوری' بیوگی' بڑھاپا اور قابو سے باہر حالات کی بنا پر روزی سے محرومی شامل ہے۔

(۲) امومت (ماں لینا) اور طفلی (بچہ بننا) کی حالتیں خصوصی نگہداشت اور مدد و اعانت کی مستحق ہیں۔ تمام بچے خواہ شادی کے ذریعے پیدا ہوئے ہوں یا بغیر شادی کے' یکساں معاشرتی تحفظ فراہم کئے جائیں گے۔

آرٹیکل ۔ ۲۶

(۱) ہر شخص کو تعلیم کا حق حاصل ہے' تعلیم مفت ہو گی کم از کم ابتدائی اور بنیادی مرحلوں کی تعلیم' ابتدائی تعلیم لازمی ہو گی' ٹیکنیکل اور پیشہ وارانہ تعلیم عام سطح پر مہیا کی جائے گی۔ اعلیٰ تعلیم قابلیت و اہلیت کی بنیاد پر سب کی دسترس میں مساوی طور پر ہو گی۔

(۲) تعلیم کا منتہائے مقصود انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر و ترقی اور انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کو پختہ و مستحکم بنانا ہو گا۔ اس کے ذریعے تمام قوموں' سماجی یا مذہبی گروہوں کے مابین افہام و تفہیم' رواداری اور دوستی کو فروغ دیا جائے گا اور قیام امن کے لئے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو مزید آگے بڑھایا جائے گا۔

(۳) والدین کا حق تعلیم کی اس نوعیت کے بارے میں جو بچوں کو دینا مقصود ہے' مقدم ہو گا۔

آرٹیکل ۔ ۲۷

(۱) ہر شخص کو قومی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے کا حق حاصل ہے تاکہ وہ فنون

لطیفہ سے محظوظ اور سائنسی ترقی اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکے۔
(۲) ہر شخص کو سائنسی، ادبی اور فنی تخلیق جس کا وہ خالق ہے سے حاصل ہونے والے اخلاقی اور مادی فوائد کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل۔۲۸

ہر شخص کو اس سماجی اور بین الاقوامی نظام حیات کا حق حاصل ہے جس میں ان حقوق اور آزادیوں کو جو اس اعلان میں درج ہے پوری طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

آرٹیکل۔۲۹

(۱) ہر شخص پر اس قومیت کی طرف سے فرائض عائد ہوتے ہیں صرف جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ نشوونما ممکن ہے۔
(۲) اپنے حقوق اور آزادیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر شخص صرف ایسی حدود و قیود کا پابند ہو گا جن کا تعین قانون کے ذریعے اس مطمح نظر سے کیا جائے گا کہ دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کی شناخت اور احترام ممکن ہو اور اس کے ساتھ اخلاق، عوامی ربط وضبط اور جمہوری معاشرے کی فلاح عامہ کی جائز ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں۔
(۳) ان حقوق اور آزادی کا تصرف کسی طور اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی ہونے پائے۔

آرٹیکل۔۳۰

اس اعلان میں درج کسی شق کی تشریح و تعبیر اس طرح نہ کی جائے جس سے اشارۃً و کنایۃً کسی ریاست، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں شریک ہونے یا کوئی ایسی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہو جائے جو اعلان میں درج حقوق اور آزادیوں میں کسی ایک کی تباہی کا مقصد رکھتا ہو۔

Kinds of Human Rights

Basket One contained 'Questions relating to security in Europe'. These included a declaration of ten principles to guide relations between states. The seventh of these was entitled 'Respect for human rights and fundamental freedoms, including the freedom of thought, conscience, religion or belief. In expounding this principle the signatories acknowledged the international importance of human rights:

> The participating states recognise the universal significance of human rights and fundamental freedoms, respect for which is an essential factor for the peace, justice and well-being necessary to ensure the development of friendly relations and co-operation amongst themselves as amongst all states.
>
> (Keesing's Contemporary Archives, 27302A)

Also, Principle, VIII affirmed the 'equal rights and self-determination of people'. In Basket Three were placed those matter relating to 'Co-operation in humanitarian and other fields'. Here a few particular human rights issues were highlighted. These included the freedom of members of separated families to meet or reunite, freedom of travel and improvements in the dissemination of information.

In addition to these universal and European documents we should note that many states have constitutions containing bills of rights. Moreover, two other continents besides Europe have their own documents: namely, the Inter-American Convention on Human Rights and the African Charter of Human and People's Rights.

Clearly, human rights are in our own day widely expounded. How may they be succinctly delineated? First, we must

recognise that rights can be conceived as relating either to an individual or to a group or a nation. Secondly, rights may be political-legal in nature or socio-economic. Next, we may conveniently take the Universal Declaration's triad of categories, namely, the rights to life, liberty and security. Of these, liberty requires further explanation. Liberty may be of a negative kind - to be free from abuse or discrimination. It may also be of a positive kind to be free to live and act in certain ways. This somewhat abstract picture of human rights may be clarified by Table [1]

حقوق انسانی کی اقسام

پہلے پٹارے میں "یورپی سلامتی سے متعلق سوالات" تھے۔ ان میں ریاستوں کے مابین تعلقات کو ہموار رکھنے کے بارے میں دس راہنما اصولوں کا اعلان تھا ان میں ساتواں اصول بعنوان "انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا احترام بشمول آزادی خیال' ضمیر' مذہب یا عقیدہ تھا۔ اس اصول کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے دستخط کنندگان نے انسانی حقوق کی بین الاقوامی اہمیت کا اعتراف ان الفاظ کے ساتھ کیا تھا۔

"شرکاء ریاستیں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی آفاقی اہمیت و معنویت سے بخوبی آگاہ ہیں جن کا احترام امن' انصاف اور بہبود کے لئے ایک لازمی عنصر ہے تاکہ ان کے اور دیگر تمام ریاستوں کے مابین دوستانہ اور تعاون آمیز تعلقات کے قیام کو استوار کیا جا سکے"

مزید برآں آٹھویں اصول نے تمام اقوام کے مساویانہ حقوق اور خود ارادیت پر مہر توثیق ثبت کر دی۔ تیسویں پٹارے میں وہ معاملات رکھ دیئے گئے جن کا

---

[1] Introduction to international Politics By Derck Heater and G.R. Berridge, P-94-95

Table 7.1 Analysis of human rights

Category	Life	Security	Liberty		
			Political and Legal		Economic, social and cultural
Rights of the individual	No unlawful killing or executions	No torture or degrading treatment	Freedom from: slavery Exile Arbitrary arrest Retroactive laws, punishment Discrimination because of race, religion or sex	Freedom to: Express political opinions Hold meetings Participate in government Be tried fairly Worship Marry Travel	Freedom to: Work, and for just remuneration Enjoy a reasonable standard of living Benefit from social security Enjoy a life of dignity, with rest and leisure Benefit from a free education Enjoy culture Own property
Rights of groups or countries	No mass Killing or genocide		Freedom from: Discrimination because of race of religion	Freedom of: Collective existence National self-determination	

تعلق "انسان دوستی اور دیگر میدانوں میں تعاون واشتراک" سے تھا یہاں چند مخصوص انسانی حقوق سے متعلق مسائل کو اجاگر کیا گیا۔ ان میں منقسم خاندان کی ملاقات یا دوبارہ ملاپ کی آزادی' اطلاعات کی نشرواشاعت کے سلسلے میں سفر اور تعلیم وتربیت کی آزادی۔

ان آفاقی اور یورپی دستاویزات کے علاوہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سی ریاستوں نے اپنے دساتیر میں حقوق کے بلز شامل کر رکھے ہیں۔ مزید بر آں یورپ کے علاوہ دو اور براعظموں کے ہاں اپنی دستاویزات ہیں۔ یعنی (۱) انسانی حقوق کے بارے میں بین الامریکیائی کنونشن اور (۲) انسانی اور قومی حقوق کے بارے میں افریقی چارٹر

یہ بات واضح ہے کہ آج ہمارے زمانے میں انسانی حقوق کی تشریح وتوضیح وسیع پیمانے پر ہوئی ہے۔ ان کو جامع بالاختصار انداز سے کیسے بیان کیا جائے؟ اولاً ہمیں یہ بات بخوبی سمجھ اور جان لینی چاہئے کہ حقوق کا تصور یا تو فرد کے حوالے سے ہونا چاہئے یا پھر کسی گروہ یا قوم کے حوالے سے' ثانیاً: حقوق کی نوعیت سیاسی' قانونی ہوگی یا پھر معاشرتی اور اقتصادی' اس سے آگے جائیں تو سہولت کی خاطر ہم آفاقی سہ گانہ اعلان تقسیمی یعنی زندگی' آزادی وحریت اور سلامتی کے حقوق زیر نظر رکھ سکتے ہیں۔ ان میں آزادی وحریت کی مزید وضاحت درکار ہے۔ آزادی منفی نوعیت کی ہوسکتی ہے یعنی غلط وبے جا استعمال اور امتیازی سلوک سے آزاد ہونا یا پھر کسی مخصوص انداز سے جینے اور عمل کرنے کی آزادی' انسانی حقوق کی اس تجریدی تصویر کو ہم اس جدول کی مدد سے واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

جدول ـ تجزیہ حقوق انسانی

قسم / حد بندی	زندگی	سلامتی	آزادی		
			سیاسی اور قانونی		اقتصادی، معاشرتی وثقافتی
فرد کے حقوق	عدم موجودگی غیر قانونی ہلاکت پھانسی کے ذریعے موت	عدم موجودگی اذیت یا ہتک آمیز سلوک	غلامی سے آزادی جلاوطنی یکطرفہ گرفتاری موثر بہ ماضی قانون سزائیں، نسل مذہب یا جنس کی بنا پر امتیاز	سیاسی آراء کے اظہار اجلاس کے انعقاد حکومت میں شمولیت کی آزادی منصفانہ مقدمہ شادی سفر کی آزادی	کام کرنے اور منصفانہ اجرت حاصل کرنے کی آزادی معقول معیار زندگی سے استفادہ معاشرتی سلامتی سے مستفید ہونا آرام وسکون سے باوقار زندگی گزارنا آزادانہ تعلیم سے فائدہ اٹھانا ثقافت سے لطف اندوز ہونا جائداد کی ملکیت حاصل کرنا
جماعت یا ممالک کے حقوق	عدم موجودگی اجتماعی قتل یا قتل عام		نسلی یا مذہبی امتیاز سے آزادی	اجتماعی بقا کی آزادی قومی حق خودارادیت	

غیر مسلموں کی ریشہ دوانیاں

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کفر کا محاذ اسی دن گرم ہو گیا تھا جس دن سرور کائنات حضور رحمت عالم ﷺ نے اعلان نبوت فرما کر تمام ادیان باطلہ کی فرسودگی اور بیہودگی پر خط تنسیخ پھیرا تھا اور ہدایت آسمانی کے نور سے سینوں کو منور کر کے خدائے وحدہ لاشریک کی عظمت کا پرچم بلند کیا تھا۔ عالم کفر اپنے تمام مادی وسائل کے ساتھ حق کی آواز کو دبانے کے لئے راہ حق کے مسافروں کے مد مقابل آ کھڑا ہوا، بدر سے خندق تک جزیرہ نمائے عرب کی اتحادی قوتوں نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے کونسا حربہ استعمال نہ کیا۔ یہود و نصاریٰ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی کے لئے کون سا پینترا نہ بدلا، مشرکین مکہ اور روسائے قریش نے اسلام کا راستہ روکنے کے لئے کیا کیا جتن نہ کئے، قلم اور تلوار کے کون سے زخم تھے جو جسد اسلام پر نہ لگائے گئے، ظلم کا وہ کونسا پہاڑ تھا جو حق کو قبول کرنے والوں پر نہ توڑا گیا، شیطنت کی وہ کونسی شکل تھی جس سے غلامان رسول ہاشمی کے دامن پر چھینٹے نہ اڑائے گئے، اذیت کی وہ کونسی صورت تھی جسے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کے حصار کو توڑنے کے لئے نہ آزمایا گیا ہو لیکن اہل ایمان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ صبر و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، عزم و عمل کا ستارا ان کی پیشانیوں میں رجائیت کا سورج بن کر چمکتا رہا۔

روشنی کے ساتھ اندھیروں کا سفر آج بھی جاری ہے۔ ابلیسی قوتیں آج بھی اہل حق کے جذبہ ایمانی کو متزلزل کرنے کی سازش میں مصروف ہیں۔ یہود و نصاریٰ آج بھی اپنی روش بد پر قائم ہیں۔ تاریخ چودہ سو صدیوں کا سفر طے کر چکی ہے، مسلمان عروج و زوال کے ان گنت مراحل سے گزر کر اپنی ثقافتی اکائی کے تحفظ میں مصروف ہیں۔ عہد رسالتماب ﷺ کی طرح آج بھی عالم کفر مادی وسائل پر قابض ہے اور

اپنی بے پناہ مادی ترقی کی بدولت ہر شعبہ زندگی میں اسلامیان عالم کو پسماندگی کی دلدل میں دھکیل رہا ہے۔ عالم کفر آج بھی اسلام کے انقلابی کردار سے خائف ہے۔ آج بھی جہاد کا لفظ سن کر اسے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔ وہ بدر و حنین کے معرکوں کو آج بھی نہیں بھولا۔ وہ غار حراء سے پھوٹنے والی روشنی میں آج بھی آنکھیں کھولنے کی جرات نہیں کرتا۔ عہد حضور ﷺ کی طرح آج بھی دنیائے کفر کی اتحادی قوتیں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ علم و تحقیق کے نام پر اسلام کے خلاف جھوٹ کے پلندے تخلیق کرنے کا کاروبار آج بھی عروج پر ہے۔ فکری مغالطوں اور فلسفیانہ موشگافیوں سے آج بھی قصر ایمان میں نقب لگانے کا سلسلہ جاری ہے۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہنود بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اسلامیان عالم کو گرد سیاسی اور اقتصادی غلامی کے حصار کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کے اتحاد کو پارا پارا کرنے کے لئے لاکھوں پونڈ سالانہ صرف کئے جا رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا سے الیکٹرانک میڈیا تک تشہیر کا ہر لمحہ مسلم امہ کے بارے میں جھوٹے پراپیگنڈے کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ اپنے شاندار ماضی سے رشتہ توڑ کر اسلامیان عالم کی نئی نسل کو عریانی و فحاشی کا دلدادہ بنا کر ان کی تخلیقی قوتوں کو ناکارہ بنایا جا رہا ہے اور ذہن جدید کو فکری پراگندگی اور ذہنی آلودگی کا ہدف بنا کر سوچ کے نئے دروازوں کو مقفل کیا جا رہا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے حصول کو مسلم امہ کے لئے شجر ممنوعہ قرار دیا گیا ہے۔ فرقہ واریت کو مسلم امہ کا مقدر بنا کر اتحاد امت کی راہوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ ذیل میں چند ایک مثالوں سے واضح کیا جا رہا ہے کہ اسلامی تحاریک کا راستہ روکنے کے لئے عالم کفر کس قسم کی منصوبہ بندی میں مصروف ہے۔

Reasons for attack on Islam

1.1 The National Interest.

America and Britain could not give a hoot about religion least of all Islam. Their entire planning and action is based

on that elusive commodity called our 'National Interest.' They are sincerely and firmly convinced, erroneously of course, that Islam is against their 'National Interest'. If their grandmother was against 'their National Interest' they would probably shoot her. So their treatment of Islam may be understandable, but not forgiveable because it is due to erroneous assumptions and wrong conclusions about Islam and Muslims.

1.2 Media ignorance about the religion called 'Islam'. Most journalists writing about Islam have not taken the trouble to study Islam through its authentic sources- Qur'an, sunnah and seerah.

1.3 Fear of Islam.

This fear is based on two reasons. If you don't know, you have the fear of the unknown. This fear is less than the fear which is generated in those in positions of power, privilege and authority who have the true knowledge of Islam. They know all about Islam and they know what it will do to their power, privilege and exploitation. The public has nothing to fear from Islam because under Islamic influence with crime rates cut, no interest to pay, little risk of Aids, and much greater law and order, they can only be better off. The same cannot be said about the big money lenders, the rich doing massive tax dodges, politicians fooling the masses in the name of serving them. Don't get us wrong that Islam is an Utopia but it is certainly a lot safer and better system of values and governance. The Western system of democracy, the decline of morality and the cult of the individual has now gone over the top. The philosophy of life that it represents can never lead to a safe and sustainable world. Like the communist system whose inevitable demise came sooner than expected, the time is fast approaching for the demise of the Western system as we know it. We know of no other system than the Islamic system to replace it. Sooner, rather than later Islamic values and ideals will

penetrate into Western culture and governments in varying degree. We predict this will happen within twenty five years. If it does not happen and we continue on our present course then disaster on a global scale is not far off. We and those like minded citizens who have concerns about the present and care about the future must make a resolve for the future. As far as we are concerned we herewith declare that we shall wage a relentless war on West and its rotten system-with our Parker pens of course.

1.4 Deliberate propaganda against Islam by Israel and the world Jewry.

The average secular Jew is a civilized and decent fellow. He will not like Islam but he is unlikely to mount a world-wide onslaught against it because it would be against his moral values or he may feel a little guilty for Islam's past favors to his people within the Spanish and Ottoman empires of Muslims. The only real refuge the Jews ever got against centuries of Christian persecution. The same observations are true about the orthodox and ultra-orthodox Jew. Now we come to the Zionist Jew. It is a different ball game here. Their hatred of Islam and Muslims is well known. Their strategic study has convinced them that a perpetual attack on Islam is the best form of their defence. The policies and actions of leaders like Saddam, Ghaddaffi and Mubarak have not helped. The Jews have been successful in convincing America and some other Western powers what a terror Islam is. This has achieved two vital objectives for the Zionist state. It has enabled it to get all the money, material and technology from America and the same time got it to protect its interests in the world body and to ignore its mischievous activities outside of it. How clever, you might say! Let us admit it, the Jewish people are indeed very clever, sometimes too clever of their own good

1.5 Deliberate propaganda against Islam mainly by

America and Britain and in varying degrees by some other Western countries.

We believe this propaganda against Islam is not due to dislike of Islam as a religion. Many are converting to Islam in these countries. These countries have been led to believe, by a combination of circumstances, that the strengthening of Islam and the establishment of Islamic governments in Africa, Middle East or anywhere else is against their vital 'National Interests'. This belief is so strong that they prefer to support and prop unrepresentative and tyrant governments, against their own ideals of democracy, individual freedom and liberty. A soul destroying exercise for them which they are stomaching and digesting in the name of 'National Interest'.

1.6 Media bashing.

Many journalists and editors maintain very high standards of journalistic integrity and objectivity in reporting on Muslim affairs. Some regretfully are quite the reverse. Islam bashing is saleable news, sells more papers and it is fun to do so. The feeling that I have done my bit for queen and Christianity in attacking Islam is a nice feeling for some morally bankrupt journalists to go home to for the weekend.

2. Techniques and Tactics used in Propaganda against Islam.

There is urgent need for Muslims and others to understand how the West in association with the Jews has been successfully mounting such a campaign and propaganda against Islam and causing such havoc in the Muslim world. At the same time it has also been making a lot of money out of it.

There are nearly 130 Think Tanks in USA, UK and Israel almost one hundred Think Tanks in Washington alone. Britain has about twen y and Israel about ten. All these countries have various intelligence services but the most well known on the international scene are the American CIA, the British M15 and the Israeli Mossad. A number of

Think Tanks and large departments in these intelligent services are engaged full-time in research and strategic studies on Islam and Muslims. In fact Washington has more literature on Islam than the largest Muslim library anywhere in the world. Not all Think Tanks or their researchers are against Islam and Muslims nor are all those working in intelligence services. But the majority is against Islam and they have successfully convinced their leaders that Islam is against the 'National Interests' of their countries. Having been ordered by their leaders to prepare strategic action plans to keep Islam under check these Think Tanks, in co-operation with the intelligence services prepared three distinct techniques to be used against Muslim countries and Muslim leaders. The media was not involved in the preparation of these but it is a full partner in their implementation. The techniques are:

a. The ZORO Technique.
b. The BATNA Principle
c. The TURTLE Tactics.[1]

مغربی میڈیا کے اسلام پر حملہ آور ہونے کی وجوہات

۱- موجودہ مغربی ذرائع نشر و ابلاغ کے اسلام پر حملوں کے اسباب و محرکات کو اختصار سے بیان کیا جائے تو یہ نقشہ ابھرتا ہے کہ مغربی یلغار کی کوئی ایک وجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے وجوہ و اسباب کا ایک مجموعہ کار فرما نظر آتا ہے۔

1.1- قومی مفاد

امریکہ اور برطانیہ کسی مذہب کم از کم اسلام کو اعلانیہ طور پر تنقید و تنقیص کا نشانہ نہیں بنا سکتے۔ ان کی تمام تر منصوبہ بندی اور عملی کارروائی کی بنیاد اس دھوکے اور فریب کاری پر استوار ہے جسے انہوں نے قومی مفاد کا نام دے رکھا ہے۔ وہ کمال درجہ خلوص و پختگی لیکن برخود غلط انداز سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام ان کے قومی

---

[1] The Muslims and the New World Order by Musa Saleem, p. 3-6

مفاد کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں وہ اس انتہا کو جانے کے لئے تیار ہیں کہ اگر ان کی اماں یا نانی اماں بھی ان کے مفاد کے خلاف ہو تو وہ غالباً انہیں بھی گولی مارنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی اسلام دشمنی قابل فہم تو ہے لیکن قابل معافی نہیں کیونکہ اس کا سارا تانا بانا مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں غلط مفروضات اور بے سروپا نتائج پر استوار کیا گیا ہے۔

1.2- ذرائع ابلاغ کی مذہب "اسلام" کے بارے میں جہالت و لاعلمی، اسلام پر لکھنے والے صحافیوں کی اکثریت اس بات کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتی کہ وہ اسلام کا مطالعہ اس کے ثقہ و مستند ذرائع قرآن و سنت اور سیرت کی بنیاد پر کریں۔

1.3- اسلام کے بارے میں اندیشہ

یہ خوف و اندیشہ دو وجوہات پر مبنی ہے۔ آپ کی لاعلمی آپ کو نامعلوم کے بارے میں خوف سے دوچار کر دیتی ہے۔ یہ خوف درجے میں اس خوف سے کم تر ہے جو ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جنہیں جاہ و اقتدار اور حکومت و اختیار حاصل ہے اور اسلام کے بارے میں ان کا علم سچائی اور حقیقت پر مبنی ہے۔ چونکہ وہ اسلام کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہیں انہیں پتہ ہوتا ہے کہ اسلام ان کے منصب و اقتدار اور استحصالی رویئے کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے۔ عامتہ الناس کو اسلام سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اسلامی اقتدار کے زیر اثر جرائم کی شرح کم ہو جائے گی۔ انہیں کوئی سود نہیں ادا کرنا پڑے گا۔ ایڈز جیسی بیماریوں کا خدشہ برائے نام رہ جائے گا۔ نظم و ضبط اور قانون کا دور دورہ ہوگا اور وہ پہلے سے بہتر زندگی گزار سکیں گے۔

دوسری طرف بڑے بڑے سود خور مہاجنوں، واجب الادا ٹیکسوں کی بھاری رقوم سے گلوخلاصی کرانے والوں اور اسلام کے نام پر عوام کو بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرنے والوں کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے لہٰذا اس مغالطے میں نہ مبتلا ہو جاؤ کہ

اسلام میں کوئی مثالی حکومت ہے جہاں دودھ کی نہریں بہتی ہیں لیکن یقینی و حتمی طور پر یہ حکمرانی و جہانبانی اور اقدار عالیہ کا ایک بہتر و برتر نظام کا حامل ہے۔ دوسری طرف جمہوریت کا برطانوی نظام ہے جہاں اخلاقی زوال اور فرد کی مادر پدر آزادی نے معاملات کو اوپر کی سطح پر دگرگوں اور تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ جس فلسفہ حیات کا یہ نظام داعی ہے وہ کبھی محفوظ اور دیرپا دنیا کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتا جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اشتراکی نظام کی طرح جس کا اٹل خاتمہ توقع سے کہیں زیادہ سرعت رفتار کے ساتھ ہوا۔ مغربی نظام بھی بڑی تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمارے علم میں اسلامی نظام کے سوا اور کوئی نظام اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ جلد ہی بغیر کسی تاخیر کے اسلامی اقدار و مقاصد تغیر پذیر درجے کے ساتھ مغربی ثقافت اور حکومتی ڈھانچے میں ہماری دانست کے مطابق نفوذ کر جائیں گے۔ ہماری پیشین گوئی ہے کہ ایسا واقعہ آئندہ پچیس سالوں کے اندر رونما ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوا اور ہم موجودہ ڈگر پر رواں دواں رہے تو پھر عالمی پیمانے پر مکمل تباہی و بربادی کی منزل زیادہ دور نہیں لہٰذا ہمیں اور ہمارے ہم خیال شہریوں کو جو حال اور مستقبل کے بارے میں خدشات اور اندیشے رکھتے ہیں مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے کوئی پر عزم منصوبہ بنالینا چاہیے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس امر کا واشگاف اعلان کرتے ہیں کہ ہم مغرب اور اس کے فرسودہ گلے سڑے نظام خلاف جنگ اور جہاد بالقلم کا آغاز کرنے جا رہے ہیں۔

1.4- اسرائیل اور عالمی یہودی تنظیم کا اسلام کے خلاف سوچا سمجھا پراپیگنڈہ

درمیانے طبقہ کا سیکولر مزاج یہودی مہذب اور شریف انسان ہوتا ہے۔ وہ اسلام کو پسند تو نہیں کرے گا لیکن اس بات کا احتمال بھی نہیں کہ وہ اسلام کے خلاف عالمی سطح پر تابڑتوڑ حملے کرنے لگے۔ ایسا کرنا اس کی اخلاقی اقدار کے منافی ہو گا یا اس کا ضمیر ان احسانات کے بدلے جو اسلام نے اس کی قوم پر مسلم ہسپانوی اور عثمانی سلطنتوں کے دوران کئے تھے، اسے مجرم ٹھہرائے گا کہ یہی وہ حقیقی امان تھی جو انہیں صدیوں کے مسیحی ظلم و ستم کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ یہی مشاہدات کٹر اور انتہائی دقیانوس

یہودیوں کے بارے میں صادق آتے ہیں۔ اب ہم صیہونی یہودیوں کی بات کرتے ہیں تو ان کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے نفرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ دفاعی امور پر ان کے مطالعہ نے انہیں اس بات کا قائل کر دیا ہے کہ ان کا بہترین دفاع اسلام پر مسلسل حملہ آور رہنے میں مضمر ہے۔ صدام، قذافی اور حسنی مبارک جیسے راہنماؤں کی حکمت اندیشیوں اور اعمال و افعال نے صورتحال کو بہتر بنانے میں ذرا مدد نہیں کی۔ یہودی امریکہ اور بعض مغربی طاقتوں کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ اسلام میں دہشت گردی ہی دہشت گردی ہے۔ اس طرح انہوں نے صیہونی ریاست کے دو اہم مقاصد حاصل کئے ہیں۔ ایک طرف وہ اس قابل ہوئے کہ انہوں نے نہ صرف امریکہ سے پیسہ، سامان اور ٹیکنالوجی وصول کرنے کے علاوہ عالمی تنظیم میں اپنے مفادات کو تحفظ دیا بلکہ دوسری طرف انہوں نے اپنی خبیث شرارت آمیز سرگرمیوں، جو وہ باہر کی دنیا میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے کرتے رہتے ہیں، پر پردہ بھی ڈالے رکھا۔ آپ چاہیں کتنے ہی ہوشیار کیوں نہ ہوں آپ کو اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہودی واقعی ہوشیاری و چالاکی میں سب کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ بعض اوقات اپنی چالاکیوں کی زد میں وہ خود بھی آجاتے ہیں۔

1.5- اسلام کے خلاف زیادہ تر امریکہ اور برطانیہ کا سوچا سمجھا پراپیگنڈہ اور تغیر پذیر درجوں میں بعض دیگر مغربی طاقتوں کی طرف سے ان کی ہمنوائی

ہمیں یقین ہے کہ اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ اسلام سے بحیثیت مذہب ناپسندیدگی کی وجہ سے نہیں ان ممالک میں ایک بڑی تعداد اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام کی طرف آ رہی ہے۔ مجموعی حالات کے زیر اثر وہ اس بات کا یقین کرنے لگے ہیں کہ اسلام کا استحکام اور افریقہ، مشرق وسطیٰ اور دنیا کے کسی خطے میں بھی مضبوط اسلامی حکومتوں کا قیام ان کے اہم قومی مفادات کے خلاف ہو گا۔ ان کا یہ تیقن اس قدر پختہ و مضبوط ہے کہ وہ جمہوریت، انفرادی آزادی و حریت کے اعلیٰ مقاصد کو پس پشت ڈال کر مسلم ممالک میں غیر نمائندہ اور ظالم و جابر آمرانہ حکومت کی تائید و حمایت کو ترجیح

دیتے ہیں۔ یہ روح کش مشق ستم وہ محض "قومی مفاد" کی آڑ میں کڑوی گولی سمجھ کر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

1.6- میڈیا کے تابڑ توڑ حملے

بہت سے صحافی اور مدیران کرام دنیائے اسلام میں رونما ہونے والے واقعات کی رپورٹنگ کرتے وقت صحافیانہ دیانت اور معروضیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور بہرحال اعلیٰ معیار قائم رکھتے ہیں تاہم ان میں بعض افسوسناک حد تک اس کے بالکل الٹ ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام پر تابڑ توڑ بے تحاشا حملے کرنا خبر کو قابل فروخت بنانے کے لئے ضروری ہے۔ اس طرح ان کے اخبار زیادہ بکتے ہیں اور ان کے لئے یہ تشریح کا سامان بھی ہے۔ ان کا یہ احساس کہ انہوں نے اس طرح ملکہ اور عیسائیت کی خدمت کی ہے۔ ان اخلاقی طور پر دیوالیہ صحافیوں کے لئے جب وہ اختتام ہفتہ گھر لوٹتے ہیں تسکین کا باعث ہے۔

۲- اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ میں استعمال کئے جانے والے حربے اور تکنیکی طریقے

مسلمانوں اور دیگر افراد کے لئے یہ سمجھنا وقت کی اہم ضرورت ہے کہ کس طرح مغرب یہودیوں کی ملی بھگت سے اسلام کے خلاف کامیابی سے پروپیگنڈہ اور مہم آزمائی میں لگا ہوا ہے اور مسلم دنیا کے لئے تباہی اور سخت نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے مالی منفعت کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی بنائے ہوئے ہے۔

امریکہ، یوکے اور اسرائیل میں تقریباً ۱۳۰ سوچ بچار کرنے والے ادارے (Think Tanks) ہیں۔ صرف واشنگٹن میں ان کی تعداد ایک سو (۱۰۰) کے لگ بھگ ہے۔ برطانیہ میں بیس (۲۰) اور اسرائیل میں دس (۱۰) کے قریب ایسے Think Tanks موجود ہیں۔ ان تمام ممالک میں متعدد سراغرسانی کی خدمات دینے والی ایجنسیاں ہیں لیکن دنیا میں زیادہ شہرت یافتہ امریکی CIA، برطانوی MIS اور اسرائیلی

موساد (Mossad) ہیں۔ اس قبیل کے Think Tanks اور بہت سے سراغرساں ایجنسیوں کے محکمے، اسلام اور مسلمانوں پر کل وقتی ریسرچ اور دفاعی امور کے مطالعوں میں مصروف ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ واشنگٹن میں دنیا کی کسی بھی سب سے بڑی مسلمان لائبریری کے مقابلے میں اسلام پر زیادہ لٹریچر موجود ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام کے تمام Think Tanks اور ان میں کام کرنے والے ریسرچ ورکرز اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہیں، نہ ساری سراغرساں ایجنسیوں کے کارکنوں کے بارے میں ہی یہ کہا جا سکتا ہے لیکن ان کی اکثریت اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہے اور وہ اپنے راہنماؤں کو قائل کئے ہوئے ہیں کہ اسلام ان کے قومی مفادات کے خلاف ہے۔

یہ Think Tanks سراغرساں ایجنسیوں کے تعاون سے اپنے راہنماؤں کے احکام کی تعمیل میں اسلام کی روک تھام کے لئے حربی منصوبے وضع کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمان ممالک اور ان کے راہنماؤں کے خلاف روبہ عمل لانے کے لئے تین واضح تکنیکی طریقے تیار کئے ہیں۔ ان کی تیاری میں اگرچہ میڈیا کا کوئی عمل دخل نہیں لیکن انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ ان کا بھرپور معاون ہے۔

ان تین طریقوں کے نام یہ ہیں۔

ا- زورو تکنیک The Zoro Technique

ب- باٹنا اصول The Batna Principle

ج- ٹرٹل حربے The Turtle Tactis

Regional Powers and Tensions

Regional Power Politics

The ambition to attain or retain local great power status may have either a stabilising or destabilising effect on a region depending on the circumstances. If one state is indisputably stronger than the rest, then it may be able to use its influence to sustain the status quo, a condition that is

in its own interests in any case. On the other hands, if two or more states are in contention for regional domination, they may be drawn into fighting to decide the issue. Nor must it be forgotten that first rank powers may intervene in regional affairs to affect the local power relationship.
These generalisations can be illustrated most vividly from the recent history of the Gulf. During the 1970s the United States built up Iran as a regional power. American motives were the need to stem Soviet influence in the area and to ensure a secure supply of oil. After the overthrow of the Shah in the 1979 revolution, the United States began to cultivate Iraq, a long-standing Soviet client and leading rival of Iran, instead. Iraq and Iran then fought a bitter eight-year war. The United States, however, fearful of the lust for power of the Iraqi leader, Saddam Hussein, attempted to destroy his military might in the second Gulf War of 1991, and set about bolstering Saudi Arabia in turn as the regional power..

If one great power intervenes in a region, it is usually for the purpose of acquiring or consolidating influence for itself.[1]

علاقائی طاقتیں اور کشیدگیاں

ایک ایسے خطے میں جہاں طاقت کا انحصار حالات پر ہو، مقامی طور پر بڑی طاقت کی حیثیت کا حصول اور اسے دوام بخشنے کا جذبہ اس خطہ کو مستحکم یا غیر مستحکم رکھنے کا اثر رکھتا ہے۔ اگر ایک ریاست بلانزاع دوسری ریاست کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہو تو یہ اپنا اثر و نفوذ بہرحال اپنے مفادات کے لئے برتری کی صورتحال کو برقرار رکھنے کی اہلیت رکھتی ہے بصورت دیگر دو یا دو سے زیادہ ریاستیں علاقائی غلبہ و تسلط کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگیں تو پھر مسئلے کو نمٹانے کے لئے ہو سکتا ہے وہ جنگ کا سہارا لیں۔ یہ امر ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ صف اول کی طاقتیں مقامی طاقتی روابط کو متاثر

---

[1] Introduction to International Politics By Derek Heater and G.R. Berridge. p. 63

کرنے کے لئے علاقائی معاملات میں دخل انداز ہو سکتی ہیں۔

ان عمومی احوال کی بہترین توضیح بین اور خاطر خواہ انداز میں خلیج فارس کی حالیہ تاریخ کے حوالے سے کی جاسکتی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں امریکہ نے ایران کو علاقائی قوت کے طور پر کھڑا کیا۔ اس ضمن میں امریکی محرکات اس علاقے میں سوویت اثر اور غلبہ و استبداد کی روک تھام اور تیل کی رسد کو یقینی بنانے کی ضرورت سے متعلق تھے۔

۱۹۷۹ء کے انقلاب کے عشرے میں شاہ ایران کا تختہ الٹ جانے کے بعد امریکہ نے عراق کو بالا شیری دینا شروع کی جو عرصہ دراز تک سوویت حکومت کا دبیل اور تابع رہا تھا اور وہ ایران کا سرکردہ حریف تھا۔ اس کے نتیجے میں عراق اور ایران آٹھ سالہ خونریز جنگ میں الجھ کر رہ گئے۔ امریکہ نے عراق کے صدر صدام کی بڑھتی ہوئی فوجی طاقت سے خائف ہو کر ۱۹۹۱ء کی دوسری خلیجی جنگ میں اس کی عسکری قوت کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور عراق کی جگہ سعودی عرب کو ایک علاقائی طاقت کے طور پر سہارا دینے کی ٹھانی۔

اگر ایک بڑی طاقت کسی علاقے میں دخل انداز ہوتی ہے تو اس کی تہہ میں بالعموم اپنے لئے اثر و نفوذ حاصل کرنے یا اسے مضبوط بنانے کا عزم کار فرما ہوتا ہے۔

تبصرہ

معلوم ہوا کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مقامی طور پر دو ملک آپس میں جو الجھ پڑتے ہیں یہ دراصل بڑی قوتوں کی طویل المعیاد (Long Term) منصوبہ بندی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ ایک ملک کو امداد کے نام پر اسلحہ کے لحاظ سے مضبوط کرتے ہیں، پھر پڑوسیوں سے لڑوا دیتے ہیں۔ اس ساری منافقانہ چال کا نام علاقائی استحکام اور امن کی بحالی رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ان کا پرانا اسلحہ بھی بک جاتا ہے اور مسلح کرانے کے بہانے ان ملکوں میں مداخلت کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انہیں اپنا دست نگر بنا لیا جاتا ہے۔

THE INCIDENCE OF INTERNATIONAL CONFLICT

Thanks to major research project investigating the characteristics and correlates of international conflicts since 1815, we are today in a better position to understand not only the sources of international conflict, but also the nature of those that are more or less likely to end in war. In a major study of "serious interstate disputes" (What we have called conflicts), Zeev Maoz has identified the incidence of such conflicts, all involving the threat, display and/or use of military force, their location, participants and outcomes. In the period from 1815 to 1976, he identified 827 conflicts, 210 of which occurred in the nineteenth century, with the remaining 617 in the twentieth century. For the entire period, there was an annual average of 5.2 war-threatening or war-producing conflicts The most peaceful period followed the Napoleonic wars, while the period since 1945 has seen the highest number of conflicts. In an absolute sense, the world today is significantly more "war-prone" than it was in previous eras However, when we consider that in the 1820s and 1830s there were only about twenty three nation-states, and that today there are more than 165, the incidence of conflicts, when divided by the number of actors, has not actually increased. Maoz' figures indicate, on the contrary, that the most conflict-prone era was between 1910 and 1920 (an artifact or World War 1), while the period since 1950 has been comparable to the 1850s and 1860s . Put in statistical terms, in an average for five-year periods, there have been about 1.2 conflicts per state in the system between 1950 and 1976, while the figure for the relatively peaceful 1830s and 1840s is about 0.8 Overall, the twentieth century has been somewhat more conflict prone than the preceding eras, but not startlingly more so.

Maoz' findings support a conclusion from a number

of other studies:
The great powers account for a significant number of conflicts. Although their number has fluctuated between four and eight in the two centuries studied, they have participated in about 41 percent of all conflicts, either as initiators of the conflicts, as targets, or as parties eventually embroiled in quarrels started by others. Table 14-1 lists the eleven leading states ranked according to participation in international conflicts.

these figures underline the predominance of the great powers as initiators, targets, and involved parties in international conflicts. While they emphasize the conflict proneness of these kinds of states, the bulk of conflicts about 58 percent- are between minor states.

Table 14-1 Conflict Participation by States. by Rank 1815-1976

State	As imitator	As Target	Total Involvement's
United States	51	28	120
Great Britain	56	18	119
Russia/USSR	47	31	117
France	26	16	99
Prussia/Germany	27	28	76
Turkey	12	40	70
Italy	20	11	58
China	21	19	52
Japan	25	16	50
Peru	29	18	47
Israel	14	16	45

Source : Data from Zeev Maoz. Paths to Conflict. p. 55.

However, since the data do not include the number of years a state has been in the system they do not serve as an entirely satisfactory measure of the propensities of various kinds of states to become involved in international conflicts. Maoz has thus divided the raw numbers of state participation by the years of statehood, giving an annual frequency of conflict involvement (see Table 14-2). Again, the great powers predominate, although medium or small states almost perpetually involved in conflicts since 1945 head the list.. Note also that among the major powers,

England and the United States are the countries most likely to initiate a war-threatening or actually violent conflict.

Table 14-2 Annual Frequency of Country Conflict Involvement, 1815-1976.

State	Annual Freq. Initiate	Annual Freq. Target	Freq. Of Involvement
Israel	.50	.52	1.61
India	.52	.41	1.10
North Vietnam	.50	.36	.86
Uganda	.57	.29	.86
Unites States	.32	.18	.75
Great Britain	.35	.11	.74
Russia./USSR	.29	.19	.73
France	.16	.10	.63
Prussia/Germany	.21	.22	.59
Peru	.17	.13	.54
Japan	.23	.15	.46
China	.18	.16	.45
Italy	.13	.07	.36

Source Zeev Maoz. Paths to Conflict. p. 57

The figures establish the predominance of the great powers in the world's map of international conflicts for 160 years. Yet, various research projects suggest a possible reversal of the pattern: The incidence of major power confrontations has declined slightly (2.16 annually from 1945 to 1976 compared with 2.60 prior to World 1), while the incidence of minor power conflicts has grown dramatically – from 2.47 annually from 1900 to 1914, to 10.10 annually in the past -1945 period. Most of the minor power conflicts since 1945 have occurred in the Third World. Many involve attempts of the newer states to develop secure borders and to unify ethnic/language and religious groups divided by colonial frontiers. Secessionist movements have also generated a number of conflicts between Third World countries. Meanwhile, the traditional arena of international conflict – Europe – has become a

vast zone of peace, where there has been an absence of armed conflict between states for more than forty-five years.

What we have so far is a map of the incidence and parties involved in "serious international disputes." In terms of the probabilities of conflict the most dangerous times have been in the twentieth century, particularly in the period from 1910 to 1920, and the 1930s, with the postwar period since 1945 following close behind. The states most likely to become involved in these conflicts have been the major powers particularly the United States and England.

ISSUE FIELDS INTERNATIONAL CONFLICT

What were the parties quarreling about? Over what kinds of issues were they making threats and occasionally going to war? If we go back far enough in the history of the modern states system., we can see dynasts warring over questions that strike us as bizarre by today's standards. They fought over claims to thrones, dynastic inheritances, and religious questions. But they also went to war to expand their domains, to control strategic waterways and mountain passes (thus giving them increments of security), over colonies, and to control fishing resources -- things that still give rise to international conflicts today.

In the period since 1945, one of the major issues that has given rise to conflicts and crises has been the search for statehood. There have been numerous wars started by national liberation movements seeking independence from colonial domination. More recently, we have witnessed attempts by ethnic or language minorities to secede from already established states, to create their own states. As we look around the world today, we see secessionist movements all around, and frequently their campaigns involve outside powers that then internationalize what began usually as civil wars. The Palestinians have been searching for statehood since the 1960s. So have

Table 14-3 Issues underlying fifty-nine Armed conflicts since 1945

Issue	Frequency	Appears in percent of Conflicts
Government composition	16	28
National liberation / State creation	16	28
Territory (general)	14	24
Strategic territory	13	22
State regime survival	12	21
National unification	10	17
Defend support ally	9	16
Ethnic unification'Irredenta	7	12
Resources /trade	6	10
Protect nationals/ Commercial interests abroad	5	9
Protect ethnic kin aborad	5	9
protect population/ peacekeeping	5	9
Border dispute	4	7
Meet treaty obligations	4	7
Autonomy	4	7
Secession/State Creation	4	7
Maintain regional dominance	3	5
Commerce/navigation	2	3
Other	17	29

Source K.J. Holst. Peace and War: Armed Conflicts and International Order. 1648-1989

Eritreans in Ethiopia, the Tamils in Sri Lanka, the Kashmiris, the Kurds, and dozens of other groups.

Wars have also been used to consolidate states, particularly to unify them where they were previously

divided (Vietnam), or to incorporate ethnic groups in neighboring states (Pakistan and Kashmiris, Turkey and Turkish Cypriots) that were under another state's jurisdiction.

Wars have also arisen over the composition of governments. These reflect ideological issues where, for example, a major power will intervene militarily to prop up a beleaguered ally or to topple a regime it considers a threat to its own security or to the security of its allies. The United States has intervened militarily on numerous occasions as a means of overthrowing regimes it could not, for whatever reason, tolerate, or of supporting those that requested military assistance. Included in the long list of such interventions are Lebanon (1958), Vietnam (starting in late 1950s), and Grenada (1982). The Soviet Union intervened militarily in Hungary (1956), Czechoslovakia (1968), and Afghanistan (1979) to quell reformist or anti-Soviet revolutionary regimes.

Concerns over territory, but particularly control of territory that possesses strategic significance or valuable resources, has remained an issue under lying numerous conflicts and several wars.

Table 14-3, based on a study of fifty-nine post-1945 armed conflicts and major armed interventions, lists the kinds of issues that were contested between two or more parties. The columns add up to more than 100 percent because most wars grew out of contests over several issues.

As you can see, the sources of wars and armed interventions have been numerous and diverse. However, there are similar stakes involved in some of the issues so that we can combine then to identify more general categories. When we link general territory, strategic territory, and border disputes-all issues involving spatial control-these kinds of stakes were at play in 53 percent of all armed combats. If we group national liberation, national unification, and secession, we arrive at a category we can

call. "State creation." combined, these issues have been contested in 51 percent of all armed conflicts. And when we combine government composition, ideological liberation, and "protect ideological confreres" (the latter two included in the "other" category in Table 14-3) into a single "ideology" category, 44 percent of the wars and interventions have involved such issues. We can then conclude that territory, state creation, and ideological incompatibilities have been the issues that have driven a high proportion of all the cases of armed conflict since 1945.

The reader may wish to speculate on the kinds of issues that will generate conflicts in future. Now that the cold war has passed into history, will ideological divisions continue to drive wars? If the world's resources diminish; while demand continues to increase, will we see more uses of force to maintain access to or control over them? Will population pressures compel some states to search for more territory? Or, if the value of territory in general has declined, given that national strength today is based more on sciences, technology, and economic performance than an control of geographical space, will scrambles for territory cease to be a major source of war?

ACTIONS

Various research projects have demonstrated that the presence of these and other attitudes-hostility, lack of trust, and nationalism-are directly linked to the propensity of people to overreact to provocation. The studies help to explain why armed force is frequently the action that is ultimately taken in crisis, although other action may precede the use of force. In the early stages of conflict of crisis, protest, rejections, denials, accusations, demands, warnings, threats, and symbolic actions are likely to occur, whereas formal negotiation is more likely in the settlement

stage of the conflict or crisis. Some common form of action include:

1. Protest notes
2. Denials and accusations
3. Calling ambassadors home for "consultations"
4. Withdrawal of ambassador assigned to the opponent's capital
5. Threat of "serious consequences" if certain actions by the opponent do not cease
6. Threat of limited or total economic boycott or embargo
7. Extensive official denunciation of the opponent; propaganda at home and abroad
8. Application of limited or total economic boycott or embargo
9. Formal break in diplomatic relations
10. Exemplary nonviolent military actions – alerts, canceling leaves, partial or full mobilization
11. Harassment or closing of travel and communication between the antagonists' citizens
12. Formal blockades
13. Exemplary limited use of force; reprisals
14. War-of which there may be a great variety according to the nature of the objectives, level of force, geographic scope, and so forth.[1]

بین الاقوامی تصادم کی وقوع پذیری

بڑے بڑے تحقیقی منصوبوں کے اجراء اور ۱۸۱۵ء سے پیش آنے والے بین الاقوامی تصادموں کے خصوصی پہلوؤں اور باہمی روابط کی چھان بین کے نتیجے میں ہم آج نہ صرف بین الاقوامی تصادم کے واقعات بلکہ ان میں سے ایسے تصادموں کی نوعیت کو جو کم و بیش امکانی جنگ کا موجب بنتے ہیں، بہتر طور پر سمجھنے کی پوزیشن میں ہیں۔ ایک بہت بڑے مطالعہ بعنوان "سنگین بین الریاستی تنازعات" میں زیو ماوز (Zeev Maoz) نے ایسے تصادم آمیز واقعات کی نشاندہی کی ہے جو سب کے سب

[1] International Politics By K.J. Holsti. p.351-357

دھمکی، فوجی طاقت کے اظہار اور استعمال، جائے وقوع، شرکاء اور نتائج و عواقب کے بیانات پر مشتمل ہیں۔ ۱۸۱۵ء سے ۱۹۷۶ء تک کے عرصہ کے دوران موصوف نے ۸۲۷ تصادمی واقعات گنوائے ہیں جن میں ۲۱۰ انیسویں صدی اور بقیہ ۲۱۷ بیسویں صدی میں پیش آئے۔ اس تمام عرصے میں اوسطاً سالانہ ۵.۲ جنگی دھمکیوں یا جنگی کارروائیوں کے حامل واقعات تصادم تھے۔ پرامن ترین عرصہ نیو کلیائی جنگوں کے بعد والا تھا جبکہ ۱۹۴۵ء کے بعد کے زمانے نے سب سے زیادہ تعداد میں تصادم ہوتے دیکھے۔ مطلق مفہوم میں لیا جائے تو دنیا آج پہلے ادوار سے کہیں زیادہ نمایاں طور پر مائل بہ جنگ ہے تاہم جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ۱۸۲۰ء سے ۱۸۳۰ء تک کے عرصہ میں تقریباً ۲۳ قومی ریاستیں تھیں اور آج ان کی تعداد ۱۶۵ سے بھی زیادہ ہے، اگر تصادمی واقعات کو تصادم کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے تو وقوع پذیری میں واقعتاً کوئی خاص اضافہ دکھائی نہیں دیتا۔

مصنف کے دیئے گئے اعداد و شمار اس کے برعکس ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء تک کا درمیانی زمانہ (جنگ عظیم اول) سب سے زیادہ مائل بہ تصادم دور تھا جبکہ ۱۹۵۰ء کے بعد کا زمانہ ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۰ء دور کا مماثل رہا۔ اعداد و شمار کے حوالے سے اوسطاً پانچ سالہ عرصوں میں فی ریاست تصادمی واقعات کی تعداد ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۶ء تک تقریباً ۱.۲ رہی جبکہ مقابلتاً پر امن ۱۸۳۰ء تا ۱۸۴۰ء یہ اوسط تقریباً ۰.۸ رہی۔ مجموعی طور پر بیسویں صدی اس سے ماقبل ادوار سے زیادہ مائل بہ تصادم رہی ہے لیکن یہ کوئی اتنی چونکا دینے والی بات نہیں اور بہت سے مطالعے محولہ بالا دریافتوں سے حاصل کردہ نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ بڑی طاقتیں ان تصادم خیز واقعات کی خاصی بڑی تعداد کی توجیہہ کرتی ہیں اگرچہ ان کی تعداد زیر مطالعہ دو صدیوں میں گھٹ بڑھ کر ۴ اور ۸ کے درمیان رہی ہے۔ وہ تصادم کے تمام واقعات کے تقریباً ۴۱% میں کسی نہ کسی صورت میں دخیل رہے ہیں خواہ وہ تصادم شروع کرنے والے تھے، ان کا ہدف تھا یا دوسروں کے شروع کردہ تصادم میں فریق بن کر الجھ گئے تھے۔ جدول ۱.۱۴ میں بین

الاقوامی تصادموں میں درجہ دار شریک گیارہ سرکردہ ملکوں کی فہرست پیش کی گئی ہے۔

یہ اعداد و شمار بین الاقوامی تصا۔دں بطور شروع کنندہ، اہداف اور دخیل فریقوں کی حیثیت سے بڑی طاقتوں کے تغلب کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان سے جہاں اس قبیل کی ریاستوں کی مائل بہ تصادم کیفیت کی خبر ملتی ہے۔ ان تصادموں کی معتد بہ تعداد تقریباً ۵۸% ہے۔ چھوٹی ریاستوں کے درمیان رہی ہے تاہم چونکہ جدول میں سالوں کی تعداد شامل نہیں جن کے دوران کوئی ریاست اس نظام کا جصہ رہی، وہ یکسر طور پر تسلی بخش پیمانہ فراہم نہیں کرتی جس سے متعدد چھوٹی بڑی ریاستوں کے بین الاقوامی تصادموں میں شرکت کے میلان کا پتہ چل سکے۔ اس طرح Maoz نے ریاستی شرکت

جدول ۱.۱۴

درجہ دار ریاستوں کی تصادم میں شرکت کی تفصیل (۱۸۱۵ء - ۱۹۷۶ء)

ریاست	بطور شروع کنندہ	بطور ہدف	کل دخل اندازیاں
امریکہ (USA)	۵۱	۲۸	۱۲۰
برطانیہ	۵۶	۱۸	۱۱۹
روس (USSR)	۴۷	۳۱	۱۱۷
فرانس	۴۶	۱۶	۹۹
پرشیا - جرمنی	۲۷	۲۸	۷۶
ترکی	۱۲	۴۰	۷۰
اٹلی	۲۰	۱۱	۵۸
چین	۲۱	۱۹	۵۲
جاپان	۲۵	۱۶	۵۰
پیرو	۲۹	۱۸	۴۷
اسرائیل	۱۴	۱۶	۴۵

ذریعہ: اعداد و شمار فراہم کردہ Zeev Maoz

کی تعداد تخمیناً ریاستی سالوں کے لحاظ سے تقسیم کی ہے جو تصادم میں شرکت کی سالانہ تکراری رفتار (فریکونسی) کو ظاہر کرتی ہے۔ (جدول ۲.۱۴ ملاحظہ فرمایئے) ایک بار پھر بڑی طاقتوں کو تغلب حاصل ہے۔ اگرچہ درمیانی اور چھوٹی ریاستیں جو ۱۹۴۵ء سے مسلسل شریک تصادم رہیں سرفہرست ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بڑی طاقتوں میں انگلستان اور ریاستہائے متحدہ امریکہ وہ ممالک ہیں جن کے بارے میں یہ احتمال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جنگی دھمکیوں کا آغاز کرتے ہیں یا پھر واقعتاً پر تشدد تصادم برپا کرتے ہیں۔

جدول ۲.۱۴

شریک تصادم ممالک کی سالانہ فریکونسی (۱۸۱۵ء - ۱۹۷۶ء)

ریاست	ابتدائی سالانہ فریکونسی	مطلوبہ سالانہ فریکونسی	شرکت کی فریکونسی
اسرائیل	.۵۰	.۵۲	۱۰۶۱
انڈیا	.۵۲	.۴۱	۱.۱۰
شمالی ویت نام	.۵۰	.۳۶	.۸۶
یوگنڈا	.۵۷	.۲۹	.۸۶
امریکہ (USA)	.۳۲	.۱۸	.۷۵
برطانیہ	.۳۵	.۱۱	.۷۴
روس (USSR)	.۲۹	.۱۹	.۷۳
فرانس	.۱۶	.۱۰	.۶۳
پرشیا۔ جرمنی	.۲۱	.۲۲	.۵۹
پیرو	.۱۷	.۱۳	.۵۴
جاپان	.۲۳	.۱۵	.۴۶
چین	.۱۸	.۱۶	.۴۵
اٹلی	.۱۳	.۷	.۳۶

ذریعہ: اعداد و شمار Zeev Maoz تصنیف Path to Conflict صفحہ ۵۷

یہ اعداد و شمار گذشتہ ۱۶۰ سالہ دنیا کے بین الاقوامی تصادموں کے نقشے میں بڑی طاقتوں کے تغلب کی توثیق کرتے ہیں تاہم متعدد تحقیقی منصوبے اس نمونے کے استرداد کا پتہ دیتے ہیں۔

بڑی طاقتوں میں ٹکراؤ اور محاذ آرائی کے واقعات میں قدرے کمی آگئی ہے۔ (۱۹۴۵ء تا ۱۹۷۶ء) کے دوران ماقبل عالمی جنگ اول کے مقابلے میں ۲.۶۰ سے کم ہو کر سالانہ ۲.۱۶ ہوئی ہے) جبکہ چھوٹی طاقتوں کے مابین تصادم میں ڈرامائی اضافہ ہوا ہے جو کہ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۱۴ء عرصہ میں مابعد ۱۹۴۵ء سالانہ ۲.۴۷ سے بڑھ کر ۱۰.۱۰ ہو گئی۔ ۱۹۴۵ء سے چھوٹی طاقتوں کے درمیان تصادم زیادہ تر تیسری دنیا میں ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سے نئی ریاستوں کی طرف سے محفوظ سرحدوں کے حصول اور استعمار کی تقسیم کردہ نسلی، لسانی اور مذہبی سرحدوں اور گروہوں کو متحد کرنے سے رونما ہوئے ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں کے درمیان علیحدگی پسندانہ تحریکوں نے متعدد تصادم کو جنم دیا ہے جبکہ اس دوران بین الاقوامی تصادم کا اکھاڑہ، یورپ امن کا وسیع خطہ بن چکا ہے اور ۴۵ سالوں سے اس خطے میں ریاستوں کے درمیان کوئی مسلح تصادم نہیں ہوا۔

اب تک ہمارے سامنے سنگین بین الاقوامی تنازعات میں ملوث فریقوں اور واقعات کا ایک نقشہ رہا۔ تصادم کے اغلب امکانات کے حوالے سے خطرات سے بھرپور زمانے بیسویں صدی میں دیکھے گئے بالخصوص مابعد جنگ عظیم ۱۹۴۵ء کا زمانہ قریب قریب اس کے پیچھے تھا۔ ان تصادموں میں جن ریاستوں کے ملوث ہونے کا سب سے زیادہ احتمال تھا وہ بالخصوص ریاستہائے متحدہ امریکہ اور برطانیہ تھے۔

بین الاقوامی تصادم میں مسائل کے میدان

سوال یہ ہے کہ یہ فریق کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں، کس قسم کے مسائل پر وہ دھمکیاں اچھال کر روز گاہے گاہے جنگ کے نقارے بجا رہے تھے؟ اگر ہم جدید ریاستی نظام کی تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ہم خاندانی زعماء کو ایسے سوالوں پر آمادہ جنگ ہوتا ہوا پائیں گے جو آج کل کے معیارات کے مطابق عجیب اور اوٹ پٹانگ دکھائی دیتا ہے۔ وہ تخت و تاج کے دعووں، خاندانی وراثتوں اور مذہبی مباحثوں پر

جنگیں لڑتے تھے۔ مزید برآں وہ حدود سلطنت کو وسعت دینے، دفاعی اہمیت کی حامل آبی گزرگاہوں، پہاڑی دروں پر خود حفاظتی نقطہ نظر سے قبضہ کرنے، نو آبادیاں بنانے اور ماہی گیری کے ذخائر کو کنٹرول میں لینے کی ہوس کو تسکین دینے کے لئے جنگ پر اتر آتے تھے۔ یہ چیزیں آج بھی بین الاقوامی تصادم کی راہیں ہموار کرنے کا اپنے اندر امکان رکھتی ہیں۔

۱۹۴۵ء سے بڑے مسائل جو تصادم اور بحرانوں کا باعث بنے وہ ریاستی ہیئت کی تلاش سے متعلق تھے۔ قومی تحریک ہائے آزادی نے لاتعداد جنگوں کی بنا ڈالی جن کا مقصد استعماری غلبہ سے آزادی حاصل کرنا تھا۔ ابھی حال ہی کی بات ہے کہ ہمارے مشاہدے میں نسلی اور لسانی اقلیتوں کی وہ کوششیں آئی ہیں جو وہ پہلے سے قائم ریاستوں سے علیحدگی کے بعد اپنی ریاستوں کے قیام کے لئے کر رہے ہیں۔ آج جب ہم اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں دنیا میں علیحدگی پسندانہ طاقتوں کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے جو پھر خانہ جنگیوں سے شروع ہونے والی کارروائیوں کو بین الاقوامی رنگ دینے لگتا ہے۔ فلسطینی ۱۹۶۰ء کے عشرے سے اپنی ریاست کے قیام کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اسی طرح ایتھوپیا میں ایریٹرین (Eritrean) باشندے، سری لنکا کے تامل، کشمیری، کرد اور درجنوں دوسرے عسکری گروہ مصروف عمل ہیں۔

جنگوں کو ریاستی استحکام کے لئے بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے جیسا کہ ویت نام میں قبل ازیں تقسیم شدہ علاقوں کو از سر نو متحد کرنے یا نسلی بنیادوں پر لوگوں کو ہمسایہ ملکوں میں شامل کرنے جو دیگر ریاستوں کی زیر تحویل تھے کی صورت میں ہمارے سامنے اس کی مثالیں پاکستان اور کشمیری، ترک اور ترک قبرصی ہیں۔

جدول ۳.۱۴اوہ مسائل جو انسٹھ (۵۹) مسلح تصادموں کی تہ میں سلگتے رہے۔

مسئلہ	فریکونسی	تصادموں کے فیصد تناسب میں ظاہر ہوا
حکومت کی تشکیل و ترکیب	۱۶	۲۸
قومی آزادی / قیام ریاست	۱۶	۲۸
زمینی علاقہ (عمومی)	۱۴	۲۴
دفاعی خطہ زمین	۱۳	۲۲
ریاستی / حکومتی بقا	۱۲	۲۱
قومی اتحاد و اختلاط	۱۰	۱۷
اتحادی کی مدد اور دفاع	۹	۱۶
نسلی اتحاد و اختلاط	۷	۱۲
وسائل و تجارت	۶	۱۰
قومی باشندوں / بیرونی تجارتی مفادات کا تحفظ	۵	۹
بیرونی نسلی برادری کا تحفظ	۵	۹
آبادی کا تحفظ / قیام امن	۵	۹
سرحدی جھگڑے	۴	۷
معاہدہ صلح کی ذمہ داریاں پوری کرنا	۴	۷
خود مختاری	۴	۷
علیحدگی پسندی / قیام ریاست	۴	۷
علاقائی غلبہ کی بحالی	۳	۵
تجارت، لین دین / جہاز رانی	۲	۳
دیگر	۱۷	۲۹

حکومتوں کی تشکیل و ترکیب بھی جنگوں کا پیش خیمہ بنی رہی ہے۔ ان کے پیچھے نظریاتی مسائل کار فرما رہے ہیں مثال کے طور پر ایک طاقت اپنے محصور اور بے دست و پا اتحادی کو سہارا دینے کے لئے فوج کے ساتھ آدھمکتی ہے یا ایک ایسی حکومت کو گرانے کے لئے کود پڑتی ہے جس کے وجود کو وہ اپنی اور اپنے اتحادیوں کی سلامتی کے لئے خطرہ سمجھتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ بے شمار مواقع پر ایسی حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لئے جو اس کی برداشت سے باہر تھے فوجی قوت کا سہارا لے چکا ہے یا ایسی حکومتوں کو بچانے کے لئے جنہوں نے اس سے عسکری مدد کی درخواست کی تھی فوجی مداخلت کرتا رہا۔ ان مداخلتوں اور دست اندازیوں کی طویل فہرست میں جو ملک تختہ مشق بنے ان میں لبنان (۱۹۵۸ء) ویتنام (۱۹۵۰ء کے عشرے کے اواخر میں) گرینیڈا (۱۹۸۲ء) شامل ہیں۔ سوویت یونین کی عسکری یلغار کا نشانہ ہنگری (۱۹۵۶ء) چیکوسلواکیہ (۱۹۶۸ء) اور افغانستان (۱۹۷۹ء) بنے آخر الذکر کا مقصد اصلاح پسندانہ سوویت مخالف انقلابی حکومتوں کو کچلنا تھا۔

علاقہ، سرزمین کے بارے میں تشویش اپنی جگہ لیکن بالخصوص اس دفاعی فوجی اہمیت اور قیمتی بیش بہا وسائل والے علاقے پر قبضے کی خواہش ایک ایسا مسئلہ رہا ہے جس نے ان گنت تصادم اور متعدد جنگوں کو جنم دیا۔

انسٹھ (۵۹) مابعد ۱۹۴۵ء مسلح تصادموں اور بڑی فوجی مداخلتوں کے مطالعہ پر مبنی جدول ۳۔۱۴ میں مختلف النوع مسائل کی فہرست دی گئی ہے جو دو یا دو سے زیادہ حریفوں کے درمیان وجہ نزاع و جنگ بنے رہے۔ کالم کو جمع کرنے سے ۱۰۰ فیصد سے بھی اوپر تناسب جا پہنچتا ہے اس لئے کہ بیشتر جنگیں متعدد مسائل کی کوکھ سے پیدا ہوئیں۔

جیسا کہ ظاہر ہے جنگوں اور مسلح مداخلتوں کے اسباب کثیر اور مختلف النوع رہے ہیں تاہم بعض مسائل سے کچھ ملتے جلتے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اس طرح کہ ہم انہیں یکجا کر کے ان کی عمومی نوعیتوں کو الگ الگ بیان کر سکتے ہیں جب ہم عام علاقہ زمین، دفاعی علاقہ زمین، سرحدی تنازعات اور تمام مسائل جو زمینی اور فضائی کنٹرول سے متعلق ہیں کو ملا کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مابہ النزاع امور ۵۳ فیصد مسلح

تصادموں کا باعث رہے ہیں۔ اگر ہم قومی حریت، قومی اتحاد و اختلاط اور علیحدگی پسندی کو یکجا کریں تو ایک ایسی حد بندی تک پہنچتے ہیں جسے ریاستی تخلیق کا نام دیا جا سکتا ہے۔ باہم دگر ملانے سے یہ مسائل تمام مسلح تصادموں کے ۵۱ فیصد ہیں جن سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب ہم حکومتی ترکیب تشکیل، نظریاتی حریت و آزادی کو یکجا کرتے ہیں اور ایک ہی نظریئے کو تحفظ فراہم کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ۴۴ فیصد جنگیں اور دست اندازیاں اسی نوع کے مسائل کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ علاقہ زمین، تخلیق ریاست اور نظریاتی عدم مواقفتیں ایسے مسائل کا موجب رہی ہیں جو ۱۹۴۵ء سے تمام مسلح تصادم کی صورتوں کو بلند نقطے تک ابھارتے چلے آئے ہیں۔

قاری مسائل کی ان قسموں کے بارے میں شاید تخمینہ لگانا چاہے جو جو مستقبل میں تصادم کا باعث بنیں گی۔ اب جبکہ سرد جنگ تاریخ کا حصہ بن چکی ہے کیا نظریاتی حد بندیاں جنگوں پر ابھارتی رہیں گی؟ اگر دنیا کے وسائل کم ہو جائیں جبکہ طلب میں اضافہ ہوتا چلا جائے تو کیا ہم ان تک رسائی حاصل کرنے کے لئے طاقت کے استعمال پر زیادہ انحصار دیکھیں گے؟ کیا آبادی میں بے تحاشا دباؤ بعض ریاستوں کو جوع الارض میں مبتلا کر دے گا؟ اگر زمینی علاقے کی عمومی قدر و قیمت گر جائے اور قومی طاقت کی بنیاد جغرافیائی علاقوں پر کنٹرول کی بجائے زیادہ سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشی کارکردگی پر ہو تو کیا ارض گیری کی ہوس جنگ کا بڑا ذریعہ نہ رہے گی؟

افعال

تحقیق کے کئی منصوبوں نے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ اس طرح کے رویے، مخاصمت و حالت جنگ، یقین و اعتماد کے فقدان اور قومیت پرستی براہ راست لوگوں کی اشتعال انگیزیوں کے مقابل میں ضرورت سے زیادہ ردعمل کی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان مطالعوں سے اس امر کی وضاحت میں مدد ملتی ہے کہ بحرانی صورتحال میں کیونکر مسلح طاقت کا استعمال ناگزیر سمجھا جاتا ہے جبکہ طاقت کے استعمال سے پہلے دوسری کارروائی کا امکان بھی موجود ہوتا ہے۔ تصادم یا بحران کے ابتدائی

مراحل میں پہلے ردعمل کا اظہار احتجاج، استرداد، انکار، الزامات، مطالبات، انتباہ، دھمکی اور دیگر علامتی کارروائیوں کی صورت میں عین ممکن ہے۔ اس کے ساتھ بصورت دیگر تصادم یا بحران کے فیصلہ کن تصفیہ طلب مرحلے میں رسمی مذاکرات کی راہ اختیار کرنا قرین قیاس ہے۔

اس ضمن میں کارروائی کی عمومی صورتیں درج ذیل امور پر مشتمل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ احتجاجی مراسلے

۲۔ انکار اور الزامات

۳۔ سفیروں کی مشاورت کے لئے درون ملک طلبی

۴۔ مخالف ملک کے دارالحکومت میں متعین سفیر کو واپس بلا لینا

۵۔ سنگین نتائج کی دھمکی، اگر حریف کی طرف سے مخصوص کارروائیوں کو بند نہ کیا گیا

۶۔ محدود یا مکمل اقتصادی بائیکاٹ یا پابندی کی دھمکی

۷۔ مخالف ملک کی وسیع پیمانے پر تنقیص و مذمت، درون ملک اور بیرون ملک پراپیگنڈہ

۸۔ محدود یا مکمل اقتصادی بائیکاٹ یا پابندی لاگو کرنا

۹۔ سفارتی تعلقات کا رسمی انقطاع

۱۰۔ مثالی غیر متشدد فوجی کارروائیاں، خبردار کرنا، چھٹیاں منسوخ کرنا، جزوی یا مکمل لام بندی

۱۱۔ متحارب ملکوں کے درمیان سفر اور نقل و حمل کے راستوں کو بند کرنا یا ہراساں کرنا

۱۲۔ راستوں کی رسمی ناکہ بندیاں

۱۳۔ برائے مثال محدود قوت کا استعمال، جوابی کارروائیاں

۱۴۔ جنگ، جس کی متنوع صورتیں مقاصد کی نوعیت، طاقت کی سطح، جغرافیائی گنجائش و وسعت کے لحاظ سے ہو سکتی ہیں۔

تبصرہ

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ گذشتہ دو تین صدیوں سے پوری دنیا میں بھڑکائی گئی جنگ کی آگ میں لاکھوں لوگوں کی جانوں اور مال و اسباب کے ضیاع کے ذمہ دار سارے کے سارے غیر مسلم ممالک ہیں۔ علاقائی یا عالمی جنگوں کی ابتداء کرنے والے مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم ہیں لیکن کتنے ظلم کی بات ہے کہ انسانیت کے قاتل بڑے ملک مسلمانوں کو دہشت گرد (Terrorist) اور بنیاد پرست (Fundamentalist) ہونے کے طعنے دے رہے ہیں۔

HOW INFLUENCE IS EXERCISED

Social scientists have noted several fundamental techniques that individuals and groups use to influence each other. In a political system that contains no one legitimate center of authority that can command the members of the group or society, bargaining has to be used among the sovereign entities to achieve or defend their objectives. Recalling that A seeks one of three courses of conduct from B (B to do X doing in the future, B not to do X in the future, or B to continue doing X), it may use six different tactics, involving acts of.

1. Persuasion. By persuasion we mean simply initiating or discussing a proposal with another and eliciting a favorable response without explicitly holding out the possibility of punishments. We cannot assume that the exercise of influence is always against the wishes of others and that there are only two possible outcomes of the act, one favoring A, the other favoring B. For example, state A asks B to support it at a coming international conference on the control of narcotics. State B might not originally have any particular interest in the conference or its outcome, but it decides, on the basis of A's initiative, that something positive might be gained, not only by supporting A's

proposals, but also by attending the conference. In this case, B might also except to gain some type of reward in the future, although not necessarily from A Persuasion would also include protests and denials that do not involve obvious threats.

2. The Offer of Rewards. This is the situation where A promises to do something favorable to B if B complies with the wishes of A. Rewards may be of almost any type in international relations. To gain the diplomatic support of B at the narcotics conference, A may offer to increase foreign aid payments, lower tariffs on goods imported from B, support B at a later conference on communications facilities, or promise to remove a previous punishment. The last tactic is used often by negotiators. After having created an unfavorable situation., they promise to remove it in return for some concessions by their opponents.

3. The Granting of Rewards. In some instances, the credibility of a government is not very high, and state B, before complying with A's wishes, may insist that A actually give the reward in advance Frequently, in armistice negotiations, neither side will unilaterally take steps to demilitarize an area or demobilize troops until the other shows evidence of complying with the agreements. One of the cliches of cold-war diplomacy held that deeds, not words, are required for the granting of rewards and concessions.

4. **The Threat of Punishment.** Threats of punishment may be further subdivided into types: (a) positive threats, where, for example, state A threatens to increase tariffs, institute a boycott or embargo against trade with B, or use force, and (b) threats of deprivation, where A threatens to withdraw foreign aid..[1]

---

[1] International Politics By K.J. Holsti. P.125

اثر کیونکر بروئے کار لایا جاتا ہے؟

ماہرین عمرانیات نے متعدد تیکنیکی طریقوں کا ذکر کیا ہے جو افراد اور گروہ ایک دوسرے کو متاثر کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ایک ایسے سیاسی نظام میں جہاں کسی گروہ یا معاشرے کو مطیع و تابع رکھنے کے لئے اقتدار و حکومت کا جائز مرکز کا فقدان ہو وہاں مقتدر و مختار ہستیوں کے درمیان مقاصد کے حصول اور دفاع کے لئے کوئی نہ کوئی سودا چکانا پڑتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ "الف" کسی "ب" سے تین طرز ہائے سلوک میں سے ایک کا طلبگار ہے یعنی (۱) "ب" کوئی کام "ایکس" کو مستقبل میں کرے۔ (۲) "ب" وہ کام "ایکس" مستقبل میں نہ کرے اور (۳) "ب" وہ کام "ایکس" مستقبل میں تسلسل کے ساتھ کرتا رہے۔ اس مقصد کے لئے وہ چھ مختلف انداز اور اسلوب اختیار کر سکتا ہے۔

۱۔ ترغیب

ترغیب سے ہماری مراد کسی تجویز کا آغاز کرنا یا اس کے بارے میں دوسرے سے بات چیت کرنا اور کھلم کھلا واضح طور پر سزا کے امکان کو درمیان میں لائے بغیر سازگار جواب اور ردعمل حاصل کرنا ہے۔ ہم یہ بات فرض نہیں کر سکتے ہیں کہ اثر کا بروئے کار لانا ہمیشہ دوسرے کی خواہشات کے برعکس ہوگا اور یہ کہ اس کے دو ممکنہ نتیجے اور ماحصل ہوں گے جن میں سے ایک "الف" کے لئے اور دوسرا "ب" کے لئے سازگار ہوگا۔ مثال کے طور پر ریاست "الف" ریاست "ب" سے کہتی ہے کہ وہ منشیات پر کنٹرول کے سلسلے میں بلائی گئی بین الاقوامی کانفرنس میں اس کے موقف کی تائید کرے۔ ریاست "ب" ہو سکتا ہے ابتداء کانفرنس کے مقاصد میں خاص دلچسپی نہ رکھتی ہو لیکن یہ "الف" ریاست کے ایماء پر اس میں شرکت کا فیصلہ کرتی ہے، اس امید کے ساتھ کہ "الف" کی پیش کردہ تجاویز کی حمایت کر کے نہ صرف اسے فائدہ ہو بلکہ کانفرنس میں شریک ہونا بھی اس کے لئے سود مند ہو۔ اس صورت میں "ب" شاید یہ توقع کرنے لگے کہ اسے مستقبل میں کسی قسم کا صلہ یا انعام ملے جو ضروری نہیں کہ

"الف" سے ہی حاصل ہو۔ ترغیب میں احتجاج یا انکار کا عنصر تو شامل ہو سکتا ہے لیکن اس میں ظاہری طور پر دھمکانے کا عمل نہیں ہو گا۔

۲۔ انعام و اکرام کی پیشکش

یہ ایک ایسی صورتحال ہے جہاں "الف" وعدہ کرتا ہے کہ وہ "ب" کے ساتھ کوئی بھلائی کا کام کرنا چاہتا ہے، اگر "الف" اس کی خواہشات کی تعمیل کرے۔ انعام و اکرام کی نوعیت بین الاقوامی تعلقات میں کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ "ب" کی منشیات کانفرنس میں سفارتی حمایت حاصل کرنے کے لئے "الف" غیر ملکی امداد کی ادائیگیوں میں اضافہ "ب" سے در آمد شدہ مال پر کم محصول، مواصلاتی سہولیات پر بعد میں ہونے والی کانفرنس "ب" کی حمایت، کسی سابقہ دی گئی تعزیر کو ختم کرنے کی پیشکش کر سکتا ہے۔

آخری حربہ اکثر اوقات مذاکرات کے شرکاء استعمال کرتے ہیں۔ کسی ناخوشگوار صورتحال پیدا ہونے کے بعد وہ اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ مخالفین کی طرف سے کچھ مراعات کے بدلے وہ اسے دور کر دیں گے۔

۳۔ انعام و اکرام کا حق دینا

بعض مثالوں اور واقعات میں حکومت کا اعتبار و وقار زیادہ بلند نہیں ہوتا۔ ممکن ہے ریاست "ب" ریاست "الف" کی خواہشات کی تعمیل سے پہلے اس بات پر اصرار کرے کہ "الف" فی الواقعہ یہ انعام پیشگی طور پر ادا کرے۔ اکثر التوائے جنگ کے مذاکرات میں فریقین میں سے کوئی بھی یکطرفہ طور پر کسی علاقے سے فوجی انخلاء یا اسے غیر فوجی علاقے بنانے کے لئے کوئی اقدام نہیں کرے گا جب تک دوسرا فریق معاہدے کی شرائط پر پورا اترنے کی گواہی نہ دے گا۔ سرد جنگ ڈپلومیسی کا ایک طے شدہ کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ انعام یا مراعات کے لئے الفاظ نہیں بلکہ اعمال و افعال کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ سزا کا ہوا

سزا کی دھمکیاں مزید دو قسم کی ہو سکتی ہیں۔

(ا) مثبت دھمکیاں جہاں مثال کے طور پر ریاست "الف" محصول میں اضافے، مقاطعے یا "ب" کے خلاف تجارتی پابندیاں عائد کرنے یا طاقت کے استعمال کی دھمکی دے گا

(ب) محروم کر دینے کی دھمکیاں جبکہ "الف" غیر ملکی امداد کی بندش کی دھمکی دیتا ہے۔

تبصرہ

کمزور ملکوں کو اپنا غلام بنانے اور دست نگر رکھنے کے لئے کیا کیا حیلے بہانے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس عبارت سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بایں ہمہ انہیں دعویٰ ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی اور امن و آشتی کے پیامبر ہیں۔ بڑی طاقتوں کے ماہرین براہ راست اس ادھیڑ بن میں مصروف رہتے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں کس طرح اپنا اثر و نفوذ بڑھایا جائے اور پھر اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے سازشی کارروائیوں کے ذریعے عدم استحکام کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

MAKING PEACE

We have now examined the various ways that conflicts of interests of between states are resolved. Most are compromises, but significant numbers of conflicts, often involving high costs in lives, are not resolved short of the use of force. Wars often result in negotiated peace, but sometimes a conquest is made final through state annexation. Since 1945, a large number of conflicts have had no formal outcome. They remain in limbo, with no formal settlement in sight. Yet in other cases parties to a conflict resolve the issue through negotiations plebiscites, or other conflict-resolving techniques, and the outcomes are registered through treaties and other formal instruments. A

new situation has been created, and it has achieved legitimacy. Peacemaking can have a grand scope, as in 1815, 1919, and 1945, when after pan-European or world wars, the parties-usually the victors -----came together to plan the postwar order. Wars are important learning experiences, and those who plan the peace usually take steps to build institutions and elaborate procedures so that the past great war will not be repeated. The Congress of vienna, whatever its other faults, built an international order for Europe that significantly helped reduce the incidence of war in the succeeding decades. In contrast, the League of Nations and the peace it represented was a failure in the sense that the incidence of war and conflict was significantly higher in the postwar period than it had been in the previous century. Those who drafted the charter of the United Nations wanted to prevent a repeat of the serial aggressions of Japan, Germany, Italy, and the Soviet Union in the 1930s. As we have seen, the post-1945 record has been somewhat more impressive in this regard.

Planning for peace is an extremely difficult undertaking. Those who are responsible must try to anticipate the issues of the future as well as prevent a recurrence of the past. They must deal with the defeated countries. Is it better to exact revenge, as the Treaty of Versailles did against Germany in 1919? Or should the defeated be re-assimilated into the society of states as quickly as possible? How should the peace be crafted so that the defeated parties will not seek wars of revenge or, when opportunities are more favorable, seek to undo the peace? What provisions should be included so that the security of all parties is enhanced rather than endangered? What mechanisms and procedures should be established to deal with conflicting interpretations of peace treaties and other conflict-resolving instruments? There are no hard and fast answers to these questions, but the questions must be asked as guides to policy. Otherwise an outcome achieved through military means and a subsequent diktat is likely to

constitute the breeding ground for a new war.

Building a stable peace is a much more exacting task than going to war. Yet scholars, state leaders, and politicians give these questions much less thought than they do to the development of defense policies, military doctrines and war plans. It is unfortunate that we do not have any proven recipes. The methods, institutions, and procedures of crisis management and conflict resolution outlined in this chapter tell us something about how conflicts can be abased and sometimes successfully resolved. But there is the next crucial step, which is to elaborate the conditions and arrangements that are necessary to create enduring peace between a pair of states, regionally, or globally. While the following list is hardly exhaustive, it does suggest some of the necessary conditions. You may wish to add other items, and as an exercise of statesmanship, you might speculate how the principles could be applied to an ongoing difficult conflict such as that in the Middle East.

1. Justice
2. Assimilation of the defeated party into the international system and its organizations and institutions
3. No reparations except in cases of clear-cut aggression involving willful destruction of lives and property beyond those associated with military campaigns
4. Creation of a system to monitor implementation of the terms and conditions of a peace treaty
5. Guarantees for the security of the conflict parties, usually provided by an outside power or an international organization
6. Programs to enhance economic interdependence and contacts between the conflict parties or within a region as a whole
7. Building procedures and institutions to resolve conflicts over interpretations of peace treaties and

other peace arrangements
8. Arms control regimes between the parties, with international monitoring, inspection, and sanctions
9. Periodic reviews of peace treaties and other post conflict arrangements to make necessary adjustments, given changing domestic and international circumstances.[1]

قیام امن کی کاوشیں

ہم ان مختلف طریقوں پر غور کر چکے ہیں جن سے ریاستوں کے مابین مفادات کے تصادم حل کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں اکثر پر سمجھوتے ممکن ہیں لیکن کشمکشوں کی خاصی معنی خیز تعداد ایسی ہے جن میں بہت زیادہ جانوں کی بھینٹ دینا پڑتی ہے اور انہیں طاقت کے استعمال سے کم کسی ذریعے سے طے نہیں کیا جا سکتا۔ جنگوں کا نتیجہ اکثر مذاکراتی امن کی صورت میں نکلتا ہے لیکن بعض اوقات ریاست پر قبضے کے ذریعے حتمی فتح تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ۱۹۴۵ء سے تصادموں کی بہت بڑی تعداد کا کوئی رسمی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ وہ تصادم کسی رسمی تصفیہ کا امکان نظر آئے بغیر معرض التواء میں پڑے رہتے ہیں تاہم دیگر صورتوں میں تصادم کے فریق مسئلے کا حل مذاکرات کے ذریعے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رائے شماری اور دوسرے تصادم حل کرنے والے طریقے بھی بروئے کار لائے جا سکتے ہیں اور ان نتائج کو معاہدہ ہائے امن اور دیگر رسمی قانونی طریقوں سے رجسٹر کر لیا جاتا ہے۔ ایک نئی صورتحال جنم لے کر جواز حاصل کر لیتی ہے۔ قیام امن کے امکانات شاندار ہو سکتے ہیں جیسے ۱۸۱۵ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۴۵ء میں یورپ کے ا یا عالمی جنگوں کے بعد تمام فریق بالعموم فاتحین مابعد جنگ منصوبے تشکیل دینے کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے۔ جنگیں اہم سبق آموز تجربے عطا کرتی ہیں جن کی بنا پر امن منصوبے بنانے والے ایسے اداروں کی تعمیر اور مفصل طریق کار طے کرنے سے متعلق اقدام کرتے ہیں تاکہ گذشتہ جنگ عظیم کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ ویانا میں منعقد ہونے والی کانگریس میں چاہے اور کتنی ہی خامیاں کیوں نہ ہوں اس نے یورپ کے لئے ایک

[1] International Politics By K.J. Holsti, p. 125, 376-377

ایسا انٹرنیشنل نظام وضع کیا جس نے آنے والے عشروں میں جنگ کے اعادے کے امکان کو بہت حد تک کم کرنے میں مدد دی۔ اس کے مقابلے میں لیگ آف نیشنز. جس امن کی ترجمان تھی وہ اس اعتبار سے ناکامی سے دوچار ہوا کہ گذشتہ صدی کی نسبت جنگ و تصادم کا امکان مابعد جنگ دور میں خاصا زیادہ بڑھ گیا۔ یو این چارٹر تدوین کرنے والوں نے ۱۹۳۰ء کے عشرے میں جاپان، جرمنی، اٹلی اور سوویت یونین کی طرف سے جارحیت کی تکرار کو روکنا چاہا۔ جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے ۱۹۴۵ء کے بعد کا ریکارڈ اس لحاظ سے کہیں زیادہ متاثر کن رہا ہے۔

امن کی منصوبہ بندی کرنا ایک انتہائی دشوار ذمہ داری ہے۔ ذمہ دار افراد کو مستقبل کے مسائل کی پیش بینی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور انہیں ماضی کے واقعات کے اعادے کو روکنا ہو گا۔ انہیں شکست خوردہ ملکوں سے بھی معاملات نمٹانا ہوں گے۔ کیا جس طرح ۱۹۱۹ء میں معاہدہ ورسیلز کے تحت جرمنی کے خلاف انتقامی کارروائی عمل میں آئی۔ اس طرح کا انتقام لینا بہتر ہے یا شکست خوردہ کو جتنی جلدی ممکن ہو ریاستوں کی برادری میں دوبارہ مدغم کرنا؟ امن کا سانچہ ایسے تعمیر کرنا چاہئے کہ شکست خوردہ فریق دوبارہ انتقامی جنگوں کو شروع کرنے پر آمادہ نہ ہونے پائیں یا جب مواقع زیادہ سازگار ہوں امن کی توڑ پھوڑ سے گریز کریں۔ معاہدے میں کونسی شقیں شامل کی جائیں کہ سب فریقین کی سلامتی بجائے خطرے میں پڑنے کے اور زیادہ بڑھ جائے۔ کیا تیکنیکی طریقے اور تدابیر بروئے کار لائی جائیں تاکہ امن معاہدوں اور ان سے متعلق دستاویزات کی متضاد و متصادم تعبیرات سے نمٹا جا سکے؟ ان سوالوں کے کوئی جامع و مانع اور واضح جوابات نہیں دیئے جا سکتے لیکن ان استفسارات کو پالیسی کے راہنما خطوط کے طور پر لینا چاہئے، بصورت دیگر عسکری ذرائع سے حاصل کردہ حل اور اس کے نتیجے میں اٹھایا جانے والا اقدام ایک نئی جنگ کا پیش خیمہ بننے کا امکان رکھتا ہے۔

برسرپیکار ہونے کی نسبت ایک پائیدار امن کی تعمیر صبر آزما اور ہمت طلب کام ہے تاہم طلباء، زعمائے ریاست اور سیاستدان ان سوالات کو اتنی گہرائی میں جا کر نہیں دیکھتے جتنا وہ دفاعی پالیسیوں، عسکری نظریات اور جنگی منصوبوں کی تشکیل پر غور

کرتے ہیں۔ کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ ہمارے پاس کئی آزمودہ نسخہ ہائے علاج موجود نہیں۔ اس باب میں جن طریقوں، اداروں اور بحران و تصادم سے نمٹنے اور حل کرنے والی تدابیر کا خاکہ دیا گیا ہے وہ ہمیں کچھ جانکاری دیتے ہیں کہ ان تصادموں کی کس طرح کایا پلٹ کی جا سکتی ہے اور بعض اوقات انہیں حل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ایک اور نازک، فیصلہ کن قدم اور حالات و انتظامات کی تفصیلات طے کرنا ہے جو کسی دو ریاستوں کے درمیان علاقائی یا عالمی طور پر دیرپا امن پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اگرچہ درج ذیل فہرست بمشکل پوری تفصیلات کا احاطہ کرتی ہے تاہم بعض ضروری حالات کا پتہ ضرور دیتی ہے۔ اس میں آپ چاہیں تو اور آئٹموں کا اضافہ بھی کر سکتے ہیں اور تدبر و فراست جانچنے کی خاطر آپ اندازے اور تخمینے لگا سکتے ہیں کہ ان اصولوں کا اطلاق کس طرح جاری مشکل تصادموں پر جیسا کہ مشرق وسطیٰ میں رونما ہو رہے ہیں، کر سکتے ہیں۔

۱۔ انصاف

۲۔ شکست خوردہ حریف کا بین الاقوامی نظام، تنظیمات اور اداروں میں دخول و نفوذ

۳۔ ماسوائے بین اور واضح جارحیت کے جس میں دانستہ جان و اموال کا نقصان ہوا ہو علاوہ اس کے جو فوجی مہمات میں ناگزیر ہو کوئی تاوان جنگ عائد نہ کیا جائے۔

۴۔ معاہدہ امن کی شرائط کی تعمیل کی ہمہ وقت نگرانی کا نظام قائم کیا جائے۔

۵۔ متصادم فریقوں کی سلامتی کی ضمانتیں جو بالعموم ایک بین الاقوامی تنظیم کی بیرونی طاقت فراہم کرتی ہے۔

۶۔ ایسے پروگرام جو متصادم فریقوں کے مابین باہمی اقتصادی انحصار اور رابطوں کو مجموعی طور پر تمام علاقے کے اندر رواج دینے کے لئے وضع کئے جائیں۔

۷۔ امن معاہدوں اور دیگر انتظامات امن کی تعبیرات پر ہونے والے تصادموں کی روک تھام کے لئے طریق ہائے کار اور ادارے بنائے جائیں۔

۸۔ فریقوں کے مابین بین الاقوامی ہمہ وقتی نگرانی، معائنہ اور پابندیوں کے ساتھ تحدید اسلحہ کے سلسلے قائم کئے جائیں۔

۹۔ بدلتے ہوئے داخلی اور بین الاقوامی حالات میں ضروری ترامیم اور ردوبدل کے لئے امن معاہدوں اور دیگر مابعد تصادم انتظامات پر گاہے بہ گاہے جائزے لئے جائیں۔

تبصرہ

آپ نے دیکھا کہ جملہ امن کاوشیں نقش بر آب ثابت ہوئی ہیں۔ انسان جس قدر سکوں کو تلاش کرتا ہے اسے اس قدر اضطراب سے واسطہ پڑتا ہے۔ جنگوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اصل حقیقت یہ ہے کہ بین الاقوامی سامراجی طاقتیں دنیا کو بیوقوف بنانے کے لئے امن کے بڑے خوبصورت منصوبے بناتی ہیں لیکن درپردہ جنگ کی آگ بڑھکائے رکھنے کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں بھی جاری رہتی ہیں۔

American Intervening Policy

Acting as a hemispheric regional power the United States has a long history of intervening, both openly and covertly, in its own 'back-yard': the Caribbean and Latin America, In defense of its own ideological, economic and security interests the United States has shown scant respect for the sovereignty of a number of states in the region. The most recent example was the invasion of Panama in 1989. Sovereignty was the issue in the war in the South Atlantic in 1982. Britain claimed sovereign right over the Falkland Islands while the local regional power, Argentina, argued that the same archipelago, which it called 'the Malvinas' were part of her sovereign territory.

An interesting example of local intervention in the domestic affairs of a sovereign state occurred in East Africa in 1979. In that year President Nyerere of Tanzania, sickened by the bloodshed perpetrated by his maniacal neighbour Idi Amin of Uganda, ordered Tanzanian troops to invade that suffering country to overthrow its ruler.

In the Middle East there is no doubting the status of

Israel as a formidable regional power, yet its very right to exist as a sovereign state was for long denied by its Arab neighbours. And Israel itself has virtually instituionalised-for security reasons – its own intervention in the affairs of Lebanon.

It must be emphasised, of course, that in considering these examples of the role or violation of sovereignty in regional conflicts, the issue has been the legal not the moral validity of the actions. Let us now consider some examples of the regional powers and conflicts.-----

Acting with British-American blessings, Shah Mohammad Reza Phalavi has accepted responsibility for the security for the Persian Gulf after Britain removes its protection and armed forces.... By 1975.. When the present programme of military deliveries and training is completed. Iran is excepted to be a major Middle Eastern power and an element of stability in the volatile Gulf region. American officials say. (quoted. Halliday. 1974, p. 484)

The plan did not outlive the decade as the Shah's regime foundered in the Islamic revolution in 1979. By 1990 the behaviour of Saddam Hussein had disqualified Iraq for the role of Us-supported regional power. Therefore, in the months following the second Gulf war the American administration pumped over 800 million dollars' worth of sophisticated military equipment into Saudi Arabia in order that she might perform this function.

However, all this Western attention was not entirely welcome. Powerful nationalist movements were already expressing anti-Western feelings in Iran and Iraq by the 1950s. Sometimes these were directed primarily against Western political influence, sometimes against Western cultural infiltration. For instance the creation of the Organisation of Petroleum Exporting Countries (OPEC), including six Gulf States, in 1960 was an attempt to defend these countries' economic interests against the Western

multinational oil companies. A more dramatic example may be found in the Iranian revolution of 1979. In the capital Tehran, this assumed violent anti-American overtones including the seizure of the US Embassy staff as hostages.[1]

امریکی مداخلت کی پالیسی

نصف کرہ ارض کی سپر علاقائی طاقت ہونے کے ناطے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی اپنے عقبی علاقے میں اعلانیہ اور غیر اعلانیہ دخل اندازی کی ایک طویل تاریخ ہے جس کی مثالیں کیوبا اور لاطینی امریکہ ہیں۔ اپنے نظریاتی، اقتصادی اور سلامتی کے مفادات کے تحفظ کے لئے امریکہ نے اس خطے میں واقع ریاستوں کی خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کے احترام کا مظاہرہ بہت کم کیا ہے۔ اس کی حالیہ ترین مثال ۱۹۸۹ء میں پانامہ پر حملہ تھا۔ ۱۹۸۲ء میں کوہ اطلس کے جنوبی علاقے میں جنگ کا مسئلہ علاقائی خودمختاری تھا۔ برطانیہ نے جزائر فاک لینڈ پر اقتدار اعلیٰ کا دعویٰ کر دیا جبکہ مقامی علاقائی طاقت ارجنٹینا کا جوابی استدلال یہ تھا کہ یہ مجمع الجزائر اس کے خودمختار علاقے کا حصہ ہیں۔

مشرقی افریقہ کی ایک خودمختار ریاست کے داخلی معاملات میں علاقائی دخل اندازی کی ایک دلچسپ مثال ۱۹۷۹ء میں دیکھنے کو ملی جب تنزانیہ کے صدر نیاریرے نے یوگنڈا کے جنونی صدر عیدی امین کی بڑھتی ہوئی خون آشام کارروائیوں سے تنگ آ کر اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ اس ملک پر بلہ بول دیں اور اس کے حکمران کا تختہ الٹ دیں۔

مشرق وسطیٰ میں بلاشبہ اسرائیل کو ایک زبردست علاقائی طاقت ہونے کی حیثیت حاصل ہے جبکہ ایک وقت اس کے عرب ہمسائے دیر تک اسے بطور ایک خودمختار ریاست کے زندہ رہنے کا حق دینے کے لئے تیار نہ تھے اور یہی اسرائیل تھا جس نے اپنی سلامتی کے تحفظ کی وجوہ کے پیش نظر اپنے لئے لبنان میں دخل اندازی کا

---

[1] Introduction to International Politics By Derek Heater & G.R Berridge. P. 66,67,69

حق نام نہاد قانون کے طور پر ہتھیالیا۔

یہاں البتہ یہ نکتہ تاکید کے ساتھ غور طلب ضرور ہے کہ علاقائی کشمکش میں اقتدار اعلیٰ کی پامالی اور اس کے کردار کی مثالوں میں بنیادی مسئلہ ان کارروائیوں کے اخلاقی جواز کی بجائے قانونی حیثیت کا ہے۔

برطانوی، امریکی حکومتوں کے ایما پر شاہ محمد رضا پہلوی نے خلیج فارس کی سلامتی کی ذمہ داری اس وقت سے قبول کرنے کا بیڑا اٹھایا جب برطانیہ اس کی حفاظت سے دستبرداری کے بعد اپنی مسلح افواج وہاں سے نکال لے گا۔

"جب ۱۹۷۵ء تک فوجی نفری اور سامان کی ترسیل کا مرحلہ مکمل ہو جائے گا تو متوقع طور پر ایران ایک بڑی مشرق وسطیٰ کی طاقت اور خلیج فارس کے بھک سے اڑ جانے والے علاقے میں استحکام کے عنصر کے طور پر ابھرے گا"۔ امریکی عہدیداران کا کہنا ہے۔

(بحوالہ ہالیڈے، ۱۹۷۴ء صفحہ ۴۸۴)

اس منصوبے کو ایک عشرے تک بھی زندہ رہنا نصیب نہ ہوا کیونکہ شاہ ایران کی حکومت ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے آگے نہ ٹھہر سکی۔ ۱۹۹۰ء تک صدام حسین کے طرز عمل کی بنا پر امریکی حمایت کھو کر عراق اس امر کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا تھا کہ وہ بطور علاقائی طاقت کوئی کردار ادا کر سکے۔ بنابریں دوسری خلیجی جنگ کے خاتمے کے بعد چند مہینوں کے اندر امریکی انتظامیہ نے ۸۰۰ ملین ڈالر سے بھی زیادہ کا جدید و پیچیدہ جنگی ساز و سامان سعودی عرب میں ڈھیر کر دیا تاکہ وہ عراق کی جگہ اس کردار کو ادا کر سکے۔

تاہم مغربی توجہ کا اس علاقے پر تمام تر ارتکاز مکمل طور پر خوش آئند نہ تھا۔ طاقتور قومی تحریکوں نے ۱۹۵۰ء تک عراق و ایران میں پہلے ہی مغربی اثر و نفوذ کے خلاف اپنے محسوسات کا اظہار شروع کر دیا تھا جن کا بنیادی ہدف کبھی تو مغربی سیاسی غلبہ، کبھی مغربی اقتصادی بالادستی اور کبھی مغربی ثقافتی یلغار کے خلاف توجہ مرکوز کرنا تھا۔ اس سلسلے میں پٹرول برآمد کنندہ ملکوں کی تنظیم (OPEC) جس کا قیام ۱۹۶۰ء میں چھ

خلیجی ریاستوں کی شمولیت کے بعد عمل میں آیا وہ ان ممالک کے اقتصادی مفادات کو مغربی کثیرالاقوامی کمپنیوں کی دست برد سے محفوظ کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اس کی ایک ڈرامائی مثال ۱۹۷۹ء کے انقلاب ایران کے موقع پر دیکھنے میں آئی جب تہران میں امریکہ کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے اور امریکی سفارت خانے کے عملے کو یرغمال بنالیا گیا۔

Gulf War

Saddam Hussein was creating between his actions and the need for a comprehensive discussion of the causes for conflict and instability throughout the region also convinced some analysts in Washington, as well as in Europe and the Arab world, that negotiations were both possible and desirable at this point. Negotiating would presumably compel the United States and other powers to ultimately tackle the root problems (i.e., the Arab-Israeli-Palestinian disputes and hatreds, and the external powers that reinforced and fueled them) that lay at the source of the region's seemingly endless tendency toward war.

GETTING TO THE TABLE

On 22 August, President Bush and Prime Minister Margaret Thatcher of Great Britain jointly rejected Saddam's call for talks. A day later, the president called up the reserves. By 25 August, the U.N. Security Council passed a resolution (665) calling on member states with warships in the region to enforce sanctions by boarding and inspecting the cargoes of any vessel thought to be aiding Iraq. In early September, moreover, Presidents Bush and Gorbachev at a mini-summit in Helsinki reaffirmed their solidarity against Iraq. Eventually, seven more Security Council resolutions would be passed in the hope that such political pressure, coupled to the effects of the economic sanctions, would force Saddam Hussein to seek a basis on which to withdraw from Kuwait losing face or fighting a

major war with the growing number of allied forces currently establishing a significant military presence in the Gulf.

Arab experts in Washington and Europe consistently warned of the long-term consequences of a war with Iraq to the stability of the region. These warnings added to the pressure on President Bush to devote as much attention to the diplomatic as to the military options before him. Even top U.S. military commanders, such as General Norman Schwarzkopf, were speaking publicly during this period about finding "alternatives to destroying Saddam Hussein and his regime.

Nothing was to come of these efforts, however, until President Bush ordered U.S. troop strength increased in the Gulf by some 150,000 soldiers, to a total of 380,000. Speaking at a press conference on 8 November, the president said the move- the largest deployment of U.S. force since the Vietnam War – was designed to "insure that the coalition has an adequate offensive military option should that be necessary." Bush reiterated his demand that "Saddam Hussein should fully without condition comply to the U.N. resolutions. And if this movement of force is what convinces him, so much the better. The next day, Secretary of Defense Dick Cheney confirmed the extent of U.S. military commitment in the region by announcing that U.S. troops in and headed for the Gulf would not be rotated until the crisis was over. Following this announcement, Secretary of State James Baker visited key members of the coalition and reported that solid agreement existed among the powers in their refusal to accept partial solutions or a limited Iraqi withdrawal and that there was strong endorsement by the leaders of the coalition for the president's decision to increase U.S. troop strength and develop a credible military option.

And on 29 November, the U.N. Security Council passed Resolution 678, which authorized member states "to use all necessary means" to force Iraq out of Kuwait if it

did not withdraw voluntarily by 15 January 1991.
As a concession to international pressure, President Bush proposed that Baker and Aziz meet in Washington for talks prior to the deadline. This proposal was an essential ingredient in the procurement of international approval for the U.N. resolution. The United States suggested the week of 10 December.

There were reasons to hope at this point that Saddam Hussein was, in fact, interested in such a dialogue. In a two-hour interview with Peter Jennings of ABC News two weeks earlier, Saddam Struck the first conciliatory posture of the crisis and indicated that he was, indeed, prepared to negotiate with Washington. The Iraqi leader said he had "been ready all along." Saddam was quick to point out, however, that he would not entertain the idea of pulling his troops out of Kuwait before such talks began, rejecting any and all "preconditions." On 2 December, Saddam formally accepted Bush's offer and attempted to impose some linkages of his own.

We believe that human interaction, for it to be sincere, must be based on justice and equality eliminating all forms of tyranny, political intransigence, threats, social oppression and exploitation. On the debris of the era of oppression and dictation practiced by the superpowers foremost of which is the United States, we must build a new form of democratic relations among the people of the world.

We believe that, in order to accomplish cooperation, it should be the result of deep interaction among nations and peoples. And in order to achieve cooperation, dialogue should be preferred over any other method. Our announcements on this have been frequent.

The enemy of God, the arrogant president of the United States, George Bush, always rejected dialogue, voicing his contempt of the Arabs and Muslims, and all those who believe in God and human values in the world [1]

---

[1] Making Peace By Allan E. Goodman and Sandra Clemens Bogart, p 118-121

خلیجی جنگ

صدام اپنی کارروائیوں اور علاقے میں تصادم اور عدم استحکام کے اسباب پر جامع مذاکرات کی جس ضرورت کا ماحول پیدا کر رہا تھا اس نے واشنگٹن، یورپ اور عرب دنیا کے بعض تجزیہ نگاروں کو اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ اس مرحلے پر مذاکرات ممکن بھی تھے اور اہم و پسندیدہ بھی۔ یہ بات قرین قیاس تھی کہ مذاکرات کا ڈول ڈالنے سے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور دوسری طاقتیں بنیادی مسائل سے عہدہ برآ ہونے پر مجبور ہو جائیں گی۔ (واقعتاً یہ وہ مسائل ہیں جو عرب، اسرائیل اور فلسطینی تنازعوں اور نفرتوں کی جڑ تھے اور جن کو بیرونی طاقتیں تقویت دے کر جلتی پر تیل کا کام کرتی تھیں) جو اس علاقے میں جنگ کے بظاہر نہ ختم ہونے والے رجحان کا سرچشمہ تھے۔

مذاکرات کی میز کی طرف مراجعت

۲۲ اگست کو امریکی صدر بش اور برطانوی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے صدام کی مذاکرات کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ ایک دن بعد امریکی صدر نے ریزرو فوج بلالی۔ ۲۵ اگست کو یو این سلامتی کونسل نے قرارداد ۶۶۵ منظور کر لی جس میں علاقے میں موجود رکن ریاستوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے بحری جہازوں کو پابندیاں نافذ کرنے کو کہیں اور کسی بھی بحری بیڑے جس کے بارے میں خیال ہو کہ وہ عراق کی مدد کر رہا ہے، کے سامان کا معائنہ اور پڑتال کریں۔ اوائل ستمبر میں صدر بش اور روسی صدر گورباچوف، ہیلنسکی کے مقام پر ایک مختصر "سمٹ" ملاقات میں عراق کے خلاف ایک ہی مضبوط موقف اختیار کرنے پر رضامند ہو گئے۔ انجام کار سات مزید قراردادیں اس امید پر منظور ہوئیں کہ سیاسی دباؤ کے ساتھ ساتھ عائد کردہ اقتصادی پابندیاں صدام کو اس امر پر مجبور کر دیں گی کہ اسے ایک بنیاد فراہم ہو جائے گی جس پر وہ آبرومندانہ طور پر کویت سے اپنی افواج نکال لے یا پھر خلیج میں موجود اتحادی فوجوں سے ایک بڑی جنگ کا سامنا کرے۔

واشنگٹن اور یورپ میں عرب ماہرین نے عراق کے ساتھ جنگ کے طویل المعیاد اثرات جو علاقے کے استحکام پر مرتب ہوں گے، کے بارے میں تواتر کے ساتھ متنبہ کیا۔ ان انتباہات سے صدر بش پر دباؤ بڑھ گیا کہ وہ اپنے سامنے فوجی آپشنز (Military Options) کے علاوہ سفارتی پہلوؤں پر بھی زیادہ توجہ دے یہاں تک کہ امریکی اعلیٰ فوجی کمانڈر جن میں جنرل نارمن کا نام قابل ذکر ہے، اس عرصے کے دوران اعلانیہ طور پر صدام حسین اور اس کی حکومت کو تباہ کرنے کے متبادل طریقوں کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔

ان تمام کوششوں کا تاہم کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا یہاں تک کہ صدر بش نے خلیج میں سپاہ کی تعداد کو ۱۵۰،۰۰۰ سے بڑھا کر ۳۸۰،۰۰۰ تک کرنے کا حکم دے دیا۔ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر نے کہا یہ اقدام یعنی امریکی افواج کا سب سے بڑا اجتماع جو جنگ ویت نام کے بعد ہوا ہے، اس کا مقصد اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو مخلوط افواج کے پاس مناسب حملہ آور ہونے کا آپشن موجود ہو۔ بش نے بار بار اس موقف کو دہرایا کہ صدام کو بلامشروط اقوام متحدہ کی قراردادوں کی تعمیل کرنا ہوگی اور افواج کی اس نقل و حرکت سے یہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے تو اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔

اگلے دن سیکرٹری دفاع ڈک چینے نے علاقے میں امریکی فوجی مقاصد کی تصدیق کر دی اور اس بات کا اعلان کر دیا کہ جب تک یہ بحران ٹل نہ جائے امریکی افواج جو خلیج میں موجود ہیں اور جو خلیج کی طرف بڑھ رہی ہیں ان کی نقل و حرکت میں کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئے گی۔ اس اعلان کے بعد سیکرٹری جیمز بیکر نے بنیادی مخلوط اراکین سے ملاقات کی اور اطلاع دی کہ تمام قوتوں کے مابین یہ ٹھوس معاہدہ ہو چکا ہے کہ جزوی حل قبول کرنے اور محدود عراقی انخلاء کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیں گے اور یہ کہ مخلوط افواج کے راہنماؤں نے صدر امریکہ کے افواج میں اضافے کے فیصلے اور ایک قابل اعتماد ملٹری آپشن کے بارے میں مکمل حمایت اور رضامندی کا اظہار کیا ہے اور اس بارے میں وہ سب متحد ہیں۔

پھر ۲۹ نومبر کو یو این سلامتی کونسل نے قرارداد ۶۷۸ منظور کر لی جس میں تمام رکن ریاستوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ عراق کو کویت سے باہر نکالنے کے لئے تمام ضروری ذرائع اختیار کریں تا آنکہ وہ ۱۵ جنوری ۱۹۹۱ء تک برضا و رغبت کویت سے نہ نکل جائے۔

بین الاقوامی دباؤ کو رعایت دینے کی خاطر صدر بش نے تجویز پیش کی بیکر اور عزیز "ڈیڈ لائن" کی حتمی تاریخ سے پہلے باہم ملاقات کریں۔ یہ تجویز یو این قرارداد کی بین الاقوامی منظوری کے حصول میں ایک لازمی جزو تھا۔ امریکہ نے ہفتہ کی تاریخ دس دسمبر تجویز کی۔

اس مرحلے پر یہ یقین کرنے کی وجوہ موجود تھیں کہ صدام دراصل ایسے مکالمے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اے بی سی (ABC) نیوز کے پیٹر جیننگز (Peter Jennings) کے ساتھ دو گھنٹوں کے انٹرویو میں صدام نے اس بحران میں مصالحت کی طرف پہلا اشارہ دیا اور کہا کہ وہ واشنگٹن سے مذاکرات کرنے پر آمادہ ہے۔ عراقی راہنما نے یہ بھی کہا کہ وہ تو ہمیشہ سے گفتگو کے لئے تیار تھا۔ تاہم صدام اپنے اس موقف پر سختی سے جما رہا کہ وہ مذاکرات شروع ہونے سے پہلے کویت سے فوجی انخلاء کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور اس نے اس قسم کی تمام پیشگی شرائط کو رد کر دیا۔

دو دسمبر کو عراقی راہنما نے رسمی طور پر بش کی پیشکش کو قبول کر لیا لیکن اس کے ساتھ صدام نے اپنی طرف سے بات آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ باہمی انسانی معاملات صدق و اخلاص کی خاطر لازماً عدل و انصاف اور مساوات پر مبنی ہونے چاہئیں۔ ان سے ہر قسم کے جبر و ستم، سیاسی عدم مصالحت، دھمکیوں، سماجی زیادتی اور استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ کیا جائے۔ سپر طاقتوں نے جبر و زیادتی اور کمزور اقوام کو تابع مہمل رکھنے کی جو روش اپنا رکھی ہے جس میں امریکہ سب سے پیش پیش ہے اس کے ملبے پر ہمیں اقوام عالم کے درمیان جمہوری تعلقات کا نیا ڈھانچہ تعمیر کرنا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ تعاون کو پایہ تکمیل پہنچانا ابھی اتنا نتیجہ خیز ہو سکتا ہے اگر

قوموں اور عوام کے درمیان گہرا ربط و تعلق ہو اور تعاون کے حصول میں مکالے کو کسی اور دوسرے طریقے پر ترجیح دینی چاہیے اس بارے میں ہم نے بارہا برملا کہا ہے......

خدا کے دشمن مغرور، صدر امریکہ جارج بش نے ہمیشہ مکالے کو رد کیا اور عرب اور مسلمانوں سے اور ان سب سے جو خدا پر اور انسانی اقدار پر ایمان رکھتے ہیں نفرت اور حقارت کا اظہار کیا۔

تبصرہ

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امریکہ مشرق وسطی میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا لہٰذا عراق کا کویت پر حملہ ایک بہانہ بنا اور امریکہ نے اقوام متحدہ کے ذریعے سازش کر کے ایک ابھرتی ہوئی مسلم قوت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اگر امریکہ امن کا خواہاں ہوتا تو یقیناً مذاکرات کی راہ کو اپناتا لیکن اس نے جنگ اور تباہی کے راستے کو اختیار کیا۔ جنگی اخراجات کے بہانے سعودی حکومت کو اقتصادی لحاظ سے کنگال کر دیا اور عراق پر جنگ کے بعد بھی کئی سال تک اقتصادی پابندیاں برقرار رکھ کر عراقی عوام کو بھوک و افلاس کے گڑھے میں دھکیل دیا لیکن کسی کو انسانی حقوق یاد نہ آئے۔

Iraq And Collective Security

Not all members of the UN favoured the use of force against Iraq, as we have already noted. Furthermore, the Security Council requested support for the action, it did not require it. The forces ranged against Saddam did not in the event wear UN blue and were not referred to as a UN army, they were described instead as the 'Coalition' or Allied' forces. Nor were they even nominally directed by the Military Staff Committee of the Security Council, which, though moribund for decades, had never been disbanded' they were directed instead by the President of the United States as Commander-in-Chief of the US armed forces

under the American constitution, advised in the first instance by the (American) Joint Chiefs of Staff.

In short, the Security Council, led by the Big Five, authorised the action against Saddam and sub-contracted the job to the Americans and their friends

عراق اور اجتماعی سلامتی

جیسا کہ ہم اس سے قبل دیکھ چکے ہیں کہ اقوام متحدہ کے تمام اراکین عراق کے خلاف طاقت کے استعمال کے حق میں نہیں تھے۔ مزید برآں سلامتی کونسل نے اس کارروائی کے لئے جو حمایت طلب کی وہ اسے میسر نہ ہوئی وہ افواج جو صدام حسین کے خلاف محاذ جنگ پر اتریں وہ یو این (UN) کی نیلی وردیوں میں ملبوس نہیں تھیں اور ان کا حوالہ یو این آرمی (UN Army) کی حیثیت سے نہیں دیا گیا بلکہ انہیں مخلوط یا اتحادی افواج کے نام سے پکارا گیا نہ انہیں سلامتی کونسل کی ملٹری سٹاف کمیٹی کے نام سے ہی کوئی ہدایات موصول ہوئیں۔ یہ کمیٹی اگرچہ کئی عشروں سے جاں بلب حالات میں تھی لیکن اسے کبھی سبکدوش نہیں کیا گیا تھا۔ ان مخلوط افواج کو امریکی آئین کے تحت ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر نے امریکی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حکم نامہ دیا جبکہ پہلا تقرر نامہ انہیں امریکی چیفس آف سٹاف کی طرف سے ملا۔

قصہ مختصر یہ کہ سلامتی کونسل کے پانچ بڑوں کی سرکردگی میں صدام کے خلاف کارروائی کی اجازت دے دی گئی اور ذیلی ٹھیکہ کے طور پر یہ کام امریکیوں اور ان کے دوستوں کو دے دیا گیا۔

تبصرہ

اس بیان سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ عراق کوئی اتنی بڑی قوت نہیں

---

1 Introduction to International Politics By Derek Heater and G.R. Berridge, p. 153

تھی کہ امن عالم کے لئے خطرہ بن سکتی اور اس طرح کثیر الممالک افواج اس پر چڑھ دوڑتیں۔ اقوام متحدہ کو اگرچہ آلہ کار بنایا گیا لیکن جوش انتقام میں خود اقوام متحدہ کے قواعد کی پابندی نہ کی گئی اور افواج کو اتحادی افواج کا نام دیا گیا ان افواج کی نگرانی اور قیادت اقوام متحدہ کے پاس نہیں تھی بلکہ براہ راست امریکہ کے کنٹرول میں تھی۔ اس سے بڑی ننگی جارحیت اور کیا ہو سکتی ہے۔ بڑی طاقتوں کا مل کر عراق پر حملہ آور ہونا سنگین جرم تھا جس کی تہہ میں اسلام دشمنی کا جذبہ کار فرما تھا۔ امریکہ کا مقصود کویت کو بچانے کی نسبت عراق کو تباہ کرنا تھا اس لئے عراقی افواج کے کویت سے نکل جانے کے بعد بھی امریکی افواج نے عراق کی ناکہ بندی جاری رکھی۔

اقوام متحدہ کے دوہرے معیارات

اقوام عالم کے ان گنت تاریخی، جغرافیائی، علاقائی، لسانی، عسکری، سیاسی، معاشی، سائنسی، تہذیبی اور ثقافتی تضادات اور مفادات کے پس منظر میں اقوام متحدہ کے کردار کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے اور اس کی اب تک کی کارکردگی کا تجزیہ کیا جائے تو علم سیاسیات کے طالب علم کی حیثیت سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے بعد جو مقاصد جلیلہ اقوام متحدہ کے قیام کا باعث بنے اور انسان دوستی کے جس جذبے نے اقوام عالم کو سر جوڑ کر بیٹھنے کی ترغیب دی ان مقاصد میں سے ایک مقصد بھی پورا نہیں ہو سکا۔ نہ ہوس ملک گیری کے آگے بند باندھا جا سکا نہ آباد کاری کے نام پر اقوام کے گرد قائم حصار غلامی کو توڑا جا سکا اور نہ خدا بننے کے جنون کو لگام دی جا سکی۔ چنانچہ جزوی اور غیر موثر سماجی، تعلیمی، طبی اور فلاحی کامیابیوں کے باوجود امن عالم کی طرف پیش رفت صفر کے برابر رہی۔ اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں کا سارا وزن بڑی طاقتوں کے مفادات کے پلڑے میں پڑتا رہا؛ عالمی عدالت انصاف کے قیام کے باوجود مقبوضہ علاقوں کے نہتے عوام کے خون سے ہولی کھیلی جاتی رہی، تیسری دنیا کے غریب عوام کا معاشی قتل عام جاری رہا؛ ان کے اقتدار اعلیٰ پر شب خون مارنے کی تیاریاں مکمل ہوتی رہیں، یہودی ذہن مختلف جہتوں اور

مختلف حوالوں سے گریٹر اسرائیل کے لئے منصوبہ بندی کرتا رہا اور عالم اسلام کا شیرازہ بکھیر کر اسلامیان عالم کے زمینی وسائل پر حق تصرف جمایا جاتا رہا۔ ان ناانصافیوں اور بے اعتدالیوں کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی حیثیت عملی طور پر برابری کے تصور کی نفی کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے فیصلوں پر امریکہ، روس اور چند بڑے ممالک بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریقوں سے اثر انداز ہوتے رہے ہیں، سلامتی کونسل کے مستقل اراکین کے پاس ویٹو پاور ہے۔ یہ ایک ایسا آمرانہ حق ہے جس کے بے دریغ استعمال سے نہ صرف محکوم عوام خصوصاً کشمیری حریت پسندوں کے جذبہ آزادی کی توہین کی گئی ہے بلکہ شرف انسانی کی بحالی کی ہر آرزو کا گلہ دبا کر ترقی پذیر ممالک کی عزت نفس کو بھی مجروح کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ خصوصاً سوویت روس جیسی سپر پاور کا شیرازہ بکھرنے کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی زر خرید لونڈی کا کردار ادا کر رہی ہے۔

اقوام متحدہ کے عالمی ادارے کو دباؤ سے آزاد ماحول میں کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اگر اقوام متحدہ پر قابض بڑی طاقتیں متعینہ اہداف کے حصول کے لئے اقوام متحدہ کو آزادانہ طور پر اپنے فیصلوں پر عملدر آمد کا موقع دیتیں تو یہ عالمی ادارہ نہ صرف اولاد آدم کے بہت سے دکھوں کا مداوا کرتا بلکہ افق عالم پر دائمی امن کی بشارتیں تحریر کر کے اپنے وجود کا جواز بھی فراہم کرتا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔ اقوام متحدہ نے امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں کے زیر اثر دوہرے معیارات اپنائے اور اپنے چہرے پر دو عملی کا نقاب اوڑھ لیا۔ اقوام متحدہ کے نزدیک تیسری دنیا کے غریب اور ترقی پذیر ممالک کو درپیش مسائل کا حل اور ہے۔ ان ممالک کے لئے ایک الگ معیار ہے اور اسرائیل اور مغربی دنیا کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے دوسرا معیار ہے۔ متعدد ریاستوں کے مابین کئی بین الاقوامی تنازعات علاقائی خودمختاری کے ضمن میں وقوع پذیر ہوئے۔ مختلف ممالک کے درمیان سرحدی تنازعات نے سر اٹھایا۔ مقبوضہ علاقوں کی واگزاری کا مسئلہ سامنے آیا۔ وقتاً فوقتاً ایسے واقعات پیش آئے جو حملوں اور قبضوں کی صورت میں منتج ہوئے۔ باہمی تصادم سے

بچنے اور قیام امن کی خاطر اقوام متحدہ حرکت میں آتی رہی جہاں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کا معاملہ درپیش آیا۔ اقوام متحدہ نے فوری اور موثر کارروائی کر کے معاملے کو سمیٹا لیکن جہاں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا وہاں اقوام متحدہ نے مجرمانہ بے حسی کا مظاہرہ کیا۔ اقوام متحدہ نے بہت سی قرارداد یں منظور کیں۔ امریکہ کا مفاد عزیز ہوا تو قراردادوں پر فوری عمل کی صورت بھی نکل آئی بصورت دیگر ان قراردادوں کی حیثیت کاغذی دستاویز سے آگے نہ بڑھ سکی۔ عالمی امور و مسائل کے حل کے لئے اقوام متحدہ پر قابض گروپ کی ترجیحات میں فرق آتا رہا۔ اقوام متحدہ نے ہمیشہ دو متضاد اور متعارض معیار اپنائے یعنی ایک رکن ملک کے لئے ایک معیار مقرر کیا گیا اور دوسری ریاست کے لئے یکسر جداگانہ معیار اپنایا گیا۔ ان دوہرے معیارات سے جو تضادات مرتب ہوئے انہوں نے اقوام متحدہ کی غیر جانبداریت کو داغدار ہی نہیں کیا بلکہ چھوٹی اقوام کے اعتماد کو بری طرح مجروح کیا اور وہ اعصاب شکن حالات کا سامنا کرتے کرتے ان گنت نفسیاتی مسائل کا ہدف بھی بننے لگیں۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

عالمی صیہونی طاقتوں نے اقوام متحدہ کو شطرنج کا مہرہ بنا رکھا ہے۔ ایک چہرے پر دوسرا چہرہ سجا لینے کو حکمت عملی سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ منافقت کو حسن تدبر کا پیرہن عطا کر کے دامن رو سیاہ کی پردہ پوشی کا "کارنامہ" سرانجام دیا جا رہا ہے۔ تاریخ عالم اقوام متحدہ کے دوہرے معیارات کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

(۱) ۱۹۷۹ء میں تنزانیہ کا مشرقی افریقہ میں جھگڑا ہوا۔ صورتحال سنگین ہوئی تو عالمی طاقتوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر اس جھگڑے کو علاقائی اور مقامی سطح پر ہی نمٹا لیا نہ کثیر الملکی فوج کی طرف سے مداخلت ہوئی اور نہ فریقین پر ظالمانہ پابندیاں عائد کی گئیں۔

(۲) ۱۹۸۲ء میں برطانیہ اور ارجنٹائن کے درمیان فاک لینڈ جزائر پر جھگڑا خوفناک

صورت اختیار کر گیا لیکن امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مقامی سطح پر اس مسئلہ کو حل کر لیا۔

(۳) ۱۹۸۹ء میں پانامہ پر حملہ ہوا لیکن فوری طور پر علاقائی سطح پر تصفیہ کر کے امن بحال کر لیا گیا۔ نہ کسی پر پابندیاں عائد ہوئیں اور نہ مختلف ممالک کے فوجی دستوں پر مشتمل کوئی امن فوج ترتیب دی گئی۔

(۴) ۱۹۷۹ء سوویت روس نے افغانستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا۔ روسی افواج نے بڑھ کر افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ سوویت روس کا یہ ناجائز قبضہ ۱۲ سال جاری رہا لیکن روس پر کسی قسم کی اقتصادی پابندیاں عائد کی گئیں اور نہ افغانستان کو روس کے غاصبانہ قبضہ سے نجات دلانے کے لئے کوئی کثیرالملکی فوج تشکیل پائی اس لئے کہ افغانستان ایک اسلامی ملک تھا۔ اہل افغانستان کو بین الاقوامی کمیونٹی کی مدد سے اپنی سرزمین پر خود ہی روسی جارحیت کا مقابلہ کرنا پڑا۔

(۵) برہمنی استعمار نے ریاست جموں وکشمیر کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا۔ مجاہدین اسلام حرکت میں آئے تو بھارت نے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کو حق خود ارادیت دینے سے انکار کر دیا۔ کشمیری حریت پسندوں کی تحریک آزادی کو روکنے کے لئے بھارتی استعمار نے طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا، خواتین کی اجتماعی بے حرمتی کی گئی، مقدس مقامات کو نذر آتش کیا گیا، دخترانِ کشمیر پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، نہتے کشمیریوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا لیکن عالمی رائے عامہ بے ضمیری کا کفن اوڑھ کر سوتی رہی۔ بھارت کے غاصبانہ اور غیر قانونی قبضہ کو ختم کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لئے نہ بین الاقوامی فوج حرکت میں آئی اور نہ بھارت پر اقتصادی پابندیاں عائد کر کے اسے مسلسل جارحیت سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔

(۶) اسلامیان عالم کو انتقام در انتقام کا ہدف بناتے ہوئے ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست قائم کی گئی اور پھر اس نوزائیدہ ریاست کو عسکری اور مالی حوالے سے مضبوط بنا کر اسے مشرق وسطیٰ کے امن سے کھیلنے کی کھلی چھٹی دے گئی۔ اسرائیل نے اپنے

جارحانہ عزائم کی تکمیل کے لئے ہر اخلاقی اور قانونی حد بندی کو توڑا اور گریٹر اسرائیل کے درپردہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرزمین فلسطین پر عربوں کے خون سے ہولی کھیلی، ان کی بستیوں کو مسمار کر کے ان کی املاک کو آگ لگادی گئی، فلسطینیوں کی کئی نسلیں مہاجر کیمپوں کی حبس زدہ فضا میں زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔ اسرائیل نے عربوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرتے ہوئے فلسطین کا ۷۷% علاقہ ہتھیالیا۔ اسرائیل نے اقوام متحدہ کے ۱۹۴۷ء کے منصوبہ تقسیم فلسطین کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا۔ اس منصوبے کی رو سے ۴۷ فیصد فلسطینی علاقے پر ایک آزاد اور خودمختار فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں آنا تھا لیکن اقوام متحدہ نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۰ء کی قرارداد نمبر ۶۸۱ تک محض وعدوں کی توثیق، یاددہانیوں اور قراردادوں کے سوا کچھ نہیں کیا۔ اسرائیل کے خلاف نہ اقتصادی پابندیاں عائد ہوئیں نہ کوئی امن فوج حرکت میں آئی جو فلسطینیوں کو اسرائیل کے مظالم سے نجات دلاتی۔ کیا طرفہ تماشہ ہے کہ ۱۹۹۰ء میں امریکہ نے خود اقوام متحدہ کی منظور کردہ آزادی فلسطین کی قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ کیا یہی انصاف، قانون، انسانی دوستی اور جمہوریت ہے؟

عالمی ضمیر کیوں نہیں جاگتا؟

اسرائیل کی چیرہ دستیوں کی داستان بڑی طویل ہے۔ اسرائیل سے بڑھ کر عالمی دہشت گرد اور کون ہوگا لیکن اسرائیل عربوں کے خلاف جارحیت، بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود امن عالم کے نام نہاد ٹھیکیداروں کی آنکھ کا تارا بنا رہا اور وہ اس کے ناز نخرے برداشت کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء کے منصوبے کی رو سے یروشلم کو اقوام متحدہ کی تولیت میں ایک بین الاقوامی شہر تسلیم کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ کی قرارداد کی توثیق ۱۹۴۹ء میں جنرل اسمبلی کی قرارداد نمبر ۳۰۳، ۱۹۶۷ء میں قرارداد نمبر ۲۲۵۳ اور ۱۹۷۹ء میں قرارداد نمبر ۴۴۶ کے ذریعہ ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں بھی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل نے اس قرارداد کی توثیق کی۔ پھر ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۰ء میں سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر ۶۷۲ منظور کی کہ مذکورہ بالا قراردادوں کو عملی جامہ

پہنایا جائے لیکن اس قرارداد کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اسرائیل نے اقوام متحدہ کی تمام قراردادوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر عالمی رائے عامہ کے منہ پر طمانچہ رسید کیا لیکن عالمی ضمیر پر کوئی تازیانہ نہ گرا۔ جمود مسلسل کی دھند کچھ اور بھی گہری ہو گئی۔ جنگ خلیج میں کیا ہوا، اتحادی قوتیں عراق پر چڑھ دوڑیں اور عراق کا چپہ چپہ سامراجیوں کی اندھا دھند بمباری کی زد میں آگیا۔ اقوام متحدہ کی مسلسل چشم پوشی نے غاصبوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ کیا اقوام متحدہ امریکہ اور اسرائیل کو اس غیر جمہوری طرز عمل سے باز نہیں رکھ سکتا۔ کیا یہ عالمی ادارہ امریکہ کے محض تابع مہمل بن کر رہ گیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ سب اپنے مفادات کے قیدی ہیں، ظلم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، دوسرے کے گھر کو جلتا دیکھ کر یہ نہیں سوچتے کہ یہ آگ ہمارے آنگنوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ عراق کا جرم یہ تھا کہ وہ عرب دنیا میں ایک موثر ترین اور انتہائی توانا قوت بن کر ابھر رہا تھا۔ وہ امریکی جارحیت کے خلاف سر تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے سر اٹھا کر چلنے کی رسم کو زندہ رکھا۔ فلسطین کی جو طفیلی ریاست قائم کی گئی ہے وہ نہ آزاد ہے اور نہ خود مختار بلکہ اسرائیل کے رحم و کرم پر ہے۔ اسرائیل کو من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کی تمام تر جارحانہ کارروائیوں کے باوجود اس کے خلاف حرف مذمت بھی ہونٹوں پر نہیں آتا۔ نہ اسرائیل پر کوئی اقتصادی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اور نہ کثیر الملکی فوج عربوں کی داد رسی اور علاقے میں امن کے لئے آتی ہے۔ عالمی جمہوریت کے ٹھیکیدار کہاں ہیں؟ بین الاقوامی قانون کے پرچارک کس خرابے میں کھو گئے ہیں؟ عالمی ضمیر کیوں نہیں جاگتا؟ ظلم کی راہ میں دیوار بننے کے دعوے کہاں گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ محض ایک غلام ادارہ ہے جو کٹھ پتلیوں کی طرح امریکہ کے اشاروں پر ناچنے پر مامور ہے۔ اگر امریکہ چاہتا تو مقامی اور علاقائی سطح پر ہی اس مسئلہ کو احسن طریقے سے نمٹایا جا سکتا تھا۔ ایک طویل عرصے سے عراق پر اقتصادی پابندیاں عائد ہیں۔ خوراک اور ادویات کی رسد تک روک کر عراقی عوام کو شدید مشکلات سے دوچار کر دیا گیا ہے۔ کیا

امریکہ اور امریکہ کے زیر اثر اقوام متحدہ کا یہ اقدام انسان دوستی پر مبنی ہے؟ کیا اقوام متحدہ کا منشور حقوق انسانی کی یہی توجیہہ کرتا ہے؟ کیا عدل اور انصاف اسی کو کہتے ہیں؟

اسرائیلی جارحیت کا تسلسل اور امریکی نوازشات

عالم عرب مسلسل اسرائیلی جارحیت کا نشانہ بن رہا ہے۔ عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کی تباہی کے بعد اس کی جارحانہ کارروائیوں میں مزید وحشیانہ پن آیا ہے۔ ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۵ء میں اسرائیل نے عربوں پر جنگ مسلط کی۔ بزور بازو بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مختلف ممالک کے علاقے ہتھیائے لیکن اسرائیل کی ان جارحانہ کارروائیوں کی روک تھام کے لئے مؤثر پابندیاں عائد کرنے کی بجائے ہر سطح پر اسرائیل کی سرپرستی کی گئی۔ اسے نہ صرف افرادی قوت فراہم کی گئی بلکہ بڑھ چڑھ کر اس کے نقصانات کی تلافی بھی کی گئی۔ امریکہ ۱۹۹۱ء تک اسرائیل کو ۱۰ بلین ڈالر کی امداد فراہم کر چکا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں الاقصیٰ پر حملے کے بعد اسرائیل کو امریکی کانگریس نے ترقی یافتہ ہتھیاروں کے نظام کے لئے ۹۰۰ ملین ڈالر کی امداد دی۔ ۱۹۹۰ء میں بغداد پر وحشیانہ بمباری کے چھ دن بعد اسرائیل کو ۲ بلین اور ۴۰۰ ملین ڈالر کی امداد محض ایک ہفتہ کے نقصانات کی تلافی کے لئے دی گئی۔ ۱۰ بلین ڈالر اضافی طور پر یہودیوں کی آبادکاری اور مکانات کی تعمیر کے لئے دیئے گئے۔ ۲ ستمبر ۱۹۹۱ء کو مزید ۶۵۰ ملین ڈالر کی امداد جنگی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے جاری کی گئی۔ ۱۹۹۲ء کے امریکی بجٹ میں اسرائیل کے لئے بطور نئی اضافہ شدہ اقتصادی اور فوجی امداد کے لئے ۳ ملین سے ۴ اء ۴ ملین ڈالر مختص کئے گئے، ۱۹۹۱ء میں اسرائیل کو امریکہ کے غیر ملکی بجٹ کا ۲۵ فیصد ملا جو کہ تمام عالمی امریکی الاٹمنٹ کا ۳۶ فیصد ہے۔ واضح رہے کہ اسرائیل ۴۳ لاکھ نفوس کا ملک ہے۔ اس کی فی کس پیداوار ۶۸۱۰ ڈالر ہے۔ اسے امریکی امداد کی صورت میں مجموعی طور پر ۷۲۰ ڈالر فی کس امداد ملتی ہے جبکہ دوسرے ممالک کی شرح پیداوار اسرائیل سے بہت کم ہونے کے باوجود انہیں جو فی کس امداد ملتی ہے۔ اس کا تناسب یہ ہے مصر کو ۴۲ ڈالر فی کس، ترکی کو ۱۱ ڈالر فی کس

اور پاکستان کو ۶ ڈالر فی کس اور افریقی ممالک کو ایک ڈالر فی کس۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسرائیل پر نوازشات کی بارش کرنے میں امریکی کتنے فراخدل واقع ہوئے ہیں۔ اسرائیل کو زیادہ تر امداد نقد ملتی ہے۔ یہ امداد غیر مشروط ہوتی ہے۔ امریکہ بذات خود اسرائیلی اسلحہ کا سب سے بڑا خریدار ہے۔ امریکی بجٹ برائے خرید غیر ملکی ہتھیار کا ۵۴% صرف اسرائیل کو جاتا ہے۔

چوتھی بڑی فوجی قوت

امریکہ نے اسرائیل کو زبردست فوجی قوت میں تبدیل کر کے علاقے میں طاقت کا توازن درہم برہم کر دیا ہے۔ اسرائیل کی خود سری کا یہ عالم ہے کہ وہ امریکہ کو آنکھیں دکھانے سے بھی نہیں چوکتا۔ امریکی معیشت پر یہودیوں کا قبضہ ہے اس لئے امریکی حکومت اسرائیل سے آسانی سے بلیک میل ہو جاتی ہے۔ امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں کی پیہم نوازشات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسرائیل دنیا کی چوتھی بڑی فوجی طاقت بن کر ابھرا ہے جس کی تحویل میں نیوکلیائی اسلحہ بھی ہے اور مسلم علاقوں پر ایک عرصہ سے اس نے غاصبانہ قبضہ بھی کر رکھا ہے۔ امریکہ نے امریکن فارن اسسٹنس ایکٹ مجریہ ۱۹۹۶۱ کے سیکشن ۵۰۲ بی اور ۱۱۱۶ اے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسرائیل کو مسلح کیا ہے۔ اس تناظر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیل کو اتنے وسیع اور بھاری پیمانے پر فوجی اور اقتصادی امداد فراہم کر کے امریکہ کون سے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس عراق پر ظالمانہ پابندیاں لگا کر عراقی عوام کو گوناگوں مشکلات سے دوچار کر دیا گیا ہے۔

غلام گردشوں میں جنم لینے والی سازشیں

درون خانہ ان گنت کہانیاں تخلیق ہوتی رہیں۔ پس منظر میں ابھرنے والے واقعات پیش منظر میں نظر آنے والی تصویر سے مختلف تھے۔ محلاتی سازشوں کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز ہو چکا تھا۔ غلام گردشوں میں جنم لینے والی سازشیں اپنے منطقی انجام کو پہنچنے والی تھیں۔ مشرق وسطیٰ خصوصاً عراق کے بارے میں امریکہ کس

عجلت میں تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ نے دباؤ ڈال کر اقوام متحدہ سے صرف سات ہفتوں کے دوران ۱۷ قراردادیں منظور کروائیں۔ امریکہ کو اس بات کی جلدی تھی کہ اس مسئلہ کو بڑھا چڑھا کر عالمی مسئلے کا درجہ دیا جائے تاکہ وہ عالمی رائے عامہ کو گمراہ کر کے عراق اور عالم اسلام کے خلاف اپنے گھناؤنے عزائم کی پردہ پوشی کر سکے۔ امریکہ کی یہ عجلت پسندی اقوام متحدہ میں "مستعدی" کی ایک نئی تاریخ رقم کر رہی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کیوں اور کس کے لئے کیا جا رہا تھا۔ واقعات کی کڑیاں آپس میں مربوط ہوتی چلی گئیں۔ اردن کے شاہ حسین اس وقت کے امریکی صدر بش کے پرانے دوست تھے۔ وائٹ ہاؤس میں صدر امریکہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ عرب لیگ کا اجلاس قاہرہ میں ہونے والا تھا۔ شاہ حسین نے صدر بش پر زور دیا کہ اس مسئلے کو بھی مقامی طور پر باہمی افہام و تفہیم سے حل کر لیا جائے لیکن امریکی صدر نے اس حقیقت پسندانہ تجویز کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ "آپ کے پاس صرف ۴۸ گھنٹے ہیں" جبکہ اس سنگین بحران کا کوئی قابل عمل حل ڈھونڈ نکالنا اس مختصر سے وقت میں ممکن ہی نہ تھا۔ شاہ حسین صدر حسنی مبارک کے ایماء پر دوبارہ صدر بش سے ملے اور مسئلے کے حل کے لئے مزید وقت مانگا لیکن وائٹ ہاؤس کا جواب تھا "نہیں، ہم فوجی دستے بھیج رہے ہیں" دوسری طرح فلسطین پر اسرائیل کا ناجائز اور غیر قانونی قبضہ جاری تھا وہ ۱۹۴۷ء سے ان علاقوں پر غاصبانہ قبضہ جمائے بیٹھا تھا اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی مسلسل خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اسرائیل کے معاندانہ طرز عمل کی مذمت کرنے کی بجائے امریکہ سلامتی کونسل میں ویٹو کا حق استعمال کر کے اسرائیل کو تحفظ کی چھتری فراہم کر رہا تھا۔ امریکہ نے رشوت اور تحریص سے عالمی ضمیر کو اپنے مجرمانہ اور وحشیانہ منصوبے میں ممد و معاون بنا لیا۔ امریکہ کا ہدف یہ تھا کہ اقوام متحدہ سے ایک ایسی قرارداد منظور کروائی جائے جس سے صدر بش کو عراق کے خلاف عالمی پیمانے پر جنگ لڑنے کا اختیار حاصل ہو جائے اور عراق کو مکمل طور پر تباہ کرنے کی راہ میں کوئی امر مانع نہ رہے۔ چنانچہ سلامتی کونسل نے نومبر ۱۹۹۰ء

کے اواخر میں اجلاس بلایا اور امریکہ کے حسب منشاء قرارداد کی منظوری دے دی۔ امریکہ نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے عراق کو نشانہ بنایا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ سب سے بڑی جنگی کارروائی تھی۔ بغداد پر امریکی ہوائی حملوں نے ویتنام پر امریکہ کی وحشیانہ بمباری کی یاد تازہ کر دی۔

امریکہ نے ہر طرف سیم و زر کا جال بچھا دیا۔ عالمی ضمیر کو خریدنے کا گھناؤنا کاروبار اپنے عروج پر تھا۔ کولمبیا، ایتھوپیا اور زائر کو نئے امدادی پیکج دیئے گئے، ورلڈ بینک کے ذریعے انہیں قرضے دلوائے گئے، آئی ایم ایف نے انہیں خصوصی گرانٹس دینے کا اعلان کیا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۹۰ء کو امریکی صدر اور چینی وزیر خارجہ کے درمیان ایک اعلیٰ اختیاراتی اجلاس کا اعلان ہوا۔ نتیجتاً چین نے مذکورہ قرارداد پر رائے شماری میں حصہ نہ لیا اور اس کے صلے میں ورلڈ بینک نے چین کو ۱۱۴ ملین ڈالر کی اقتصادی امداد فراہم کی لیکن امریکہ کیوبا کو اپنا ہمنوا بنانے میں ناکام رہا۔ یمن پر دباؤ ڈالا گیا لیکن یمن نے امریکی دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امریکی سفیر نے یمن کو دھمکی دی کہ یہ انکار تمہیں مہنگا پڑے گا۔ چنانچہ تین دن بعد امریکہ نے یمن کو دیئے جانے والے ۷۰ ملین ڈالر کے امدادی پیکج کو روک لیا۔ یمن اس علاقے کا غریب ترین ملک ہے۔ امدادی پیکج روک کر یمن کے عوام کو کڑی سزا دی گئی کہ اب بھی حق کا ساتھ دو گے؟ روس کو بھی ۶ بلین کے امدادی پیکج سے نوازا گیا اور بعض خلیجی ممالک کو مذاکرات کے ذریعہ روس کو ادائیگیوں پر آمادہ کیا گیا۔ اس طرح امریکہ کو قرارداد نمبر ۶۷۸ کے ذریعے اجتماعی سلامتی کے نام پر بین الاقوامی امن کا "ٹھیکہ" دیا گیا اور اس کے جارحانہ اقدامات کی قانونی توثیق لی گئی۔

بین الاقوامی امن فوج کا واقعاتی پس منظر

جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ اور اقوام متحدہ کے دوہرے معیارات ہیں۔ تمام فیصلے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مفاد میں ہوتے ہیں۔

جمہوریت اور امن عالم کے قیام کی آڑ میں آمریت کی بدترین صورت کو ابن آدم کا مقدر بنایا جاتا ہے جہاں اپنے مفادات کو تحفظ دینا مقصود ہو وہاں کثیر الملکی فوج بھیج دی یا معاملہ مقامی اور علاقائی سطح پر حل کر لیا اور جہاں اپنے مفادات کا معاملہ درپیش نہ ہوا وہاں علاقائی مسائل کو بھی عالمی مسائل بنا کر میڈیا میں اچھالا گیا۔ ذیل میں اقوام متحدہ کی امن فوج کا واقعاتی پس منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ علم سیاسیات کا ادنیٰ سا طالب علم بھی ذہن پر بہت زیادہ زور ڈالے بغیر امریکہ کے گھناؤنے عزائم کو بے نقاب ہوتا دیکھ سکتا ہے۔

(۱) اقوام متحدہ نے ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۷ء میں مصر میں قیام امن کے لئے ہنگامی فوج تعینات کی جو زیادہ سے زیادہ ۶۰۷۳ نفوس پر مشتمل تھی۔

(۲) ۶۴-۱۹۶۰ء میں جمہوریہ کانگو میں بھیجی جانے والی ہنگامی فوج کی زیادہ سے زیادہ نفری ۱۹۸۲۶ تھی۔

(۳) ۷۹-۷۳-۱۹۷۳ء میں نہر سویز اور سینائی میں بھیجی جانے والی اقوام متحدہ کی ہنگامی فوج میں زیادہ سے زیادہ ۱۶۹۷۳ افراد شامل تھے۔

(۴) ۱۹۷۸ء میں اقوام متحدہ نے لبنان میں جو عبوری فوج تعینات کی وہ زیادہ سے زیادہ ۵۸۲۷ افراد پر مشتمل تھی۔

(۵) ۹۰-۱۹۸۹ء کے دوران نمیبیا میں ۴۶۵۰ فوجیوں پر مشتمل ملٹری فورس بھیجی گئی۔

(۶) یوگوسلاویہ میں ۱۹۹۲ء میں بھیجی جانے والی امن فوج کی نفری ۲۲۰۰۰ تھی۔

(۷) کمبوڈیا میں ۱۹۹۲ء میں بھیجی گئی فوج بھی ۱۲۲۰۰۰ افراد پر مشتمل تھی۔

(۸) اس کے برعکس عراق میں پہلی مرتبہ امریکہ نے اقوام متحدہ کی فوج کی تعیناتی سے اجتناب کرتے ہوئے کثیر الملکی عساکر کا اہتمام کیا۔ پہلے مرحلے میں صدر امریکہ نے اپنے خصوصی احکام سے ۴۰۰۰۰ فوجی عراق میں بھجوائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دوران جنگ فوجیوں نے اقوام متحدہ کی مخصوص نیلی وردی نہیں پہنی اور ان کا حوالہ اقوام متحدہ کے فوجیوں کے طور پر نہیں دیا گیا بلکہ ان عساکر کو مخلوط یا اتحادی فوجی کہہ

کر پکارا گیا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کا صدر بطور نگران چیف خود ان کی کمان کر رہا تھا۔ ان فوجیوں کو کبھی بھی سلامتی کونسل کے ملٹری سٹاف کی طرف سے ہدایات موصول نہیں ہوئیں۔

لمحہ فکریہ

درج بالا حقائق کی روشنی میں حالات و واقعات کا بے لاگ تجزیہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عراق کے خلاف کارروائی اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت اجتماعی سلامتی کی کارروائی نہیں تھی بلکہ اجتماعی سلامتی کی آڑ میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عالم اسلام کی ایک ابھرتی ہوئی طاقت کو نیست و نابود کرنے کی ناپاک سازش کی۔ خلیج کے پانیوں میں جنگ کے شعلے بھڑکے، اتحادی فوجیں عراق پر چڑھ دوڑیں، بے گناہ عوام کا بے دریغ قتل عام ہوا، معصوم بچوں کو تہ خانوں میں زندہ جلانے کا "کارنامہ" سرانجام دیا گیا۔ جنگ ختم ہو گئی، عراق کی معیشت گھٹنے ٹیک گئی لیکن اس کا مرکز ثقل بدستور واشنگٹن رہا۔ اقوام متحدہ نے ۶۷۸ سے ۶۸۷ تک متعدد قراردادیں منظور کیں جس کے نتیجے میں امریکہ کو عراق پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کا آمرانہ اختیار مل گیا۔ امریکی صدر نے ۱۳ اپریل ۱۹۹۱ء کو ایک قرارداد منظور کرائی۔ اس قرارداد نے مابعد جنگ عراق پر انتہائی سخت کنٹرول مسلط کر دیا۔ عراق کے تمام مبینہ کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے مکمل خاتمے کا حکم دے دیا گیا۔ یہ پابندیاں ایک مطلق اور ہمہ گیر بین الاقوامی اقدام کے طور پر عراق پر نافذ کر دی گئیں۔ اس کے دائرے میں ہر چیز یہاں تک کہ غذا اور ادویات کی سپلائی بھی آتی ہے جو بھوکے اور بیمار عراقی عوام کے لئے بھیجی جاتی تھی۔ مسلم امہ کے لئے خصوصاً یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ اس نوعیت کی پابندیوں کا اطلاق اس سے پہلے کسی ملک بشمول سوویت یونین اور جارح اسرائیل پر نہیں ہوا۔ اسے سرب جیسے وحشی درندوں پر بھی نہیں آزمایا گیا۔ کسی ملک پر اس انداز کی پابندیاں نہیں لگیں۔ کشمیر میں مسلسل درندگی اور جارحیت کا مظاہرہ

کرنے پر بھارتی استعمار کو ان پابندیوں کا پابند نہیں بنایا گیا۔ پھر عراق ہی کو مشق ستم کیوں ٹھہرایا گیا اس لئے کہ عراق ایک اسلامی ملک ہے اور اسرائیل جیسے ناسور پر نشتر بن کر گرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ حقوق انسانی کے عالمی ٹھیکیدار کہاں ہیں؟ جمہوریت کے مبلغین کن کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ خواتین اور بچوں کے حقوق پر عالمی کانفرنس بلانے والے نام نہاد دانشور کس خرابے میں کھو گئے ہیں۔ انسانی حقوق کی بقاو سلامتی کی دعویدار تنظیمیں اور ایجنسیاں عراق سے روا رکھی جانے والی ناانصافیوں اور زیادتیوں پر کیوں خاموش ہیں؟ کیا یہ قانونی پابندیوں کا عمل ہے یا نسل انسانی پر اجتماعی بربریت کا شب خون؟ کیا ان پابندیوں کی آڑ میں پر امن شہریوں کا قتل عام نہیں کیا گیا؟ کیا یہ پابندیاں انسانی حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی نہ تھیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

دنیا بھر کے مسلمانو! اپنے تمام مادی اور افرادی وسائل کو یکجا کر کے عالم کفر کے خلاف ایک ہو جاؤ۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ اپنے اختلافات کو فراموش کر دو، اپنے جھگڑوں کو خود علاقائی سطح پر حل کرو۔ اپنے مشترکہ دشمن کو پہچانو۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے وفادار بن جاؤ۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

(البقرہ، ۲:۱۱۹)

تمام یہودی اور عیسائی (سازشی) کبھی تم سے راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین اور تمدن و ثقافت کی پیروی نہ کرنے لگو۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا

(البقرہ، ۲:۲۱۷)

اور یہ کافر ہمیشہ تم سے جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اگر وہ (اتنی) طاقت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ

(آل عمران' ۳: ۱۵۰-۱۴۹)

اے ایمان والو! اگر تم نے کافروں کا کہا مانا تو وہ تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی جانب) پھیر دیں گے۔ پھر تم نقصان اٹھاتے ہوئے پلٹو گے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔

مسلمانو! اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ' دشمنان اسلام کے پیچھے نہ بھاگو۔ اگر اقوام متحدہ اپنی روش سے باز نہیں آتا اور مسلمانان عالم سے بے انصافی کا وطیرہ ترک نہیں کرتا تو پھر مسلم امہ کو اپنی اسلامی یو این او قائم کرنے کے لئے کوششوں کا آغاز کر دینا چاہئے۔ اسے اپنی قسمت کے فیصلے واشنگٹن میں کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہئے۔

اقوام متحدہ کی مکمل ناکامی کے بعد کیا ہو گا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کی مکمل ناکامی کے بعد کیا ہو گا؟ کیا یہ دنیا انسانوں کی قتل گاہ بن جائے گی؟ کیا انسان تیسری عالمی جنگ کی دہلیز پر کھڑا ہے اور کیا یہ جنگ اقوام متحدہ کی کمان میں لڑی جائے گی؟ کیا اس کرہ ارضی پر آخری انسان کی آخری پرچھائیں بھی بارود کے دھوئیں میں تحلیل ہو کر رہ جائے گی؟ کیا ترقی پذیر اور غریب ممالک کو اقوام متحدہ پر اندھے اعتماد کی پالیسی پر گامزن رہنا چاہئے یا انہیں اپنی ثقافتی سلامتی اور بقا کے لئے انقلابی جدوجہد کا آغاز کر کے ظالم استحصالی طاقتوں کے گریبانوں تک پہنچنا چاہئے۔ غیر جانبدار مبصرین کی رائے یہ ہے کہ اگر اقوام متحدہ کے فیصلے صرف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عالمی مفادات کو تحفظ دینے کے نقطہ نظر سے کئے جاتے رہے اور عالمی رائے عامہ کو یکسر نظر انداز کیا جاتا رہا تو اقوام متحدہ کا حشر بھی لیگ آف نیشنز سے مختلف نہ ہو گا۔ اقوام متحدہ کی ناکامی کے نتیجے میں تیسری عالمگیر جنگ کی صورت

میں اس کرہ ارضی پر جو عذاب نازل ہو گا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس لئے ارباب فکر و نظر کو انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عالم انسانیت کو ہولناک تباہی سے بچانے کے لئے ابھی سے پیش بندی کرنا ہو گی۔ پہلے مرحلے پر اقوام متحدہ اور امریکہ کے دوہرے معیارات کا خاتمہ ضروری ہے۔ یہ نفاذ عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ تیسری دنیا میں اقوام متحدہ کے خلاف پائی جانے والی بے چینی، انتقام در انتقام کے ان گنت دروازے کھول سکتی ہے اور یوں دہشت گردی کی آگ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ تاریخ شاہد عادل ہے کہ جب محکوم اور زیر دست اقوام غیر ملکی آباد کاروں کے خلاف مسلح بغاوت کرتی ہیں تو دنیا کی کوئی استعماری طاقت اپنے تمام مادی وسائل کے باوجود تحاریک آزادی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ غلامی کی زنجیریں بہرحال کٹ کر رہتی ہیں۔ صبح آزادی کا مسکراتا ہوا سورج غلامی کی سیاہ رات کے بطن سے ہی جنم لیتا ہے۔ عالمی منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ شعور کی بیداری نے ذہن جدید کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جمہوری انداز فکر نے تیسری دنیا کے نوجوانوں کو انقلاب کا راستہ دکھایا ہے۔ اگر غریب اقوام نے استعماری قوتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تو یہ عالمی چودھراہٹ دھری کی دھری رہ جائے گی اس لئے امن عالم کے ٹھیکیداروں کو ہوش کے ناخن لینے میں مزید تاخیر کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے۔

من يطع الرسول فقد اطاع الله

باب-۴

ایمان کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تشریحات

ایمان کالغوی مفہوم

ایمان عربی زبان کا لفظ ہے' اس کا اصل مادہ یعنی جس سے یہ لفظ مشتق ہے۔ "ا' م' ن" یعنی امن ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے محفوظ ہو جانے' دل کے مطمئن ہو جانے اور انسان کے خیر و عافیت کی دولت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔

ایمان کے متعدی اور غیر متعدی معنیٰ

ایمان کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ متعدی اور غیر متعدی (لازم) اگر ایمان غیر متعدی معنیٰ میں استعمال ہو تو اس کا معنی امن پالینا ہو گا۔ چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے کسی شخص کے امن پا جانے پر بھی لفظ ایمان کا اطلاق ہوتا ہے' لیکن اگر اس کا استعمال متعدی معنیٰ میں ہو تو اس سے مراد امن و عافیت مہیا کرنا یا دوسروں کو خیر و عافیت کی نعمت سے ہمکنار کرنا ہو گا گویا ایمان کبھی امن حاصل کرنے کو کہتے ہیں کبھی امن مہیا کرنے کو۔

خدا تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک مبارک نام "المؤمن" ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ ذات والا صفات ہے کہ جو کوئی بھی اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے وہ اسے امن و عافیت عطا کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس انسان کے مومن ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہو کر امن پالیتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے لئے مومن کا لفظ صرف متعدی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور انسان کے لئے غیر متعدی معنوں میں بھی۔

قرآن حکیم میں متعدی معنی میں اس لفظ کا استعمال مختلف مقامات پر ہوا ہے۔

تیسویں پارے میں ارشاد باری ہے۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ

پس انہیں چاہیے کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی عبادت کریں (تاکہ اس کی

خَوْفٍ○ (قریش' ۱۰۶: ۳-۴)

شکر گزاری ہو) جس نے انہیں بھوک (یعنی فقر و فاقہ کے حالات) میں کھانا دیا (یعنی رزق فراہم کیا) اور (دشمنوں) کے خوف سے امن بخشا (یعنی محفوظ و مامون زندگی سے نوازا۔)

یعنی وہ خدا جس نے ان کو بھوک کی حالت سے نجات دے کر رزق عطا کیا۔ فقر و افلاس کی حالت سے چھٹکارا دے کر معاشی آسودگی سے بہرہ ور کیا۔ احتیاج کی لعنت سے چھٹکارا دے کر نعمتوں سے مالا مال کیا اور خوف و ہراس سے نجات دے کر امن و عافیت کی نعمت سے بہرہ ور کیا۔ وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت اور پرستش کی جائے۔ اسی طرح غیر متعدی معنوں میں قرآن مجید میں اس کا استعمال متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَإِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ○

(البقرہ' ۲: ۲۳۹)

پھر جب تم حالت امن میں آ جاؤ تو انہی طریقوں پر اللہ کی یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھائے ہیں جنہیں تم (پہلے) نہیں جانتے تھے۔

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ اس آیۂ کریمہ کو بیان کیا جا رہا ہے جس میں مذکور ہے کہ جنگ اور خوف کی انتہائی حالت میں بھی نماز کو نہیں چھوڑنا چاہئے' البتہ اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر تم پیدل چل رہے ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لو اور اگر کسی سواری پر سوار ہو تو اسی پر ہی نماز پڑھ لیا کرو۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ جب خوف و ہراس اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے اور تم امن کی نعمت کو پالو تو پھر جس طرح خدا تعالیٰ نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ اس طرح اس کے ذکر میں محو ہو جاؤ۔ اس جگہ "امنتم" کا استعمال غیر متعدی یعنی امن پا

لینے کے معنی میں ہوا ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ ایمان اور اس کے مادے کا استعمال جب متعدی معنی میں ہوتا ہے تو اس کا مفہوم دوسرے کو امن دینا ہوتا ہے اور جب اس کا اطلاق غیر متعدی معنی میں ہوتا ہے' تو اس کا مفہوم خود امن پا لینا ہوتا ہے۔

ایمان میں امانت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے' امانت کا لفظ بھی مادہ امن سے مشتق ہے۔ اسی سے امین کا لفظ نکلا ہے' یعنی وہ شخص جس پر دوسروں کو اعتبار ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ (البقرہ' ۲: ۲۸۳)	پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا اسے چاہیئے کہ اپنی امانت ادا کرے۔

امانت ہمیشہ بھروسے اور اعتماد کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے جس شخص کے پاس امانت رکھی جائے وہ شخص بھروسے اور اعتماد کے قابل ہونا چاہئے۔ اگر وہ بھروسے کے قابل نہ ہو تو اس کو امین نہیں کہا جا سکتا۔ اس وضاحت کی روشنی میں مذکورہ آیۂ کریمہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ اگر تم میں سے کچھ لوگ دوسروں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی قیمتی اشیاء ان کے پاس امانت رکھیں' اپنے حقوق و معاملات ان کے سپرد کریں تو ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ گویا انہیں اپنی امانت تمہیں سپرد کر کے تمہاری طرف سے کسی قسم کا کوئی خوف یا اندیشہ لاحق نہیں ہونا چاہئے۔

چنانچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ امن اور اس کے تمام مشتقات میں خوف اور اندیشے سے نجات دلانے کا مفہوم شامل ہے۔

برادران یوسف کا دعویٰ امانت

سورہ یوسف میں اعتماد کا یہ مفہوم دو مقامات پر سامنے آیا ہے۔ ایک اس

موقع پر جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اکٹھے ہو کر اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے اس جلیل القدر فرزند کو ان کے ساتھ بھیجنے میں تامل ہوا تو انہوں نے کہا۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ○ (یوسف' ۱۲:۱۱)

اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم یقینی طور پر اس کے خیر خواہ ہیں۔

دوسرے اس موقع پر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے دغا کر کے شام کو گھر لوٹتے ہیں اور اپنے والد کو اپنی من گھڑت بات کا یقین دلانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ○ (یوسف' ۱۲:۱۷)

اور آپ (تو) ہماری بات کا یقین (بھی) نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہیں۔

گویا پہلے موقع پر وہ اپنے باپ کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم اس امانت کے بارے میں ہر طرح سے بھروسے اور اعتماد کے قابل ہیں اور دوسرے موقع پر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بات پر اعتماد کیا جائے۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اعتماد اور بھروسے کے لائق ہے۔

قرآن کریم کی آیات کی روشنی مین یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے امن' امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

ایمان کا صلہ کے ساتھ استعمال

متذکرہ بالا صورتیں وہ ہیں جن میں کسی صلہ کے بغیر (یعنی زائد حرف ملائے بغیر) "ایمان" کا استعمال ہوا ہے۔ اب صلہ کے ساتھ اس کے استعمال کا جائزہ لیجئے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اگر لفظ ایمان کے ساتھ حرف لام کا صلہ آ جائے تو

اس کا معنی کسی دوسرے کی بات ماننا اور اس پر یقین کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بنی اسرائیل کے واقعے کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ ۲:۵۵)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے (یقین نہیں کریں گے) یہاں تک کہ ہم اللہ کو (آنکھوں کے سامنے) بالکل آشکارا دیکھ لیں۔

اسی طرح اگر ایمان کے ساتھ حرف باء کا صلہ آ جائے تو لفظ ایمان اپنے مخصوص شرعی اور اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ (البقرہ ۲:۲۸۵)

سب (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

یہاں پر ایمان لانا اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں بھی جس کو مانا جا رہا ہے ایک طرح سے اسے اعتماد اور بھروسے کے قابل سمجھا جا رہا ہے اور اس پر یقین اور اعتماد کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

سابقہ بحث کا خلاصہ

مختصر یہ کہ ایمان کا استعمال متعدی معنی میں ہو یا غیر متعدی میں مفہوم امن پر دلالت کرتا ہو یا اعتماد اور بھروسے کے سیاق و سباق میں اس کے ساتھ حرف لام کا صلہ آئے یا حرف باء کا، ایمان ہر لحاظ سے بھروسے، توکل، اعتماد اور دوسرے کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے سے عبارت ہے۔

مادہ امن سے مومن کا اصطلاحی مفہوم

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں لفظ مومن کا اصطلاحی مفہوم واضح ہو گیا یعنی

مومن وہ شخص ہے جو خود تو خدا اور اس کی بارگاہ سے بندگی کا تعلق استوار کر کے امن وعافیت کی دولت پا ہی لیتا ہے لیکن اس کی خوبی یہ بھی ہے کہ اگر دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ تعلق استوار کرلیں تو وہ بھی امن و عافیت اور سکون واطمینان کی نعمت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔

گویا مومن کے لفظ میں ایمان کے متعدی اور غیر متعدی دونوں معنی یکجا ہو جاتے ہیں۔ یوں مومن کی ذات ایک طرف خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے امن و سلامتی اور ہر قسم کے خوف و خطر سے نجات کی دولت پالیتی ہے اور دوسری جانب اس کی اپنی ذات دوسروں کے لئے امن و سلامتی کا باعث بن جاتی ہے۔ گویا وہ ارشاد خداوندی **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** کا کامل مصداق بن جاتا ہے یعنی جو بندہ خدا پر ایمان لائے اور اس کا ایمان اسے اس منزل تک پہنچادے کہ جہاں پہنچ کر خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا خوف اس کے دل سے نکل جائے اور مخلوق خدا بھی اس کی بدولت امن و سلامتی کی نعمت سے بہرہ ور ہو جائے' حقیقتاً وہی شخص مومن کہلانے کا حق دار ہے۔

گذشتہ اوراق میں یہ وضاحت بڑی تفصیل کے ساتھ آ چکی ہے کہ لفظ ایمان سہ حرفی لفظ امن سے مشتق ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ اگر ہمارا ایمان اپنے اور دوسروں کے لئے منبع امن و عافیت ثابت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ایمان ہماری شخصیتوں میں متحقق ہے اور اگر ہمارے ایمان سے دوسروں کی عزتیں اور جان ومال محفوظ نہیں ہیں تو پھر جان لینا چاہئے کہ ضرور ہمارے ایمان میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ ایمان کی اس وضاحت کے بعد ہمیں دیکھنا ہے کہ بندہ مومن کی پہچان کیا ہے اور قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات نے بندۂ مومن کی کون سی علامات بیان کی ہیں اور کن کن باتوں کو اس کے لوازم میں شمار کیا ہے۔

ا۔ منفی اوصاف

شریعت طیبہ نے مومن کی شخصیت میں کچھ اوصاف کی موجودگی اور کچھ

اوصاف کی عدم موجودگی پر زور دیا ہے۔ ایسی صفات کا دائرہ بہت وسیع ہے مگر یہاں ہم اپنے آپ کو لفظ مومن کے اشتقاق اور اس کے معنوی دائرے تک ہی محدود رکھیں گے۔

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کہ مومن کا لفظی مفہوم امن دینے والا ہوتا ہے۔ یہ مفہوم مومن کی بعض حقیقی اور معنوی صفات کی ٹھیک ترجمانی بھی کرتا ہے کیونکہ مومن کا وجود معاشرے میں امن و سلامتی اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس کی شخصیت ہر قسم کی منفی اور تخریبی صفات سے مبرا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اس سلسلے میں جامع اشارہ کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ
(الحجرات، ۴۹:۱۰)

مومن تو آپس میں بھائی ہوتے ہیں۔

نیز فرمایا۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(التوبہ، ۹:۷۱)

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ومددگار ہیں، وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں مومن کے کردار کو اس کی صفات کے آئینے میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو وہ مومن نہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

و اللہ لا یؤمن و اللہ لا یؤمن و اللہ لا یؤمن قیل من یا رسول اللہ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ
(صحیح البخاری، ۲:۸۸۹)

بخدا وہ شخص مومن نہیں، بخدا وہ شخص مومن نہیں، بخدا وہ شخص مومن نہیں، پوچھا گیا کہ کون یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ

نے فرمایا وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

۲۔انسداد شرو فساد

مومن خود دوسروں کے حق میں امن و سلامتی کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن یہ ایمان کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس سے بڑا درجہ یہ ہے کہ وہ معاشرے میں موجود برائیوں شراور فساد کو ختم کرنے کے لئے میدان عمل میں نکل آتا ہے اور اس وقت تک جہد و عمل جاری رکھتا ہے جب تک برائی اور شرو فساد کا مکمل طور پر قلع قمع نہیں ہو جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

(الانفال' ۸:۳۹)

تم ان (کفرو طاغوت کے سرغنوں) کے ساتھ انقلابی جنگ کرتے رہو' یہاں تک کہ (دین دشمنی کا) کوئی فتنہ باقی نہ رہ جائے اور سب دین (یعنی نظام بندگی و زندگی) اللہ ہی کا ہو جائے۔

انسداد فتنہ و فساد مومن کی ذمہ داری ہے' جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جائے' اس کے لئے جہاد جاری رکھنے کا حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مومن کی اس ذمہ داری کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

من رائ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان

(الصحیح لمسلم' ۱:۵۱)

جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے' وہ اسے اپنے ہاتھ سے درست کردے' اگر اسے اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اسے برا کہے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا

کمزور ترین درجہ ہے۔

۳۔ مثبت اوصاف

یہ تو شر و فساد کی نسبت مومن کے رویے کی بات تھی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومن کا کام برائی سے بچنا اور دوسروں کو بچانا ہے۔ اب اس مسئلے کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس اعتبار سے مومن کا طرز عمل دوسروں کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے۔

۴۔ جذبۂ اخوت و ہمدردی

بنیادی طور پر مومن اخوت اور بھائی چارے کے جذبات سے سرشار ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ** (مومن بھائی بھائی ہیں) چنانچہ مومن کے دل و دماغ میں دوسروں کے لئے بھلائی، امن اور خیر خواہی کے جذبات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسی بناء پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الدین النصیحۃ (الصحیح لمسلم، ۱:۵۴) دین خیر خواہی کا نام ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومن کامل وہ ہے جس کا وجود انسانیت کے لئے سراسر نفع اور آسودگی کا باعث بن جائے، جس کا جینا بھی دوسروں کی خاطر ہو اور مرنا بھی دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے، جس کا ایک ایک لمحہ دوسروں کی بھلائی کے لئے بسر ہوتا ہو۔ جو اپنے دل میں پوری انسانیت کا درد اور غم رکھتا ہو۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا (الصحیح لمسلم، ۲:۳۲۱)

مومن (ہر دوسرے) مومن کے لئے ایک دیوار کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ مل کر قوت پکڑتا ہے۔

یعنی جس طرح دیوار میں ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا لیتی ہے۔ اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی ربط کی وجہ سے ایک مضبوط و مستحکم دیوار معرض وجود میں آجاتی ہے۔ اسی طرح مومن کامل دوسروں کا سہارا بنتا ہے اور یوں باہمی نفع بخشی اور فیض رسانی سے ایک مضبوط و مستحکم معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔

۵۔ اتحاد و اتفاق

اخوت اور بھائی چارے کے ان جذبات کے باعث مسلم معاشرہ اتحاد کی علامت بن جاتا ہے۔ اس کے ہر فرد میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بجائے دوسروں کے نفع اور نقصان کو پیش نظر رکھے۔ اگر کوئی اس کے کسی بھائی پر ظلم کرنا چاہے تو وہ اس کا سہارا بنتا ہے' کوئی کسی کو ستانا چاہئے تو وہ مدد کو دوڑتا ہے' اس طرح معاشرہ اتحاد و اتفاق اور باہمی تناصر و تعاون میں جسد واحد کی طرح مستحکم حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

مثل المومنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر و الحمیٰ
(الصحیح لمسلم' ۲:۳۲۱)

مومن کی مثال آپس میں محبت' رحمت اور ملاطفت کے حوالے سے ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ تکلیف محسوس کرتا ہے تو تمام جسم شب بھر جاگنے' درد سہنے اور بخار میں مبتلا رہنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

درد خواہ جسم کے کسی حصے میں ہو' بے چینی پورے جسم میں ہوتی ہے' یہی مثال مومن کی ہے' وہ اپنے بھائیوں کے لئے دردمندی اور بہی خواہی کی علامت بن جاتا ہے۔ اسی مضمون کو امیر مینائی نے کس خوبی سے نظم کیا۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

۶- ایثار و قربانی

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ
(صحیح البخاری، کتاب الایمان، ۶:۱)

یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تو یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہو گا جس کا مفہوم یہ ہو گا جو سکھ اور چین تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، جو نفع اور آسائش تمہیں اپنے لئے محبوب ہے، وہی تمہیں دوسروں کے لئے بھی محبوب ہو لیکن اگر ایمان کا اعلیٰ درجہ جاننا ہو تو پھر متذکرہ بالا ارشاد رسول ﷺ کو یوں پڑھا جائے گا۔

یہاں تک کہ جو کچھ تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی بجائے خود دوسروں کے لئے پسند کرنے لگو۔

اس صورت میں فرمان نبوی ﷺ کے مطابق کوئی شخص اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتا، جب تک اپنی سہولت، اپنی آسائش، اپنے مال، اپنی جملہ محبوب و مرغوب اشیاء کو دوسروں کے نفع اور آسائش کے لئے قربان کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

ایمان کے ادنیٰ درجے میں انسان نے خود کو مقدم رکھا تھا مگر اپنی پسندیدہ شے میں دوسروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ مگر ایمان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جو شے اسے اپنے لئے پسند ہے، اسے اپنے لئے استعمال کرنے کے بجائے دوسروں کے استعمال میں لے آئے اور خود کو مؤخر کر دے۔ جہاں ذات کے سارے مفادات دوسروں کی خاطر قربان ہو جائیں، وہاں ایمان اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ ایمان کا درجہ ایثار و قربانی کے اعلیٰ جذبے کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ایثار و قربانی کا وہی جذبہ ہے جو انسان کو خود بھوکا پیاسا رہنے اور دوسروں کے کام و دہن کی تواضع کرنے کے لافانی جذبات کا سبق دیتا ہے جس کی سورہ حشر میں یوں پذیرائی کی گئی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ قف (الحشر، ۵۹:۹)

اور (یہی نہیں بلکہ وہ ان کو) اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں (ان کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں) اور اگرچہ خود ان کو شدید ضرورت (ہی کیوں نہ) ہو۔

اسی جذبے کی بنا پر میدان یرموک میں شامل مجاہدین نے عین جاں بلب لمحوں میں بھی ایثار و قربانی کے اس جذبے کا مظاہرہ کرکے عظیم مومنانہ طرز عمل کی مثال قائم کردی تھی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ زندگی کے ان آخری لمحات میں وہ کون سا جذبہ تھا‘ جو ان صحابہؓ کو اپنے منہ کی طرف پانی لے جانے کے بجائے دوسروں کے ہونٹوں کی طرف بڑھانے کا سبق دے رہا تھا۔ تین ہاتھوں میں گھومنے کے باوجود وہ پیالہ کوئی نہ پی سکا۔ مگر جذبہ ایثار نے ان صحابہؓ کو وہ ابدی تسکین بہم پہنچائی جو ہزار پیالے پینے کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ زندگی اور اس کے مال و متاع سب آنی جانی چیزیں ہیں مگر مومن کا یہ جذبہ اور اس کے اثرات دنیا و آخرت میں لافانی ہیں۔

اگر انسان میں اپنی زندگی قربان کرکے دوسروں کی زندگی بچانے کا حوصلہ پیدا ہو جائے اور نزع کے وقت بھی خود کو ملے ہوئے پانی کے گھونٹ سے دوسروں کی زندگی بچانے کے لئے تڑپ پیدا ہو جائے تو اس سوچ میں ایمان کامل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

یہی وہ انقلابی تصور تھا جو رسول اکرم ﷺ نے اپنے فکر اور طرز عمل سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اگر یہ جذبہ آج ہمارے دلوں میں راسخ اور معاشرے میں عام ہو جائے تو ہماری تقدیر سنور سکتی ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں دیکھیں تو اس تصور کی ایک جامع جھلک یوں دکھائی دیتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ

مسلمان آپس میں بھائی ہیں‘ اس لئے

أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ○

(الحجرات' ۴۹: ۱۰-۱۲)

اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو (نزاع کو ختم کر دو) اور خدا سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اے ایمان والو' نہ مرد مردوں کی ہنسی اڑائیں (کیونکہ) عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے (مذاق کریں) ممکن ہے کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔ کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا' اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں' اے ایمان والو' کثرت بدگمانی سے بچو' بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں اور عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو تمہیں گوارا نہ ہو گا۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

خداوند کریم نے اپنے اس ارشاد میں مومن کے لئے مندرجہ ذیل خصوصیات ضروری قرار دی ہیں۔

۱۔ باہمی اخوت و مودت
۲۔ صلح جوئی، جھگڑوں تنازعوں کو ختم کرنا۔
۳۔ خدا خوفی۔
۴۔ کسی کو مذاق کا نشانہ نہ بنانا۔
۵۔ طعن و تشنیع سے باز رہنا۔
۶۔ کسی کو حقارت انگیز ناموں سے نہ پکارنا۔
۷۔ کسی کے متعلق بدگمانی نہ کرنا۔
۸۔ عیب جوئی اور جاسوسی نہ کرنا۔
۹۔ غیبت نہ کرنا۔

احادیث مبارکہ میں بھی مومن کے اوصاف کی وضاحت کی گئی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہؓ کرام سے دریافت فرمایا۔

۱-تدرون من المومن قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال المؤمن من امنہ المومنون علی انفسھم و اموالھم

(مسند احمد بن حنبل، ۲:۲۰۶)

تم جانتے ہو مومن کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا! مومن وہ ہے جس سے دوسرے اہل ایمان کی جانیں اور اموال محفوظ و مامون ہوں۔

۲-المومن اخو المومن فلا یحل لمؤمن ان یبتاع علی بیع اخیہ و لا یخطب علی خطبۃ اخیہ حتی یذر

(الصحیح لمسلم، ۱:۴۵۴)

مومن مومن کا بھائی ہے اس لئے کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے یا اس کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے تاوقتیکہ وہ چھوڑ نہ دے۔

۳-اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا

(سنن ابی داؤد، ۲:۲۹۵)

ان ایمان والوں کا ایمان کامل ہے جن کا اخلاق اچھا ہے۔

۴- للمومن علی المؤمن سبعة حقوق و واجبه من الله عز و جل: الاجلال له فی عینه' و الود له فی صدره' و المواساة له فی ماله و ان یحرم غیبه' و ان یعوده فی مرضه' و ان یشیع جنازته' و ان لا یقول فیه بعد موته الا خیرا

(ابن بابویہ بحوالہ منہاج الصالحین:۹۱)

اللہ کی طرف سے مومن پر مومن کے سات حقوق واجب ہیں: (۱) اس کے لئے نگاہوں میں عزت و تکریم ہو۔ (۲) دل میں محبت و مودت ہو۔ (۳) اسے اپنے مال سے حصہ دے (۴) غیبت نہ کرے (۵) بیمار پرسی کرے (۶) جنازے میں شریک ہو (۷) اس کی موت کے بعد اسے بہتر کلمات سے یاد کرے۔

۵- من و اسی الفقیر من ماله و انصف الناس من نفسه فذالک المؤمن حقا

(طحاوی بحوالہ منہاج الصالحین' ۹۱)

سچا مومن وہی ہے جو فقیر پر اپنا مال خرچ کرے اور لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آئے۔

- المؤمن مراة المومن اذا رای فیه عیبا اصلحه

(صحیح البخاری بحوالہ منہاج الصالحین:۹۱)

مومن' مومن کا آئینہ ہے اسے اس میں عیب نظر آئے تو اصلاح کر دے۔

۷- والذی نفسی بیده لقتل مومن اعظم عند الله من زوال الدنیا

(سنن نسائی' ۲:۱۶۲)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' مومن کا قتل اللہ کے نزدیک دنیا کے زوال سے بھی بڑا ہے۔

۸- المؤمن وحده جماعة

(الطحاوی بحوالہ منہاج الصالحین' ۹۲)

اکیلا مومن جماعت کی طرح ہے۔

الغرض قرآن واحادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں' وہ ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں' انہیں آپس میں مل جل

کر رہنا چاہیے' آپس میں عزت و تکریم سے پیش آئیں۔ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ اور ان کی خوشی کو اپنی مسرت و انبساط کا باعث جانیں' غیبت ' عیب جوئی اور دوسرے معاشرتی عیوب کے مرتکب نہ ہوں۔

مومن کا ہر لمحہ دوسرے مومن بھائی کے لئے محبت و مسرت کا پیغام لائے اس کے لئے کسی طرح تکلیف کا باعث نہ ہو۔

اگر ہماری شخصیت ان اوصاف سے متصف ہے تو ہم سچے مومن ہیں' خدا و رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام و ارشادات پر عمل پیرا ہیں' اور اتحاد و اتفاق پر مبنی ایک صالح معاشرے کو تشکیل دے رہے ہیں۔ ورنہ ہمارے ایمان کے دعاوی محض گفتار کی تنگنائیوں میں گونجتی ہوئی آوازیں ہیں۔ کھوکھلی اور بے وزن۔

باب-۵

اسلام کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تعبیرات

اسلام کا معنی و مفہوم

مادہ اشتقاق "اسلام" کا مادہ اشتقاق س' ل' م' سلم ہے۔ اس کے لغوی معنی بچنے' محفوظ رہنے' مصالحت اور امن و سلامتی کے ہیں۔ حدیث شریف میں اس لغوی معنی کے لحاظ سے ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (صحیح البخاری' ۱:۶)

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمانوں (کے مال وجان اور عزتیں) محفوظ رہیں۔

اس مادے کے باب افعال سے لفظ "اسلام" بنا ہے' ہمارے خیال میں لفظ اسلام کے لغتہً چار مفہوم ہیں:

پہلا مفہوم: اسلام کا پہلا لغوی معنیٰ' خود امن وسکون پانا' دوسرے افراد کو امن وسلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے' اس اعتبار سے اسلام کا معنی لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ اس کے مفہوم میں خود امن و سلامتی پالینا بھی شامل ہے اور دوسروں کو امن مہیا کرنا بھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (المائدہ' ۵:۱۶)

اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیروکار ہیں سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے۔

دوسرا مفہوم: اسلام کا دوسرا مفہوم ماننا' تسلیم کرنا' جھکنا اور خود سپردگی و اطاعت اختیار کرنا ہے۔ اس معنی میں لفظ اسلام قرآن وحدیث میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ سورہ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ البقرہ (۲:۱۳۱)

اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا (میرے سامنے) گردن جھکا دو تو عرض

کرنے لگے میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

نیز فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (النساء ۴:۱۲۵)

اور دینی اعتبار سے اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے روئے نیاز کو اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکو کار (واحسان شعار) بھی ہو۔

اس تصور کے تحت اسلام سے ایسی خود سپردگی اور اطاعت کا در آنا مراد ہے جس میں یہ عزم ہو کہ بیشک جان چلی جائے، لیکن زبان یا دل انکار آشنا نہ ہو۔ یعنی جہاں خود سپردگی کا یہ عالم ہو بقول علامہ اقبال"

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

تیسرا مفہوم: اسلام میں تیسرا مفہوم صلح و آشتی (Peace) کا پایا جاتا ہے صلح کے لئے سَلمٌ یا سِلمٌ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (محمد ۴۷:۳۵)

پس تم ہمت نہ ہارو (کافروں سے مرعوب نہ ہو جاؤ) اور (دب کر) صلح کی دعوت نہ دینے لگو اور تم ہی غالب رہو گے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ ۲:۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

چوتھا مفہوم: اسلام میں پائے جانے والے چوتھے مفہوم کی طرف اہل علم نے بہت

کم توجہ کی ہے' بلند وبالا درخت کو عربی زبان میں "سُلَّامٌ" کہا جاتا ہے اور سیڑھی کو "سُلَّمٌ" کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ درخت اور سیڑھی اپنی اونچائی کی وجہ سے لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس مادۂ اشتقاق کی رو سے اسلام کے لفظ میں بلندی اور عظمت کا مفہوم شامل ہے۔ ظاہر ہے اسلام سے زیادہ دنیا میں عظمت ورفعت کسی اور مذہب کے حصہ میں نہیں آئی ہے۔ اور یہ اس کی عظمت ہی کی دلیل ہے کہ یہ ہر ایک بدخواہ کی دسترس سے باہر ہے۔

لغوی معنی کا اصطلاحی مفہوم پر اثر

لغتاً اسلام انہی چاروں مذکورہ معانی میں استعمال ہوتا ہے' لیکن اس کے لغوی پس منظر سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ اسلام کے اصطلاحی اور وسیع تر مفہوم میں ان تمام لغوی معنوں کا اثر پایا جاتا ہے' کیونکہ اسلام وہ دین ہے جو انسان کو امن وعافیت اور سلامتی سے بہرہ ور کرتا ہے اور اس کے دل ودماغ کو ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز کرتا ہے' اس کی صحیح اتباع انسان کو عظمت ورفعت سے ہمکنار کرتی ہے۔ اس کا سب سے پہلا اور آخری حکم بھی یہی ہے کہ بندہ خدا کی بارگاہ میں خود سپردگی' اطاعت اور تسلیم ورضا کا پیکر اتم بن جائے۔ لغوی معنی کس کس انداز سے اس کے اصطلاحی مفہوم پر اثر رکھتا ہے' اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

اسلام کے اصطلاحی مفہوم پر امن وسلامتی کے معنی کا اثر

اسلام میں امن وسلامتی کا مفہوم دو لحاظ سے شامل ہے۔

(الف) لازم

(ب) متعدی

۱۔ اسلام کا لازمی معنی

لفظ اسلام اپنے معنیٰ لازم کے اعتبار سے "امن وعافیت کو پالینے اور ہر قسم

کے خوف و خطر سے محفوظ ہو جانے" سے عبارت ہے' لہٰذا مسلم وہ شخص ہے جو اسلام کے باعث دنیا اور آخرت میں امن و عافیت پالے اور "**لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ**" کے مصداق ہر خوف و غم سے محفوظ ہو جائے۔ کیونکہ اسلام اپنے پیروکاروں کے مصائب و مشکلات سے حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اس لئے امن و عافیت کا یہ مفہوم دین اسلام کے تمام پہلوؤں اور علمی و عملی گوشوں میں پوری طرح جاری و ساری ہے۔ اس لئے اسلام ہی حقیقت میں راہ فلاح و نجات ہے۔

ب۔ اسلام کا متعدی مفہوم

متعدی معنی کے اعتبار سے اسلام دوسروں کو امن و سلامتی اور حفاظت و عافیت مہیا کرنے سے عبارت ہے۔ اس لحاظ سے مسلم وہ شخص ہے جو دوسروں کے لئے باعث امن و عافیت ہو۔ جس کے ذریعے دوسرے لوگوں کو سلامتی اور حفاظت کا احساس میسر آئے جیساکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (صحیح البخاری' ۱:۶)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوں۔

الدین النصیحۃ قلنا لمن؟ قال للّٰہ ورسولہ ولکتابہ ولائمۃ المومنین ولعامتھم
(صحیح البخاری' کتاب الایمان)

دین وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے۔ (صحابہ فرماتے ہیں کہ) ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ خیر خواہی اور وفاداری کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا: اللہ' اس کے رسول' اس کی کتاب' مسلمانوں کے حکام اور عوام کے لئے۔

قرآن حکیم میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جب تک دنیائے انسانیت کفر کے تغلب اور ظالمانہ تسلط کے خاتمے کے ذریعے امن و عافیت کی دولت سے ہمکنار نہ ہوئی تھی

اس وقت تک "دین کی تکمیل" کا اعلان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ تکمیل اسلام کا اعلان دنیا کو امن و سلامتی مہیا کرنے کی ضمانت دیے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدہ، ۵:۳)

آج کے دن کافر تمہارے دین (کی تکمیل) سے مایوس ہو گئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور ابدی دین کے منتخب کر لیا۔

اور مسلم کی تعریف کرتے ہوئے بار بار یہ ارشاد فرمایا:

فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ، ۲:۳۸)

نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی عظمت شان کا تذکرہ بھی ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس، ۱۰:۶۲)

خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہو رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔

گویا بندے کے دل سے جب خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا اندیشہ و خوف نکل جائے اور وہ دنیا کے ہر رنج والم سے بے نیاز ہو جائے تو اسی کیفیت کا نام اسلام کی حقیقت کا اس کے باطن پر وارد ہونا ہے۔ علامہ اقبال حقیقت اسلام کا خوبصورت انداز میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہر کہ رمز لا الہ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

فتح مکہ کے موقع پر اعلان امن و آزادی

اسی بنا پر جب اہل اسلام نے نبی اکرم ﷺ کی زیر قیادت مکہ معظمہ کو فتح کیا' تو اس وقت آپ ﷺ نے کفار و مشرکین کو عام معافی کی نوید سناتے ہوئے اور انہیں خونریزی سے پناہ دیتے ہوئے یہ اعلان فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو امن و من اغلق بابہ فھو امن و من دخل المسجد فھو امن

جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا یا بیت اللہ شریف میں داخل ہو گا وہ امن و عافیت میں ہو گا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ۲: ۴۰۳)

ابو سفیان کے گھر کو "خانہ امن" بنا دینے کا پس منظر یہ تھا کہ ابو سفیان نے اسلام قبول کرلیا تھا اور یوں اس نے خود بھی امن و عافیت کی دولت پالی تھی اور دوسروں کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے گھر کو حفاظت و پناہ خواہی کا مرکز بنالیا تھا۔

ارشادات نبوی

حضور سرکار دوعالم نبی اکرم ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں اسلام کے اسی لغوی مفہوم کو واضح کیا ہے' ایک موقع پر فرمایا:

۱- **المومن من امنہ الناس علی دمائھم و اموالھم**

مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے متعلق امن میں ہوں۔

(جامع الترمذی' ۲: ۹۰' سنن النسائی' ۲: ۲۶۶)

۲- **لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ**

وہ ایمان دار نہیں جو صاحب امانت نہیں اور جو اپنے عہد پورے نہ کرے' اس کا کوئی دین نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل' ۳: ۱۳۵)

۳-المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (صحیح البخاری' ۱: ۳۳۵' الصحیح لمسلم' ۲: ۳۲۰)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو کسی (ظالم) کے سپرد کرتا ہے۔

گویا جو شخص دوسروں کے لئے کسی اذیت' کسی غم' پریشانی اور ذلت ورسوائی کا باعث نہ بنے وہی مسلمان ہے۔

۴-المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ' التقوی ھھنا واشار الی صدرہ ثلث مرار بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (الصحیح لمسلم' ۲: ۳۱۷)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے' نہ اسے رسوا کرتا ہے' نہ اس کی تحقیر کرتا ہے' اپنے سینہ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ بندے کے شر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کسی مسلمان کی تحقیر کرے۔ ایک مسلمان کا خون' مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

۵-المؤمن مراۃ المؤمن و المؤمن اخو المؤمن یکف عنہ ضیعتہ ویحوطہ من ورائہ (سنن ابی داؤد' ۲: ۳۲۵)

مومن مومن کا آئینہ ہے۔ نیز مومن مومن کا بھائی ہے۔ وہ اس سے ایسی چیزیں دور کرتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے اور غائبانہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

گویا مسلمان وہی شخص ہو سکتا ہے جو مندرجہ بالا احادیث کے مضمون کے مطابق دوسروں کے لئے مجسمہ امن وعافیت اور سرچشمہ حفاظت وسلامتی ہو اور اگر

کوئی شخص موقع ملنے پر اپنے مسلمان بھائی کا گلا کاٹنے سے گریز نہ کرے، اس کے جائز مسائل بھی رشوت لئے بغیر حل نہ کرے، اس کی ضرورت اور احتیاج سے غلط فائدہ اٹھائے، غلط اور ناروا ہتھکنڈوں سے معاشرے اور سماج کا استحصال کرے تو ایسا شخص مسلمان کہلانے کا ہرگز حق دار نہیں ہے، اس کے سیاہ اور بھدے چہرے پر یہ تاج سرداری زیب نہیں دیتا۔ مسلمان وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے ہر مسلمان، اس کی ماں، بیٹی اور بہن اور اس کا ہمسایہ پوری طرح محفوظ ہو۔ اسی لئے ایک موقع پر حضور ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا:

خدا کی قسم وہ مومن نہیں جب آپ نے یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کون مومن نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! وہ شخص جس کے شر سے ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یومن۔ قیل من یارسول اللہ؟ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ (صحیح البخاری، ۲:۸۸۹)	خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ کون؟ فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے بے خوف نہیں۔

۷ - اور حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمان کی عزت و حرمت کو یوم حج، مقام حج اور بیت اللہ شریف کے برابر عزت و تکریم کا مستحق قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان دمائکم واموالکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی مقامکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا (صحیح البخاری، ۱:۶۱) (الصحیح لمسلم، ۱:۲۹۷)	بلا شبہ تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن (یوم عرفہ) یہ مقام، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت و عزت والا ہے۔

اسلام کے مفہوم کا مثبت پہلو

دوسروں پر زیادتی نہ کرنا' ان کے لئے کسی پریشانی اور مصیبت کا باعث نہ بننا "اسلام" کے مفہوم کا منفی پہلو ہے۔ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ مسلمان وہ شخص ہے جو دوسروں کے لئے سراسر آسودگی' نفع بخشی' راحت اور امن وعافیت کا ذریعہ ثابت ہو۔ اس کا جینا' اس کی سوچ' اس کی فکر' الغرض اس کی ہر چیز دوسروں کے لئے سکون واطمینان کا سبب ہو جائے۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ ومن ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ
(صحیح البخاری' ۱: ۳۳۰)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت براری میں مصروف ہو' خدا تعالیٰ اسکی حاجت براری میں مصروف ہوتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی تنگی دور کرے' خدا تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے ایک سختی اس سے دور کر دے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا' خدا تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا

۲۔ نیز فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ
(الصحیح لمسلم' ۱: ۵۰)

قسم ہے اس خدا کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں جب تک وہ اپنے ہمسایہ یا اپنے بھائی کے لئے وہ بات دل سے نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا

ہے۔

۳۔ حضور ﷺ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

من ذب عن لحم اخيه بالغيبة كان حقا على الله ان يعتقه من النار

(مسند احمد بن حنبل ‘۶:۴۶۱)

جو شخص کسی مسلمان بھائی کی غیر حاضری میں اس کے گوشت کی حفاظت کرتا ہے (دوسروں کو غیبت کرنے سے منع کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزادی بخشتا ہے۔

۴۔ ایک اور حدیث پاک ہے:

ما من امرئ مسلم ينصر مسلما في موضع ينتقص فيه من عرضه و ينتهك فيه من حرمته الا نصره الله تعالىٰ من مواطن يحب فيه نصرته

(سنن ابو داؤد ‘۲:۳۲۱)

جو مسلمان بھی اپنے کسی مسلمان بھائی کی اسی جگہ مدد کرے جہاں اس کی عزت گھٹانے کی کوشش کی جا رہی ہو یا آبرو جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا ایسے مقام میں جہاں وہ اس کی مدد چاہے گا۔ (یعنی قیامت کے دن)

ان تمام ارشادات نبوی سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے نزدیک صرف وہی شخص مسلمان شمار ہوتا ہے جس کا وجود دوسرے کے لئے منبعِ امن وعافیت اور سرچشمہ امن وسکون ہو۔

۲۔ دوسرے لغوی معنی کا اصطلاحی مفہوم پر اثر

اسلام کا دوسرا مفہوم اطاعت وانقیاد ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○

(آل عمران ‘۳:۸۳)

اور جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اس نے خوشی یا لاچاری سے (بہر

حال) اسی کی فرماں برداری اختیار کی ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ '۲:۱۳۱)

اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا (میرے سامنے) گردن جھکا دو تو عرض کرنے لگے میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

بالفاظ دیگر اسلام قبول کرنا شہرت و ناموری' مال و عزت اور سرداری حاصل کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کو اپنا رب اور خالق و مالک سمجھنے کے اعتبار سے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (النساء '۴:۱۲۵)

اور اس سے زیادہ اچھا دین اور کس کا ہو گا جو اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے۔

اور جب تک بندہ اپنی تمام تر آرزوئیں' اپنی جملہ تمنائیں اور خواہشیں اللہ رب العزت کی طاعت و رضا کے تابع نہیں کر دیتا' اس وقت تک مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به (مشکوٰۃ المصابیح '۳۱)

بخدا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ زبان کے اس قول و اقرار پر دل و نگاہ اور تمنا و آرزو بھی

اس حد تک اپنا سر تسلیم خم کردے کہ شریعت اسلامیہ کے ہر فیصلے پر اسکے دل کے کسی گوشے میں ہلکا سا تردد اور شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(النساء' ۴:۶۵)

پس قسم ہے آپ کے رب کی' یہ لوگ ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک کہ آپس میں واقع ہونے والے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مان لیں' اور پھر آپ کے فیصلے پر اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں۔ اور اسے پورے طور پر تسلیم کرلیں۔

شان نزول

اس آیت مبارکہ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس کی شان نزول کا علم ضروری ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی اور ایک بظاہر مسلمان مگر باطن منافق' کے درمیان پانی کی تقسیم پر جھگڑا ہوگیا۔ اس مقدمے میں یہودی حق پر تھا۔ انہوں نے اپنا مقدمہ بارگاہ نبوت میں تصفیے کے لئے پیش کیا۔ آپ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد یہودی کے حق میں اور کلمہ گو کے خلاف فیصلہ دیا۔ یہ فیصلہ سننے کے بعد دونوں فریق جب باہر نکلے تو منافق نے یہودی سے کہا کہ مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں' آؤ ابوبکرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ یہودی نے کہا' اگرچہ تمہارے نبی ﷺ کے فیصلے سے بڑھ کر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا' لیکن اگر تم ابوبکرؓ کے پاس جانا چاہتے ہو تو چلو' ان کے پاس چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ سنا تو فرمایا: جہاں حضور ﷺ اپنا فیصلہ صادر کردیں' وہاں ابوبکرؓ سوچنے اور فیصلہ دینے والا کون ہے؟ اس پر منافق نے اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ دشمنان اسلام کے مقابلے میں بڑے سخت ہیں اور وہ یہودی کے مقابلے میں ضرور میری حمایت کریں گے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلنے کی

تجویز پیش کی۔ یہودی آمادہ ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں سے اصل ماجرا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فیصلے کا حال سنا تو فرمایا ذرا ٹھہرو! میں ابھی آکر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔

فدخل عمر منزلہ و خرج والسیف فی یدہ قد سلہ فضرب بہ راس الذی ابی ان یرضی فقتلہ

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۱:۵۲۱)

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں برہنہ تلوار چمک رہی تھی جس سے انہوں نے اس منکر رسول کا سر قلم کر دیا۔

جو شخص کلمہ گو ہو کر حضور اقدس ﷺ کے فیصلے پر اعتبار نہ کرے اور عمر سے فیصلہ چاہے تو عمر کے پاس اس کا یہی فیصلہ ہے۔ جب اس واقعے کی خبر مدینہ منورہ میں پھیلی تو منافقین نے اسے خوب نمک مرچ لگا کر پیش کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔ جب حضور ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا، عمر کی تلوار سے مسلمان قتل نہیں ہو سکتا۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، جس میں قیامت تک کے لئے اس خدائی حکم کا اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کے فیصلوں پر پوری طرح سر اطاعت و تسلیم خم نہیں کرتا اور جس کے دل میں آپ کے ارشادات سے متعلق ہر قسم کے شکوک و شبہات ختم نہیں ہو جاتے وہ شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ قتل کسی مسلمان کا نہیں بلکہ ایک منافق کا قتل تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے تسلیم و اطاعت کا وہ اعلیٰ معیار چاہتا ہے کہ انسان اپنی گردن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور میں اس طرح جھکا دے کہ پھر اس کے بعد نہ اس کے خیالات میں کوئی تمرد ہو اور نہ اس کے قدموں میں تزلزل کے آثار نمودار ہوں۔ تسلیم و اطاعت کا یہ معیار وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے اور اس کی اطاعت قبول کرنے کے بعد آتش نمرود میں کود پڑنے میں انہوں نے ذرا بھی تامل نہ کیا۔

عقل جب کسی امر کو مانتی ہے تو اپنا ہر قدم سوچ سوچ کر اٹھاتی اور پھونک پھونک کر رکھتی ہے' قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے نفع اور نقصان کا خیال ہمیشہ اس کے لئے اولیت و فوقیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس جب عشق تسلیم کی وادی میں در آتا ہے تو وہ سود و زیاں کے اندیشوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ہر منفعت سے بے نیاز اور ہر نقصان سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ماننے کا انداز کشتیاں جلا کر واپسی کے جملہ امکانات مسدود کر دینے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال" فرماتے ہیں۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

۳۔ تیسرے لغوی معنی کا اصطلاحی مفہوم پر اثر

لغت نگاروں کے نزدیک مادہ سَلِمَ کا ایک مفہوم صلح و آشتی بھی ہے' اس مادے کا قرآن حکیم میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ سورہ انفال میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

(الانفال' ۸:۶۱)

اس اعتبار سے فتنہ و فساد سے اجتناب کرنے اور مصالحت کے رویے کو اپنانے کا نام اسلام ہے جو ہر حال میں مصالحت پسندی کے جذبے کو فروغ دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے تمام تر مزاج' اپنی تعلیمات' رویوں اور اصولوں کے اعتبار سے ایک صلح جو اور مصالحت پسند مذہب واقع ہوا ہے۔ اس نے ہمیشہ صلح و امن کے جذبوں کو پروان چڑھایا اور جذبہ امن پسندی کی ہر میدان میں حوصلہ افزائی کی ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اسلام صرف بزور شمشیر پھیلا ہے' اسلام کے مزاج اور اسلامی فکر سے کلیتًا ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

حالت جنگ میں بھی صلح پسندی کا مظاہرہ

امن و صلح پسندی کے اسلامی تصورات سے صحیح طور پر واقفیت حاصل کرنے

کے لئے قدرے تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں اسلامی تصورات کو اوّلاً دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: قسم اول کا تعلق حالت جنگ سے ہے' دوسری کا عام حالات سے۔ کسی قوم کی اصلی اور حقیقی شخصیت کا چہرہ حالت جنگ ہی میں بے نقاب ہوسکتا ہے۔ اسلام نے حالت جنگ میں بھی اپنے پیرووں کو حتی الوسع صلح پسندی کی ہدایات دی ہیں۔ چنانچہ سورہ انفال کے حوالے سے اس حکم خداوندی کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اگر دشمن' دوران جنگ مصالحت کی تجویز پیش کرے تو اسے فوراً تسلیم کرلو اور اس کی نیت کا معاملہ خدا کی ذات پر چھوڑ دو۔ ایک دوسرے مقام پر سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء' ۴: ۹۴)	اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) سفر پر نکلو تو تحقیق کرلیا کرو اور اس کو جو تمہیں سلام کرے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔

خود سرور کائنات ﷺ جب کسی لشکر کو بغرض جہاد روانہ کرتے تو اسے آخری ہدایات دیتے ہوئے فرماتے:

واذا لقیت عدوک من المشرکین فادعهم الی ثلث خصال او خلال فایتهن ما اجابوک فاقبل منهم وکف منهم ثم ادعهم الی الاسلام فان هم ابوا فسئلهم الجزیة فان هم اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم فان هم ابوا فاستعن باللّٰہ وقاتلهم (الصحیح لمسلم' کتاب الجہاد' ۲: ۸۲)	اور جب تمہارا دشمنوں سے آمنا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں یا تین خصلتوں کی دعوت دینا۔ اگر وہ ان میں سے کوئی بھی مان لیں' تو اس کو قبول کرلینا اور ان سے لڑائی اور جنگ سے رک جانا' انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو' اگر وہ انکار کریں تو پھر

ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو بھی اس کو قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ (یہ دونوں تجاویز) قبول نہ کریں تو پھر اللہ کی مدد سے ان کے خلاف جنگ شروع کر دو۔

اذا رایتم مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احدًا
جب کہیں مسجد دیکھو یا مؤذن کی آواز سنو تو کسی کو قتل نہ کرو۔

(جامع الترمذی، ۱: ۲۸۲)

خود آپ ﷺ کا تمام زندگی یہی معمول رہا، جنگ برپا ہونے سے پہلے آپ ﷺ ہمیشہ دشمن کے سامنے صلح کی دعوت پیش فرماتے۔ جنگ شروع ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ اس کا التزام فرماتے تھے۔

عمرو بن عبدود کو دعوت اسلام

غزوہ خندق میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عبدود آمنے سامنے ہوئے تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے یہی دو تجاویز پیش کیں اور فرمایا۔

فانی ادعوک الی اللہ والی رسولہ والی الاسلام
میں تجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔

مگر بد قسمت عمرو بن عبدود نے کہا۔

لا حاجۃ لی بذالک
مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دعوت مبارزت دی جو اس نے قبول کرلی اور قتل ہوا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ۲: ۲۲۵)

سنہ ۶ھ میں جب آپ ﷺ عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تو دشمنان اسلام نے لشکر اسلام کو مقام حدیبیہ میں روک لیا۔ اس موقع پر تمام صحابہؓ جنگ کے لئے آمادہ تھے اور حضور ﷺ ان سے شہادت کی بیعت بھی لے چکے تھے۔ اور صورت حال ایسی تھی کہ اگر جنگ ہوتی تو فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوتی، مگر آپ ﷺ نے دشمنوں کی تجویز پر مصالحت کرنا قبول فرمالی اور اس میں بعض ایسی شرائط تک منظور فرمائیں، جو اکثر صحابہؓ کو گوارا نہ تھیں۔

صلح کے اس دور میں دور دراز کے حکمرانوں اور سرداروں کے نام تبلیغی و مصالحتی خطوط روانہ کئے گئے اور ان میں جس نے بھی حضور ﷺ کی دعوت کو قبول کیا، اس سے اس کی مرضی کی شرائط پر صلح کرلی گئی۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام دین صلح و آشتی ہے، دین جبر و قتال ہرگز نہیں ہے۔

کلمہ گو کا قتل روا نہیں

احادیث میں یہاں تک تاکید ملتی ہے کہ اگر کوئی کافر تلوار سر پر لٹکتی دیکھ کر بھی دعوت صلح قبول کرلے یعنی کلمہ طیبہ پڑھ لے تو اس کے قتل سے ہاتھ روک لینا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ اسلام کے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے ہی والے تھے کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر صحابیؓ نے اس کے کلمہ کی پروانہ کی اور اسے قتل کردیا۔ آنحضرت ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے سخت الفاظ میں اس قتل کی مذمت کی اور اس صحابی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کہ اس نے محض جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ھلا شققت قلبہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔

(سنن ابو داؤد، ۱:۳۵۶)

اور پھر اس مقتول کو مسلمان سمجھتے ہوئے اور اس قتل کو قتل خطا کا درجہ

دیتے ہوئے مقتول کے ورثاء کو پوری دیت ادا کرنے کا اہتمام فرمایا۔

استثنائی حکم اور اس کا پس منظر

تاہم اس ضمن میں خود قرآن حکیم میں ایک استثناء آتا ہے' اگر اس کا ٹھیک ٹھیک مفہوم لیا جائے' تو اسلام کے جذبہ صلح پسندی سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ سورہ محمد میں ارشاد ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

(محمد' ۴۷:۳۵)

پس تم ہمت نہ ہارو (کافروں سے مرعوب نہ ہو جاؤ) اور (دب کر) صلح کی دعوت نہ دینے لگو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (وہ تمہارا رفیق' وہ تمہارا کارساز ہے) اور وہ ہرگز تمہارے اعمال کا (اجر) کم نہ کرے گا۔

اس آیت کا یہ مفہوم سمجھنا کہ اسلام نے دشمنوں سے صلح جوئی کا راستہ مطلقاً مسدود کر دیا ہے' قطعاً غلط ہے۔ دراصل اس مقام پر اسلام اور کفر کے باہمی تشخص پر زور دیا جا رہا ہے اور اہل اسلام کو یہ تلقین کی جا رہی ہے کہ دشمنان اسلام سے اس درجے کی مصالحت ہرگز نہ کرو جو اسلام کی مدافعانہ پوزیشن کو زک پہنچا دے۔ کفر اور اسلام کے درمیان بہرحال کوئی قدر مشترک نہیں ہو سکتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی حدود سے آگے بڑھ کر حق و باطل اور صدق و کذب کا امتیاز ہی کھو بیٹھو اور دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو جاؤ۔ اس کے برعکس قرآن یہ تلقین کر رہا ہے کہ کانٹوں سے دامن بچا بچا کر گزرو' اپنے آپ کو کفر اور شرک میں ملوث ہونے سے بچاؤ اور یاد رکھو کہ جہاں کفر ہے' وہاں اسلام نہیں آ سکتا اور جہاں اسلام ہے' وہاں کفر نہیں داخل ہو سکتا' جیسا کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

قرآن مجید تعاون علی البر اور تعاون علی الکفر والفسق کا ایک نیا نظریہ پیش کرتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
(المائدہ' ۵:۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اس طرح کا تعاون حق و باطل کے فرق کو نظرانداز کر کے نہیں ہو سکتا' بلکہ یہ تعاون حق اور باطل میں امتیاز کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے' اسی بنا پر سورہ النساء میں ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ؏
(النساء' ۴:۷۶)

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں (نیک مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں (طاغوتی مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں۔ پس (اے مومنو) شیطان کے دوستوں (یعنی شیطانی مشن کے مددگاروں) سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

صلح اور منافقت میں فرق

واضح رہے کہ صلح اور منافقت دو الگ اور باہم متضاد راستے ہیں۔ اسلام جس صلح کی تعلیم دیتا ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ حق اور باطل' سچ اور جھوٹ کا باہم

امتیاز اور تشخص ختم نہ ہونے پائے اور حالات اور ماحول کے مطابق احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضے کی بجاآوری کا سلسلہ بھی جاری رکھا جائے۔ لیکن ہمارے ہاں صلح کا تصور یہ ہے کہ برائی کو برائی سمجھتے اور باطل کو باطل جانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ تعاون اور اشتراک عمل کا سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم صلح جو واقع ہوئے ہیں گزارا کر رہے ہیں۔ ہر شخص کو خوش رکھنا چاہتے ہیں' اور ہر شخص کی ناراضی سے بچنا چاہتے ہیں۔ ہمیں برادری اور معاشرے کا خوف آتا ہے' کہیں رسم ورواج اور "دنیا کیا کہے گی" کے تصور سے ہم پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہم باطل اور فریب کے ہر ہیولے سے عملی تعاون جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جھوٹے کو جھوٹا اور سیاہ کار کو سیاہ کار اس لئے نہیں کہتے کہ اپنے اندر اس کی ناراضی مول لینے کا حوصلہ نہیں پاتے۔ ایک غلط کار اور فریب کار شخص سے اس لئے تعلقات نہیں توڑتے کہ ہم اسے خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ یہ بدترین قسم کی منافقت ہے' حالانکہ ہم دعائے قنوت میں ہر شب اللہ تعالیٰ سے اس عہد کی تجدید کرتے ہیں:

ونخلع ونترک من یفجرک — اور ہم اس سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے۔

اور قرآن یہ کہتا ہے کہ نیکی اگر بدی کا راستہ بند نہ کرے۔ اور اہل اسلام اہل کفر سے مداہنت کا وطیرہ جاری رکھیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نیکی اور خیر کے تمام منابع سرے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ الحج میں جہاد کا پس منظر واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ (الحج' ۲۲:۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا

جاتا ہے' سب منہدم ہو چکے ہوتے۔

خیر و شر کا تضاد

گویا خداوند تعالیٰ نے خیر و شر کے باہمی تضاد کے اصول میں کائنات کی بقا کا راز رکھا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ یہ تضاد اور یہ تخالف قائم نہ فرماتے تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ آج دنیا پر نہ نیکی ہوتی' نہ نیکی کے نام لیوا' نہ خیر ہوتی' نہ اہل خیر' نہ تقویٰ ہوتا نہ صاحبان تقویٰ۔ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ برائی کا مقابلہ کرنے والے افراد اسی معاشرے سے پیدا کئے۔ ہر فرعون کے دست تظلم کو توڑنے اور اس کے ظالمانہ ہتھکنڈوں کا انسداد کرنے کے لئے اسی معاشرے سے موسوی صفات کے حامل افراد پیدا کئے جاتے رہے' یوں باہمی ٹکراؤ اور تصادم سے برائی اپنی حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اسی لئے اعلان جہاد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ

(النساء، ۴: ۷۴)

پس ان (مومنوں) کو اللہ کی راہ میں (دین کی سربلندی) کے لئے لڑنا چاہئے جو آخرت کی عوض دنیوی زندگی کو بیچ دیتے ہیں۔

اور اسی پس منظر میں مسلمانوں کو غیرت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ مَالَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ○

(النساء، ۴: ۷۵)

اور (مسلمانو) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (غلبہ دین کے لئے) اور ان بے بس (مظلوم و مقہور) مردوں' عورتوں اور بچوں (کی آزادی) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو (ظلم و ستم سے تنگ ہو کر) پکارتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال لے جہاں کے

(وڈیرے) لوگ ظالم ہیں اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرما دے اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنا دے۔

جب ایک طبقہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا ہو' ان کی جانیں' ان کے احوال واملاک چند وڈیروں اور سرمایہ داروں کی دست درازیوں کی زد میں ہوں۔ بچے' عورتیں اور معاشرے کے کمزور اور بے بس افراد چیخ چیخ کر بارگاہ رب العزت میں فریاد اور آہ وبکا کر رہے ہوں' ان پر ظلم و ستم کی انتہا جاری ہو۔ ایسے حالات میں مسلمانوں پر اس وقت تک آرام اور سکون حرام ہو جاتا ہے جب تک وہ معاشرے کے ان مجبور اور بے بس افراد کو ظلم سے نجات نہ دلالیں اسی بنا پر سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

(البقرہ ۲: ۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی روا نہیں۔

گویا قرآن حکیم دو اصول بیان کر رہا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہو تو اس ظلم کو روکنے اور معاشرے میں امن و امان کی صورت حال پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ظلم کے خلاف تادیبی وانسدادی کاروائی عمل میں لائی جائے اور اگر معاشرہ ہر فتنے اور ہر شر سے پاک وصاف ہو جائے تو خود بھی امن سے رہا جائے اور دوسروں کو بھی امن سے رہنے دیا جائے۔

بیعت عقبہ ثانیہ پر حضرت سعدؓ بن عبادہ کا تبصرہ

نبی اکرم ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اہل مدینہ کا ایک بہت بڑا وفد

موسم حج میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں مکہ مکرمہ باریاب ہوا' اور شرکائے وفد نے بیعت کے لئے اپنے اپنے ہاتھ بڑھائے۔ ابھی انصار مدینہ بیعت نہ کرپائے تھے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ انصاری خزرجی کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ "اے انصار خوب سوچ سمجھ لو' کہ تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو پھر فرمایا:

انکم تبایعونہ علی حرب الاحمر والاسود من الناس	تم آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر ہر سرخ وسیاہ (ظالم) کے خلاف جنگ کی بیعت کر رہے ہو۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ۱: ۴۴۶)

گویا اسلام کی بیعت کرنا' محض نماز روزے کی بیعت کرنا نہیں' محض اپنے آپ کو بچانے اور محفوظ رکھنے کا نام نہیں' بلکہ اسلام تو درحقیقت ہر برائی اور ہر طاغوتی طاقت کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا نام ہے: بقول اقبال"

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا کردار کے زور سے

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر مستشرقین کے اس اعتراض کا ذکر کر دیا جائے جو وہ اسلام کے تصور امن وسلامتی پر وارد کرتے ہیں کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" مگر اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اس اعتراض کا وہ جواب ہے جو یورپ سے مرعوب ذہن کے حامل بعض افراد نے دیا ہے کہ اسلام محض کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ ایسے لوگ اہل اسلام کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اور اسلام کو محض دعوت و تبلیغ اور کردار کا سرچشمہ ثابت کر کے اسلامی تعلیمات کی سراسر نفی کر رہے ہیں۔ یہ ان کی ذہنی اور فکری مرعوبیت ہے اور معذرت خواہانہ انداز ہے کہ وہ اسلام کا صحیح جواب دشمنان اسلام تک نہیں پہنچا سکے۔ بات یہ ہے کہ اگر دست وبازوئے مسلم میں قوت ہو تو پھر اسے پرواہ نہیں ہوتی کہ یورپ کیا سوچتا ہے اور مشرق کیا کہتا ہے۔ البتہ حمیت

اسلام کے جذبے ماند پڑ جائیں تو پھر ہزار دلیلوں سے بھی ان کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام حسب ضرورت تلوار اور کردار دونوں کی طاقت سے پھیلا ہے' اسلام میں جہاں ایک طرف کردار سازی کی تلقین کی گئی ہے اور اس کے لئے جامع احکام دیئے گئے ہیں وہاں دوسری طرف برائی اور شر کے انسداد کے لئے تلوار اٹھانے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم نماز' روزے اور دیگر ارکان خمسہ کی طرح ہی نہیں' عند الضرورۃ ان سے بھی زیادہ ضروری اور لازمی ہو جاتا ہے۔

اگر کفر کے خلاف شمشیر اٹھانا اسلام کا مقصود نہ ہوتا اور محض کردار سازی اس کا نصب العین اور مطمح نظر ہوتا تو عالم کفر و شرک کے ساتھ ایک طویل آویزش اور تصادم کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اسلام کے نقطہ نظر سے محض "اللہ اللہ کرنا" کافی ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بند حجروں میں تسبیح پڑھتے رہتے' انہیں باہر کے حالات کا کھوج لگانے اور ان کے متعلق مخصوص نقطہ نظر اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے برعکس پیغمبر اسلام کے جانثاروں نے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔ وطن چھوڑا' عزیز و اقارب سے قطع تعلق کیا' اپنے بال بچے شہید کروائے۔ خود رسول اکرم ﷺ میدان طائف میں اوباش لڑکوں کی سنگباری سے شدید زخمی ہوئے' میدان احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اگر محض نماز' روزے' حج اور زکوٰۃ کا مطلق اعلان اور ایذان کافی ہوتا تو آخر قربانیاں دینے اور شدائد کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے۔ وہ پہلے دعوت و تبلیغ کے سہارے برائی کا قلع قمع کرتا ہے۔ اگر اس ذریعے سے اس کا انسداد نہ ہو سکے تو پھر بزور شمشیر انسداد فتنہ کے لئے کاروائی اور سعی و جدوجہد کرتا ہے۔ اسلام کا یہ اندازِ انقلاب نہ قابل اعتراض ہے' نہ غیر معروف' عالمگیر نوعیت کا کوئی بھی انقلاب تلوار اور کردار کے اصولوں کو نظر انداز کر کے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ نہ تلوار اسلام سے جدا ہے نہ انسان کا کردار اس سے غیر متعلق ہے۔ اسلام کے نزدیک وہ کردار جو حق کی تلوار سے خالی ہو' بزدلی

اور پست ہمتی ہے اور وہ تلوار جو حق کے کردار سے عاری ہو، ظلم ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے لئے کردار اور تلوار دونوں کو یکساں اہم بتاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف جان لیجئے! بیشک جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔ (صحیح البخاری، ۱:۳۹۵)

اسلام ایسا انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے جو ہمہ گیر اور ہر سطح پر اثر و نفوذ رکھتا ہو جس کے نتیجے میں "قوت اقتدار" باطل کے ہاتھ سے چھن کر حق کے ہاتھ آجائے اور حقوق انسانی پر باطل کی اجارہ داریاں ختم ہو جائیں۔ اسلام محکومی کی زندگی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور ظلم کا مکمل استیصال کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے کردار سازی کی تعلیم دی اور ظلم کے خاتمے کے لئے اپنی تلوار بھی میان سے باہر نکال لی۔ یہ تلوار اس وقت تک میان سے باہر رہی جب تک ظالموں کا ظلم اور کافروں کی ایذا رسانی کا سلسلہ ختم نہیں ہوگیا اور قوت اقتدار باطل کے نمائندوں کے بجائے حق پرستوں کے ہاتھ میں نہیں آگئی۔ ایک مرتبہ جب اسلام کا اقتدار قائم ہوگیا تو پھر کافروں کو مسلمان بنانے کے لئے اسلام نے تلوار استعمال نہیں کی۔ اسلام نے ظلم اور فتنے کو بزور شمشیر مٹایا۔ مگر کافروں کے دلوں کو کردار کی عظمت سے فتح کیا۔ القصہ اسلام کے تصور صلح و آشتی میں نہ ظلم و ستم کی گنجائش ہے، نہ بزدلی اور پست ہمتی کی۔

۴۔ اسلام کے اصطلاحی معنی پر چوتھے لغوی مفہوم کا اثر

مادہ "سلم" سے ہی "سلم" اور "سلام" ہے جس کا مفہوم بلند و بالا درخت (شجر عظیم) ہے۔ اسی طرح جس واسطے سے آدمی بلند جگہ پر پہنچ جائے، اسے سلم (سیڑھی) کہتے ہیں۔ اس مفہوم کے لحاظ سے اسلام عظمت و رفعت کا نشان بھی ہے اور عظمت و رفعت کی آخری منزل تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ بھی۔ گویا وہ شخص ہرگز ہرگز

مسلم نہیں ہو سکتا۔ جو ذلت و رسوائی کا شکار ہو۔ اسلام کا مقدر تو عزت و سرفرازی ہے۔ وہ شخص مسلم کہلانے کا حق دار نہیں جو ہر شے اور ہر شخص کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر انسانیت کو ذلیل اور رسوا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ اس کے برعکس مسلمان وہ ہے جو خدا کے سامنے سر جھکا کر انسانیت کا نام فخر سے اونچا کر دے۔ اور اس ذلت میں دنیا اور آخرت کی عزتیں اور آبروئیں جمع کر دے۔

باب-٦

اسلام عالمگیر سطح پر قیامِ امن
کا
سب سے بڑا داعی

باہمی تعاون: ایک فلاحی معاشرے کے ماتھے کا جھومر

انسان کو معاشرتی حیوان (Social Animal) سے تعبیر کرنا انسانیت کی توہین ہے' یہ فلسفہ ان خالی الذہن لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے جو انسانی معاشروں کو حیوانی معاشروں میں تبدیل کر کے اپنی مجرمانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرنے کے آرزومند ہیں انسان اشرف المخلوقات ہے' یہ مسجود ملائکہ ہے اس کا حیوانی سطح پر آنا مقصد حیات کی نفی ہے' انسان فرشتوں سے بھی بہتر ہے لیکن انسان بننے میں ذرا محنت زیادہ پڑتی ہے۔ انسان بننے کے لئے ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مل جل کر رہنے کی انسانی خصلت نے معاشروں کو جنم دیا' انسان کی اسی جبلت نے بستیاں آباد کیں اور ریاست کے تصور کو عملی جامہ پہنایا گیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان آہستہ آہستہ بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہا ہے یہ اور بات ہے کہ غریب اقوام پر سیاسی اور اقتصادی غلامی مسلط کرنے کی خواہش بین الاقوامی ریاست کی بیل کو منڈھے نہ چڑھنے دے' عام تجربہ یہی ہے کہ انسانوں کی اکثریت امن پسند اور صلح جو ہوتی ہے' باہمی تعاون ایک فلاحی ریاست کے ماتھے کا جھومر ہے' سماج دشمن عناصر ہمیشہ تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ان کا شر پورے معاشرے کی فضاء کو مسموم کر دیتا ہے۔ شرافت دب کر رہ جاتی ہے اور غنڈہ گردی کے محافظ سیاسی اور سماجی غلبہ حاصل کر کے شریف النفس لوگوں پر مسلط ہو جاتے ہیں یا سرمایہ داروں' جاگیرداروں' وڈیروں' سرداروں' لٹیروں' اسمگلروں اور خائنوں کے آلہ کار بن کر عام آدمی کے لئے سانس لینا تک مشکل بنا دیتے ہیں۔ امن و امان کے قیام اور قانون کی بالادستی کے لئے باہمی تعاون اور اشتراک عمل کی مختلف صورتیں بڑی اہمیت کی حامل قدریں ہیں

لیکن یہ تعاون اور اشتراک عمل نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہونا چاہئے اگر باہمی تعاون اور اشتراک عمل کی یہ قوت شیطانی ذہن کی طرف جھک جائے تو معاشرہ فتنہ وفساد' شر اور ظلم کی آماجگاہ بن جاتا ہے' ارشاد خداوندی ہے۔

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ص
(المائدہ' ۵:۲)

اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

باہمی تعلقات کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○
(الحجرات' ۴۹:۱۰)

بے شک مسلمان تو (آپس میں) بھائی بھائی ہیں (حقیقی بھائی کی طرح ہیں) پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

فتنہ و انتشار سے بچنے اور آپس میں اخوت و محبت کے جذبات کو فروغ دینے پر حضور ﷺ نے اپنے اقوال مبارکہ میں بہت زیادہ زور دیا ہے' افتراق و نفاق سے بچنا' قتل و غارتگری سے ہاتھ روکنا اور اپنی روزمرہ زندگی میں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جذبۂ خیر سگالی کے بغیر قیام امن کی ہر کوشش ناکام رہتی ہے اس لئے قومی اور بین الاقوامی سطح پر باہمی رواداری کے جذبات کی ترویج اور وسیع پیمانے پر اس کی تشہیر آج کے انسان کی بھی بنیادی ضرورت ہے۔

حدیث پاک میں۔ ہے کہ

المسلم اخو المسلم لا یظلمه و لا

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو

بسلمہ و من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ و من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ و من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ

(صحیح البخاری' ۱:۳۳۰)

اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظالم کے حوالے کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت براری میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات پوری کرتا ہے جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا جس نے کسی مسلمان کی ستر پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔

کسی جھگڑے کی صورت میں حکم ہے کہ فریقین میں صلح کرادو' زیادتی کرنے والے کو طاقت استعمال کر کے اسے زیادتی سے روک دینے کی بھی مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ

(الحجرات' ۴۹:۹)

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرادو۔

اسلام میں جنگ صرف فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے ہوتی ہے' بغاوت کو کچلنے اور ظلم کو رفع کرنے کے لئے تلوار نیام سے باہر کی جا سکتی ہے۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ (البقرہ' ۲:۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔

حضور ﷺ پیغمبر امن

حضور ﷺ کی بعثت مقدسہ کے وقت دنیا کے مذہبی، سماجی، معاشرتی، ثقافتی، سیاسی، معاشی، تعلیمی اور جغرافیائی حالات کا ہم تفصیلاً جائزہ لے چکے ہیں ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ سرکش قبائل نہ کسی ضابطے کے پابند تھے اور نہ وہ کسی اصول کا احترام کرتے تھے، جنگل کا قانون جس کی لاٹھی اس کی بھینس رائج تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور پھر صدیوں تک قتل و غارتگری کا بازار گرم رہتا، جائیداد اور عورتوں کی طرح جذبۂ انتقام بھی وراثت میں منتقل ہوتا، طاقتور کمزوروں پر غلبہ حاصل کر کے ان پر غیر انسانی سلوک روا رکھتے، غلاموں کی تجارت سرعام ہوتی، زنا، شراب، جوا اور حرام کاری عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مخالفین کو ایذا دے کر مارا جاتا، فکری آلودگی اور ذہنی پراگندگی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب خورشیدِ انقلابِ مصطفوی طلوع ہوا تو جامد نظریات اور کفریہ توہمات کی دھند چھٹ گئی، افق پر سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور ظلمت شب نے رخت سفر باندھا، فرعونیت اور نمرودیت کا پرچم سرنگوں ہوا۔ وقت کی سامراجی طاقتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ ۲۳ سال کی مکی اور مدنی زندگی میں رسول انقلاب ﷺ ہر شعبۂ زندگی کو ایک ایسے ہمہ گیر انقلاب سے روشناس کراتے ہیں کہ وقت ابھی ایک گام بھی چلنے نہیں پاتا کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک شوکت اسلام کا پرچم لہرانے لگتا ہے۔ حضور ﷺ سرزمین عرب پر ایک پر امن معاشرہ قائم کرتے ہیں۔ فتنہ و فساد کے سرچشموں کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ شاہراہیں محفوظ بنا دی جاتی ہیں، لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا انقلاب رحمت انسانیت کا مقدر بن چکا تھا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

مؤرخ مصطفوی انقلاب کے سوا کسی دوسرے حقیقی ہمہ جہت انقلاب کا نام لینے سے قاصر ہے۔ انقلاب فرانس اور انقلاب برطانیہ اور انقلاب روس وغیرہ جزوی اور وقتی انقلاب تھے۔ یہ انقلاب برپا ہوئے تو صرف سیاسی اور معاشی تبدیلیاں ظہور

پذیر ہوئیں لیکن حضور ﷺ کا انقلاب رحمت صحیح معنوں میں انقلاب تھا۔ جو انسانی زندگی میں خوشگوار تبدیلیوں کا باعث بنا اور جس کے ثمرات سے بنی نوع انسان رہتی دنیا تک فیض یاب ہوتی رہے گی' جس نے فرد کے اندر بھی انقلاب برپا کیا اس کی سوچ کا رخ بدلا اور اس کے رہوار عشق کو خیر کی راہوں پر گامزن کیا' نیکی' طہارت' پاکیزگی' پرہیزگاری اور تقویٰ سے اس کی کتاب روز و شب کا دیباچہ لکھا۔ معاشرے میں آسمانی ہدایت کے عملی نفاذ سے اجتماعی رویوں کو ایک نئی جہت عطا ہوئی' سرکشی کو اطاعت میں تبدیل کر دیا گیا' فتنوں اور سازشوں کے تاریک دور کا خاتمہ ہوا۔ عدل و مساوات کا دور دورہ ہوا اور ایسے اقدامات کئے گئے کہ غلامی کا ادارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا' مصطفوی انقلاب کوئی خونیں انقلاب نہیں تھا۔ تصادم اور معرکے ضرور ہوئے لیکن ان میں ہونے والا جانی و مالی نقصان دیگر انقلابات کے مقابلے میں بہت کم تھا بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا جبکہ مذکورہ انقلابات میں لاکھوں افراد لقمہ اجل بنے۔ کروڑوں کی املاک تباہ ہوئیں' فتح مکہ کے وقت حضور ﷺ چاہتے تو ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے' ایک ایک زیادتی کا جواب دیا جا سکتا تھا لیکن حضور ﷺ جنہیں کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا نے عام معافی کا اعلان کر کے تاریخ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا حتیٰ کہ اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر دیا' ذاتی انتقام کا ہر تصور ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گیا۔ مقابلہ نہ کرنے والوں سے تعرض نہ کیا گیا۔ اسلامی عساکر کے سالار کو ہدایات جاری ہوتیں کہ بچوں' بوڑھوں' عورتوں اور مذہبی رہنماؤں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے نبی رحمت ﷺ نے دائمی امن کی بنیاد رکھی' سعودی عرب جس میں اسلامی سزائیں نافذ ہیں وہاں بہت کم جرم ہوتے ہیں آج بھی اگر ہم عالمی سطح پر جرائم' لوٹ مار' قتل و غارتگری اور غنڈہ گردی کو روک کر فلاحی معاشروں کے قیام کا خواب دیکھ رہے ہیں تو ہمیں پیغمبر امن کے فرامین سے ہدایات حاصل کرنا ہوں گی۔ تعلیمات اسلامی پر عمل کئے بغیر نہ جرائم کی رفتار میں کمی آ سکتی ہے نہ استحصال کرنے والوں کا ہاتھ روکا جا سکتا ہے اور نہ حقیقی معنوں میں نسل آدم کو حقیقی امن کا مژدہ سنایا جا سکتا ہے۔ بے سکون اور

مضطرب انسانیت کو اگر امن' عافیت اور سلامتی کی تلاش ہے تو اسے جھک جانا ہو گا مکین گنبد خضرا ﷺ کی دہلیز پر' حضور ﷺ کے دامان کرم سے وابستہ ہوئے بغیر عالمی امن کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اسلام دین امن

اسلام کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ اسلام سراپا دین امن ہے' اسلام سراپا رحمت ہے' اسلام سراپا سلامتی ہے' مسلمان جنگجو تھے اور نہ ہیں' بلکہ یورپ سے افریقہ تک اور افریقہ سے ایشیا تک جہاں بھی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں انہوں نے سب سے پہلے اپنے معاشروں میں امن قائم کیا امن عدل کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اسلام نے عدل کے قیام پر زور دیا چنانچہ حاکمان وقت تک عام آدمیوں کی طرح عدالتوں میں پیش ہوتے رہے ہیں' مستشرقین کے بے بنیاد الزامات میں کوئی وزن نہیں۔ جہاد تو دہشت گردی کے خاتمے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ظلم اور ناانصافی' فتنہ و فساد اور شرانگیزیوں کو روکنے کا وسیلہ ہے لیکن آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر ماضی کی گرد سے حقائق معلوم کرنے کا دعوی کرنے والوں نے دہشت گردی کے ڈانڈے جہاد سے ملا کر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔ اس کا ذکر الگ باب میں تفصیل سے کیا جا رہا ہے بعض اعتراضات غلط فہمیوں کا نتیجہ ہیں بعض فلسفیانہ موشگافیوں کا شاخسانہ ہیں اور زیادہ تر اندھے تعصبات کی پیداوار ہیں۔ جن غیر مسلم محققین نے تعصبات سے بالاتر ہو کر اور مکمل غیر جانبداری (Impartiality) کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخ کے دروازے پر دستک دی ہے اور خلوص دل سے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو امن اور سلامتی کی ضمانت دیتا ہے جو ہر سطح پر دہشت گردی اور تخریب کاری کی حوصلہ شکنی کرتا ہے' آج بھی اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے' اسلام کے حصار رحمت میں داخل ہو کر ایک شخص اللہ

اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ میں آجاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رحمت اسے ردائے عافیت میں لے لیتی ہے۔

تسلیمات

اسلامی معاشرہ رواداری' اتحاد' یگانگت' محبت اور اخوت کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے' ملاقات کے وقت مسلمان جو الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ بھی امن اور سلامتی کے مظہر ہیں۔ السلام علیکم: تم پر سلامتی ہو' وعلیکم السلام: اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ گویا دونوں مسلمان بارگاہ خداوندی میں ایک دوسرے کے لئے امن اور سلامتی کی دعا کر رہے ہوتے ہیں' لاشعوری طور پر ایک دوسرے کو یقین دلا رہے ہوتے ہیں کہ میری طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں' میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں اس لئے میں تمہاری سلامتی کی دعا کر رہا ہوں۔

نماز کے اختتامی کلمات اور دعا

مسلمانوں کی عبادات بھی امن اور سلامتی کی آئینہ دار ہیں' نماز افضل ترین عبادت ہے۔ یہ انفرادی سطح پر بھی ایک فرد کے پرجوش اور مخالفانہ جذبات کو اعتدال اور توازن کی راہ دکھا کر اس کے ذہنی دباؤ کو کم کرتی ہے' اجتماعی سطح پر بھی نماز مسلمانوں کے اندر رواداری کے جذبات کو فروغ دیتی ہے اور ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کے لئے دن میں پانچ بار یقینی مواقع فراہم کرتی ہے' افراد معاشرہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور یوں معاشرہ امن اور سلامتی کا محافظ بن کر آسودہ لمحوں کو فرد کا مقدر بنا دیتا ہے۔ نماز کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے وہ بھی امن اور سلامتی کی خوشبو سے معطر ہے۔

اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام (صحیح مسلم' ۱:۲۱۸)	اے اللہ تو سلام (امن والا) ہے اور تیری طرف سے سلامتی ہے' تو برکت والا ہے اے جلال اور بزرگی والے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ
(آل عمران ۳:۱۹)

بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

گویا رب کائنات نے بنی نوع انسان کے لئے ایک ہی دین پسند کیا ہے اور وہ اسلام ہے جو سراسر سلامتی' امن اور عافیت کا دین ہے۔

امن کے عالمگیر اصول

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے انسانیت کو جنگ اور امن کے عالمگیر اصول دیئے' جنگ کو مقاصد اور ضابطوں کا پابند بنایا امن کے پائیدار اور قابل عمل اصول دیئے وہ اصول جو نتیجہ خیزی کی ضمانت بھی دیتے ہے' اسلام اسباب جنگ کو ختم کرتا ہے۔ اسلام انسان کے بنیادی حقوق پر زور دیتا ہے' نفاذ عدل اس کا مقصود ہے کیونکہ عدل اور حقوق دیئے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔

قرآن: کتاب امن

پیغمبر اسلام پیغمبر امن ہیں اور ان کا لایا ہوا دین' دین امن ہے تو لاریب ان پر نازل ہونے والا آخری الہامی صحیفہ قرآن مجید فرقان حمید بھی کتاب امن ہے' یہ آسمانی ہدایت کی آخری دستاویز ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھی ہے۔ قیامت تک اس میں کوئی لفظی تحریف بھی ممکن نہیں۔ زیر زبر کے ردوبدل کی بھی کوئی جسارت نہیں کر سکتا' یہ قرآن کا اعجاز ہے۔ بنی نوع انسان کے لئے اس میں رحمت ہی رحمت ہے' سلامتی ہی سلامتی ہے۔ امن ہی امن ہے اور عافیت ہی عافیت ہے۔ قرآن مجید نے رہتی دنیا تک اولاد آدم کو امن اور سلامتی کی بشارت دی ہے یہ بشارت مشروط ہے ان ہدایات کے ساتھ جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ پیغمبر حضور ختمی مرتبت ﷺ کے توسل اور وسیلہ جلیلہ سے ہمیں دی ہیں۔ اس کتاب امن کو سراسر سلامتی اور امن والی رات میں اتارا گیا۔

إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلَآئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ○ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

(القدر' ۹۷)

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کیا سمجھتے ہیں (کہ) شب قدر کیا ہے؟ شب قدر (فضیلت وبرکت اور اجر وثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے (خیروبرکت کے) کے ساتھ اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوع فجر تک (سراسر) سلامتی ہے۔

قرآن پاک میں جو ضابطے اور اصول دیئے گئے ہیں وہ سب کے سب دائمی نوعیت کے ہیں' کسی خاص خطے کسی خاص قوم یا کسی خاص وقت کے لئے نہیں بلکہ بلا تفریق رنگ ونسل' یہ ہدایات اس کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے ہیں اور اس کائنات رنگ وبو کے آخری دن تک کے لئے ہیں' ان سنہری اصولوں اور ضابطوں کو آب زر سے بھی لکھیں تو کم' ہماری بے عملی اور بے چینی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہم قرآن کی سرمدی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں اور قرآن اب قسمیں اٹھانے یا محض حصول ثواب اور برکت کے لئے ریشمی غلافوں میں لپٹا ہوا رہ گیا ہے' حالانکہ بطور نظام حیات قرآن کی انقلابی تعلیمات کے نفاذ کے امکانات آج بھی بہت زیادہ ہیں' فلاح وہدایت کی راہ کو اپنا کر اولاد آدم اپنے اور اپنی نسلوں کے لئے امن اور سلامتی کی ضمانت حاصل کر سکتی ہے' عالم کفر قرآنی تعلیمات کے اسی انقلابی کردار سے خوفزدہ ہے مسلم امہ تارک قرآن ہو کر ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ قرآن سے منہ موڑ کر آج مسلمان کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں امریکہ کی اقتصادی اور سیاسی غلامی ان کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے' یہ اللہ سے رجوع کرنے اور اسی سے مدد مانگنے کی بجائے کاسۂ گدائی لئے دشمنان اسلام کی دہلیز پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ دنیا کو امن کا پیغام دینے

والے خود امن کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں لیکن عالم کفران پر نت نئی صورتوں میں جنگ مسلط کر رہا ہے' جدید تر ٹیکنالوجی کے دروازے ان پر بند کئے جا رہے ہیں' اعلیٰ تعلیم کا حصول ان کے لئے ناممکن بنایا جا رہا ہے' صنعتی لحاظ سے انہیں پسماندہ رکھا جا رہا ہے' ان کی عسکری قوت پر کاری ضرب لگا کر ان کی حملہ کرنے کی قوت کو مفلوج کیا جا رہا ہے' اسلام کو مسجدوں' خانقاہوں اور مدرسوں تک محدود کر کے اس کے انقلابی کردار کو ختم کیا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو مباحث کا موضوع بنا کر عشق مصطفےٰ ﷺ کے چراغوں کو بجھانے کی سازش کی جا رہی ہے' عریانی' فحاشی اور بے غیرتی کی افیون دے کر نئی نسل کی تخلیقی اور تحقیقی قوت کو مفلوج کیا جا رہا ہے یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم قرآن کو طاق نسیاں میں رکھ کر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

سیرت رسول ﷺ ضابطہ امن

حضور ﷺ کی سیرت پاک وہ مینارہ نور ہے جس کی جھلملاتی روشنیوں کو اپنا پرچم بنا کر عازم سفر ہونے والے قافلے راہ عبودیت میں نہ بھٹکتے ہیں اور نہ گمراہ ہوتے ہیں۔ نہ ان کے پائے استقلال میں لغزش آتی ہے نہ ان کا ایمان متزلزل ہوتا ہے' نہ ہوائے مخالف راستے کی دیوار بنتی ہے اور نہ خوف شب خون ہی ان کے پاؤں کی زنجیر بنتا ہے' اپنے نصب العین (Prime Objective) سے غیر مشروط کمٹ منٹ (Unconditional Commitment) انہیں جادہ رحمت پر رواں دواں رکھتی ہے' منزلیں خود بڑھ کر ان مکرم مسافروں کے تلوؤں کو بوسہ دے کر اپنے اقبال کو بلند کرتی ہیں اور اوج ثریا سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کرتی ہیں' تمسکات انبیاء و رسل کا حرف اول بھی انہی کی ذات ستودہ صفات اور حرف آخر بھی انہی کا وجود مسعود' تمام نبیوں کے وہی امام اور تمام رسولوں کے وہی سردار' اور ہم غریبوں کے بھی وہی ہادی و ملجی' جنہیں بعد از خدا بزرگ توئی کی خلعت فاخرہ سے نوازا گیا اور جن کے

سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجایا گیا۔ جو سلاموں اور درودوں کی دستار باندھے مقام محبوبیت پر جلوہ افروز ہیں' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنہیں چلتا پھرتا قرآن کہا' یہ قرآن ناطق حسن مقال کی متاع غرور اور ذوق جمال کی انتہائے کمال' کتاب دیدہ و دل کے ورق ورق پر انسانیت کے اسی نجات دہندہ کی سیرت لکھی ہوئی ہے' اسی معلم اعظم کے نقوش پا کے آثار حروف علم و دانش کی سجدہ گاہ ٹھہرے' پیغمبر اسلام کی ہمہ گیر شخصیت کے وسیلہ جلیلہ سے جو آفاقی تعلیمات اور الہامی ہدایات بنی نوع انسان کو عطا ہوئیں وہ پوری انسانیت کے لئے ضابطہ امن قرار پائیں' حضور ﷺ کی ذات اقدس کے قربان جائیں کہ آپ نے جو ارشاد فرمایا اسلام کی جن تعلیمات کو فروغ دیا خود ان پر عمل کیا اور ان سے سرمو انحراف کی کوئی ایک بھی مثال قائم نہ ہو سکی۔ تاریخ شاہد ہے کہ مصلحین کے قول و فعل میں اکثر تضاد پایا جاتا ہے۔ یہ نظریات و افکار کاغذ پر تو بڑے خوبصورت نظر آتے ہیں لیکن ان کی عملی قدر و قیمت صفر کے برابر ہوتی ہے۔ کیمونزم ستر سال کی طویل رات کے بعد دم توڑ گیا۔ لیگ آف نیشنز (League Of Nations) اپنے عبرتناک انجام کو پہنچی' اقوام متحدہ کا ادارہ اپنے تمام نعروں اور دعووں کے باوجود دنیا میں امن قائم کرنے اور تیسری دنیا کے غریب عوام کے حقوق کو تحفظ دینے میں ناکام رہا ہے۔ اس لئے کہ انسانی تخلیق اور کاوش میں اصلاح و ترمیم (Amendment) کی گنجائش بہر حال موجود رہتی ہے' حضور ﷺ نے صحابہؓ کی عظیم جماعت کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب میں امن قائم کر کے دکھایا۔ اصلاح احوال کی اتنی بڑی تحریک کا تصور بھی ناپید تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (مومنو) بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب' ۳۳:۲۱)

حصہ چہارم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سپہ سالار اعظم

باب-۱

اسلام میں عسکری قیادت کا تصور

عالمی سطح پر امن کے قیام کا خواب صرف خواہشوں' آرزوؤں اور تمناؤں کے زبانی اظہار سے شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا بلکہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے ابتلاء و آزمائش کے ان گنت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے قدم قدم پر سفاک ساعتیں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں ظلمت شب کے گماشتے ہر لحہ فتنوں کو ہوا دے کر نفرت کی آگ کو بھڑکاتے ہیں' مسافران راہ حق کا راستہ روکنے کے لئے باطل استحصالی طاقتیں مزاحمتی تحریکوں کی پشت پناہی کرتی ہیں اور یوں حرف حق کے متلاشیوں کو اپنی نفسانی خواہشات کی قربان گاہ کا رزق بنانے کی سعی لا حاصل کرتی ہیں۔ حرف حق کی تلاش میں نکلنے والے قافلوں کو ہر قدم پر ایثار و قربانی کی مثالیں پیش کرنا پڑتی ہیں' اپنے نصب العین (Prime-Objective) کی سچائی پر غیر متزلزل اور غیر مشروط یقین اور ایمان کا عملی مظاہرہ کرنا پڑتا ہے' صبر و استقامت کے ساتھ سفر انقلاب کو جاری رکھنا ہوتا ہے' طوفانوں' آندھیوں اور باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں میں اپنے لہو سے چراغ وفا جلانا پڑتا ہے' دور اندیشی' معاملہ فہمی اور نظم و نسق کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر شاہراہ انقلاب پر رواں دواں رہنا پڑتا ہے' تلاش حق میں فاسد عقائد اور باطل نظریات کے خلاف علم جہاد بلند کر کے سربکف چلنا ہوتا ہے' دین حق کی سربلندی کے لئے بارشِ سنگ ملامت میں آگے بڑھنا ہوتا ہے' آگ اور خون کے دریا کو عبور کئے بغیر نہ خلعت شہادت نصیب ہوتی ہے اور نہ کامیابی و کامرانی کی بشارتوں کا نزول ہوتا ہے تاریخ انسانی میں آج تک جبر کی زنجیروں کے خود بخود ٹوٹ کر گرنے کی کوئی روایت موجود نہیں ہے' ظلم کے ہاتھ خود بخود شل نہیں ہوتے بلکہ اہل حق کو آگے بڑھ کر جبر کی ان زنجیروں کو اپنے آہنی عزائم سے کاٹنا ہوتا ہے' دستِ تظلم کو قوتِ بازو سے توڑنا ہوتا ہے اور فتنوں کی پرورش کرنے والے مراکز پر برق رعد بن کر گرنا پڑتا ہے کہ یہی فتنے ذہنی فتور

اور جنگی جنون کا باعث بن کر عالم انسانیت کے لئے تباہی و بربادی کا پیغام لاتے ہیں' اولادِ آدم کے لئے آسودہ لمحوں اور پر امن ماحول کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے شرپسندوں کا سر کچلنے کے لئے جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے' اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کے لئے تلواریں بے نیام کر کے میدان عمل میں کودنے کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ حق و باطل کی آویزش روز اول سے جاری ہے اور روز ابد تک جاری رہے گی' باطل کے خلاف جہاد جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ اہل حق کے تہذیبی وجود اور ان کی ثقافتی اکائی کی بقاء کے لئے' نوع بشر کی سلامتی کے لئے اور امن عالم کے قیام کے لئے باطل استحصالی قوتوں اور وقت کی یزیدی طاقتوں کے خلاف جہاد جاری رہے گا اس لئے کہ مسلمان ہونا شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے اسلام کہ اس کی ابتداء اسماعیل ذبیح اللہ کے ایثار سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء نواسہ رسول کی شہادت سے دشت کربلا میں پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے' خود حضور ﷺ کی حیات مبارکہ مصائب و آلام جھیلتے گزری' شعب ابی طالب میں معاشرتی بائیکاٹ (Social Boycott) کا سامنا کیا' طائف کی وادیوں میں بارشِ سنگ میں دعوت حق کا پرچم بلند رکھا اور خدائے وحدہ لا شریک کی حاکیت کا اعلان فرمایا۔ کفار مکہ کی چیرہ دستیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو ہجرت مدینہ کا حکم ملا۔ دشمنان اسلام نے یہاں بھی آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مسلسل حضور ﷺ اور انصار و مہاجرین کو معرکہ آرائیوں میں الجھائے رکھا' اب اپنے دفاع اور دین حق کی سربلندی کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ عسکری قوت (Military Force) کو منظم کر کے یہودی قبائل اور کفار مکہ کی سازشوں کا جواب دیا جائے۔ فتنوں' سازشوں اور شرانگیزیوں کو ختم کر دیا جائے' عالم کفر پر کاری ضرب لگائی جائے' پہلی سطح پر جزیرۃ العرب میں لاقانونیت (Anarchy) کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کیا جائے اور آگے چل کر امن کی اس چادر کو عالمی سطح پر پھیلا دیا جائے' اس مقصد کے لئے اعلان جہاد ہوا اور باطل کے خلاف تلواریں نیام سے باہر آئیں' اس پر تاریخ حریت کا ہر طالب علم انگشت بدنداں ہے' دنیا کے بڑے بڑے جرنیل اور فوجی قائد

حضور ﷺ کی جنگی حکمت عملیوں (War Strategies) سے روشنی کشید کر کے اپنے لئے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں، حضور ﷺ ہر عظمت کا پیکر اتم ہیں ہر رفعت کا حرف آخر ہیں، میدان جنگ میں بھی آپ کا کوئی مثیل نہیں، کوئی ثانی نہیں، دنیا کا بڑے سے بڑا جرنیل، کوئی فاتح عالم عسکری بصیرت میں آپ کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا کہ نگاہ عشق و مستی میں وہی اول ہیں اور وہی آخر ہیں۔ مقام رسالت کی بلندیوں پر یکتا و تنہا، نہ کوئی ان کا مماثل، نہ کوئی ان کی نظیر اور نہ کوئی ان کا ہمسر، فرد کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو وہ کسی بھی حیثیت میں اپنی معاشرتی اور سماجی ذمہ داریاں نباہ رہا ہو اسلام ہر صورت میں اسے رہنما اصول فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اپنے روحانی مسائل سے لے کر اپنے معاشی مسائل تک کا قابل عمل حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو چند شرائط پوری کرنے کے بعد نہ صرف نتیجہ خیزی کی ضمانت دیتا ہے بلکہ مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کی نوید بھی سناتا ہے اس لئے کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو بیک وقت انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر گھمبیر اور گنجلک نفسیاتی مسائل کی گرہیں کھولتا ہے اور الجھی ہوئی ڈور کو سلجھاتا ہے پیغمبر اسلام نے بنی نوع انسان کو ایک ایسا نظامِ حیات (System Of Life) دیا جس کے عملی نفاذ کے امکانات ہر دور اور ہر عہد میں اتنے ہی روشن ہیں جتنے خود عہد رسالتمآب ﷺ میں تھے انسان کامل کی زندگی ہر شخص کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ہادی اعظم ﷺ کا اسوہ حسنہ روشنی کا وہ مینار ہے جس کی شعاعیں جمود و تعطل کی گہری دھند میں بھی پوری تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتی ہیں اور اپنے ہر ہدف کو منور و تاباں کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، پتھروں کو قوت گویائی عطا کرتی ہیں اور ذہن انسانی کے مقفل دروازوں کو کھولتی ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان مسلسل رابطے کا کام دیتی ہیں اور شعور بندگی کو پختہ کرتی ہیں اس لئے کہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصود ہی رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے، حضور ﷺ تو اسلامی تعلیمات کا مرکز و منبع تھے اور ہیں۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے، حضور ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو ایک ایسا

روحانی اور وجدانی ماحول دیا جس میں ان کے متعلقین اور وابستگان تعلیمات اسلامی کو حرزجاں بنائے ہوئے تھے' تاریخ شاہد ہے کہ قیادت کی نااہلیت (Incompetence) ہمیشہ ناکامی کا باعث بنتی ہے' مسلمانوں نے عالمی سطح پر جو عظیم فتوحات حاصل کیں ان کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ ہر منصب پر اہل افراد کو مقرر کیا گیا اور اس تقرر کے بعد ان کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد بھی کیا گیا۔

ماضی کے اوراق کو الٹیں تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو بڑے بڑے نامور سپہ سالار اور فاتحین عالم خونخوار درندوں کی طرح بستیوں کو تباہ و برباد کرتے اور کشتوں کے پشتے لگاتے نظر آتے ہیں' کتنے ہی چنگیز اور کتنے ہی ہلاکو دریاؤں کو انسانی خون سے سرخ کرتے رہے' انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کر کے اپنی حاکمیت کا اعلان کرتے رہے۔ وحشت و بربریت ننگی ہو کر ناچتی رہی۔ خون انسانی بارش کے پانی کی طرح بے توقیر ہوتا رہا اور ہوس پرستوں کا ڈنکا بجتا رہا ان بے مقصد جنگوں سے سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ لیکن اسلام نے جہاد کا جو تصور دیا وہ اس تصور جنگ سے بہت مختلف ہے' تصور جہاد کے حوالے سے تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جہاد کا اولین مقصد اعلائے کلمتہ الحق ہے اور فتنہ و فساد کے خاتمے کے بعد عالمی سطح پر قیام امن کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا ہے' حق تلفی ناانصافی' ظلم اور جبر کا راستہ روک کر عدل قائم کرنا ہے' اس لئے ہتھیار نہ اٹھانے والوں سے تعرض کرنے کی اجازت نہیں' لوٹ مار اور املاک کی تباہی کی سختی سے ممانعت ہے۔ اسلامی سپاہ کا امیر کڑی شرائط اور حدود میں رہ کر ہی اقدامات کرنے کا مجاز ہے' امیر لشکر سے لے کر ایک عام سپاہی تک کسی کو بھی اخلاقی قدروں (Moral Values) کو پامال کرنے کی اجازت نہیں۔ اصولوں کی پاسداری ہر چیز پر مقدم ہے ظلم و ستم کسی صورت میں بھی روا نہیں رکھا جاتا آقائے دوجہاں کی حیات طیبہ سے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

احکامات الٰہی کی انجام دہی میں مولائے کائنات ﷺ کو ان گنت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بے انت مصائب کو برداشت کرنا پڑا۔ ایذا رسانی کا کون سا حربہ ہے جو

حضور ﷺ کی قوت برداشت کے لئے چیلنج نہیں بنا، دشمنان اسلام نے ایک پل بھی آپ ﷺ کو چین نہیں لینے دیا لیکن عزم وہمت کے اس پیکر دلنواز کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی، ایک شکن بھی رد عمل کے طور پر جبین حضور ﷺ پر نمودار نہیں ہوئی، ایک بھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا اس لئے کہ آقائے دو جہاں ﷺ عطا ہی عطا ہیں، سخا ہی سخا ہیں اور پوری انسانیت کے حق میں دعا ہی دعا ہیں، رحمت ہی رحمت ہیں، کرم ہی کرم ہیں۔ پیکر عفو و درگزر ہیں، مخزن فقر و غنا ہیں، معدن لطف و کرم ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو مشن آپ ﷺ کے سپرد کیا تھا آپ نے اسے لفظاً لفظاً پورا کیا، وحی الٰہی کی روشنی میں کار نبوت کا حق ادا کیا۔

اعلان نبوت سے قبل ہی آپ ﷺ صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے، شب ہجرت جب کفار نے آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کی غرض سے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر رکھا تھا اس وقت بھی آپ ﷺ نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں اور خود سفر ہجرت پر روانہ ہو گئے۔

روم کے بادشاہ نے جب ابو سفیان سے حضور رحمت عالم ﷺ کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کے بارے میں مختلف سوال کئے تو اس وقت بھی ابو سفیان کو یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ حضور ﷺ کی عظیم اور بے داغ شخصیت کے بارے میں زبان طعن دراز کر سکے اور حضور ﷺ کے دامان روز و شب پر کیچڑ اچھال سکے۔

آپ ﷺ کی صداقت کی اس سے بڑی گواہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپ ﷺ نے پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش سے کہا تھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا یقین کر لو گے؟ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا تھا کہ ہم نے آپ ﷺ کو کبھی دروغ گوئی میں ملوث نہیں پایا، کوئی حرفِ فریب آپ کی زبان سے نہیں سنا، آج تک کوئی غلط بیانی آپ ﷺ نے نہیں کی، ہم آپ ﷺ کی اس بات پر بھی یقین کر لیں گے۔

ابو جہل نے بھی یہی کہا تھا کہ اے محمد! میں تمہیں تو جھوٹا نہیں کہتا لیکن جو تم

کہتے ہو اسے تسلیم کرنے سے انکاری ہوں۔ اسلامی عساکر کے سپہ سالار کو صاحب کردار بھی ہونا چاہیے' اس کا دن گھوڑے کی پیٹھ پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے جہاد کرتے گزرے اور راتیں مصلے پر یاد الٰہی میں آنسو بہاتے گزریں اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اقامت دین کے لئے وقف ہو اور وہ غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے اپنی تمام تخلیقی صلاحیتوں اور مادی وسائل کے ساتھ باطل استحصالی قوتوں کے ساتھ ہر اس محاذ پر سینہ سپر رہے جو محاذ اس کے سپرد کیا گیا ہو' رزم حق و باطل ہو تو وہ فولاد کی طرح سخت اور حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم ہو جائے' غزوہ احد اور حنین کے مواقع پر جب بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے' مسلمانوں کی شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے تو اس وقت بھی حضور ﷺ لشکر کفار کے سامنے سینہ سپر رہے' کوئی اور ہوتا تو اس کے اعصاب جواب دے جاتے لیکن حضور ﷺ نے غیر یقینی صورت حال کا بھی خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور بظاہر غیر موافق صورتحال میں جنگی حکمت عملی میں فوری تبدیلی کر کے اور اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھا کر ہاری ہوئی بازی جیت لی۔ روایات میں مذکور ہے کہ رات کے وقت اگر مدینہ منورہ میں شہر کے کسی گوشہ میں خطرہ کے آثار پیدا ہوتے تو حضور ﷺ سب سے پہلے گھر سے باہر تشریف لاتے اور تن تنہا صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے دور تک نکل جاتے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں حضور ﷺ دشمن کے زیادہ قریب تھے اور ہم ان کی پناہ میں تھے اکثر معرکوں میں جب گھمسان کا رن پڑتا تو صحابہؓ آپ ﷺ کی پناہ ڈھونڈتے پھرتے' اسلامی افواج کا سپہ سالار مجاہدین کے لئے تحرک اور جوش و جذبے کا مرکز و منبع ہوتا ہے' مجاہدین اس مرکز و منبع میں اعتماد اور اعتبار کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شمع رسالت پر نثار ہونے کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھتے اور حضور ﷺ کو اپنی تلواروں کے حصار میں لے کر جاں نثاری اور سرفروشی کا مظاہرہ کرتے اور ایسی مثالیں قائم کرتے کہ تاریخ حیران و ششدر رہ جاتی۔ قیادت کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بھی اصولوں اور ضابطوں (Rules and Regulations) کی

مکمل پاسداری کی جائے۔ ایک ایسا ماحول قائم رکھا جائے جس میں روحانی اور اخلاقی قدروں (Spiritual. and Moral Values) پر کوئی آنچ نہ آنے پائے' پاکیزگی' طہارت اور تقویٰ کی اعلیٰ روایات کو عملاً قائم رکھا جائے اور کوئی سپاہی حدود سے تجاوز نہ کرے' نظم ونسق ہر مرحلے پر برقرار رہے' ڈسپلن (Discipline) کے فقدان کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ بھی شکست میں تبدیل ہو سکتی ہے' اصول گرفت اور محاسبے کے قوانین اتنے سخت ہونے چاہئیں کہ نیکی کرنا آسان اور برائی کرنا مشکل ہو جائے' اسلامی عساکر کی اعلیٰ قیادت پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ چمکتی تلواروں اور برستے تیروں کے درمیان بھی ذکر الٰہی کو جاری رکھیں اور عین لڑائی میں اگر وقت نماز آ جائے' باری باری اللہ کے حضور سجدہ ریزی کی سعادت حاصل کریں لیکن گھمنڈ اور تکبر کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں کہ عجز ونیاز ہی بندگی کا زیور ہے' مجاہدین کی بے مثال کامیابی کا راز ان کی تلواروں کی کاٹ میں بھی ہے اور ان کے پاکیزہ کردار کی آب و تاب میں بھی ہے' راہبر عالم ﷺ نے ان کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ ماحول کی آلودگی سے وہ اپنا دامن بچا کر نکل جانے کی صلاحیت رکھتے تھے کوئی دنیاوی لالچ اور حرص و طمع کی کوئی ترغیب کوئی سیاسی یا سماجی دباؤ انہیں جادہ حق سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ کردار کی یہ پختگی انہیں صراط مستقیم سے بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔

اسلام فتنہ وفساد کو مٹا کر' سازشوں اور شرانگیزیوں کے امکانات کو ختم کر کے اور ظلم و جبر اور استحصال کی ہر صورت کو مٹا کر انصاف کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے احکامات کے تحت عدل قائم کرنے کا خواہاں ہے اس مقصد کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ایک عظیم فوج تیار کی جو سیرت و کردار میں یکتا تھی' تاریخ گواہ ہے کہ مادی وسائل کی کثرت اور نسلی تفاخر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی شجاعت اور بہادری عارضی ثابت ہوتی ہے۔ ناساعد حالات میں یہ شجاعت اور بہادری دھری کی دھری رہ جاتی ہے' پاؤں اکھڑتے ہی "جوانمردی" دم توڑ دیتی ہے' اعصاب شکن حالات میں وہ سپاہ ثابت قدمی کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹی رہتی ہے جو اعلیٰ

سیرت و کردار کی حامل ہو اور جسے اپنے نصب العین (Prime Objective) کی سچائی پر مکمل یقین ہو، یقین کی یہ دولت اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہونے سے حاصل ہوتی ہے یہ متاع عزیز آخر شب کے سجدوں کی حلاوت سے پیدا ہوتی ہے۔ دشمن کے مقابلے میں عموماً مسلمانوں کی تعداد بہت کم رہی ہے۔ لیکن اپنے بلند نصب العین اور نصرت الٰہی کی بدولت مسلمان ہمیشہ اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن پر غالب آتے رہے ہیں۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ (البقرہ '۲:۲۴۹)

کئی مرتبہ اللہ کے حکم سے تھوڑی سی جماعت (خاصی) بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔

دشمنان اسلام ایک باطل نظریئے کے تحفظ کے لئے میدان کارزار میں اترتے تھے ان کے رویے ظالمانہ اور انداز مشرکانہ تھے اس کے برعکس مسلمان جس نظریے کے تحفظ کے لئے جان ومال کے نذرانے دے رہے تھے وہ حق پر مبنی تھا وہ امن وسلامتی کا ابدی پیغام تھا' عدل وانصاف کی کھلی دعوت تھی' اس نظریے میں انسانیت کی نجات اور فلاح دارین کا سامان تھا۔ یہ نظریہ مساوات کا علمبردار تھا' اخوت ومحبت کا نقیب تھا' شرف انسانی کی بحالی کا باعث تھا۔ اس عظیم پیغام کے مخاطبین عرب کے قبائل ہی نہیں اس کرہ ارضی پر بسنے والے تمام لوگ تھے وہ لوگ جو مختلف تہذیبوں اور مختلف ثقافتوں سے تعلق رکھتے تھے اور نسلی اور لسانی حوالے سے جن کا پس منظر بھی بالکل جدا تھا۔ اسلام کے پیروکاروں کے نزدیک کسی نسلی عصبیت کا احیاء نہیں تھا نہ دنیاوی اغراض ان کی جدوجہد کی بنیاد بنیں بلکہ مقصود صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ مطمح نظر چار دانگ عالم میں توحید باری کا ڈنکا بجانا تھا اور ہر سطح پر اس شعور کو اجاگر کرنا تھا کہ وہی معبود حقیقی ہے' تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں' تمام حمد وثنا کے لائق وہی خدائے رحیم وکریم ہے اسی کے اذن سے ہوائیں چلتی ہیں اور وہی کالی گھٹاؤں کو تشنہ زمینوں کی طرف حکم سفر دیتا ہے۔ ہادی برحق کی صحبت اور تربیت نے صحابہؓ کے اندر

یہی شعور بندگی پیدا کر دیا تھا اور مجاہدانہ اور مومنانہ صفات ان کی سرشت میں شامل ہو چکی تھیں حکمران ہوں یا لشکر اسلام کے سپاہی وہ بہرحال معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں' قومی کردار معاشرے کی اخلاقی پستی یا بلندی سے ابلاغ پاتا ہے' اس لئے اسلام نے روز اول ہی سے ایک مثالی معاشرہ (Ideal Society) قائم کرنے کے لئے عملی اقدامات کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کے نتائج بہت جلد سامنے آنے لگے وہ مثالی معاشرہ دیانت اور امانت کا امین اور ایک عظیم روحانی اور سماجی انقلاب کا مرکز و محور بنا' اخلاقی طور پر کوئی پست فوج حالات پر اپنی گرفت کو مضبوط نہیں رکھ سکتی' سچ ہی عدل و انصاف کی بنیاد ہے جس فوج میں سچ کا چلن نہ ہو اس سے عدل و انصاف کی توقع بھی عبث ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سوا تاریخ میں کسی ایک سپہ سالار کا نام نہیں ملتا جس نے مفتوح قوم کے ساتھ عدل و انصاف کا مظاہرہ کیا ہو' اسلام نے عسکری قیادت کی ذمہ داریوں کو بھی ایک امانت کا تصور دیا ہے' اسلامی کردار کی جھلک سپاہ اسلام کے میر کے جنگی اقدامات میں بھی نظر آنی چاہئے' وعدہ خلافی کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں' اسلامی تاریخ میں ایسی ان گنت مثالیں مل جاتی ہیں کہ مسلمانوں نے ہر حال میں معاہدہ جات (Pacts) کی پابندی کی اور کبھی وعدہ شکنی کے جرم میں ملوث نہیں ہوئے صلح حدیبیہ کے دوران حضرت ابو جندل ؓ کفار کی حراست سے بھاگ آئے لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی حضور ﷺ نے انہیں کفار کے حوالے کر کے ایک ایسی روشن مثال قائم کی جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۱۔ جوہر شناسی (Recognition Of Potential)

حضور ﷺ انسان کامل تھے' آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ انتہائے کمال کو پہنچے ہوئے تھے جوہر شناسی آپ کا ایک نمایاں وصف تھا' آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق مناصب عطا کئے' ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں' ایک کمانڈر انچیف کا اپنی فوج کے تنظیمی اور انتظامی ڈھانچے سے مکمل واقفیت رکھنا اور

مختلف عہدوں پر کام کرنے والے افراد کی ذاتی خوبیوں یا خامیوں سے آگاہ ہونا بے حد ضروری ہے' تاکہ وہ اہل افراد کو اہم ذمہ داریاں تفویض کر سکے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اس لئے آپ ﷺ ان کی ذاتی صلاحیتوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مختلف مہمات کے لئے موزوں ترین آدمی کا انتخاب کیا' قائدانہ صلاحیتوں کے مالک افراد کو آپ نے ہمیشہ آگے بڑھایا حضور ﷺ کسی کی رائے کے محتاج نہیں تھے تاہم آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی لیکن بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سننے کے بعد فیصلے اپنی صوابدید پر کئے کیونکہ نگاہ نبوت وہ کچھ دیکھ رہی ہوتی جو دوسرے نہیں دیکھ رہے ہوتے تھے اہلیت اور صلاحیت کی قدر افزائی نے اصحاب رسول میں اعتماد پیدا کیا اور ان کا یہ اعتماد بھی مطلوبہ نتائج کے حصول کا باعث بنا' اپنے وصال سے قبل ملک شام کی طرف روانہ کئے جانے والے لشکر کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا' ان کی نوعمری اور غلام زادہ ہونے کے باعث بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس تقرری پر تامل اور تعجب کا اظہار کیا لیکن غلاموں کے آقا ﷺ اور یتیموں کے مولا ﷺ نے انہیں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع فراہم کیا۔ جبکہ بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی کمان میں تھے' جنگ احد کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ آج میں اپنی تلوار کسی بہادر کو دینا چاہتا ہوں' کون اس کا حق ادا کرتا ہے ہر ایک کی خواہش تھی کہ تلوار اسے عطا ہو اس اعتماد کا اسے اہل سمجھا جائے' آپ ﷺ نے اپنی تلوار ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی وہ حضور ﷺ کے اعتماد پر پورا اترے' جنگ موتہ کے لئے حضور ﷺ نے تین صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام تجویز فرمائے کہ وہ یکے بعد دیگرے سپہ سالار ہوں گے' غزوہ خیبر کے موقع پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ حضور ﷺ آج انہیں پرچم عطا کریں گے ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے لیکن سالار اعظم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اس کے باوجود پرچم انہیں عطا کیا گیا۔ تاریخ انہیں فاتح خیبر کے خطاب سے یاد کرتی ہے اس کے برعکس

جن صحابہ رضی اللہ عنہم میں قائدانہ صلاحیتوں کی کمی تھی حضور ﷺ نے انہیں امیر لشکر کے منصب کی بجائے ان کی دیگر صلاحیتوں کے مطابق دوسری ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی درخواست کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں حاکم مقرر نہ فرمایا۔

۲۔ شجاعت و بہادری (Bravery)

مدینے کے سالار اعظم ﷺ شجاعت و بہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھے اعصاب شکن حالات میں بھی آپ ﷺ نے زبردست قوت ارادی کا مظاہرہ کیا اور میدان جنگ میں سینہ سپر رہے کسی فوج کے سپہ سالار کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شجاعت و بہادری کا جوہر اس کے خمیر سے بھی پھوٹے، کیونکہ میدان جنگ میں تیر و تلوار کی نسبت شجاعت کا جوہر زیادہ طاقتور، پائیدار اور موثر ہتھیار ہے، اگر شجاعت اور بہادری کا جوہر انسان کے اندر نہ ہو تو تیر و تلوار تو دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، جن پر کسی وقت بھی دشمن قبضہ جما سکتا ہے، لیکن شجاعت کا اصل عنصر جو انسان کے لہو میں شامل ہوتا ہے جنگوں میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ کمانڈر کی شجاعت، بہادری، دلیری اور ثابت قدمی جنگ ہارتی ہوئی فوج کے مورال (Morale) کو بھی از سر نو بحال کر دیتی ہے اگر سالار لشکر ہی حوصلہ ہار بیٹھے تو فوج کی ہوا بھی اکھڑ جاتی ہے، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ابتدائی ایام کے دوران ایک شب کفار کی جانب سے حملہ کا خطرہ پیدا ہوا۔ ایک طرف سے شور اٹھا، صحابہؓ گھبرا کر باہر نکلے تو حضور ﷺ تنہا باہر سے واپس تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

عن انس قال کان النبی ﷺ احسن الناس واشجع الناس و لقد فزع اہل المدینۃ لیلۃ فخرجوا نحو الصوت فاستقبلھم النبی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے حسین و جمیل اور دلیر تھے ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا تو لوگ آواز

ﷺ وقد استبراء الخبر وهو علی فرس لابی طلحة عری و فی عنقه السیف و هو یقول لم تراعوا
(صحیح البخاری، ۱: ۴۰۷)

کی جانب دوڑے تو آپ ﷺ لوگوں کو واپس آتے ہوئے ملے کہ صورت حال کی خبر بھی لے آئے اس وقت نبی کریم ﷺ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور تلوار آپ ﷺ کی گردن میں لٹک رہی تھی آپ لوگوں سے فرما رہے تھے "ڈرنے کی کوئی بات نہیں"

غزوہ احد اور حنین میں جب لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑنے لگے تو حضور ﷺ جرأت کا کوہ گراں بن کر دشمنان اسلام کی طرف بڑھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی سواری کی لگام تھام لی کہ آپ ﷺ مزید آگے نہ بڑھیں۔

۳۔ مساوات (Equality)

اپنی جماعت، گروہ یا سپاہ میں عملی اور نظری طور پر مساوات قائم کرنا یقیناً ایک غیر معمولی بات ہے اسلام آدم کی اولاد میں نہ کسی طبقاتی تفریق کو تسلیم کرتا ہے اور نہ رنگ و نسل کے بتوں کی پرستش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ بلکہ اسلام نے انکے قلع قمع کے لئے ایسے اقدامات کئے کہ اوراق ہستی سے ان غیر انسانی رویوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور عالمی اخوت کے ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جس کی نہ کوئی مثالی تاریخ انسانی میں پہلے موجود تھی اور نہ قیامت تک کوئی معاشرہ، کوئی تہذیب کوئی نظریہ اس کی نظیر پیش کر سکے گا، چشم فلک نے دیکھا کہ مدینے کے سپہ سالار اعظم ﷺ اپنے سپاہیوں کے ساتھ مل کر خندق (Trench) کھود رہے ہیں، کھانا پکانے اور ایندھن لانے میں ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں، غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ کی سواری میں حضرت علی

رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، رسول معظم ﷺ اپنی باری پر سوار ہوتے، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ ہماری باری بھی لے لیں لیکن حضور ﷺ ارشاد فرماتے۔

ما انتما باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منکما
(مسند احمد، ۱: ۴۱۱)

نہ تو تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو اور نہ میں ثواب کا تم سے کم محتاج ہوں۔

غزوہ خندق میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے تو ان پر پتھر بندھے ہوئے تھے اس وقت حضور ﷺ نے کپڑا ہٹایا تو آپ کے پیٹ پر فاقہ کے باعث پتھر بندھا ہوا تھا۔ دنیا کا کوئی کمانڈر ایسی مساوات کا تصور بھی نہیں کر سکتا، یہی مساوات محمدی تھی جس نے دلوں کو مسخر کیا اور قلوب کی اس طرح تطہیر ہوئی کہ صحابہؓ پاکیزگی، طہارت اور تقوی کے پیکر بن گئے، حضور ﷺ صحابہؓ کے ساتھ اس طرح سے گھل مل کر بیٹھتے کہ ایک اجنبی شخص کے لئے یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اس اجتماع میں نبی آخر الزماں ﷺ کون ہیں، آپ ﷺ اپنے حصے کا کام اپنے دست مبارک سے سرانجام دیتے صحابہ رضی اللہ عنہم اصرار کرتے تو آپ ﷺ منع فرما دیتے۔

۴۔ فراست (Prudence)

آپ ﷺ کا ہر حکم فراست اور دانائی کا مظہر ہوتا، نگاہ نبوت دلوں کے پوشیدہ مناظر بھی دیکھ لیتی، حالات و واقعات پر گہری نظر رکھتے اور ان کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کر کے فیصلے صادر فرماتے، عدل آپ ﷺ کے شعوری اور غیر شعوری عمل کا نام ہے، علم و حکمت، شعور و آگہی، علم، ہنر اور فکر و دانش کے تمام سوتے نقوش پائے مصطفٰے سے پھوٹتے ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم بظاہر کمزور شرائط پر کفار مکہ سے صلح کرنے پر آمادہ نہ تھے لیکن بصیرت نبوی مستقبل کے دھندلکوں میں سفر کر رہی تھی، حضور ﷺ کا فیصلہ دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ یہی کمزور شرائط عظیم

فتح کی بنیاد بن گئیں قرآن نے فتح مکہ کو فتح مبین قرار دیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد حفاظتی اور دفاعی نقطہ نظر سے نگران گشتی دستوں کی تشکیل کر کے نوزائیدہ مملکت کو داخلی استحکام بخشا اور مدینہ کے شہریوں کو ایک معاہدہ کا پابند بنا کر اس استحکام کو مزید تقویت دی' غزوہ احد میں عارضی اور وقتی شکست کے باوجود آپ ﷺ نے اگلے روز دشمن کا تعاقب کرنے کا اعلان کیا اور زخمی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دشمن کا پیچھا کیا۔ غزوہ حنین کے فوری بعد طائف کا محاصرہ کیا اور پھر دشمن کے ساتھ کسی جنگ میں الجھے بغیر اٹھا لیا' حضور ﷺ کی حکمت عملی ثمربار ثابت ہوئی محاصرہ اٹھا لیا گیا اور انہیں اطاعت قبول کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ا ر وہ سب بعد میں مسلمان ہو گئے حضور ﷺ کے یہ اقدامات آپ ﷺ کی حربی فراست پر دلالت کرتے ہیں' آپ نے اپنے عہد کی دو سپرپاورز (Super Powers) قیصروکسریٰ کو بھی چیلنج (Challenge) کیا غزوۂ تبوک کا مقصد اپنے دور کی ان عالمی طاقتوں کو مرعوبیت کے حصار میں قید کر کے انہیں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکنا تھا۔

باب - ۲

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی بصیرت

فاران کی چوٹیوں پر طلوع مہر حرا سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا' ظلمت شب کے محافظوں کا صبح انقلاب کے سپیدہ سحر سے خائف ہونا ایک قدرتی بات تھی' کفار مکہ خوفزدہ تھے کہ اگر اسلام ایک سیاسی اور سماجی قوت بن کر ابھرا تو عرب معاشرے پر صدیوں پرانے قبائلی نظام کی گرفت کمزور پڑ جائے گی اور یوں ان کی سیادت و قیادت کا خاتمہ ہو جائے گا اس وقت جزیرۃ العرب میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی پورا عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا' سرداری نظام اپنی تمام تر قباحتوں کے ساتھ عربوں پر مسلط تھا۔ پورا معاشرہ جاہلی رسومات کی زنجیر میں بندھا ہوا تھا۔ کفار مکہ اور سرداران قریش کی کوشش تھی کہ اسلام کو ان کے آبائی نظام کے لئے خطرہ بننے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے' وہ اپنے باطل نظام کو بچانے کے لئے حضور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے اگر حضور ﷺ ان کے نظام باطل کو نہ للکارتے تو کفار مکہ کی طرف سے شاید یہ ردعمل اتنا شدید نہ ہوتا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○

(الصف' ۶۱:۸)

یہ (حق ناشناش' منکر حق) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (یعنی اپنی پھونکوں سے' اپنے پروپیگنڈے سے) بجھا دیں لیکن اللہ اپنے نور (حق) کو پورا کر کے رہے گا' خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

کفار مکہ نے مکہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا' مکہ سے مسلمانوں کو نکال کر بھی مشرکین مکہ کے کلیجے میں ٹھنڈک نہ پڑی اور انہوں نے مدینہ منورہ میں بھی مسلمانوں کو چین سے نہ رہنے دیا چنانچہ اسلام کو کچلنے کے لئے انہوں نے مسلمانوں کے

خلاف جنگوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا' مدینہ میں عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کے انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے' قریش نے اسے لکھا۔

"تم نے ہمارے آدمیوں کو پناہ دی ہے' ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم انہیں قتل کر ڈالو یا مدینے سے نکال دو ورنہ ہم مدینے پر حملہ کر کے تمہیں گرفتار کر لیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے"

حضور ﷺ مشرکین مکہ کے سازشی ذہن سے خوب آگاہ تھے چنانچہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے ایک معاہدہ کیا جو تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے' گویا حضور ﷺ نے قریش کے متوقع حملہ سے نمٹنے کے لئے بھرپور تیاریوں کا آغاز کر دیا تھا۔ ادھر کفار مکہ نے مدینہ کے اس مشترکہ دفاع کے معاہدے کو سبوتاژ کرنے کے لئے معاندانہ سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔ قریش اس حوالے سے سوچ رہے تھے کہ وہ مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے بغاوت کا ایک ایسا ماحول پیدا کر دیں گے جس میں داخلی استحکام کی منصوبہ بندی تاش کے پتوں کی طرح بکھر جائے گی اور وہ اس دفاعی حصار کو توڑ کر مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔

سرور عالم ﷺ نے اپنی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے باعث حالات کی نزاکت اور ان کی سنگینی کا اندازہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر سے بہت پہلے نگران گشتی دستے بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا تاکہ دشمن مسلمانوں کو اپنے دفاع سے غافل سمجھ کر حملہ آور ہونے کے منصوبے نہ بنانے لگے اور اسے یقین ہو جائے کہ مسلمان صرف اپنا دفاع ہی کرنے کی پوزیشن میں نہیں بلکہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں' کفار کے ساتھ جتنے معرکے ہوئے ان کے کچھ فوری اسباب بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان فوری محرکات کو جنگ کے بنیادی اور اصلی اسباب قرار نہیں دیا جا سکتا' اصل میں یہ ساری مہمات یہ سارے غزوات بنیادی طور پر کفر و اسلام کی معرکہ آرائیاں تھیں' حق و باطل کا براہ راست ٹکراؤ تھا۔ بت پرستی اور خدا پرستی کے

درمیان ازلی آویزش کا ایک فطری رد عمل تھا جس کا اظہار میدان جنگ میں ہوا۔ مشرکین اور یہود کسی صورت میں بھی اسلام کو برداشت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہوں نے اسلام کو کچلنے کے لئے اپنے تمام مادی وسائل جنگ کی بھٹی میں جھونک دیئے وہ مسلمانوں پر مختلف اوقات میں مختلف حیلوں بہانوں سے حملہ آور ہوتے رہے' ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں اور پھر کفار کی قوت کو منتشر کرنے کے لئے اپنے اندر دشمن پر بھرپور حملہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی سعی بھی کی۔ غزوہ بدر سے پہلے کفار کے متوقع حملہ کے خطرے کے پیش نظر حضور ﷺ راتیں جاگ کر گزارا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ باری باری پہرہ دیتے' بیک وقت مختلف محاذوں پر سرور کونین ﷺ نے جس طرح عالم عرب کے جملہ قبائل کا مقابلہ کیا وہ آپ ﷺ کی عسکری بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے' قیام مکہ کا دور دعوت و تربیت کا دور تھا۔ کفار کے ظلم و ستم پر صبر و تحمل سے کام لینے کا حکم تھا' ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی' لیکن ہجرت مدینہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جوابی کاروائی کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ ایک تدریجی عمل (Gradual Process) تھا' اپنے نصب العین پر ایمان پختہ نہ ہو اور کارکن تربیت کی بھٹی سے نکل کر کندن نہ بنے ہوں تو وہ ابتلاء و آزمائش کے مراحل میں نہ ثابت قدم رہتے ہیں اور نہ دیوانہ وار باطل کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کی صلاحیت اپنے اندر پاتے ہیں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

(الانفال' ۸: ۶۰)

اور (اے مسلمانو) ان کے (مقابلے کے لئے) تم سے جس قدر ہو سکے (ہتھیاروں اور آلات جنگ کی) قوت مہیا کر رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑوں کی (کھیپ بھی)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لیا کرو۔ (النساء' ۴:۷۱)

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک دنیا جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ امن کا پندار اکثر ٹوٹتا رہتا ہے' ہوس ملک گیری اکثر جارحیت (Aggression) کی شکل میں نمودار ہوتی رہتی ہے اور آج انسان ناگاساکی اور ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بموں سے کئی گنا زیادہ تباہی پھیلانے والے ہتھیار بنا چکا ہے' انسانیت بارود کے ڈھیر پر بیٹھی ہے جو کسی وقت بھی شعلوں کی لپیٹ میں آ سکتا ہے' یہ شعلے آج سے چودہ سو سال پہلے بھی پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے' خصوصاً جزیرہ نمائے عرب نسل در نسل بے مقصد جنگوں کی تباہ کاریوں سے معاشرتی اور سماجی سطح پر شکست و ریخت کا شکار بنا ہوا تھا' اسلام چونکہ دین امن کے طور پر ابھرا تھا اس لئے حقیقی امن کا قیام اس کی اولین ذمہ داری قرار پائی' جو فرد یا قوم اپنا دفاع تک کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو وہ دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنے کی پوزیشن میں کیسے آ سکتی ہے' دفاعی اقدامات صرف دشمن کے جنگ مسلط کرنے کی صورت میں ہی بروئے کار نہیں لائے جاتے ہیں بلکہ دیگر محاذوں پر بھی جنگی بنیادوں پر دشمن کے حملوں کا تابڑ توڑ جواب دینا ہوتا ہے۔ مثلاً پروپیگنڈے کے محاذ پر جو نفسیاتی جنگ لڑی جاتی ہے اگر بروقت اس کا توڑ نہ کیا جائے تو نہ صرف عوام کا اعتماد بلکہ افواج کا مورال (Morale) بھی گر جاتا ہے۔ شرمندگی اور خفت کا ایک انجانا احساس ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے' اور قوم اجتماعی طور پر خواہ مخواہ احساس ندامت میں مبتلا ہو جاتی ہے' فوجی شکست اتنی خوفناک نہیں ہوتی جتنی سنگین اخلاقی اور نفسیاتی ہزیمت ہوتی ہے۔ پھر دشمن معاشی اور اقتصادی محاذ کھول کر اور تجارتی پابندیاں عائد کر کے فریق مخالف کی رہی سہی قوت مزاحمت کو بھی ختم کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ اس لئے دفاعی حکمت عملی وضع کرتے وقت ایک سپہ سالار کو دشمن کے ہر قسم کے وار روکنے کے لئے چوکنا چوکس رہنا چاہئے اور اپنی افواج کو ذہنی طور پر بھی ان محاذوں پر دشمن کے دانت کھٹے کرنے کے لئے تیار

کرنا چاہئے، مکمل تیاری کے بغیر انسان کسی امتحان میں کامیاب نہیں ہوتا، جنگ سرد ہو یا گرم قوموں کے لئے ایک بہت بڑا امتحان ہوتی ہے۔

اقدامات (Measures)

حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں خصوصاً تیرہ سالہ مدنی دور میں اسلامی عساکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے جو اقدامات کئے انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ تربیت (Training)

صحابہؓ کی تربیت کا آغاز مکی دور ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ دعوت و تربیت کا یہ کام جنگی نوعیت کا نہیں خالص تبلیغی نوعیت کا تھا تاہم اس حوالے سے صحابہؓ کی کی گئی تربیت آگے چل کر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائیاں شروع ہوئیں تو بہت کام آئی، کیونکہ مکی دور میں جس صبرو استقامت کا مظاہرہ کیا گیا مدنی دور میں وہ نظم و نسق کی صورت میں صحابہؓ کی شخصیت کا حصہ بنا، مکی دور ہی میں اپنے نصب العین کی سچائی کا شعور پختہ ہوا۔ یقین کامل کی یہ دولت بھی کفار کے ساتھ کھلی جنگ میں بہت کام آئی، مدنی دور کی ساری فتوحات کی بنیاد بھی مکی دور میں رکھی گئی، مرحلہ دعوت و تربیت کے بعد جب عملی جدوجہد کا وقت آیا تو جاں نثاروں کی ایک ایسی جماعت تیار ہو چکی تھی جو علمی اور عملی طور پر ہی اچھے مسلمان نہیں تھے بلکہ میدان جنگ میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ دعوت و تربیت کا کام مدینہ منورہ میں بھی جاری رہا اب عسکری تربیت کا پہلو بھی سامنے آیا جس پر حضور ﷺ نے خصوصی توجہ فرمائی، مدینہ کی نوزائیدہ مملکت کے سیاسی استحکام کے لئے ازبس ضروری تھا کہ ایک منظم اور باکردار فوج تیار کی جائے لیکن ریاست کے مالی وسائل کسی مستقل فوج (Standing Army) کے بے پناہ اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے، اس پس منظر میں مدینہ منورہ کے شہریوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جسے میثاق مدینہ کے نام سے

یاد کیا جاتا ہے تاکہ اندرونی سازشوں کے دباؤ کو ممکن حد تک کم کیا جا سکے' ادھر قتال کی اجازت مل جانے کے بعد ضروری ہو گیا تھا کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو شمشیر و سناں سے آراستہ کرے' عرب ویسے بھی جنگجو طبیعت کے مالک تھے وہ آندھی اور طوفان کی طرح بستیوں پر حملہ آور ہوتے' قتل و غارتگری کا بازار گرم کرتے اور لوٹ مار کر کے واپس اپنی کمین گاہوں میں چلے جاتے' ان میں نظم و نسق کا فقدان تھا' جب عرب میں کوئی مرکزی حکومت ہی نہیں تھی' طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا تو ایسے میں باقاعدہ فوج کہاں سے آتی' مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑنے کے بعد بھی ممکن نہ تھا کہ فوری طور پر کوئی مستقل اور بڑی فوج کھڑی کی جائے تاہم حضور ﷺ نے دفاعی نقطہ نظر سے صحابہؓ کی عسکری تربیت کا عمل جاری رکھا۔ چونکہ حضور ﷺ کے پیش نظر اعلائے کلمۃ الحق کے ساتھ قیام امن اور نفاذ عدل جیسے مقاصد بھی تھے اس لئے ایک پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور مگر باکردار لشکر کی تیاری وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ عظیم افراد پر مشتمل وہ عظیم لشکر جو کسی لوٹ مار اور قتل و غارتگری میں ملوث نہ ہو' ذاتی عناد اور مال غنیمت کا حصول جس کا مقصد نہ ہو بلکہ کفر' ظلم اور فتنہ فساد کے خاتمے کے بعد عالمی سطح پر قیام امن جیسی آرزو جس کے عظیم مقاصد میں شامل ہو' بصیرت نبوی نے یہ مرحلہ بھی احسن طریقے سے طے کر لیا۔ باہم متصادم اور مختلف الخیال قبائل کو ایک جھنڈے تلے جمع کر لینا ایک محیر العقول واقعہ ہے لیکن ان منتشر قبائل کو ایک منظم اور ناقابل تسخیر فوج میں بدل دینا ایک عظیم کارنامہ ہے جس پر تاریخ حریت ہمیشہ نازاں رہے گی۔

حضور رحمت عالم ﷺ کی مسلسل توجہ اور محنت شاقہ کی بدولت بہت جلد صاحبان کردار پر مشتمل ایک ایسا جری لشکر تیار ہو گیا جس نے اپنے وقت کی استعماری طاقتوں قیصر و کسریٰ کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا کر اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے عملی اقدامات کئے' سرور کونین ﷺ نے مواخات مدینہ کے ذریعے جس اخوت اور محبت کی بنیاد رکھی تھی اس نے انصار و مہاجرین کو باہم شیر و شکر کر کے ایک سیسہ پلائی

ہوئی دیوار بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ہر صاحب ایمان کے اندر جذبہ جہاد کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ ہر مسلمان ہر وقت اللہ کی راہ میں جان و دل کے نذرانے پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی سعی میں مصروف رہنے لگا اس لئے باقاعدہ فوج کی تشکیل کی کمی کا بڑی حد تک ازالہ ہو گیا' چونکہ آپ ﷺ نور نبوت سے اس امر کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ مستقبل قریب میں اسلام اور کفار کے درمیان بڑے بڑے معرکے برپا ہونے والے ہیں اس لئے صحابہؓ کی عسکری تربیت کی خاطر ہجرت مدینہ کے فوراً بعد مہمات روانہ کرنا شروع کر دیں تاکہ ان مہمات کے سربراہان اور مجاہدین اردگرد کے جغرافیائی حالات سے آگاہ ہو سکیں' علاقے کے نشیب و فراز اور جنگی اہمیت کے مقامات کو جان سکیں نیز موسمی حالات کے مطابق خود کو ڈھال کر آنے والے کڑے لمحات کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر بھی تیار ہو سکیں۔ یہ مہمات دراصل عملی تربیت کا ایک اہم مرحلہ تھا جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور جب کفار کے ساتھ کھلے تصادم کا مرحلہ آیا تو عسکری حوالے سے یہ تربیتی کورس بڑی فتوحات کی بنیاد بنے' ان مہمات کے نتیجے میں انصار اور مہاجرین میں باہمی یگانگت میں اضافہ ہوا۔ اتحاد کی ایک ایسی فضا تیار ہوئی جو جنگوں میں داخلی استحکام کا سب سے بڑا وسیلہ قرار پاتی ہے' لمبے لمبے سفر طے کر کے مطلوبہ اہداف تک پہنچنا بھی عملی تربیت کا ایک حصہ تھا۔ اس سے اہداف کے حصول کا شعور پیدا ہوا۔ تجارتی شاہراہوں سے لے کر جنگی نوعیت کے اہم مقامات تک کی تفصیلات سے آگاہی حاصل ہوئی مجاہدین کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوئی کہ وہ اللہ کے فضل و کرم اور اسکی تائید و نصرت سے اپنا دفاع کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے بلکہ آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ نگران گشتی دستوں کی کامیاب کارروائیوں سے دشمن پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا اور دشمن کو اپنی طاقت کا احساس دلانا کہ وہ کسی شرانگیزی سے باز رہے بھی اس تربیت کا ایک حصہ تھا جسے بڑے احسن طریقے سے مکمل کیا گیا۔

سرایا کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر دشمن اچانک حملہ کر دے یا شب خون مارے تو

مسلمان بے خبری میں نہ مارے جائیں بلکہ وہ پہلے سے اپنے دفاع کے لئے تیار ہوں اور چند لمحوں کے نوٹس پر دشمن کے خلاف صف آراء ہونے کی عملی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں آپ کی دفاعی حکمت عملی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ چند برسوں ہی میں پورا عالم عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا حالانکہ کفار اور یہود نے ریاست مدینہ کے خاتمے کے لئے اپنے پورے وسائل کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا دیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نبی آخر الزمان اور محبوب خدا ہیں اس لئے یہ کامیابیاں اللہ کی خصوصی نصرت کی وجہ سے حاصل ہوئیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی مدد ہر لمحہ شامل حال رہی لیکن بحیثیت سپہ سالار آپ ﷺ نے انسانی سطح پر جو حکمت عملی اختیار کی اور جس طرح ظاہری اور مادی اسباب کو اختیار کیا اس کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے ماہرانہ قیادت اور مجاہدین کی عملی تربیت اور متحارب قوتوں سے باری باری نمٹنا ایسی حکمت عملی اور منصوبہ بندی ہے جس پر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے' اس وقت اس حیرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ حضور ﷺ نے فن حرب میں مہارت کسی اکیڈمی یا ملٹری ٹریننگ سنٹر سے حاصل نہیں کی' حضور ﷺ نے فن حرب میں ایک نئی طرح ڈالی اور کامیابیوں کے حیرت انگیز ریکارڈ قائم کئے' حضور ﷺ کی ذات اقدس مشاہدات و تجربات' جفاکشی و سخت کوشی کا ایک حسین امتزاج تھی ایک عظیم فوج تیار کر کے آپ ﷺ نے ایک عظیم جرنیل ہونے کا ثبوت دیا کہ قیامت تک سالاران عساکر آپ کی حکمت عملیوں اور منصوبہ بندیوں کی خوشہ چینی کرتے رہیں۔

حضور ﷺ نے جس اسلامی لشکر کو تیار کیا وہ سیرت و کردار کے لحاظ سے تو بے مثل تھا ہی لیکن پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں بھی یکتا تھا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو مشقت اور محنت کا اس قدر عادی بنا دیا تھا کہ غزوہ احزاب کے موقع پر مسلسل فاقہ کشی کے باوجود صحابہ ؓ نے مدینہ کی سنگلاخ زمین میں صرف چھ دن کے اندر اندر نو ہزار گز لمبی' پانچ گز چوڑی اور چار گز گہری خندق کھود کر مدینے کے دفاع کو ناقابل تسخیر

بنا دیا تھا' آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحابؓ کو گردونواح میں لے جاتے جہاں تیراندازی' نیزہ بازی اور شمشیرزنی کی مشقیں کی جاتیں۔

اطاعت امیر لشکر اور ڈسپلن (Discipline) کا یہ عالم تھا کہ صحابہؓ آپ ﷺ کے ایک اشارے پر حاضر خدمت ہو جاتے۔ راہ حق میں نقد جاں لٹانے میں ایک لمحے کا بھی توقف نہ فرماتے اور آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتے' یہ سب عشق رسول کا عملی اظہار تھا' محبت رسول کا ایک ادنی سا کرشمہ تھا کہ اپنی جان تک حضور ﷺ کے قدموں پر نثار کر کے کامیابی و کامرانی کی خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوتے' آپ ﷺ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عین میدان جنگ میں سپہ سالاری کے منصب سے معزول کیا تو انہوں نے کسی قسم کے پس و پیش سے کام نہیں لیا' مزاحمت اور حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کیا اور ماتھے پر شکن ڈالے بغیر فوراً فوج کا چارج نئے کمانڈر کو دے دیا اور ایک عام سپاہی کی طرح شریک جنگ رہے دنیا کی عسکری تاریخ میں اطاعت امیر کی اس سے بڑی مثال نہیں ملتی۔ اتنا شاندار ڈسپلن صرف حضور ﷺ کی عملی تربیت کی وجہ سے پیدا ہوا۔

جب اپنے نصب العین کی صداقت کا یقین ہو تو سالار لشکر سے لے کر عام سپاہی تک میں ایک ایسی خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے جو کسی بھی امتحان میں انفرادی یا اجتماعی کامیابی کی ضامن ہوتی ہے' مجاہدین اسلام کا دامن خود اعتمادی کی اسی دولت سے مالا مال تھا۔ یہی خود اعتمادی انہیں دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارنے کا حوصلہ پیدا کرتی کہ ہمیں موت اتنی ہی عزیز ہے جتنی تمہیں زندگی جب عساکر اسلام نے یروشلم کو فتح کر لیا تو عیسائیوں نے مجاہدین کو گناہ کی ترغیب دینے کے لئے خوبصورت عورتوں کو فصیل شہر پر بٹھا دیا لیکن کسی مجاہد نے آنکھ اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھا اور ایک وقار کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔

۲۔ داخلی استحکام (Internal Stability)

داخلی استحکام کے بغیر نہ ملک کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ ممکن ہے اور نہ دشمن سے براہ راست تصادم کی صورت میں فصیل ارض وطن کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ داخلی انتشار اور آئینی خلفشار عوامی قوت کے اس سرچشمے کو خشک کر دیتا ہے جو فوج کے مورال (Morale) کو بلند رکھتا ہے اور اس کے لئے روحانی، اخلاقی اور مادی کمک کا باعث بنتا ہے، سماجی سطح پر بے چینی، افراتفری اور اضطراب کا گرد و غبار رجائیت کے افق کو تاریک بنا دیتا ہے اور عوامی تائید کے سورج کے طلوع ہونے کے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں داخلی استحکام کے لئے سیاسی اور اقتصادی استحکام ناگزیر ہے، سیاسی اور اقتصادی استحکام، علم و ہنر کے فروغ، نظام تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں، قانون کی بالادستی، جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت، وسائل قدرت پر اجارہ داریوں کے خاتمے، جدید ترٹیکنالوجی کے حصول، سود سے پاک معیشت کے ارتقاء، امن و امان کی بحالی اور افراد معاشرہ کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے مطابق آگے بڑھنے کے مواقع کی فراہمی سے مشروط ہے، داخلی استحکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام الناس میں کسی قسم کا نظریاتی تصادم موجود نہ ہو، اپنے ثقافتی ورثہ کی عملی اور فکری سطح پر بھی حفاظت کرنا جانتے ہوں اور اپنی روایات اور اپنے نظریہ حیات سے اس حد تک مخلص ہوں کہ جب آتش نمرود میں کود پڑنے کا وقت آئے تو نہ ان کے ذہن میں کوئی سوالیہ نشان پیدا ہو اور نہ ان کی جبین پر کوئی شکن نمودار ہو، تاجدار مدینہ ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد داخلی استحکام کے لئے متعدد اقدامات کئے جن کے دور رس نتائج برآمد ہوئے اور عسکری قوت کو منظم کرنے کا موقع ملا یہی عسکری قوت آگے چل کر جزیرہ نمائے عرب میں فیصلہ کن قوت ثابت ہوئی اور غلبہ دین حق کی راہ ہموار ہوئی۔

حضور ﷺ نے داخلی استحکام کے لئے جو عملی اقدامات کئے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسجد نبوی کی تعمیر

مسجد مسلمانوں کا مذہبی ہی نہیں ثقافتی' سماجی اور سیاسی مرکز بھی ہوتا ہے۔ عہد رسالتمآب ﷺ میں مسجد نبوی کو فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر (GHQ) کی حیثیت حاصل تھی مدینہ پہنچتے ہی آپ نے ترجیحی بنیادوں پر مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع کر دیا' اس سے مسلمانوں میں موانست اور موافقت کی فضا پیدا ہوئی اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا شعور بھی بیدار ہوا۔ ایوان صدر بھی مسجد نبوی ہی تھی' یہیں مشورے ہوتے' لشکر تربیت پاتے اور سفارت کاروں کو ٹھہرایا جاتا اور داخلی استحکام کے لئے فوری اور ضروری فیصلے کئے جاتے۔

۲۔ مواخات مدینہ

مواخات مدینہ داخلی استحکام کی طرف ایک قابل رشک پیش رفت تھی۔ مہاجرین مکہ کو معاشی پریشانیوں سے نجات دلانے کے لئے حضور ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو رشتہ مواخات کے بندھن میں باندھ دیا۔ بھائی چارے کی ایک ایسی فضا پیدا ہوئی اور ایثار و قربانی کے ایسے مظاہرے دیکھنے میں آئے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مدینے کی اس فضا نے مہاجرین کو اپنے اندر جذب کر لیا اور وہ اس کا ایک حصہ بن گئے۔ اوس اور خزرج کی پرانی دشمنیاں ختم ہو گئیں اور بہت سے اندرونی خطرات کا خاتمہ ہوا۔ اتحاد و اتفاق اور اخوت و محبت کے ان عملی مظاہر کے نتیجے میں مسلمان ایک قوت بن کر ابھرے' ایسی قوت جو خیر کی علمبردار تھی ایسی قوت جو روشنیوں کی امین تھی۔

۳۔ میثاق مدینہ

میثاق مدینہ ایک اہم تاریخی دستاویز ہے اسے نئی اسلامی مملکت کے دستور کی حیثیت حاصل ہے۔ جملہ فریقوں کو اسے تسلیم کرنے پر رضا مند کر لینا رسول اکرم

ﷺ کی زبردست سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ یہ ایک معاہدہ تھا جس کے ذریعہ مدینہ کے اہم طبقات کو مدینہ منورہ کے مشترکہ دفاع کا پابند کر لیا گیا۔ معاہدہ کے شرکاء میں یہودی بھی شامل تھے اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ وقتی طور پر سازشوں کا خاتمہ ہو گیا اور حضور ﷺ کو موقع ملا کہ آپ ﷺ مضافات مدینہ میں آباد دیگر قبائل کے ساتھ بھی سفارتی سطح پر گفت و شنید کو آگے بڑھا سکیں اور کفار مکہ کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک سازگار فضا قائم کر سکیں۔ میثاق مدینہ داخلی استحکام کی بنیاد بنا جس نے تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے۔

۳۔ افواج کی نفری

دشمن پر عددی برتری کی جنگی اہمیت اپنی جگہ لیکن حضور ﷺ نے Quantity کی بجائے Quality کو ترجیح دی اور کفار مکہ سے معرکہ آرائیوں میں بے مثال نتائج حاصل کر کے دکھائے جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ باقاعدہ فوج بنانے کے لئے ریاستی وسائل اس کی اجازت نہیں دیتے تھے حالانکہ جنگی اصولوں کے مطابق کسی بھی مملکت کی فوج اتنی تعداد میں ضرور ہونی چاہئے کہ دشمن حملہ آور ہونے سے پہلے اپنے انجام پر بھی نظر رکھے، نگران گشتی دستوں کی تشکیل بھی اس جنگی تربیت کا ایک حصہ تھی، نبی اکرم ﷺ نے مٹھی بھر صحابہؓ کو طویل سفر طے کروائے۔ سرعت کے ساتھ نقل و حمل کی مشق کروائی کہ کم تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن انہیں اپنے سروں پر منڈلاتا ہوا پاتا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی مادی وسائل پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ ہر مرحلے پر اللہ پر توکل کیا، غزوۂ تبوک کے علاوہ حضور ﷺ نے کبھی بھی جہاد کو ہر فرد کے لئے لازمی قرار نہیں دیا صحابہ کرامؓ اپنی اپنی سہولت کے مطابق غزوات میں شرکت فرماتے جو صحابہ کرامؓ کسی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکتے آپ ﷺ کبھی ان سے باز پرس نہیں فرماتے تھے۔

۴۔ ہتھیاروں کی فراہمی

ہر مسلمان پیدائشی طور پر سپاہی ہے ہتھیار مرد کا زیور ہے' جہاد کے لئے ہتھیاروں کو تیار رکھنے کا حکم ہے اگرچہ مسلمان کبھی دشمن کی کثرت تعداد کو خاطر میں نہیں لائے اور نہ انہوں نے ہتھیاروں پر تکیہ کیا ہے لیکن ہتھیاروں کی فراہمی اور جہاد کے لئے سواری کا انتظام ایک بنیادی ضرورت ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا' غزوہ بدر میں ہر مجاہد کے پاس تلوار تھی نہ ہر جاں نثار کو سواری میسر تھی' ریاست مدینہ کے وسائل انتہائی محدود تھے انفرادی طور پر بھی مہاجرین وانصار ذاتی طور پر ہتھیار خریدنے کی پوزیشن میں نہیں تھے' حضور ﷺ نے اپنی پہلی فرصت میں اسلحہ کی سپلائی کو یقینی بنانے پر توجہ دی' ہم دیکھتے ہیں کہ طائف اور حنین کے معرکوں میں مسلمانوں نے منجنیق کا استعمال بھی کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جہاد میں شرکت کو لازمی قرار دیا اور جنگی اخراجات پورے کرنے کے لئے مالی معاونت کی عام اپیل بھی کی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لا کر حضور ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا۔

۵۔ اصولوں کی پابندی

حضور ﷺ نے عہد شکنی کی ہر مرحلہ پر حوصلہ شکنی کی ہے نہ صرف اصولوں کی پابندی اور ایفائے عہد کی پاسداری کی بلکہ سختی کے ساتھ ان پر عمل درآمد کا حکم بھی ارشاد فرمایا' جنگ ہو یا امن ضابطوں کی پابندی آپ ﷺ کا معمول تھا' بعض نازک اور مشکل مقامات پر بھی آپ نے اصول پسندی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جہاد میں کسی غیر مسلم کو شامل نہیں کیا اس لئے کہ مسلمان ہمیشہ ایک نظریاتی جنگ (Ideological War) کے لئے میدان کارزار میں اترتا ہے۔ جب آپ ﷺ غزوہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو راستے میں آپ ﷺ کو دو اعرابی ملے جو جنگ میں شریک ہونا چاہتے تھے آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن وہ اسلام قبول

کرنے پر رضا مند نہ ہوئے آپ ﷺ نے انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی معرکہ بدر سے صرف ایک دن قبل حذیفہ بن الیمانؓ اور ان کے ہمسفر لشکر اسلام سے آ ملے، حضور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں عرض پرداز ہوئے کہ آقا ﷺ راستے میں قریش نے انہیں روک کر یہ عہد لیا تھا کہ وہ قریش کے خلاف نہیں لڑیں گے یہ سن کر حضور ﷺ نے انہیں واپس چلے جانے کا حکم دیا اگرچہ مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں تھے، دشمن کے مقابلے میں تعداد میں پہلے ہی بہت کم تھے اس پر بھی اپنے دو مجاہدین کو جہاد میں شرکت سے روک دیا گیا کہ مسلمان عہد کرتا ہے تو پھر اسے نبھاتا بھی ہے، وہ منظر کتنا جذباتی منظر تھا جب صلح حدیبیہ کے وقت حضرت ابو جندلؓ کو کفار کے حوالے کر دیا گیا کیونکہ جب وہ تشریف لائے تو صلح کی شرائط لکھی جا چکی تھیں اور حضور ﷺ کو عہد شکنی کسی حالت میں بھی گوارا نہ تھی۔

۶۔ نظم و نسق

مرکزی حکومت کا قیام تو رہا ایک طرف جزیرہ نمائے عرب میں کسی بھی سطح پر کوئی مستحکم سیاسی نظام رائج نہیں تھا۔ قبائلی نظام تھا جو ہر قسم کے نظم و نسق (Order and Arrangement) سے عاری تھا لیکن حضور ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو نظم و نسق کا پابند بنایا خود بھی ضابطوں کی پابندی کی اور مسلمانوں کو بھی ڈسپلن (Discipline) کا خوگر بنایا۔ غزوہ احد کے موقع پر ڈسپلن کی خلاف ورزی کی گئی اور فتح شکست میں بدل گئی، عرب کے عام رواج کے برعکس آپ نے افواج کی صف بندی کا اہتمام فرمایا عرب قبائل بغیر کسی نظم کے وحشیانہ انداز میں دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔لیکن اسلام نے وحشت و بربریت اور درندگی کے ہر تصور کو مٹا دیا، حضور ﷺ نے جب ۲ھ میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بطن نخلہ کی طرف روانہ کیا تو ایک بند لفافے میں ہدایات لکھ کر دیں اور حکم دیا کہ دو دن بعد ان ہدایات کو دیکھ کر ان پر عمل کیا جائے، فتح مکہ کے وقت رات کو مجاہدین کو مکہ کے ارد گرد چاروں طرف پہاڑوں،

پر بکھیر دیا اور حکم دیا کہ آگ کے الاؤ جلاؤ تاکہ دشمن کو اسلامی لشکر کے کثیر تعداد میں ہونے کا گمان ہو' بدل بدل کر سپہ سالار مقرر کئے جاتے' سابقہ سپہ سالار عام سپاہی کی طرح لڑتا' ڈسپلن کی اتنی سخت پابندی ہی کا کرشمہ تھا کہ بظاہر شکست کی صورت میں بھی مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوا۔ کوئی بھگدڑ نہیں مچی' استثنائی صورتیں (Exceptional Cases) تو ہر جگہ ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے بے پناہ ڈسپلن (Discipline) کی بدولت ہمیشہ کثرت پر فتح حاصل کی جہاں تک جنگی تدابیر(War tactics)اختیار کرنے کا تعلق ہے تو آپ نے یہ جنگی تدابیر ہر موقع پر اختیار کیں اور ہر محاذ پر بروقت کارروائی کر کے دشمن کے عزائم کو ناکام بنایا' ہجرت مدینہ کے فوراً بعد منافقین کا دباؤ کم کرنے کے لئے میثاق مدینہ کا فریقین کو پابند بنایا۔ کسی مرحلہ پر بھی مسلمانوں کو غفلت' سستی یا کاہلی کا شکار نہیں ہونے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ دس سال کے عرصہ کے اندر اسلامی سلطنت کا رقبہ براعظم یورپ کے برابر ہو گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اسلامی ریاست کا رقبہ ۲۷۴ مربع میل یومیہ کے حساب سے بڑھتا رہا۔

۷۔ اہلیت

زندگی کے کسی بھی شعبہ میں نظر دوڑائیں' کسی بھی زاویہ نگاہ سے دیکھیں' معیار عظمت کا کوئی سا بھی پیمانہ مقرر کر لیں' دریتیم آمنہ کے لال ﷺ کی شخصیت سب سے سربلند نظر آئے گی' سب سے منفرد اور سب سے باوقار' رب کریم نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کو قیادت کی فطری استعداد (Natural Ability) سے سرفراز فرمایا تھا آپ ﷺ نے قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی اس دولت کو بروئے کار لا کر اپنے اندر ایک عظیم سپہ سالار کی صفات پیدا کر لی تھیں اور یہی صفات تربیت کے دوران صحابہؓ کی شخصیت کا بھی حصہ بن چکی تھیں' کمانڈر کی شخصیت جنگی نتائج پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے کیونکہ فتح و شکست کا کریڈٹ (Credit) اور ڈس کریڈٹ

(Discredit) بہر حال عسکری قیادت (Military Leadership) ہی کو جاتا ہے' رومیوں کا قول ہے کہ "دشمن کے خلاف رومی نہیں قیصر فتح حاصل کرتا ہے" برطانوی استعمار کا آئینی تصور بھی رومیوں کے نقطہ نظر سے مختلف نہیں "تاج غلطی نہیں کرتا" یہ دونوں تصورات قیادت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں' ارتقائے انسانی (Human Evolution) کی تاریخ شاہد ہے کہ تحریکیں خواہ ان کی نوعیت کیسی ہی ہو اپنے قائدین کے افکار و نظریات کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور انہیں اپنے بانی کی شخصیت سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ نااہل قیادتوں کے ہاتھوں ہمیشہ ملک و قوم کے لئے ذلت و رسوائی کا سامان ہوتا ہے حضور ﷺ نے مجاہدین میں سیرت و کردار کے علاوہ پیشہ ورانہ استعداد کار (فنی مہارت) کے حوالے سے صلاحیت و اہلیت پیدا کی کہ اپنے آقا ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم انتہائی نامساعد حالات میں ثابت قدم رہے اور ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائی۔

۸۔ باہمی اعتماد اور ہم آہنگی کی فضا

اپنے قائد سے والہانہ عشق اور اس کے مشن کے ساتھ غیر مشروط کومٹ منٹ (Commitment) سے جاں نثاری اور خود سپردگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر وابستگی جذباتی حبی اور قلبی سطح پر نہ ہو تو علمی و فکری وابستگی بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہے' اپنے آقا کے ایک اشارے پر مرمٹنے کا جذبہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب قائد سے ٹوٹ کر محبت کی جائے اس کی ایک ایک ادا کو حرز جاں بنایا جائے اس کے ایک ایک بول کو عنوان گفتگو ٹھہرایا جائے' اطاعت اور اتباع' عشق اور محبت کے بغیر کچھ بھی نہیں' حضور ﷺ کے ساتھ محض تعلیماتی سطح پر تعلق نہ سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے اور نہ سینوں میں عشق و محبت کی آگ سلگ سکتی ہے اور نہ باہمی اعتماد اور ہم آہنگی کی فضا پیدا ہو سکتی ہے' حکم کی تعمیل ہوتی ہے لیکن بے دلی اور بیزاری کے ساتھ' اس قسم

کے منفی رجحانات کی بیخ کنی کرنے کے لئے آقائے نامدار ﷺ کے درج ذیل ارشادات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ **لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین** (صحیح البخاری، ۱: ۷)	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد، اولاد اور دنیا بھر کے لوگوں سے محبوب نہ ہوں۔
لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (شرح السنہ للبغوی، ۱: ۲۱۳)	تم میں سے کوئی ایک بھی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔

گویا معیار ایمان ہی حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے، ہمارا ایمان اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہو سکتا جب تک ہم اپنی ہر متاع عزیز کی محبت کو حضور ﷺ کی محبت پر نثار کرنے کے شعور سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران، ۳: ۳۱)	(اے حبیب!) آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

اللہ کا محبوب بننے کے لئے اطاعت حبیب کبریا ﷺ ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ اور واسطہ رسالت کے بغیر اللہ تک رسائی بھی ممکن نہیں۔

حضور ﷺ اپنے امتیوں سے کس قدر محبت فرماتے تھے، اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○
(التوبہ، ۹:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول تشریف لائے، تمہارا تکلیف ومشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا ہے) (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

حضور ﷺ غلاموں کے آقا، یتیموں کے والی اور غریبوں کے مولا تھے، شفقت اور محبت کا ایک سمندر، مجاہدین اسلام کے ساتھ آپ ﷺ خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے، انہیں اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے، ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ان کے گھروں میں جا کر ان کی خیریت دریافت فرماتے، ان کی دلجوئی کرتے اور کسی کو شکایت کا موقع نہ دیتے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہادت ملی تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں پوچھا کیا ان کے لئے آنسو بہانے والا کوئی نہیں، حضرت معصب بن عمیرؓ شہید ہوئے تو جسم ڈھانپنے کے لئے پورا کفن بھی نہیں تھا حالانکہ قبول اسلام سے قبل وہ بڑے نازو نعم میں پلے بڑھے تھے، ان کی یاد آتی تو حضور ﷺ کی چشمان مبارک کے گوشے نم آلود ہو جاتے، غزوہ احد میں جب لشکر کفار نے راہ فرار اختیار کی تو حضور ﷺ ایک ایک صحابی کا نام لے کر پوچھتے کہ فلاں کہاں ہے، فلاں کو ڈھونڈ کر لاؤ حالانکہ اس وقت خود جناب رسالتمآب ﷺ زخمی حالت میں تھے پروانے بھی دیوانہ وار آپ پر نثار ہونے کو بے قرار رہتے، صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر عروہ بن مسعود نے واپس جا کر اپنے تاثرات بیان کئے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غلامان رسول ہاشمی کی غلامی کے احساس کا رنگ کتنا گہرا تھا۔

لقد وفدت علی الملوک و وفدت
علی قیصر و کسریٰ و النجاشی و
اللہ ان رأیت ملکا قط یعظمہ
اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد
(ﷺ) محمدا و اللہ ان تنخم
نخامۃ الا وقعت فی کف رجل
منھم فدلک بھا وجھہ و جلدہ و
اذا امرھم ابتدروا امرہ و اذا
توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہ
و اذا تکلّم خفضوا اصواتھم عندہ
وما یحدون الیہ النظر تعظیما و
للہ قد عرض علیکم خطۃ رشد اللہ
فاقبلوھا (صحیح البخاری، ۱: ۳۷۹)

اے قوم! واللہ میں بادشاہوں کے
درباروں میں گیا ہوں، میں قیصر و کسریٰ
اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا ہوں
لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ
ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس
طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد
(ﷺ) کے ان کی تعظیم کرتے ہیں
خدا کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا
لعاب دہن کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر
ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور
بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم
دیتے ہیں تو فوراً ان کے حکم کی تعمیل
ہوتی ہے، جب وہ وضو فرماتے ہیں تو
یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ وضو کا
مستعمل پانی حاصل کرنے پر ایک
دوسرے کے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہو
جائیں گے۔ وہ ان کی بارگاہ میں اپنی
آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور غایت
تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف آنکھ
بھر کر دیکھ نہیں سکتے۔ انہوں نے
تمہارے سامنے عمدہ تجویز رکھی ہے
پس اسے قبول کرلو۔

غزوہ احد میں جب کفار کا گھیرا تنگ ہوگیا اور حضور ﷺ ان کے نرغے

میں آ گئے تو جاں نثاران مصطفےٰ دیوانہ وار آگے بڑھے اور اپنے آقا ﷺ کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن گئے' ان سرفروشوں میں حضرت مصعب بن عمیر' حضرت طلحہ' حضرت ابو دجانہ اور حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ غلامان رسول نے دشمن کو حضور ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا حتیٰ کہ جب حضرت ام عمارہؓ جو زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں نے دیکھا کہ کفار حضور ﷺ کے گرد حلقہ تنگ کر رہے ہیں تو وہ ننگی تلوار لے کر دیوانہ وار آگے بڑھیں' بعد میں آقائے دوجہاں ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ان نازک لحات میں میں جدھر دیکھتا مجھے ام عمارہؓ کی تلوار چمکتی نظر آتی' جنگ احد میں یہ مناظر بھی دیکھے گئے کہ زخمی مجاہدین اپنے ساتھیوں سے التماس کرتے کہ انہیں گھسیٹ کر حضور ﷺ کے قدموں میں لے چلو اور سر حضور ﷺ کے قدموں میں رکھ کر جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے کہ حضور ﷺ کے قدموں میں گر کر نقد جاں لٹانے کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

باب ۔۳

جنگی انتظام وانصرام
اور
حکمت عملی

میدان جنگ میں اترنے سے پہلے ایک کامیاب جرنیل ایسی قابل عمل حکمت عملی اپناتا ہے جس سے کم وسائل کے ساتھ مطلوبہ نتائج اور اہداف حاصل ہو سکیں' جنگی انتظامات کا ہر ہر پہلو سے جائزہ لے کر انہیں آخری شکل دی جاتی ہے اور جوانوں کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاتا ہے' عہد رسالتمآب ﷺ میں جتنی معرکہ آرائیاں ہوئیں ان میں شرکت سے پہلے اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے حضور ﷺ نے بھرپور انتظامات کئے اور جنگ کی ایسی منصوبہ بندی (Planning) کی کہ قلت کے باوجود کثرت پر فتح حاصل کی' اس ضمن میں کئے جانے والے انتظامات کا عملی جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔ مشاورت (Consultation)

یوں تو مشاورت کا نظام حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں اوپر سے نیچے تک ہر سطح پر کارفرما نظر آتا ہے لیکن معرکہ آرائیوں کے وقت خصوصی طور پر باہمی صلاح و مشورے سے جنگی حکمت عملی وضع کی جاتی اور ٹھوس منصوبہ بندی کرنے کے بعد اس پر سختی سے عمل کیا جاتا' اس سے نہ صرف ڈسپلن (Discipline) قائم رہتا بلکہ ساتھیوں میں اعتماد بھی پیدا ہوتا اور یہی خود اعتمادی (Self Confidence) فتح کا پیش خیمہ اور بہتر نتائج کی حامل ثابت ہوتی' ارشاد ربانی "**وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**" کے تحت رسول اکرم ﷺ ہمیشہ صحابہؓ سے مختلف امور و مسائل پر تبادلہ خیالات فرماتے' ان سے مشورہ طلب کرتے اور تجویز یا مشورہ کے قابل عمل ہونے کی صورت میں اسے اجتماعی فیصلے کے طور پر نافذ بھی کرتے' غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے نوجوان صحابہؓ کے مشورہ کے بعد شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس طرح غزوہ احزاب کے وقت حضرت

سلمان فارسیؓ کا مشورہ پسند آیا اور مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی گئی کہ اس غزوہ کا نام ہی غزوۂ خندق (Trench) پڑ گیا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا' آپ ﷺ اپنے اصحاب کے مشوروں کا احترام کرتے اور کسی مشورے میں وزن نظر آتا تو اسے قبول بھی فرما لیتے اور اپنی رائے (Opinion) بدل دیتے لیکن کبھی ایسا بھی ہوا کہ مشاورت کے بعد آپ ﷺ نے اپنی رائے پر عمل کیا مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم نرم شرائط پر صلح کرنے کے لئے تیار نہیں تھے لیکن آپ ﷺ نے اسلام کے وسیع تر مفاد میں کمزور شرائط پر بھی صلح کر لی' اور بظاہر یہ کمزور شرائط ہی قریش کے گلے کا ہار بن گئیں کیونکہ نور نبوت سے آپ وہ کچھ دیکھ رہے تھے جو عام آنکھ کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

۲۔ تجارتی راستوں کی ناکہ بندی

(Blockade of Trade Routes)

جنگ میں دشمن کی تجارتی شاہراہوں پر نظر رکھنا اور دشمن کی سپلائی لائن (Supply Line) کاٹ کر اس کی جنگی صلاحیتوں کو مفلوج (Paralyse) کر دینا آج بھی بہترین جنگی حکمت عملی خیال کی جاتی ہے حضور ﷺ نے دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی' مہمات کی روانگی کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دشمن کی جنگی تیاریوں سے باخبر رہ کر منصوبہ بندی کی جائے تاکہ حملہ کی صورت میں مسلمان بہتر طریقے سے اپنا دفاع کر سکیں اور جوابی حملہ کر کے دشمن کی حربی قوت پر کاری ضرب لگا سکیں' تجارتی راستوں کی ناکہ بندی سے دشمن کو احساس ہو گیا کہ اگر اس نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو وہ اس کے تجارتی راستوں کی مستقلاً ناکہ بندی (Blockade) کر کے اس کے تجارتی قافلوں کا سفر کرنا محال بنا دیں گے۔

۳۔ افواج کی صف بندی (Battle Array)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جزیرہ نمائے عرب میں کسی قسم کی مرکزی حکومت

(Central Government) کا کوئی تصور نہیں تھا' غیر منظم گروہ قبائل کی شکل میں اپنے سرداروں کے احکام کی پابندی ضرور کرتے لیکن ان میں نظم و نسق نام کی کوئی چیز نہیں تھی' ان حالات میں باضابطہ فوج کی تشکیل کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا' حضور ﷺ نے بھی اگرچہ کوئی باضابطہ فوج نہیں بنائی اس لئے کہ وسائل ہی اس کی اجازت نہیں دیتے تھے تاہم آپ ﷺ نے ان محدود وسائل میں مجاہدین میں نظم و نسق پیدا کیا اور دوران جنگ سپاہیوں کے درمیان زمینی رابطوں کو مضبوط بنایا' فوج کی صف بندی کر کے مجاہدین کے حملہ کرنے کی صلاحیت کو مزید بہتر اور موثر بنایا۔ رسول اکرم ﷺ جب جہاد کے لئے نکلتے تو لشکر کو ہمیشہ تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ پہلا حصہ مقدمۃ الجیش کہلاتا' اس کے پیچھے لشکر کا بڑا حصہ ہوتا اور آخر میں مؤخر دستہ ہوتا دوران سفر تینوں حصوں کے درمیان مواصلاتی رابطہ قائم رہتا' دشمن کی نقل و حرکت' منصوبہ بندی اور اس کے پڑاؤ کے محل وقوع کے بارے میں ممکن حد تک معلومات اکٹھا کی جاتیں اور ان معلومات کی روشنی میں اپنی جنگی پالیسی وضع کی جاتی دشمن کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کے لئے مختلف اقدامات کئے جاتے۔

میدان جنگ میں لشکر اسلام کی ترتیب خود فرماتے اور مختلف دستوں کی مختلف مقامات پر تعیناتی کا خصوصی اہتمام کرتے' میدان جنگ میں پہلے پہنچتے اور جنگی اہمیت کے مقامات پر قبضہ کر کے اپنی مرضی کی جگہ پر لشکر کو اترنے کا حکم دیتے' غزوۂ احد میں آپ ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ پہاڑی کے اوپر متعین فرما دیا تھا تاکہ عقب کی جانب سے دشمن حملہ آور نہ ہو سکے' معرکہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے دشمن کو نشیبی زمین پر خیمہ زن ہونے پر مجبور کر دیا۔ بارش ہوئی تو نشیب میں پانی کھڑا ہو گیا جس سے دشمن کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اس کا گھڑ سوار دستہ غیر مؤثر ہو کر رہ گیا جب دشمن سے آمنا سامنا ہوتا اور کھلی جنگ ہوتی تو آپ ﷺ لشکر اسلام کو چار حصوں میں تقسیم فرماتے۔

۱۔ میمنہ (Right Flank)

۲۔ میسرہ (Left Flank)

۳۔ قلب (Centre)

۴۔ محفوظ (Reserve)

فوج کی ترتیب کچھ یوں ہوتی کہ نیزہ بردار اگلی صفوں میں ہوتے اور تیر اندازوں کو دونوں بازوؤں (Wings) پر مقرر کیا جاتا اور شمشیرزن پیچھے ہوتے' آپ ﷺ کا ارشاد ہوتا کہ تیر اس وقت تک نہ چلایا جائے جب تک کہ دشمن براہ راست زد (Killing Zone) میں نہ آ جائے' اس سے فائر کنٹرول آرڈر (Order Fire Control) کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے' میدان بدر میں سورج مسلمانوں کی پشت کی جانب تھا جبکہ لشکر کفار کے بالکل سامنے تھا جس سے ان کی آنکھیں بار بار چندھیا جاتیں ان چھوٹے چھوٹے امور پر گہری نظر رکھنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کی جنگی حکمت عملی کتنی ثمربار ثابت ہوتی اور مختصر وقت میں مطلوبہ اہداف حاصل ہو جاتے' جنگوں میں وقت کا عنصر (Time Factor) بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور سپہ سالار مدینہ ﷺ نے ہمیشہ بروقت فیصلے کر کے دشمن کی ہر جنگی چال کو ناکام بنانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔

۴۔ نفسیاتی حربے (Psychological Tactics)

جنگ صرف میدان جنگ ہی میں نہیں بلکہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑی جاتی ہے' میدان جنگ کے گرم ہونے سے پہلے اور جنگ کے بعد بھی سرد جنگ جاری رہتی ہے' فریقین ایک دوسرے کے حوصلے پست کرنے کے لئے نفسیاتی محاذ پر بھی داد شجاعت دیتے ہیں' یہ جنگ اقتصادی اور ثقافتی محاذوں پر بھی لڑی جاتی ہے جس میں ارباب دانش بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں' دوران جنگ بھی اور زمانہ امن میں بھی نفسیاتی محاذ گرم رہتا ہے' پرنٹ میڈیا (Print Media) سے الیکٹرانک میڈیا (Media

(Electronic) تک نفسیاتی جنگ کو آگے بڑھاتے ہیں' ادب خصوصاً شاعری میں سب سے پہلے تخلیقی سطح پر جنگ کا رد عمل ہوتا ہے اور رزمیہ شاعری وجود میں آتی ہے جس سے چٹان کی طرح استقامت کا مظاہرہ کرنے کا شعور بیدار ہوتا ہے' مختلف غزوات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب ﷺ نے ایسے اقدامات کئے جن کا مقصود قریش کے حوصلے پست کرنا اور انہیں اپنی عسکری قوت سے مرعوب کرنا تھا تاکہ قریش مسلمانوں پر حملہ کرنے کے منصوبے ختم کر دیں۔

۱۔ غزوہ احد کے موقع پر ستر صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا اور راہ حق میں اپنے خون سے اللہ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کی گواہی دی' اکثر صحابہؓ زخموں سے چور چور تھے' حضور ﷺ نے اس اعصاب شکن ماحول میں بھی قریش کا تعاقب جاری رکھا' اس جرات مندانہ اور دلیرانہ فیصلہ سے اردگرد کے قبائل پر مسلمانوں کی شجاعت کی دھاک بیٹھ گئی' دوسری طرف قریش کو بھی یقین ہو گیا کہ مسلمان اب تر نوالہ نہیں رہے یہ اپنی شکست تسلیم نہیں کریں گے اور عارضی نقصانات (Set Back) کے باوجود ان میں اتنا دم خم ہے کہ وہ حملہ آور کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔

۲۔ فتح مکہ کے تاریخی موقع پر لشکر اسلام کو اردگرد کی پہاڑیوں پر بکھیر کر رات کے وقت الاؤ روشن کرنا بھی ایک نفسیاتی حربہ تھا' جس کے فوری اور مثبت نتائج بر آمد ہوئے' ایک دو جگہ پر معمولی سی مزاحمت کے علاوہ اہل مکہ نے عموماً مسلمانوں سے مقابلے کی جرأت نہ کی' ابو سفیان تو اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا' ابو سفیان کی کسی متوقع شرارت سے بچنے کے لئے اس کے گھر کو بھی دار الامن قرار دے دیا گیا اس طرح اس کی سرداری کا بھرم بھی رہ گیا اور مسلمانوں نے مطلوبہ اہداف بغیر کسی جنگ کے حاصل کر لئے۔ نفسیاتی محاذ پر یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی جسے قرآن میں فتح مبین کے نام سے یاد کیا گیا۔

۳۔ غزوہ حنین کے دوران جب ایک مرحلے پر لشکر اسلام میں شکست کے آثار پیدا ہوئے تو آپ ﷺ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے' اس بے مثال

جرات کا مظاہرہ دیکھ کر صحابہؓ واپس پلٹے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے' بنو ہوازن معافی کے خواستگار ہوئے تو انہیں معاف کر دیا اور نفسیاتی محاذ پر بھی جنگ جیت لی۔

۴۔ محاصرہ طائف کے دوران بنو ثقیف کے وہ غلام جو مسلمانوں سے آن ملے تھے انہیں آزادی کی خوشخبری سنا کر ان کے دل جیت لئے۔ نفسیاتی سطح پر اقدامات کرنے کا ایک مقصد سپاہیوں کے اعتماد کو بحال کرنا بھی ہوتا ہے اور حضور ﷺ نے یہ مقاصد حاصل کر کے مستقبل کی فتوحات کی بنیاد رکھ دی۔

۵۔ رازداری اور جاسوسی کا نظام

(System of Intelligence)

ترقی پسندی کے اصطلاحی مفہوم سے اختلاف کے ہزار پہلو نکل آتے ہیں لیکن ترقی پسندی کے لغوی معنوں سے انکار ممکن نہیں' سچ تو یہ ہے کہ ترقی پسندی کوئی سیاسی نعرہ نہیں بلکہ ٹھوس مثبت اور رجائیت (Optimism) کے حامل ایک ایسے رویے کا نام ہے جس نے انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ حضور ﷺ نے جنگی حکمت عملی وضع کرتے وقت بھی عام ڈگر سے ہٹ کر بلکہ اس کے برعکس اقدامات کئے۔ جنگی مہمات میں اپنے منصوبوں کی رازداری اور دشمن کی سرگرمیوں اور حکمت عملیوں کو صیغہ راز میں رکھا اور صحابہؓ کو بھی ہدایت تھی کہ ہر مرحلہ پر مکمل رازداری سے کام لیں۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ کسی مہم میں بھی صحابہؓ کرام کو منزل کا پتہ نہ ہوتا تھا۔ خبر رسانی (Information) کے لئے آپ ﷺ نے خفیہ لکھائی کا طریقہ ایجاد کیا اور خفیہ الفاظ (Code Words) کا استعمال کیا۔ دوران جنگ دوست اور دشمن کی پہچان کے لئے غزوۂ بدر میں "احد احد" اور غزوۂ احد میں "امت' امت" کے الفاظ بطور کوڈ ورڈ استعمال ہوئے۔

دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لئے دستوں کی روانگی کا ذکر تفصیل

سے ہو چکا ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے اس قسم کے آٹھ دستے روانہ کئے گئے' قریش کی روانگی کی خبر آپ ﷺ کو پہلے ہی مل چکی تھی جبکہ غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی کا علم کفار کو مدینہ پہنچ کر ہوا تھا۔ آپ اپنی جنگی سرگرمیوں کو اس حد تک خفیہ رکھتے تھے کہ فتح مکہ کے وقت مدینہ منورہ سے لشکر اسلام کی روانگی کی خبر اہل مکہ تک پہنچنے نہ دی۔ تبوک کا طویل سفر غیر معروف راستوں سے طے ہوا تاکہ عساکر اسلام کی روانگی کی خبر کو خفیہ رکھا جاسکے۔ دشمن کی جنگی تیاریوں سے آگاہ ہونے کے لئے حضور ﷺ عام طور پر نومسلم صحابہؓ کو بھیجا کرتے تھے کیونکہ دشمن ان افراد کے اسلام قبول کرنے کی خبر سے لاعلم ہوتا اس طرح انہیں دشمن کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی' آمد و رفت آزادانہ طور پر ہوتی' میل جول میں آسانی رہتی اور کسی کو ان پر شک بھی نہ گزرتا' روایات میں مذکور ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر ایک نومسلم صحابی نے کفار اور یہود مدینہ کے خفیہ گٹھ جوڑ میں شکوک وشبہات پیدا کر کے دشمن کے عزائم کو ناکام بنایا تھا۔

۶۔ ساز و سامان کی فراہمی

(Supply of Provisions)

جنگ میں ہتھیاروں کی فراہمی اور سامان خورد و نوش کی سپلائی کو خاصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور کوئی سپہ سالار اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا فریق مخالف کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دشمن کی سپلائی لائن کاٹ دے تاکہ اس کے حوصلے پست ہو جائیں اور وہ ہتھیار ڈال دے' یہ حقیقت اور ضرورت نگاہ نبوت سے اوجھل نہ تھی اگرچہ ریاستی وسائل اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ عساکر اسلام کو ملنے والی رسد نہ صرف وافر مقدار میں ہو بلکہ یہ اعلیٰ معیار کی حامل بھی ہو' تاہم حضور ﷺ نے اپنے محدود مالی وسائل کے پیش نظر ممکن حد تک سپلائی لائن میں کوئی رکاوٹ نہ پڑنے دی' اس ضمن میں جو تھوڑی بہت کمی رہ جاتی اسے مجاہدین اسلام اپنی سادہ طرز

زندگی سے پورا کرلیتے' وہ کھجور اور ستو کھا کر جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر نکلتے مسلمانوں میں جو چند ایک اہل ثروت تھے وہ حسب توفیق رضا کارانہ طور پر جنگی اخراجات برداشت کرلیتے سازوسامان کی کمی باعث رحمت ثابت ہوتی۔ مسلمان لشکر بڑی تیزی سے نقل و حرکت کرتا جبکہ دشمن کا سازو سامان سرعت کے ساتھ حرکت پذیری میں رکاوٹ بنتا اور مسلمان اسے بے خبری میں جا لیتے۔

دفاعی حکمت عملی (Defence Strategy)

وہ قومیں جو محض اپنے دفاع پر انحصار کرتی ہیں اور آگے بڑھ کر فتنہ و فساد' جبر و تشدد' ناانصافیوں' شرانگیزیوں اور سازشوں کا سر کچلنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں وہ قوموں کی برادری میں کبھی برابری کا درجہ حاصل نہیں کرسکتیں اور نہ وقار و تمکنت کی وہ منزل حاصل کرسکتی ہیں جو ہر آزاد قوم کا حق ہے' حضور ﷺ کی جنگی حکمت عملی جلد ہی ثمربار ثابت ہوئی نہ صرف یہ کہ مدینے کو دفاعی نقطہ نظر سے ناقابل تسخیر بنا دیا گیا بلکہ حملہ کرنے کی بھرپور صلاحیت بھی حاصل کرلی گئی' اگرچہ اس صلاحیت کو بہت کم آزمایا گیا کیونکہ اسلام جنگ و جدل کا نہیں امن اور سلامتی کا دین ہے تاہم عسکری قوت (Military Force) بننے سے اسلام کا نہ صرف انقلابی کردار (Revolutionary Role) نمایاں ہوا بلکہ کفار مکہ اور یہودی قبائل جو اسلام کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے میں پیش پیش تھے دفاعی پوزیشن (Defensive Position) اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے عسکری قوت بننے کے بعد جب وہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو معمولی سی مزاحمت کے علاوہ کفار نے انہیں روکنے کی جرات نہیں کی اور کسی بڑی لڑائی کے بغیر ہی مکہ فتح ہو گیا۔ تاریخ اسلام میں فتح مکہ ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا اس کے بعد اکناف عالم میں اسلام کو تیزی سے پذیرائی حاصل ہوئی اور چار دانگ عالم میں اسلام کی حقانیت کے پرچم لہرانے لگے۔

ہجرت کے بعد بھی اسلام کے خلاف کفار مکہ کی شرانگیزیوں کا سلسلہ بند نہ ہوا

بلکہ خطرات انکے سر پر منڈلاتے رہے' کفار کے حملے کا خطرہ بڑھ رہا تھا چنانچہ مسلمان ہر وقت چوکنا رہتے حتی کہ رات کو ہتھیار بند ہو کر سوتے' پہرے دار مقرر تھے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورت حال سے نمٹا جا سکے۔ ایک طرف تو کفار مکہ خود منظم ہو رہے تھے تاکہ مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کر سکیں دوسری طرف مدینے کے یہودیوں اور منافقین سے درپردہ مذاکرات بھی جاری تھے قریش نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا۔

انکم اویتم صاحبنا و انا نقسم باللہ لتقاتلنہ او لتخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نسائکم

(سنن ابی داؤد' ۲:۷۴)

آپ حضرات نے ہمارے صاحب کو پناہ دی ہے اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ ضرور ان سے لڑیں گے اور ضرور انہیں نکال دیں گے ورنہ ہم اکٹھے ہو کر آپ پر حملہ آور ہوں گے یہاں تک کہ آپ کے ساتھ سخت جنگ کریں گے آپ کی عورتوں کو اپنے قبضے میں کریں گے۔

محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم خود حملہ کر کے ان کا اور تمہارا صفایا کر دیں گے' عبداللہ بن ابی اندر سے مسلمانوں سے خائف تھا اس لئے اس نے سازشی عمل کو تیز تر کر دیا۔ مدینہ کے گردونواح میں آباد مختلف قبائل پہلے ہی قریش کے زیر اثر تھے کیونکہ کعبہ کے متولی ہونے کے ناطے سے پورے عرب میں قریش کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا' اس پس منظر میں مدینے کی نظریاتی ریاست کی سلامتی اور بقاء کے لئے اور مسلمانوں کے سماجی تحفظ (Social Security) کے لئے تاجدار کائنات ﷺ نے جو اقدامات کئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مواخات مدینہ کے ذریعہ انصار اور مہاجرین کو باہم شیر و شکر کر دیا انہیں اخوت اسلامی کے لازوال رشتوں میں باندھ دیا اس لئے کہ فکری رشتے اکثر اوقات خون کے

رشتوں سے بھی زیادہ پائیدار ہوتے ہیں' مہاجرین معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور اسلام کے تحفظ کے لئے پوری دلجمعی سے کام کرنے لگے۔

۲۔ میثاق مدینہ کے ذریعہ یہودیوں کو اس بات کا پابند کر لیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی حملہ آور کا ساتھ نہیں دیں گے۔

۳۔ مدینہ منورہ اور بحراحمر کے ساحل پر آباد قبائل کے ساتھ گفت و شنید کا آغاز کیا' اس سلسلہ میں قبیلہ بنی جہینہ کے ساتھ غیر جانبداری اور بنی حمزہ سے معاونت کا دفاعی معاہدہ طے پایا۔ اس دفاعی معاہدے میں بنی مدلج کی شمولیت سے اس معاہدہ کے افادی پہلوؤں میں مزید اضافہ ہوا اور ہر حوالے سے طاقت کا توازن مسلمانوں کے حق میں ہونے لگا۔

۴۔ مکہ سے شام جانے والی اہم تجارتی شاہراہ پر نگران گشتی دستے (Patrolling Units) بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ قریش پر مسلمانوں کی اہمیت واضح کی جائے اور انہیں باور کرایا جاسکے کہ ان پر حملہ کی صورت میں تجارتی شاہراہ کو بند بھی کیا جاسکتا ہے تاریخ کی شہادت ریکارڈ پر ہے کہ مسلمانوں نے نہ تو کوئی قافلہ لوٹا اور نہ کشت و خون ہی کی نوبت آئی۔

۵۔ جب دشمن نے مدینہ پر چڑھائی کی تو مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جب حملہ کی قبل از وقت اطلاع مل گئی تو شہر سے باہر نکل کر دشمن کو للکارا۔

۶۔ حضور ﷺ نے ہر سطح پر جذبہ جہاد کو متحرک اور فعال تحریک کی صورت میں زندہ رکھا۔ مہمات (Expedetions) کی روانگی سے صحابہؓ کی عملی تربیت کا اہتمام فرمایا۔

۷۔ تاجدار مدینہ ﷺ نے مجاہدین اسلام میں اخلاقی صفات پیدا کیں ایثار و انفاق کی قدروں کو فروغ دیا مادی مفادات کے لالچ کا خاتمہ کیا۔ خوف خدا کے علاوہ ہر خوف دلوں سے نکال کر مسلمانوں کو ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل کر دیا۔

۸۔ جنگ کا مقصود قیام امن' کفر و شرک کا قلع قمع' فتنہ و فساد کا خاتمہ اور مظلوموں

کی دادرسی قرار پایا۔

۹۔ مجاہدین کو اپنے قول و فعل سے یہ سبق سکھایا کہ مومن کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے اور اسی کی مدد و نصرت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۰۔ حضور ﷺ نے لوٹ مار اور قتل و غارتگری جیسے شیطانی تصورات کو ختم کر کے جنگ کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا اور آرزوئے شہادت کو پروان چڑھایا۔

۱۱۔ اپنے وسائل کے مطابق ہمیشہ جنگ کی پوری تیاری کی تاکہ پوری شدت کے ساتھ باطل کے سر کو کچلا جا سکے۔

۱۲۔ حضور ﷺ نے جو جنگی حکمت عملی وضع کی وہ حیران کن نتائج کے اعتبار سے اتنی مفید ثابت ہوئی کہ تاریخ آج بھی انگشت بدنداں ہے۔

۱۳۔ دشمن کی نقل و حرکت اور اس کے جنگی منصوبہ جات (War Plans) کے بارے میں مصدقہ اطلاعات کی فراہمی کے نظام کو موثر (Effective) بنایا گیا۔

۱۴۔ ممکن حد تک اپنی جنگی حکمت عملی کو خفیہ رکھا۔ صحابہؓ سے مشاورت کی اور صائب مشوروں کو قبول بھی کیا۔

۱۵۔ محدود وسائل میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنا اعلیٰ منصوبہ بندی کا ہی نتیجہ تھا۔

۱۶۔ میدان کارزار میں دوست دشمن کی پہچان ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے لیکن کوڈ ورڈز (Code Words) کے استعمال سے اس مشکل کا حل ڈھونڈ نکالا گیا۔

۱۷۔ حضور ﷺ نے جو دفاعی حکمت عملی اختیار کی اس کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ نفسیاتی محاذ پر جنگ میں کامیابی حاصل کر کے دشمن کے حوصلے پست کیے جائیں اور اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا جائے۔

۱۸۔ غزوہ بدر کے موقع پر صحابہؓ سے بھرپور مشاورت کی۔ ۳۱۳ مجاہدین میں ۶۰ مہاجر اور باقی انصار تھے' روانگی کے وقت حضور ﷺ نے اونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں اتروا دیں مبادا دشمن کو لشکر اسلام کے کوچ کرنے کی اطلاع ہو جائے' دشمن کی نقل

و حرکت سے باخبر رہنے کے لئے دو سوار لشکر کی روانگی سے پہلے بھیجے۔

۱۹۔ غزوہ بدر ہی میں ایک پہاڑی پر آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے ایک جھونپڑی بنوائی تاکہ میدان جنگ ہر لحہ نظروں کے سامنے رہے لشکر اسلام نے اونچائی پر پڑاؤ ڈالا جبکہ کفار نشیب میں تھے بارش ہوئی تو نشیب میں دلدل ہو گئی۔

۲۰۔ یوم بدر سے ایک شب قبل لشکر اسلام کی صف بندی (Array) ہوئی اور تقسیم عمل میں آئی اوس' خزرج اور مہاجرین کی تین جماعتیں بنائی گئیں ہر ایک جماعت کا الگ الگ علم دار مقرر کیا گیا صبح فوج کی قطار بندی ہوئی اور ضروری ہدایات جاری کی گئیں وہ یہ تھیں۔

i۔ حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کا آغاز نہیں کیا جائے گا۔

ii۔ صفیں نہیں توڑی جائیں گی۔

iii۔ دور سے دشمن پر تیر برسا کر تیر ضائع نہیں کئے جائیں گے۔

iv۔ قریب آنے کی صورت میں دشمن پر پتھروں سے حملہ کیا جائے گا۔

v۔ دشمن کے مزید قریب آنے پر نیزوں سے حملہ کیا جائے گا۔

vi۔ براہ راست آمنا سامنا ہو تو تلوار استعمال کی جائے گی۔

۲۱۔ غزوۂ احد میں بھی صحابہؓ سے مشاورت ہوئی۔ حضور ﷺ کا خیال تھا کہ شہر کے اندر سے مدافعت (Defence) کی جائے لیکن نوجوان صحابہؓ کے اصرار پر شہر سے باہر نکل کر احد کے میدان میں دشمن سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضور ﷺ خود اگلی صفوں میں تھے اس جنگ میں خواتین بھی شریک ہوئیں۔

۲۲۔ غزوۂ احد کے بعد کفار کا لشکر واپس ہوا تو اگلے روز ہی حضور ﷺ نے لشکر کفار کے تعاقب کا اعلان فرما دیا۔ اس تعاقب کی اہمیت یہ ہے کہ عارضی شکست کے بعد اس بات کا خدشہ تھا کہ قریش دوبارہ حملہ نہ کر دیں۔ دوسرے مدینہ منورہ کے وہ باشندے جو مسلمانوں کی عارضی شکست کے بعد مسلمانوں کا غلبہ نہیں چاہتے تھے۔ مسلمانوں کو کمزور پا کر علم بغاوت بلند کر سکتے تھے لیکن مسلمانوں کے اس طرز عمل سے ان کا

مرعوب ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

۲۳۔ حمراء الاسد کے مقام پر حضور ﷺ نے اہل لشکر کو الگ الگ مقام پر آگ روشن کرنے کا حکم دیا' پانچ سو الاؤ روشن ہوئے تو دشمن خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا۔ آج کل دوران جنگ رات کے وقت بلیک آؤٹ (Black Out) کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے آگ روشن کر کے کیموفلیجنگ (Camouflaging) کا ایک عجیب نمونہ پیش کیا' معبد خزاعی کے ذریعہ لشکر کفار کی نقل و حرکت کی برابر خبریں مل رہی تھیں۔ جب اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ دشمن لوٹ کر حملہ آور نہیں ہو گا تو آپ ﷺ بھی واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

۲۴۔ بنو نضیر نے عہد شکنی کی تو حضور ﷺ نے انہیں تجدید عہد کا پورا پورا موقع فراہم کیا ان کی مسلسل ہٹ دھرمی پر ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انہیں عبداللہ بن ابی اور بنو قریظہ کی جانب سے امداد کی توقع تھی جو پوری نہ ہوئی کیونکہ مسلمان' عبداللہ بن ابی اور بنو قریظہ پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے' کچھ عرصہ بعد بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیئے ان کی درخواست پر انہیں اپنے مال و اسباب کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل جانے کی اجازت دے دی گئی حالانکہ مسلمان ان پر غلبہ حاصل کر چکے تھے' غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر مدینہ منورہ کے گرد خندق (Trench) کھود کر شہر کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا گیا' کفار کو خندق دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی' عربوں کے لئے یہ حکمت عملی بالکل نئی چیز تھی جس کا ان کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا' حضور ﷺ نے خود خندق کھودنے کے عمل میں حصہ لیا' آقائے دوجہاں ﷺ کی راتیں فیلڈ کیمپ میں ہی گزرنے لگیں' وقفے وقفے پر پہرے دار مقرر کئے گئے' خواتین اور قیمتی ساز و سامان کو محفوظ مقام تک پہنچا دیا گیا۔

باب - ۴

ماہرین حرب کے نزدیک سالار لشکر کی خصوصیات

تاریخ انسانی جنگ کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں پر آج بھی نوحہ کناں ہے۔ ہوس ملک گیری اور فاتح عالم بننے کے شوق نے کتنے انسانوں کا ناحق خون بہایا تاریخ اس کا ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہے‘ اسلام نے تصور جنگ کی جگہ تصور جہاد دیا‘ اور اسے عبادت بنا دیا‘ جہاد کو دیگر اقوام کے قتل عام سے نہیں بلکہ فتنہ و فساد کو ختم کر کے عالمی سطح پر امن کے قیام سے مشروط کر دیا گیا۔ میدان جنگ میں مرکزی حیثیت سالار لشکر کو حاصل ہوتی ہے‘ اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے ایک سپہ سالار ہاری ہوئی بازی بھی جیت لیتا ہے اور قوت فیصلہ سے محروم سپہ سالار اور بروقت فیصلے نہ کرنے کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ بھی ہار بیٹھتا ہے۔ ایک فوج کے سپہ سالار کے اوصاف کو ارباب علم و دانش نے ہر عہد اور ہر دور میں موضوع بحث بنایا ہے اور اپنے تجربات کی روشنی میں ایک مثالی سالار لشکر کا تصور پیش کیا ہے۔

ا۔ سقراط

ایک سپہ سالار کے لئے یہ جاننا نہایت اہم ہے کہ اس کی فوج کو سامان رسد کہاں سے ملے گا اس میں جنگی سکیم تیار کرنے اور پھر اس پر عملدر آمد کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہئے اسے باریک بین‘ سادہ دل‘ جفاکش‘ کبھی رحم دل اور کبھی سخت دل ہونا چاہئے۔ کبھی چوکیدار کی مانند خبردار اور کبھی چور کی طرح موقع کی تلاش میں‘ کبھی فیاض‘ کبھی کفایت شعار‘ کبھی بے باک‘ کبھی محتاط‘ کبھی بردبار اور کبھی چالاک‘ ان میں سے بعض صفات تو فطرتاً موجود ہوتی ہیں بعض کے لئے محنت درکار ہوتی ہے۔ سپہ سالار کو فن جنگ اور دفاعی سیاست کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔

۲۔ جنرل سنتزو

ا۔ اعلیٰ اور کمتر درجہ کی فوجوں کو لڑانے کا فن جانتا ہو۔

۲۔ دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ ہو۔

۳۔ مشکلات' خطرات اور فاصلوں کا صحیح اندازہ ہو۔

۴۔ جاہ طلبی کا خواہشمند نہ ہو۔

۵۔ سپاہیوں سے اولاد کی طرح محبت کرتا ہو۔

۶۔ مشکل گھڑیوں میں جرات و شجاعت کا مظاہرہ کرے۔

۳۔ فیلڈ مارشل ویول

۱۔ انسانیت کا علم اور اس سے دلچسپی

۲۔ فتح کا عزم صمیم

۳۔ حوصلہ مندی

۴۔ عقل سلیم

۴۔ جنرل برن

۱۔ سپاہیوں کے لئے منبع فیض

۲۔ اپنی اور دشمن کی فوج کی صلاحیت کا علم

۳۔ دشمن کے کمانڈر کے کردار کا علم

۴۔ جنگ کے اصولوں کے مطابق منصوبہ بندی اور اس کا نفاذ

مندرجہ بالا آراء کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ نبی آخر الزمان ﷺ بحیثیت سپہ سالار کیا ان خوبیوں سے کہیں بہتر خوبیوں کے مالک نہ تھے؟ شخصیت کے کسی منفی پہلو کا تصور تک حیات طیبہ میں ممکن نہیں' بے داغ اور شفاف شخصیت' پھولوں سے زیادہ شگفتہ اور معطر' ستاروں سے اجلی اور روشن شخصیت' ہر آلائش سے پاک' ہر کمزوری سے مبرا' ہر حسن کی انتہاء' ہر رعنائی کی آبرو' چاند بھی جن کے نقوش پا سے اجالوں کی خیرات کا طلبگار ہو' انہی خوبیوں کے باعث صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے جاں

نثار ساتھی بن گئے جس کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔

۵۔ گاڈ فری ہگنیس کی رائے

مصنف اپنی کتاب Apology for Muhamed میں رقمطراز ہے۔

"عیسائی اس بات کو یاد رکھیں کہ محمد ﷺ نے اپنے پیروؤں میں جو نشہ پیدا کر دیا تھا اسے عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کی طرف لے جایا گیا تو ان کے پیرو کار بھاگ کھڑے ہوئے ان کا دینی نشہ کافور ہو گیا اور اپنے لیڈر کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے برعکس محمد ﷺ کے ماننے والے اپنے مظلوم پیغمبر کی مدد کو آئے اور آپ ﷺ کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں کو خطرات میں ڈال کر انہیں غالب کر دیا"

سپاہی کے اوصاف

سپاہی جنگی حکمت عملی کے نقشے میں اپنے خون سے رنگ بھرتا ہے۔ ثابت قدمی اور جاں فروشی کا مظاہرہ کرنے کے لئے بلند کردار کی ضرورت ہوتی ہے کردار کی پختگی کسی بلند نصب العین کے بغیر ممکن نہیں سپہ سالار کا کام ہے کہ وہ سپاہیوں میں یہ صفات پیدا کرے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک اچھے سپاہی میں درج ذیل خصوصیات پائی جانی چاہیں۔

۱۔ اطاعت امیر (Submission to the Commander)

۲۔ کمانڈر پر غیر متزلزل یقین

(Unshakeable Faith On Commander)

۳۔ کمانڈر کی عظمت کا احساس

(Recognition of Commander's Greatness)

۴۔ نظم وضبط (Discipline)

۵۔ جنگی مہارت (War Skill)

۶۔ جسمانی صحت (Physical Fitness)

۷۔ اسلحہ کے استعمال کی صلاحیت

(Capability to use the weapons)

۸۔ مستعدی (Readiness)

۹۔ حرکت پذیری (Mobility)

۱۰۔ نصب العین سے وفاداری (Sincerity with the Cause)

اس میدان میں بھی جب صحابہؓ کا دنیا کی دیگر افواج کے کردار سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ان افواج کے سپاہی صحابہؓ کے سامنے بونے نظر آتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فیضان نظر سے صحابہؓ میں نہ صرف مندرجہ بالا خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں بلکہ آپ ﷺ کی تربیت نے ان کو اس سے کہیں ہزار درجہ بہتر کردار کا مالک بنا دیا تھا۔ جن اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے یہ صرف لکھنے پڑھنے اور سننے میں آتے ہیں جبکہ عملی طور پر ہمیں ان کی کوئی جھلک دیگر افواج میں نہیں ملتی جبکہ مجاہدین اسلام نے ہمیشہ ایک مثالی کردار کا مظاہرہ کر کے دکھایا۔

باب ۵

غیر مسلموں کا خراج تحسین

رسول اکرم ﷺ کی عسکری بصیرت کو غیر مسلم مصنفین نے اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

ا۔ ولیم ڈریپر

ولیم ڈریپر (William Draper) اپنی کتاب "یورپ کی تاریخ ادب" میں رقمطراز ہے۔

"Muhammad Possessed that combination of qualities which more than once have decided the fate of empires. He declared, there is but one God and Muhammad is His Prophet' who ever desires to know whether event of things. answered to the boldness of such an announcement, will do well to examine a map of the world in our time. He Will find the marks of something more than imposture. To be the religious head of many empires, to guide the daily life of one third of the human race may perhaps justify the title of Massenger of God."

"محمد (ﷺ) ایسی صفات اور کمالات کے مالک تھے کہ جن کی بدولت انہوں نے کئی بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا انہوں نے یہ اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔ اگر کوئی شخص اس دلیرانہ اعلان کی سچائی کو پرکھنا چاہے اسے دنیا کا نقشہ ملاحظہ کرنا چاہیئے اس کو یقین آ جائے گا کہ اتنی زیادہ سلطنتوں پر حکمرانی کرنے والا اور دنیا کی ایک تہائی آبادی کے دلوں پر راج کرنے والا اللہ کے پیغمبر ہونے کے ٹائٹل کا حق دار

ہے۔

۲۔ لامارٹائن

فرانس کے شہرہ آفاق مفکر لامارٹائن (Lamartine) نے اپنی کتاب Histoire De la Turquie میں یوں اعتراف کیا۔

Finally, never has a man accomplished such a huge and lasting revolution in the world because in less than two centuries after its appearance, Islam in faith and in arms, reigned over the whole of Arabia, conquered, in God's name, Persia, Khorasan, Transoxania, Western India, Syria, Egypt, Abyssinia, all the known continent of Northern Africa, numerous islands of the Mediterranean, Spain and a part of Gaul.

"بالآخر کبھی کسی فرد بشر نے اس قدر عظیم و جلیل اور ہمیشہ رہنے والا انقلاب دنیا میں نہیں برپا کیا کیونکہ دو صدیوں سے بھی کم عرصے میں اسلام نے دینی اور عسکری طور پر تمام سرزمین عرب پر اپنی عملداری قائم کر لی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ایران، خراسان، Transoxania، مغربی ہندوستان، شام، مصر، حبشہ، جنوبی افریقہ کا تمام براعظم معلومہ، بحر اوقیانوس کے لاتعداد جزائر، سپین اور گال (Gaul) کو جزواً فتح کر لیا۔" وہ مزید لکھتا ہے۔

Philosopher, orator, apostle, legislator, warrior conqueror of ideas, restorer of rational dogmas' of a cult without images, the founder of twenty terrestial

empires and of one spiritual empire, that is Muhammad. As reqards all standards by which human greatness may be measured, we may well ask, is there any man greater than he?

فلاسفر' مقرر' پیغمبر' قانون ساز' جرنیل' فاتح۔ بیس دنیاوی اور ایک روحانی سلطنت کا بانی۔ یہ ہے محمد (ﷺ) انسانی عظمت کو ناپنے والے جملہ معیاروں پر غور کرنے کے بعد ہم سوال کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ان سے بڑھ کر عظیم ہو سکتا ہے۔

فرانسیسی مفکر اس سے قبل یوں لکھتے ہیں۔

If greatness of purpose, smallness of means and astounding results are the three criteria of human genius, who could dare to compare any greatman in modern history with Muhammad.

اگر عظمت کا معیار نصب العین کی بلندی' ساز و سامان کی قلت اور حیران کن نتائج ہیں۔ تو جدید دور میں محمد (ﷺ) کے مقابلے میں کسی اور کو لانے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔

۳۔ ڈبلیو اروِنگ

ڈبلیو ارونگ W.Irving اپنی کتاب

"Muhammad and His Followers" میں رقمطراز ہیں۔

His intellectual qualities were undoubtedly of an extraordinary kind. He has a quick apprehension, retentive memory, a vivid imagination an inventive genius

آپ (ﷺ) کے ذہنی اوصاف بلاشبہ غیر معمولی نوعیت کے تھے۔ آپ (ﷺ) زود فہمی' دیرپا یادداشت' روشن تخیل اور تخلیقی ذہن کے مالک تھے۔

۴۔ باسورتھ سمتھ

باسورتھ سمتھ (Bosworth smith) اپنی کتاب Muhammad and Muhamadanism میں لکھتے ہیں۔

On the whole the wonder to me is not how much but how little Muahmmad differed from himself under different circumstances. In the shaphered of the desert, in the reformer in the minority of one, in the exile of Medina, in the acknowledged conqueror, in the equal to persian chosrroes and the greek Heraclius, we can still trace to substantial unity. I doubt whether any other man whose external conditions changed so much, ever changed himself less to meet them.

بحیثیت مجموعی مجھے اس بات پر حیرت نہیں کہ بدلتے ہوئے حالات میں محمد (ﷺ) نے اپنے آپ کو کتنا زیادہ تبدیل کیا بلکہ حیرانی اس بات پر ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو کتنا کم تبدیل کیا۔ ان کو مرد صحرائی کی حیثیت سے دیکھا جائے یا مدینہ کے تنہا مصلح کی حیثیت سے یا ایرانی کسریٰ اور یونانی ہرکولیس کی طرح ایک فاتح اعظم کی حیثیت سے دیکھا جائے آپ ﷺ ہمیشہ ہر حال میں یکساں رہے ہمیں دنیا میں کوئی ایسا انسان نظر نہیں آتا جس نے اتنی عظیم خارجی تبدیلیوں کے باوجود ان سے نمٹنے کے لئے اپنے آپ کو بہت کم تبدیل کیا ہو۔

ایک دوسرے مقام پر مصنف یوں اعتراف کرتا ہے۔

Head of state as well as church, Muhammad was caesar and pope in one. But he was pope without pope's pretentions and caesar without the legious of caesar. Without a standing army, without a guard, without a palace, without a fixed revenue; if any man has the right to say that he ruled by the Divine right, it is Muhammad for he had all power without its instruments and without its supports.

سیاسی اور مذہبی قائد ہونے کے ناتے محمد (ﷺ) بیک وقت پوپ بھی تھے اور قیصر بھی۔ پوپ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو پوپ کی طرح نہیں رکھتے تھے۔ آپ (ﷺ) قیصر تھے لیکن شاہانہ شان وشوکت سے دور تھے۔ نہ آپ (ﷺ) کے پاس مستقل فوج تھی نہ باڈی گارڈ' نہ محل نہ مقررہ مالیات کا نظام۔ دنیا میں اگر کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ اسے حکومت کرنے کا خدائی حق حاصل ہے تو وہ محمد (ﷺ) ہیں کیونکہ قوت کے ظاہری لوازمات اور مظاہر کے بغیر ان کو تمام اختیارات حاصل تھے۔

۵۔ ٹائن بی

دور حاضر کا مشہور مورخ ٹائن بی (Toyn bee) رسول اکرم ﷺ کے پیدا کردہ جذبہ جہاد کے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

Pan- Islamism is dormant. Yet we have to reckon with the possibility that the sleeper may awake that all might have incalculable psychological affects in

evoking the millitant spirit of Islam even it had slumbered as long as the seven sleepers because it might awaken echoes of a heroic age.

مسلمانوں کا اسلام زندہ باد کا نعرہ سرد ست خفتہ ہے تاہم ہمیں اس امکان کو وزن دینا ہو گا کہ سونے والا بیدار بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کی جنگجویانہ روح کو بیدار کرنے میں کئی نفسیاتی عوامل کارفرما رہتے ہیں خواہ یہ اصحاب کہف کی طرح کئی سو سال تک سویا رہے اور پھر یہ مسلمانوں کے دور عروج کی صدائے بازگشت ثابت ہو۔

۶۔ گاڈفری جینسن

رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی جو روح پھونکی تھی اس کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ مسلمانوں میں ہزار خرابیوں کے باوجود آج بھی عالم کفر مسلمانوں سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے لکھی گئی کتاب "Millitant Islam" کا مصنف گاڈفری جینسن (Godfery Jansen) اسلامی ممالک میں نفاذ اسلام کے حوالے سے بیداری کی لہر کے بارے میں تحریر کرتا ہے۔

But this is only the most recent episode in the long history of Millitant Islam, as history as old as Islam itself. And, in future, as long as Islam retains any real rilality it will necessarily contain within it elements of political militancy

لیکن جنگجو اسلام کی تاریخ میں یہ حال ہی کا واقعہ ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی جنگجویانہ حیثیت اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود اسلام اور جب تک اسلام کی حیثیت برقرار ہے مستقبل میں بھی یقیناً اس کے اندر جنگجویانہ صفت موجود رہے گی۔

۷۔ ڈبلیو منٹگمری واٹ

ڈبلیو منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) اپنی کتاب "محمد (ﷺ) مکہ میں" (Muhammad at Mecca) میں لکھتا ہے۔

"His readiness to undergo persecution for his beliefs, the high moral character of the men who believed in him and looked up to him as leader, and the greatness of his ultimate achievement - all argue his fundamental integrity To suppose Muhammad as imposter raises more problems than it solves. Moreover, none of the great figures of history is so poorly appreciated in the West as Muhammad. Thus, not merely must we credit Muhammad with essential honesty and integrity of purpose, if we are to understand him at all: if we are to correct the errors we have inherited from the past, we must in every particular case hold firmly to the belief in his sincerity until the opposite is conclusively proved, and we must not forget that conclusive proof is a much stricter requirement than a

show of plausibility, and in a matter such as this only to be attained with difficulty."

آپ (ﷺ) کا اپنے عقائد کے لئے ظلم و ستم برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا' آپ کے نام لیواؤں کا جو آپ کو اپنا راہنما تسلیم کرتے تھے' اعلیٰ اخلاق و کردار اور بالآخر آپ کی کامیابیوں کی عظمت یہ سب کچھ آپ کی پختہ کرداری اور دیانت پر دلالت کرتا ہے۔ محمد (ﷺ) کے بارے میں دغا باز ہونے کا مفروضہ قائم کرنا مسائل حل کرنے کی بجائے زیادہ مسائل اور الجھنیں پیدا کرتا ہے۔ مزید بر آں مغرب میں کسی عظیم تاریخی شخصیت کے بارے میں اتنے غلط و ناقص اندازے نہیں لگائے گئے جتنے کہ محمد (ﷺ) کے بارے میں لگائے گئے' لہٰذا ہمیں نہ صرف محمد (ﷺ) کی مقصد سے وابستہ ایمانداری اور دیانت کو تسلیم کرنا ہو گا اگر ہمارا داعیہ انہیں سمجھنے کا ہے اور اگر ہمیں ان غلطیوں کی اصلاح کرنی ہے جو ہمیں ماضی سے ورثہ کے طور پر ملی ہیں بلکہ ہمیں ہر خاص معاملے میں ان کے خلوص پر اس وقت تک پختگی سے اعتقاد رکھنا ہو گا جب تک اس کے برعکس حتمی طور پر ثابت نہ ہو جائے اور ہمیں ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ حتمی ثبوت کی فراہمی محض دلیل بازی اور بدنیتی پر مبنی منطق آرائی سے کہیں زیادہ کڑی شرط ہے اور جو اس قسم کے معاملے میں بمشکل پوری کی جا سکتی ہے۔

۸۔ ایچ ایچ ہائنڈ مین

ایچ ایچ ہائنڈ مین (H. H. Hyndman) اپنی قابل ستائش تصنیف "ایشاء کی بیداری" (The awakening of Asia) میں بیان کرتا ہے۔

"This very human prophet of God.........had such a remarkable personal influence over all with whom he was brought into contact that, neither when a poverty stricken and hunted

fugitive, nor at the height of his prosperity, did he ever have to complain of treachery from those who had once embraced his faith. His confidence in himself, and in his inspiration from on high, was ever greater when he was suffering under disappointment and defeat ever than when he was able to dictate his own terms to his conquered enemies. Mohammad died as he had lived, surrounded by his early followers, friends and votaries, his death as devoid of mystery as his life of disguise."

"لباس بشریت میں ملبوس پیغمبر خدا (ﷺ) کا ان سب پر جن کے ساتھ ان کا قریبی واسطہ پڑا' اتنا زبردست ذاتی اثر و رسوخ تھا کہ نہ صرف تب جب وہ عسرت زدہ مہاجر تھے اور نہ ہی اس وقت جب وہ کمال درجہ خوشحال تھے انہوں نے کبھی ان افراد سے جو ان کے حلقہ بگوش ہوئے غداری و بے وفائی کا شکوہ کیا۔ ان کا اپنی ذات پر اعتماد اور ذات کبریا (اللہ تعالیٰ) پر بھروسہ اس وقت بھی جب وہ مایوس کن پریشانیوں اور ہزیمت سے دوچار تھے بدرجہا زیادہ تھا بہ نسبت اس وقت کے جب وہ اپنے شکست خوردہ دشمنوں سے اپنی شرائط منوانے کی پوزیشن میں تھے۔ محمد (ﷺ) نے جیسے زندگی گزاری اسی طرح ان کی وفات ہو گئی اور اس وقت ان کے گرد ابتدائی ایام کے پیروکار' دوست اور جان نثار ساتھی تھے۔ ان کا انتقال فرما جانا اسی طرح پراسراریت سے خالی تھا جس طرح ان کی زندگی بہروپ سے خالی تھی۔"

۹۔ جیمز اے میکنر

جیمز اے میکنر (James a Mechener) اپنی گرانقدر تصنیف "اسلام مخالفوں کا شکار مذہب"

(Islam: The Misunderstood Religion) میں رقمطراز ہے۔

Forced now to fight in defence of the freedom of conscience which he preached, he became an accomplished military leader. Although he repeatedly went into battle outnumbered and outspeared as much as five to one, he won some spectacular victories."

"آزادی ضمیر کے دفاع جس کے وہ مبلغ تھے کی خاطر جنگ کرنے پر مجبور ہونے کے بعد وہ ایک بلند پایہ عسکری سپہ سالار بن گئے۔ اگرچہ وہ بار بار اس حال میں جنگ آزما ہوئے کہ ان کے مد مقابل کو تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ایک کے مقابلے میں پانچ کی برتری حاصل تھی۔ انہیں بعض قابل ذکر بے مثال فتوحات نصیب ہوئیں۔

۱۰۔ سٹینلے لین پول

سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) اپنی تصنیف "پیغمبر محمد (ﷺ) کی تقاریر اور مجلسی باتیں"

(The Speeches and Table Talk of the Prophet Mohammad)

میں لکھتا ہے۔

"The day of Mohammad's greatest triumph over his enemies was also the day of his

grandest victory over himself. He freely forgave the Koraysh all the years of sorrow 'and cruel scorn in which they had afflicted him and gave an amnesty to the whole population of Mekka. Four criminals whom justice condemned made up Mohammad's proscription list when he entered as a conqueror to the city of his bitterest enemies. The army followed his example, and entered quietly and peacefully; no house was robbed, no women insulted. One thing alone suffered destruction. Going to the Kaaba, Mohammad stood before each of the three hundred and sixty idols, and pointed to it with his staff, saying, 'Truth has come and falsehood has fied away!, and at these words his attendants hewed them down, and all the idols and household gods of Mekka and round about were destroyed.

"It was thus Mohammad entered again his native city, Through all the annals of conquest there is no triumphant entry comparable to this one."

محمد (ﷺ) کی اپنے دشمنوں پر عظیم ترین نصرت و ظفریابی کا دن ان کے لئے اپنے آپ پر سب سے زیادہ عظیم الشان فتح حاصل کرنے کا دن تھا۔ انہوں نے قریش کے سالہا سال کے تمام مصائب و آلام اور ظالمانہ تضحیک آمیز سلوک کو معاف کر دیا جس کا انہیں نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہوں نے مکہ کی تمام آبادی کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اپنے بدترین دشمنوں کے شہر میں بطور فاتح داخل ہوئے تو محمد (ﷺ) نے صرف ان چار مجرموں کو گردن زدنی قرار دیا جو انصاف کی رو سے مستوجب سزا پائے گئے۔ ان کی فوج نے اس مثال کی تقلید کی اور وہ خاموش اور امن و آشتی کے ساتھ وارد شہر ہوئی۔ کوئی مکان لوٹا گیا نہ کسی عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ صرف اور صرف ایک ہی چیز تباہی کی زد میں آئی۔ کعبے کے اندر داخل ہو کر محمد (ﷺ) تین سو ساٹھ بتوں میں سے ہر ایک کے آگے کھڑے ہو جاتے اور اپنے عصا سے اس کی طرف یہ کہتے ہوئے اشارہ کرتے "حق آگیا ہے اور باطل بھاگ گیا ہے۔" ان الفاظ کو سن کر ان کے خدام بتوں کو کلہاڑی کی ضرب سے نیچے گرا دیتے۔ اس طرح تمام بت اور مکہ کے گھروں میں رکھے ہوئے (خود ساختہ) خدا نیست و نابود کر دیئے گئے۔"

"محمد (ﷺ) اس انداز سے اپنے آبائی شہر میں دوبارہ داخل ہوئے۔ فتح کی تمام داستانوں میں اس سے زیادہ فاتحانہ شان سے داخلے کی مثال اور کہیں ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔"

وہ اپنی تصنیف حیات محمد (ﷺ)

(Life of Mohammad) کے صفحہ 98 پر لکھتا ہے۔

"A great king is the result of a great need, when the nation is sore beset, when the times are full of presage and ruins hang ominously on the horizon; then the great

being comes to rescue the people from danger to restore order and well being and to reign over a realm once made happy and prosperous by his efforts."

"ایک عظیم بادشاہ ایک عظیم ضرورت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتا ہے جب قوم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ نحوستوں کی گھٹائیں ہر طرف زمانے پر چھا جائیں اور افق پر تباہ کاریوں کے سائے منڈلانے لگیں تب ایک عظیم شخصیت عامۃ الناس کو خطرات کی زد سے باہر نکالنے کے لئے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے تاکہ نظم و قانون کی بحالی اور بہتری عمل میں آ جائے اور ایک ایسی اقلیم پر حکومت قائم ہو جائے جسے ان کی مساعی جمیلہ نے مسرت اور خوشحال بنا دیا ہے۔"

۱۱- آرتھر گلمین

عیسائی مصنف آرتھر گلمین (Arthur Gilman) اپنی کتاب (The Saracens) میں رقم طراز ہے۔

"In comparison, for example' with the cruelty of the Crusaders, who, in 1099, put seventy thousand Muslims, men, women and helpless children to death when Jerusalem fell into their hands; or with that of the English army, also fighting under the Cross, which in the year of grace 1874 burned an African capital, in its war on the Gold Coast, Muhammad's victory was in very truth one of religion and not of politics; he rejected

every token of personal homage, and declined all regal authority; and when the haughty chiefs of the Koreishites appeared before him he asked:

"What can you expect at my hands?

"Mercy, O generous brother:

"Be it so; you are free"[1] he exclaimed.

موازنہ کرنے سے صلیبی جنگ بازوں کی وہ مثال سامنے آتی ہے جس میں انہوں نے 1099ء میں ستر ہزار مسلمانوں، مردوں، عورتوں اور بے یارومددگار بچوں کو یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا تھا یا صلیب کے زیر سایہ لڑتی ہوئی انگریز فوج کی مثال جس نے 1874ء کے خدائی انعام کے سال میں ایک افریقی دارالحکومت کو گولڈ کوسٹ کے معرکے میں نذر آتش کر دیا تھا۔ (اس کے مقابلے میں) محمد (ﷺ) کی فتح، حق گوئی سے کام لیا جائے، مذہب کی فتح تھی نہ کہ سیاست کی۔ انہوں نے اپنی ذات کے لئے ذاتی تفاخر کے ہر اظہار کو رد کر دیا اور شاہی جاہ و جلال کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور جب قریش کے متکبر اور مغرور سرداران کے سامنے حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا

"تم مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟" "رحمدلی کی، اے فیاض و مہربان بھائی" وہ کہنے لگے۔ آپ (ﷺ) اس پر بے ساختہ پکار اٹھے "ایسا ہی ہو گا، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

۱۱۔ ایڈورڈ گبن

نامور مورخ ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) اپنی شہرت یافتہ کتاب "سلطنت روم کے زوال وانحطاط کی تاریخ"

(The History of the Decline and Fall of

Roman Empire)

میں پیغمبر اسلام (ﷺ) کے عظیم اوصاف کو گنواتے ہوئے کہتا ہے۔

"His (i.e.,Muhammad's) memory was capacious and retentive, his wit easy and social, his imagination sublime, his judgment clear, rapid and decisive. He possessed the courage of both thought and action; and......the first idea which he entertained of his divine mission bears the stamp of an original and superior genius."

آپ (محمد ﷺ) کی یادداشت بہت وسیع اور ہمیشہ رہنے والی تھی۔ معاملہ فہمی اور ذہانت سہل اور معاشرتی پہلو لئے ہوئے تھی۔ تخیل انتہائی شاندار قیافہ شناسی واضح، تیز اور فیصلہ کن، خیال اور عمل دونوں میں وہ جرات و حوصلہ کے مالک تھے.......... اپنے خدائی مشن میں پہلا خیال جو ان کے حیطہ دماغ میں در آیا وہ اصلی اور بلند تر اعلیٰ نابغیت کی چھاپ لئے ہوئے ہے۔

۱۳۔ ایمانوئیل ڈائش

ایمانوئیل ڈائش (Emmanuel Deutsch) کہتا ہے۔

"By the aid of the Quran the Arabs conquered a world greater than that of Alexander the Great, greater than that of Rome and in as many tens of years as the latter had wanted hundreds to accomplish her conquests; by the aid of which they

alone of all the Semites, came to Europe as kings, whither the Phoenicians had come as tradesmen, and the jews as fugitives or captives. They came to Europe to hold up the light to humanity; they alone, while darkness lay around, to raise up the wisdom and knowledge of Hellas from the dead, to teach philosophy, medicine, astronomy and the golden art of song to the West as well as to the East, to stand at the cradle of modern science, and to cause us late epigoni for ever to weep over the day when Grenada fell."

"قرآن کی مدد سے عربوں نے اسکندر اعظم سے کہیں زیادہ دنیا کو اپنے زیر نگیں کر لیا جو روم کی سلطنت سے بھی عظیم تر ہے اور اس میں اتنے عشرے لگے جتنے کہ آخر الذکر کو اپنی فتوحات کے حصول کے لئے اتنی ہی صدیاں درکار تھیں جن کی تائید و مدد سے وہ تمام سامی النسل باشندوں سے الگ تھلگ بادشاہوں کی طرح یورپ میں وارد ہوئے جہاں فونیشیائی باشندے (Phoenicians) تاجروں کے بھیس میں آئے تھے اور یہودی پناہ گیروں اور قیدیوں کی طرح وہ یورپ میں انسانیت کو علم کی مشعل سے منور کرنے کے لئے آئے۔ یہ مشعل انہوں نے اکیلے روشن کی جبکہ گردوپیش کی دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مردہ (متروک) سے ہیلس (Hellas) کی علم و حکمت کا احیاء کیا۔ وہ مغرب اور مشرق کو فلسفہ' طب' علم فلکیات اور نغمہ سرائی کے سنہری فن سکھانے کی تعلیم دینے کی خاطر آئے۔ ان کی آمد جدید سائنس کے گہوارے کے قریب

کھڑے ہونے کا پیش خیمہ تھی۔

انہوں نے ہم کو ہمیشہ کے لئے اس دن پر سوگوار اور گریہ کناں چھوڑ دیا جس دن غرناطہ کا سقوط عمل میں آیا تھا۔

۱۴۔ نپولین بوناپارٹ

نامور فاتح یورپ نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) کا کہنا ہے۔

"Mohammad, in reality, was a great leader of mankind. He preached UNITY among Arabs who were till then, torn as - under to internecine quarrels, sometime resulting in bloody warfares. He brought them out of the depth of degradation and taught them the way in which they should live as human beings. His followers conquered half of the world in a short time and the discipline which they maintained under his leadership was simply marvellous, and so was their bravery, courage and devotion to the cause which they loved and cherished. This, coupled with the contempt for death as taught by their leader, made them great soldiers and fighters like of whom history rarely produces. I simply marvel at the

achievements of this Son of the Desert within a period of 15 years only— a thing which Moses and Christ could not do in fifteen hundred years.
I salute this great-man; I salute his qualities of head and heart."

"محمد (ﷺ) در حقیقت بنی نوع انسان کے ایک عظیم راہنما تھے۔ انہوں نے عربوں میں اتحاد و یکجہتی کا پرچار کیا جو اس وقت باہمی جھگڑوں اور مفسدہ پردازیوں کے باعث انتشار اور نااتفاقی کا شکار تھے جس کا نتیجہ بعض اوقات خونی جنگوں کی صورت میں نکلتا تھا۔ آپ (ﷺ) نے ان کو ذلت و رسوائی کی پستی سے باہر نکالا اور انہیں انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا قرینہ سکھایا۔ آپ کے پیروکاروں نے مختصر عرصے میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا اور وہ نظم اور پابندی قانون جس کو انہوں نے آپ (ﷺ) کی راہنمائی میں برقرار رکھا حیران کن تھی جس طرح ان کی جرأت و بہادری اور مقصد سے لگن تھی جس کو وہ دل و جان سے عزیز رکھتے۔ ان کے اس شعار اور موت کو حقیر سمجھنے کے عمل نے جس کی تعلیم ان کے ہادی نے انہیں دی تھی ان کو عظیم سپاہی اور مجاہد بنا دیا جن کی نظیر تاریخ شاذ ہی پیش کر سکتی ہے۔ میں پندرہ سال کے محدود عرصے میں فرزند صحرا کی نمایاں کامیابیوں پر انگشت بدنداں ہوں۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) پندرہ سو سالوں میں بھی انجام نہ دے سکے۔ میں اس عظیم انسان کو سلام کرتا ہوں۔ میں ان کی دل و دماغ کی صفات حمیدہ کو سلام کرتا ہوں۔

۱۵۔ پروفیسر لارا ویکشیا ویگلیری

پروفیسر لارا ویکشیا ویگلیری (Laura Veccia Vaglieri)

نے اپنی کتاب "اسلام کی ایک تعبیر" (An Interpretation of Islam) میں ان اسباب کا کھوج لگایا ہے جو دنیا میں اسلام کے سریع الرفتار پھیلاؤ کا باعث بنے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

"*It is difficult to appreciate the speed with which Islam accomplished its conquests and changed from the religion of a few enthusiasts to that of millions. It is still a puzzle to the human mind to discover what were the secret forces which enalbed the rough warriors to triumph over people so far their superiors in civilization, wealth, experience and ability to wage war. It is surprising how these people could occupy so much territory, and consolidate their conquests in such a way that even centuries of warfare did not succeed in dislodging them; how they could inspire their followers with so much zeal for their ideals, preserve a pulsating vitality unknown to other religions, even ten centuries after the death of Muhammad; and infuse into the minds of their followers, although of an age and culture quite different from that of the first*

Muslims, a burning faith capable of any sacrifice.

"War, this horrible necessity of human life was in practice made less cruel by him." Another reports that he was accustomed to give his order to his soldiers. Spare the aged, the women and the children, refrain from demolishing the homes of those who do not resist you, do not destroy their means of substenance; do not destroy fruit trees and do not touch palm trees."

"اسلام نے جس تیز رفتاری سے فتوحات حاصل کیں اور پیروکاران اسلام کی تعداد مٹھی بھر جوشیلے مسلمانوں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچا دی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ انسانی ذہن آج بھی اس معمے کا حل دریافت کرنے سے قاصر ہے کہ وہ کونسی خفیہ قوتیں تھیں جن کے بل بوتے پر کندہ ناتراش جنگجو اس قابل بن گئے کہ تہذیب و تمدن' دولت' تجربہ اور جنگی صلاحیت کے لحاظ سے اپنے سے کہیں برتر حریفوں پر غالب اور فتح مند ہو گئے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ یہ بدو لوگ اتنے بڑے علاقے پر قابض ہو گئے اور انہوں نے اپنی فتوحات کو اس حد تک مستحکم بنا لیا کہ صدیوں تک لڑنے والی جنگیں ان سے وہ علاقے واگزار نہ کرا سکیں اور کس طرح محمد (ﷺ) کی وفات سے صدیوں بعد بھی وہ اپنے بعد آنے والی نسلوں میں حصول مقاصد کے لئے وہ جوش و جذبہ پیدا کر سکے اور اس متموج قوت و توانائی کو برقرار رکھ سکے جس سے دیگر ادیان عالم ناآشنا ہیں اگرچہ وہ اپنی عمر اور ثقافت کے اعتبار سے دور اول کے مسلمانوں سے یکسر مختلف تھے جن کا جوش مارتا عقیدہ و مذہب کسی بھی قربانی کا اہل تھا۔"

اس بات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

"آپ (ﷺ) نے جنگ جیسی حیات انسانی کی ضرورت کو عملاً کم ظالمانہ بنا دیا دیگر سیرت نگاروں کے مطابق آپ (ﷺ) کا یہ معمول تھا کہ اپنی سپاہ کو حکم صادر فرمائے "بوڑھوں' عورتوں اور بچوں کی جان بخشی کرو۔ جو مزاحمت نہ کریں ان کے مکانوں کو مسمار کرنے اور ذرائع رزق کو تباہ کرنے سے باز رہو۔ پھلدار درختوں کو برباد نہ کرو اور نہ ہی کھجور کے درختوں کو ہاتھ لگاؤ۔"

۱۶۔ اے کاسپر پی بی

اے کاسپر پی بی (A. Casper P.B) اپنی تصنیف "مکالماتی تفہیم کے لئے بنیادی مذہبی موضوعات"

(Religious Fundamental Themes for a dialogistic Understanding)

میں یوں رقمطراز ہے۔

"Islam considers itself to be a universal religion in a threefold sense---a religion for all men, a religion for the entire man and a religion for both lives.

"A total religion in the sense that it is universal, Islam also intends to address itself to the entire man and to cover all aspects of his life, both individual and social. Islam is both a faith and a law.

"A universal and complete religion. Islam

intends to ensure man's happiness in this life and in the next."

He adds: "Islam came when mankind had reached the age of reason. It presented itself courageously as a religion which took the middle course (Umma Wasat: Koran 2: 143), neglecting neither body nor soul by rendering what was due to one and the other. Hence it did not oblige its followers to pursue a life of mortification. It did not prohibit a life of enjoyment. It did not say to any of its followers, Go, sell your possess on and follow me, as Jesus did---peace be to him. Eut the Prophet Mohammad replied to a very rich man who consulted him as to the alms he should give: "The third part, and even the third part is a lot. It is better to leave your heirs well-off than to leave them to be supported by others."

اسلام اپنے تئیں تین اعتبارات سے ایک عالمی مذہب تصور کرتا ہے۔

۱۔ تمام انسانوں کے مذہب کے طور پر ۲۔ تمام تر مکمل انسان کے مذہب کے طور پر اور ۳۔ دونوں زندگیوں (دنیوی اور اخروی) کے مذہب کے طور پر

یہ عالمی مذہب ہونے کے ناطے ایک مکمل مذہب ہے۔ پھر اسلام انسان کے تمام تر مکمل پہلوؤں سے عہدہ برآ ہونے کا داعی ہے اور انفرادی و اجتماعی کسی پہلو کو تشنہ نہیں رہنے دیتا۔ مزید برآں اسلام ایک عقیدہ بھی ہے اور قانون بھی ہے۔

ایک عالمی اور مکمل مذہب کے طور پر اسلام اس زندگی اور اخروی زندگی میں انسان کو خوشی اور مسرت سے یقینی طور پر ہمکنار دیکھنا چاہتا ہے۔

فاضل مصنف اپنی بات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"اسلام کا ظہور اس وقت ہوا جب انسانیت عقل و بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اس نے جرات مندانہ اپنے آپ کو مذہب کے طور پر پیش کیا اور ایک درمیانی راہ (امت وسط' قرآن ۲: ۱۴۳) اختیار کی جس نے جسم و روح کے کسی تقاضے کو پورا کئے بغیر نہیں رہنے دیا اور کسے باشد ہر کسی کو اس کا جو حق بنتا تھا ادا کر دیا۔

۱۷۔ وی سی بیڈلے

وی سی بیڈلے (V. C. Badley) اپنی مشہور تصنیف پیغمبر (The Messenger) میں رقمطراز ہے۔

"Muhammad had no blood lust for the sake of blood lust. As a matter of fact infidel captives had two alternatives. He could either pay ransom and go home or accept Islam. The Quran states, 'Let there be no compulsion in religion.' Except on one or two occasions he never wantonly revenged himself on his defeated enemies. Had he, however made reprisal part of his teachings, he would have been in keeping with the

time, in keeping with the Christian ethics of the period and of much later time. When the Crusaders invaded the Holy Land in 1099, they left death and destruction wherever they passed, yet when Sultan Saladin drove the Christians out, he took no revengeful measure. Neither did the Muslims devastate the country they invaded as did their fellow religious warriors of other denominations. Wherever they passed, something better sprang up than what had been there before. Like a cloud burst, they ferrilised where others destroyed. That the Renaissance took place, was due to the descendants of Muhammad's original followers keeping culture alive while Europe was wallowing in the darkness of the Middle Ages. Architectural glories of Damascus, of Fez, of Seville, of Granada and Cordova are the indirect consequence of what Muhammad started in 623 A.D. What is remarkable is that Muhammad inspite of his ignorance of military matters showed high talents as a

general in every battle or skirmish in which he took part. He was brave too and inspite of his age able to undergo hardships with the youngest of his soldiers."

(حضرت) محمد (ﷺ) کو بے جا خون بہانے کی بالکل ہوس نہ تھی۔ در حقیقت کافر قیدیوں میں ہر ایک کو یہ اختیار حاصل تھا کہ یا تو وہ قیدی فدیہ دے کر اپنے گھر روانہ ہو جائے یا پھر اسلام قبول کرلے۔ قرآن فرماتا ہے کہ "اسلام میں کوئی جبر نہیں۔" آپ نے کبھی اپنے شکست خوردہ دشمن سے انتقام نہیں لیا۔ اگر آپ نے اپنی تعلیمات میں انتقامی کارروائی کو جگہ دی ہوتی تو یہ سلسلہ اس وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا اور اس وقت تک جاری اور بہت عرصہ بعد عیسائیوں کی اخلاقیات کے مظاہر کے وقت بھی باقی رہتا کہ جب صلیبوں نے ارض مقدس پر 1099 میں حملہ کیا۔ وہ جہاں سے گزرے اپنے پیچھے تباہی اور موت چھوڑ گئے لیکن جب سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کو باہر نکالا تو انہوں نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ نہ ہی مسلمانوں نے اس ملک کو تباہ و برباد کیا جس پر وہ حملہ آور ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے مذہبی جنگجوؤں نے کیا تھا۔ وہ (مسلمان) جہاں سے گزرے وہاں پہلے کی نسبت زیادہ بہتری کے اسباب پیدا ہوئے۔ ایک کھل کر برسنے والے بادل کی طرح انہوں نے ان علاقوں کو زرخیز کیا جن کو دوسروں نے برباد کیا تھا۔ یہ نشاۃ ثانیہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے اصحاب کے تابعین کی بدولت ہوئی۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنی ثقافت کو زندہ رکھتے ہوئے اس وقت کیا جبکہ یورپ ابھی ازمنہ وسطی کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔

دمشق، فیض، سولے، غرناطہ اور قرطبہ کے فن تعمیر کی شان و شوکت کے مظاہر (حضرت) محمد (ﷺ) کی ۶۲۳ میں شروع کی ہوئی تحریک کے بالواسطہ ثمرات و نتائج تھے۔ جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ محمد (ﷺ) نے باوجود عسکری معاملات سے

عدم واقفیت کے بحیثیت ایک جرنیل کے ہر جنگی معرکہ اور جھڑپ میں حصہ لے کر اعلیٰ مہارت اور صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ وہ بہادر تھے اور باوجود عمر رسیدہ ہونے کے اپنے سب سے کم عمر سپاہیوں کے دوش بہ دوش مشقت برداشت کرتے تھے۔

۱۸۔ ریمانڈ لارنگ

ریمانڈ لارنگ (Raymand Leronge) اپنی مشہور تصنیف "Viede Muhamet" میں پیغمبر اسلام ﷺ کی انسانیت دوستی کو یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

"*It was not enough for Muhammad to have an excellent army. It must also be the army of God. In order to make it worthty of his mission, the Prophet instructed it on its duties and obligations. The Holy War should not have for its aim destruction. Undertaken in the name of God, of justice and mercy, warfare must not be rapacious, revengeful, nor cruel. It should be humane. So, for the first time, one heard from the mouth of a statesman, the head of an army, exhortations which should seem even to us to belong to some fairy tale or vision, if our acceptance of the ways of total war has not stifled our remorse for submitting to it and hope of delivery.*"

(حضرت) محمد (ﷺ) کے لئے ایک بہتر و اعلیٰ سپاہ رکھنا ہی کافی نہیں تھا بلکہ اس کا خدائی سپاہ بننا بھی ضروری تھا۔ اپنے مشن کی خدمت کے قابل بنانے کے لئے پیغمبر (ﷺ) نے اسے ذمہ داریوں اور فرائض کی بجا آوری کی تعلیم دی۔ مقدس جنگ کا مقصد تباہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہے کہ اعلائے کلمہ الحق کے لئے انصاف اور جذبہ رحم پر مبنی ہو۔ جنگ کا معاملہ غارتگری اور انتقام اور ظلم سے بالکل پاک انسانی ہمدردی پر مبنی ہونا چاہئے۔ پس ایک مدبر اور سپہ سالار اعلیٰ کی زبان سے پہلی دفعہ کسی نے ایسی باتیں سنیں تو آج ہمیں بھی یہ کوئی پریوں کی کہانی یا خواب و خیال کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اگر تمام تر جنگی طریقوں کو قبول کرنے کی روش نے اسے تسلیم کر کے بازیابی کی امید کے بارے میں ہمارے ضمیر کی خلش کو پامال کر کے نہیں رکھ دیا۔

حصہ پنجم

بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عسکری وفود کی آمد

باب ـ ۱

بارگاہ رسالت میں وفود

یثرب کی مجلسی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں یہودی قبائل کو اچھا خاصا عمل دخل حاصل تھا اور وہ اپنے اس اثر و رسوخ کو مختلف حوالوں سے بروئے کار لاکر اپنی علمی، سیاسی، ثقافتی بالا دستی اور اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے درون خانہ سازشوں میں مصروف رہتے تھے، زندگی جبر و استبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور مکر و فریب کے شکنجے میں سسک رہی تھی، قبائل وحشت و بربریت کی علامت بن چکے تھے، ہر اخلاقی قدر کو پائے حقارت سے ٹھکرایا جانے لگا تھا، قبائل میں اکثر محاذ آرائی کی کیفیت رہتی، جھوٹی انا کے بت تراشے جاتے اور پھر ان کی پرستش کی جاتی، بات بات پر تلواریں نیام سے باہر آجاتیں اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو جاتا۔ جب یثرب کے مقدر کا ستارہ چمکا، اس خطۂ دیدہ و دل نے تاجدار کائنات ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور اس بیماریوں والے شہر کو طبیب عالم کے مسکن ہونے کا اعزاز ملا تو اسے "مدینۃ النبی" کہا جانے لگا، اکناف عالم میں اس کا شہرہ ہوا، سرزمین مدینہ عرشیوں اور قدسیوں کے لئے مرکز نگاہ ٹھہری، شہر خنک کا منظرنامہ روشنیوں سے تحریر ہوا اور اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑی تو مدینۃ الرسول کی مجلسی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی زندگی بھی انقلاب آفریں تبدیلیوں سے آشنا ہوئی، ظلمت شب نے رخت سفر باندھا، انسان کی خدائی پر کاری ضرب پڑی، جبر مسلسل کے خاتمے کے ساتھ شرف آدمیت بحال ہوا، ردائے جہالت تار تار ہوئی، رنگ و نسل کے بت پاش پاش ہوئے اور ایک صبح امید اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ افق ہستی پر طلوع ہوئی، فاران کی چوٹیوں پر چمکنے والے آفتاب رشد و ہدایت کی ضیا پاشیوں سے ضمیر آدم خاکی میں چراغاں ہوا، کشور روح میں باد بہاری چلنے لگی، شاداب ساعتیں بنجر زمینوں کا مقدر بنیں اور ہر طرف امن و سلامتی کی خوشبو بکھر بکھر گئی، کاروبار حکومت عدل و مساوات کی بنیادوں پر استوار ہوا، حضور ﷺ کی سربراہی میں اسلامی حکومت کو سیاسی استحکام ملا تو جزیرہ نمائے عرب کے ارد گرد کے ممالک اور مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد قبائل کے

وفود بھی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہونے لگے اور یوں مدینہ' حضور کو بتدریج پورے عرب میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی چلی گئی' ارباب سیر نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے والے جن وفود کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعداد پانچ سو سے بھی زیادہ ہے لیکن ہم یہاں صرف ان وفود کا ذکر کریں گے جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح غزوات سے بنتا ہے' ان وفود کی سفارتی سطح پر کی جانے والی کوششوں کے تحت فریقین کے درمیان معاہدہ جات بھی طے پائے اور بارگاہ نبوی ﷺ سے جاری ہونے والی بصیرت افروز جنگی حکمت عملی کے مثبت نتائج بھی سامنے آئے' اسلامی ریاست کی بنیادیں مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئیں اور اسلام کی آفاقی تعلیمات سے چار دانگ عالم مستنیر ہونے لگا۔

۱۔ وفد بریدہ بن الحصیب ۔ ۱ھ

رسول اکرم ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو اس سفر کے دوران بنی خزاعہ کی ایک شاخ بنی اسلم کا ایک وفد ان کے سردار بریدہ ابن الحصیب کی قیادت میں حاضر خدمت ہوا۔ انہوں نے اپنا اور اپنی قوم کا سلام آپ ﷺ تک پہنچایا اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا آپ ﷺ نے انہیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ان کی وساطت سے ان کے قبیلے کے اسّی گھرانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ غدیر اشطاط کے تالاب پر آپ نے حضرت بریدہ کو بنو اسلم کے لئے جو فرمان تحریر کر کے دیا اس کا مضمون ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

"اسلم کے لئے جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ان میں سے اسلام قبول کر لیں' نماز پڑھیں' زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ کے دین کے خیرخواہ ہوں جو ظلم سے ان پر حملہ کر دیں ان کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی جب آپ ﷺ ان کو بلائیں تو ان پر نبی کی مدد واجب ہوگی ان کے خانہ بدوشوں کے لئے بھی

وہی کچھ ہے جو بستی کے رہنے والوں کے لئے ہے اور وہ جہاں کہیں بھی رہیں مہاجر ہی ہیں"

(اسے علاء بن الحضرمی نے لکھا)

حضرت علاء کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فرمان ہجرت کے بعد لکھا گیا کیونکہ سفر ہجرت میں حضرت علاء حضور ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔

(طبقات ابن سعد' ۱:۱۳۶)

۲۔وفد بنی غطفان ۔ ۴ھ

غزوہ احزاب کے موقع پر جن قبائل نے کفار مکہ کا ساتھ دیا تھا ان میں بنو غطفان بھی شامل تھے مدینہ منورہ پر حملہ آور عساکر کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو کم کرنے کیلئے نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی مشاورت سے حملہ آور قبائل کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے حکمت عملی وضع کی' اس مقصد کیلئے بنو غطفان کو گفت و شنید کا پیغام بھیجا' کیونکہ اس وقت مدینے کی اسلامی ریاست کو بہت سے اندرونی وبیرونی خطرات کا سامنا تھا' عرب کے جملہ اہم قبائل بھی کفار کے ساتھ تھے ادھر مدینہ منورہ کے اندر یہودیوں کا قبیلہ بنی قریظہ بھی مسلمانوں کے ساتھ طے پانے والے عہد کی خلاف ورزی کا ارتکاب کر چکا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ جذباتی اور ہنگامی فیصلوں کی بجائے اعتدال' ہوشمندی اور حکمت کے ساتھ آگے بڑھا جائے اور مستقبل کیلئے بہتر اور قابل عمل منصوبہ بندی (Planing) کرکے حالات کو اپنے حق میں سازگار کیا جائے' چنانچہ بنو غطفان کے دو سردار جن کے نام عامر اور زید تھے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو انہوں نے اس شرط پر صلح کا عندیہ دیا کہ مدینہ منورہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ انہیں دیا جائے' حضور ﷺ نے انصار کے دو سرداروں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بنو غطفان کا مطالبہ سننے کے بعد عرض کی یارسول اللہ کیا یہ آپ ﷺ کی جانب سے

تجویز ہے یا اللہ کا حکم ہے کہ جسے مانے بغیر چارہ نہیں یا یہ آپ ہم اہل مدینہ کے بچاؤ کے لئے کہہ رہے ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا "چونکہ سارا عرب متحد ہو کر تم پر حملہ آور ہوا ہے تمہیں بچانے کی خاطر میں چاہتا ہوں کہ حملہ آوروں کے اتحاد کو توڑ دیا جائے" ارشاد نبوی ﷺ سن کر انصار کے سرداروں نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر آپ یہ معاہدہ صرف ہمارے بچاؤ کی خاطر کر رہے ہیں تو آقا' اس کی ضرورت نہیں' غطفانیوں کو ہم سے خراج طلب کرنے کی ہمت تو اس وقت بھی نہیں ہوئی تھی جب ہم ابھی حالت کفر میں تھے اب تو ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں' بنو غطفان ہم سے کیا خراج وصول کریں گے؟ عرض کی۔

ما لنا بهذا من حاجة لا نعطيهم الا السيف حتى يحكم الله بيننا و بينهم
(سیرۃ ابن ہشام' ۲:۱۹۱)

ہمیں ایسی صلح کی ہرگز ضرورت نہیں اب تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار سے مقابلہ ہوگا یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔

اپنے اصحاب ؓ کا یہ مجاہدانہ جواب سن کر تاجدار کائنات ﷺ نے خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کیلئے دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے' بات آگے نہ بڑھ سکی اور بنو غطفان کا وفد واپس چلا گیا۔ (سیرۃ ابن ہشام' ۲: ۲۲۳/ زاد المعاد' ۳: ۳۴۳)

۳۔ وفد نعیم بن مسعود اشجعی ۴ھ

جنگ خندق سے قبل یہودیوں کے شاطرانہ ذہن نے اکثر قبائل کو اسلام کے خلاف صف آرا ہونے پر اکسایا لیکن یہ قبائل اسلام کو ایک سیاسی قوت کے طور پر بھی ابھرتے دیکھ رہے تھے اور وہ کسی حد تک خوفزدہ بھی تھے کہ ان کی ثقافتی اور تہذیبی اکائی اسلام کی مضبوط اور توانا قدروں کے سامنے کیسے ٹھہر سکے گی۔ جنگ بدر کے بعد تو مسلمانوں کو باقاعدہ ایک عسکری قوت تسلیم کر لیا گیا تھا اب ان قبائل کے اپنے مفاد میں تھا کہ وہ محاذ آرائی کا راستہ ترک کر کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ جات کریں اور اپنے

لئے امن و سلامتی کے طلب گار ہوں چنانچہ غزوہ احزاب (جنگ خندق) کے دنوں میں بھی نبی رحمت ﷺ کی بارگاہ میں مختلف قبائل کے وفود کی آمد کا سلسلہ جاری رہا' انہی دنوں بنی اشجع کے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سینے میں بھی ایمان کی چنگاری بھڑک اٹھی' حرف حق کی تلاش میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی' لشکر کفار سے دامن چھڑا کر حضور ﷺ کے دامن رحمت میں آ گئے۔ حضور ﷺ نعیم بن مسعود کو پہچانتے تھے پوچھا کس مقصد سے آئے ہو' عرض کیا یارسول اللہ حلقہ بگوش اسلام ہونے آیا ہوں۔ انہوں نے تاجدار کائنات کو بتایا کہ کفار اور یہودیوں میں سے کسی کو میرے اسلام لانے کی خبر نہیں اس لئے دوران جنگ میرے لئے کوئی خدمت ہو تو بجا لانے میں سعادت سمجھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مرحلے پر

انما انت فینا رجل واحد فخذل عنا ان استطعت تمہارے درمیان ایک ایسے آدمی ہو کہ اگر تم حملہ آوروں کے اتحاد کو توڑ سکو تو یہ بہت بڑی خدمت ہو گی۔

انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ آپ دیکھ لیں گے کہ میں کس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہوں۔ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بنو قریظہ سے بھی بڑے اچھے تعلقات تھے انہی مراسم کی بناپر آپ ان کی پاس تشریف لے گئے اور انہیں راز داری سے بتایا کہ قریش اور دیگر قبائل محاصرے سے تنگ آکر واپس بھی جاسکتے ہیں' تمہیں تو مسلمانوں کے ساتھ یہیں رہنا ہے' متوقع نتائج کو سامنے رکھ کر قریش کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں کسی ناخوشگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی باتوں سے متاثر ہو کر بنی قریظہ کسی قدر چوکنے ہوئے لیکن کہنے لگے کہ ہم تو قریش کے ساتھ معاہدہ کر چکے ہیں' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے انہیں یاد دلایا کہ معاہدہ تو تم نے مسلمانوں کے ساتھ بھی کیا تھا لیکن تم اس معاہدے پر قائم نہ رہ سکے' اب سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا کیونکہ قریش کی کامیابی یقینی نہیں' محاصرہ بہت طویل ہو رہا ہے' اس اعصاب شکن فضا سے تنگ آکر قریش کسی وقت بھی محاصرہ اٹھا

سکتے ہیں، قریش کی واپسی کے بعد تم تنہا مسلمانوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بنو گے۔ بنو قریظہ نے کہا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہم اس مخمصے سے کیسے نکلیں، کوئی تدبیر بتاؤ، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں، تم اپنے حلیفوں سے مطالبہ کرو کہ وہ اپنے چند نامور آدمی تمہارے پاس بطور ضمانت چھوڑ جائیں تاکہ حملہ آوروں کی واپسی کے بعد جب مسلمان بنو قریظہ پر حملہ آور ہوں تو وہ اپنے آدمیوں کی خاطر تمہارا ساتھ دیں، آپ کا مشورہ بنو قریظہ کے دل کو لگا انہوں نے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم آپ کے مشورہ پر عمل کریں گے، دوسری طرف حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے حملہ آور قبائل کے سرداروں سے ملاقات کی اور کہا کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہودی اپنے قول و قرار سے منحرف ہو کر تم سے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگنے والے ہیں اس لئے کہ یہودیوں کو تم پر اعتماد نہیں رہا، یہودی ان آدمیوں کو مسلمانوں کے حوالے کر کے ان سے معاہدہ کرنے کیلئے پر تول رہے ہیں، آپ کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہو گا۔ سرداران کفار حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کے استدلال میں خاصا وزن محسوس کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے بنی قریظہ کو یہ پیغام بھیج ڈالا کہ مدینہ منورہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا ہے، ہمارا ارادہ ہے کہ کل فیصلہ کن مرحلہ ہو جائے، ادھر سے تم مسلمانوں پر حملہ کرو ادھر سے ہم حملہ آور ہوتے ہیں، یہود کی طرف سے جوابی پیغام آیا کہ ہم مسلمانوں پر اسی صورت میں حملہ کریں گے جب تم اپنے ستر شرفاء کو ہمارے پاس بطور یرغمال بھیج دو کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ گے، ہم بے یار و مددگار رہ جائیں گے اور موقع ملتے ہی مسلمان ہمارا صفایا کر دیں گے، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی اس ساری سفارتی تگ و دو کا یہ نتیجہ نکلا کہ قریش نے اپنے ستر آدمی بطور یرغمال بنی قریظہ کو دینے سے انکار کر دیا اور جنگ میں بنو قریظہ نے بھی برملا قریش کا ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ مسلمان حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی سے یہود و کفار کے اتحاد کو توڑنے میں کامیاب رہے۔

(الاصابہ، ۳: ۵۶۸ / ابن ہشام، ۲: ۲۲۹ / اسد الغابہ، ۵: ۳۳)

۴۔ وفد اشجع ۔ ۵ھ

مدینہ منورہ میں نوزائیدہ اسلامی حکومت خارجی اور داخلی اعتبار سے روز بروز مستحکم ہوتی جارہی تھی، عسکری قوت میں بھی قابل قدر اضافہ ہوچکا تھا، تشکیل پذیر اسلامی معاشرہ تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کررہا تھا ایک سال قبل بدر کے میدان میں آٹھ روز تک دشمن کا انتظار کرنے کے بعد اسلامی لشکر ایک فاتحانہ شان کے ساتھ مدینہ منورہ واپس لوٹ آیا تھا، کفار کی پسپائی اور راہ فرار اختیار کرنے سے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی، انہی دنوں قبیلہ اشجع کا ایک وفد مدینہ منورہ میں وارد ہوا۔ اگرچہ روایات میں اختلاف ہے لیکن اغلب خیال یہی ہے کہ وفد میں ایک سو کے لگ بھگ افراد شامل تھے، قبیلہ اشجع کے لوگ مدینہ منورہ کے محلہ شعب سلع میں آکر ٹھہرے، جب حضور ﷺ کو اس وفد کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس امر کا انتظار کئے بغیر کہ وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں آپ ﷺ خود ہی ان کے پاس تشریف لے گئے ان کی خیریت دریافت فرمائی حال احوال پوچھا اور دیر تک کمال شفقت اور محبت سے گفتگو فرماتے رہے۔ اس حسن سلوک نے دلوں پر دستک دی اور زنگ آلود قفل ٹوٹنے لگے، آپ ﷺ نے وفد کی خاطر مدارت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، کھانے سے فراغت کے بعد اللہ کے نبی ﷺ نے وفد کے اراکین کے سامنے دین حق کی دعوت پیش کی، لیکن وفد کے اراکین نے کہا کہ ہمارے آنے کا مقصد اسلام قبول کرنا نہیں بلکہ ہم تو کوئی اور غرض لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ دراصل ہم اہل مکہ کے ساتھ آپ ﷺ کی لڑائیوں سے تنگ آچکے ہیں، ہمارا امن وسکون برباد ہوچکا ہے ہم تو آپ ﷺ کے پاس صلح کیلئے حاضر ہوئے ہیں، سرکار دوعالم نے فرمایا کوئی بات نہیں، ہمیں تمہاری یہ بات منظور ہے، فریقین کی رضامندی سے معاہدہ امن حیطۂ تحریر میں لایا گیا، معاہدہ امن کی منظوری کے بعد وفد کے اراکین کے بخت نے یاوری کی اور وہ پکار اٹھے "ہم آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ سے بے حد

متاثر ہوئے ہیں' آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں آپ ﷺ کا دین سچا دین ہے' اس کے بعد وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور ثابت کر دیا کہ اسلام تلوار سے نہیں کردار کی خوشبو سے پھیلا۔ (طبقات ابن سعد' ۱:۳۰۶)

۵۔ وفد قریش - ۶ھ

تبلیغ دین اور نفاذ اسلام کا ہر راستہ طائف کی وادیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ تاریخ اس امر پر شاہد و عادل ہے کہ انقلاب دعاؤں اور معجزوں سے نہیں آتے بلکہ انقلاب برسوں کی جدوجہد کے نتیجہ میں برپا ہوتے ہیں۔ ابتلا و آزمائش کے ذریعے اہل حق کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ وہ استقامت کے کس درجہ پر فائز ہیں اور پھر اسلام وقار و تمکنت کا دین ہے۔ یہ دین تمام ادیان پر غالب آنے کے لئے آیا ہے۔ دین حق کا غلبہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمان جذبۂ جہاد کو ہر سطح پر زندہ و بیدار رکھیں' حضور ﷺ کی مدنی زندگی انقلابی جدوجہد کی مظہر ہے اگر انقلاب دعاؤں یا معجزوں سے برپا ہوتے تو نبی آخرالزماں ﷺ سے زیادہ اور کس کی دعائیں مستجاب ہو سکتی تھیں لیکن نہیں حضور ﷺ نے دعاؤں یا معجزوں کا سہارا نہیں لیا بلکہ مسلسل جدوجہد کو نتیجہ خیزی کا ضامن قرار دیا۔ کردار کی خوشبو سے قلوب کو مسخر کیا اپنے قول و عمل سے روحوں کو منور کیا' دلوں کا زنگ اتارا اور سوچوں کو نکھار بخشا اور جہاں ظلم کے خلاف تلوار کی نوبت آئی کسی مصلحت کو پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیا اس حقیقت پسندانہ فضا میں دیکھتے ہی دیکھتے صحابہ کرامؓ کی ایک عظیم جماعت حضور ﷺ کی براہ راست تربیت میں تیار ہو گئی جس نے ظلمت کدہ دہر میں حسن عمل کی ایسی قندیلیں روشن کیں جن کی ضیاء پاشیوں سے انسانی تمدن آج بھی جگمگا رہا ہے اور شرق سے غرب تک جس کے نقوش پا سے اکتساب شعور کر کے آج بھی منزلوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ گروہ پاکبازاں پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے گرد چاند کے ہالے کی طرح سربکف اپنے آقا ﷺ کی جنبش ابرو کا منتظر رہتا تھا۔ حضور ﷺ نے پسند فرمایا کہ یہ جماعت نفوس قدسیاں عمرہ کی

سعادت بھی حاصل کرے کیونکہ اس وقت تک اسلامی حکومت کو بڑی حد تک سیاسی استحکام بھی حاصل ہو چکا تھا اور کشاکش زندگی میں فراغت کی چند گھڑیاں بھی نکالی جا سکتی تھیں چنانچہ ذیقعد ۶ھ میں سرور کونین ﷺ چودہ سو اور بعض روایات کے مطابق پندرہ سو صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے عازم سفر ہوئے۔ ذوالحلیفہ میں احرام باندھ کر آگے روانہ ہوئے ادھر قریش کو آپ ﷺ کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کر لیا' آپ ﷺ نے بسر بن سفیان خزاعی کو قریش کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا قریش کے علم میں ابھی تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ حضرت بسر بن سفیانؓ اسلام کی آغوش رحمت میں پناہ لے چکے ہیں چنانچہ قریش مکہ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا انہوں نے واپس آکر حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ کفار مکہ دیگر مشرک قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع کر رہے ہیں' وہ لڑائی پر تلے ہوئے ہیں' حضور ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ اس وقت عسفان کے مقام پر تھے' آپ ﷺ نے پیش قدمی جاری رکھی لیکن احتیاطاً راستہ بدل دیا اور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا' روایات میں درج ہے کہ خالد بن ولید مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے ایک دستہ کے ساتھ کراع الغمیم پہنچ گئے تھے چونکہ حضور ﷺ کسی معرکہ آرائی کے لئے گھر سے نہیں نکلے تھے اس لئے آپ ﷺ نے راستہ تبدیل کر لیا تاکہ قتال کی نوبت نہ آئے' بنو خزاعہ کے سردار بدیل نے بھی قریش کو مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے پر کوئی جنگی اور مزاحمتی کاروائی نہ کریں وہ محض عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں انہیں عمرہ ادا کرنے دیا جائے لیکن قریش اپنی ضد پر اڑے رہے اور احابیش کے سردار جلیس بن علقمہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ مسلمانوں کو واپس جانے پر آمادہ کیا جا سکے جلیس بن علقمہ نے حدیبیہ میں مسلمانون کو احرام باندھے دیکھا تو بات کئے بغیر واپس آگیا کہ مسلمان تو لڑنے کی نیت سے آئے ہی نہیں' اب قریش نے بنی ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود کو مسلمانوں کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے بھی واپس آکر قریش کو لڑائی نہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن قریش تھے کہ اپنے

گرد انا کی دیواروں کو مسلسل اونچا کر رہے تھے قریش اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے اب اشتعال انگیزیوں پر بھی اتر آئے حضور ﷺ کے ایک ایلچی خراش بن امیہ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور ان کے قتل کے درپے ہوئے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر کفار کے پاس گئے لیکن کفار نے ان کی بھی ایک نہ مانی افواہ اڑا دی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے' مسلمان مسلسل صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے لیکن شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر سن کر غصہ اور اشتعال میں آنا ایک قدرتی سی بات تھی اور اس کے باوجود مسلمانوں نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا' حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی اور کفار کے درمیان تصادم کا خطرہ ٹل گیا' اسی دوران سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک وفد صلح کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کافی بحث و تمحیص کے بعد مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جو تاریخ کے صفحات میں صلح حدیبیہ کے نام سے مرقوم ہے اس کی تفصیلات کسی دوسرے مقام پر بیان کی گئی ہیں۔

(زاد المعاد' ابن قیم' ۳:۲۸۶ تا ۲۹۴)

۶۔ وفد یمن ۔ ۷ھ

صلح حدیبیہ کے بعد جب قدرے امن و سکون کی فضا قائم ہوئی' عملاً مدینے کی اسلامی ریاست کو تسلیم کر لیا گیا سفارتی سطح پر بھی مراسم استوار ہونے لگے اور اسلامی معاشرے کی تشکیل و تکمیل میں پیش رفت ہوئی تو دعوت حق کا کام افراد اور قبائل کے محدود دائرے سے نکل کر حکومتی سطح پر بھی پھیل گیا' اس کا ملا جلا ردعمل ہوا اور بہت جلد مثبت نتائج بھی حاصل ہونا شروع ہو گئے بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے اردگرد کی حکومتوں جن میں اپنے وقت کی سپر پاورز بھی شامل تھیں کے سربراہوں کے نام خطوط جاری ہونے لگے جن میں اسلام کے آغوش رحمت میں آنے کی دعوت دی جاتی اور نئے عالمی نظام کے تحت اسلام کی آفاقی تعلیمات کی روشنی میں ایک ذہنی' فکری'

روحانی، سیاسی اور اقتصادی انقلاب کا پیغام دیا جاتا۔ آپ ﷺ کا ایک ایسا ہی دعوتی خط شاہ ایران خسرو پرویز کے پاس بھی پہنچا جس نے دعوت حق کے اس مراسلے کو اپنی توہین سمجھا اور غیظ و غضب میں نامہ رسول ﷺ کو پھاڑنے کی جسارت کر بیٹھا اور یمن کے گورنر کو توہین آمیز الفاظ میں لکھا کہ اس شخص (جناب رسالت مآب ﷺ) کے بارے میں مکمل تفصیلات سے حکومت ایران کو مطلع کرے، یمن کے گورنر باذان کا وفد جو دو افراد پر مشتمل تھا گورنر کا ایک خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے انہیں بھی اسلام کی دعوت پیش کی فرمایا کہ آج آرام کرو کل گفتگو ہوگی، وفد کے اراکین حضور ﷺ کی شخصی وجاہت اور نبوی بصیرت سے بے حد متاثر ہوئے ایک روایت کے مطابق تھر تھر کانپنے لگے حالانکہ یہ جارحانہ عزائم کے ساتھ یمن سے روانہ ہوئے تھے، دوسرے روز وفد پھر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اپنے مالک کو جا کر بتا دینا کہ میرے رب نے تمہارے بادشاہ کو اس کے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ قتل کروا دیا ہے، وفد تذبذب کے عالم میں واپس یمن پہنچا اور یمن کے گورنر کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور کسریٰ کے قتل کی خبر سنائی جو درست نکلی یمن کے گورنر باذان نے یہ کھلی نشانیاں دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ نے باذان کو گورنر کے عہدے پر بحال رکھا۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۱:۶۹)

۷۔ وفد بنی خزاعہ ۔ ۸ھ

زمانہ جاہلیت کی منفی قدروں میں سے ایک منفی قدر یہ بھی تھی کہ عہد شکنی اور فریب کاری کو احساس برتری کی علامت گردانا جاتا تھا، اپنی ذات کے ارد گرد غرور، تکبر اور رعونت کی دیواریں تعمیر کر کے نسلی تفاخر کے گن گائے جاتے تھے، عرب کا پورا معاشرہ خود فریبی کی آگ میں جل رہا تھا، جھوٹی انا کے تاج محل نقش بر آب ثابت ہوتے اور ریت کی دیوار کی طرح زمین بوس ہو جاتے لیکن جہالت کے اندھیروں کی کوکھ

سے جنم لینے والا معاشرہ شعور و ہنر کے کسی ذائقے سے بھی آشنا نہیں تھا اس پس منظر میں اسلام کی ابدی سچائی اپنا لوہا منوا رہی تھی' آٹھ ہجری تک اسلامی حکومت کو نہ صرف استحکام حاصل ہو چکا تھا بلکہ دعوت دین حق کا کام بھی خوش اسلوبی سے سرانجام پا رہا تھا' صلح حدیبیہ جو فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے' صلح حدیبیہ میں فریقین کے درمیان طے پانے والی شرائط بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں لیکن نگاہ نبوت مستقبل قریب میں عظمت کی ان بلندیوں کو دیکھ رہی تھی جسے دست قدرت نے مسلمانوں کے مقدر میں لکھ دیا تھا' صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین ایک دوسرے کے حلیفوں کے خلاف بھی کوئی کاروائی نہیں کریں گے' بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف اور بنو بکر قریش کے حلیف تھے لیکن دو سال کے اندر ہی دشمن نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا' بنو خزاعہ وادی مکہ میں وتیر نامی ایک چشمے کے قریب آباد تھے بنو بکر کی ایک شاخ بنو نفاثہ نے شب خون مارا اور بیس خزاعیوں کو قتل کر ڈالا' جو لوگ جانیں بچا کر بھاگ نکلے ان کا پیچھا بنو بکر کی ایک دوسری شاخ بنو الدیل نے کیا' مشرکین قریش کے نقاب پوش بھی اس قتل و غارت گری میں شامل تھے حتی کہ بنو خزاعہ کے جن آدمیوں نے حرم شریف میں پناہ لی ان کا بھی بے دریغ خون بہایا گیا۔ بنو بکر نے نہ صرف وعدہ خلافی کی اور صلح حدیبیہ کی ایک شرط کو توڑا بلکہ وہ حرمت کعبہ کو بھی پامال کرنے کے مرتکب ہوئے' اس سانحہ عظیمہ کے بعد چالیس آدمیوں پر مشتمل عمرو بن سالم کی سربراہی میں ایک وفد مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' وفد کے اراکین آپ ﷺ کے نام کی دہائی دے رہے تھے' عمرو بن سالم بارگاہ نبوی میں عرض پرداز ہوئے۔ یارسول اللہ ہم آپ ﷺ کے حلیف ہیں' ہماری حفاظت آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے' آقا انتہائی بے دردی کے ساتھ ہمارا خون بہایا گیا ہے حتی کہ حرم کعبہ میں امان نہ مل سکی۔ عمرو بن سالم کی زبان پر بے ساختہ یہ اشعار جاری ہوئے۔

یارب انی ناشد محمدا حلف ابینا وابیہ الاتلدا

اے میرے پروردگار میں محمد (ﷺ) کو وہ عہد یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جو ہمارے اور ان کے آباؤ اجداد کے درمیان پہلے طے پایا تھا جو ایک ہی گھرانے کے افراد تھے۔

قد کنتم ولدا وکنا والدا ثم اسلمنا ولم ننزع یدا

(اے محمد) اس وقت آپ بچے تھے اور ہم عمر میں آپ سے آگے تھے۔ پھر ہم اسلام لائے اور (آپ ﷺ کی) بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔

فانصر ھداک اللہ نصرا عتدا وادع عباد اللہ یاتو مددا

اللہ آپ کو ہدایت سے سرفراز کرے آپ ہماری بھاری مدد فرمائیں اور اللہ کے دوسرے بندوں کو ہماری مدد کیلئے بلائیں۔

فیھم رسول اللہ قد تجردا ان سیم خسفا وجھہ تربدا

ان کفار کے درمیان رسول اللہ ﷺ تنہا گھر گئے ہیں۔ جب آپکو انکی طرف سے ایذا پہنچائی جاتی ہے تو رنج کے آثار آپکے چہرہ مبارک پر نمودار ہوتے ہیں۔

فی فیلق کالبحر یجری مزبدا ان قریشا اخلفوک الموعدا

آپ ایک ایسی عظیم فوج کے قلب میں موجود ہیں جو سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی چلتی ہے۔ بلاشبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی۔

ونقضوا میثاقک الموکدا وجعلوا لی فی کداء رصدا

اور آپ سے کیا ہوا پکا معاہدہ تک توڑ ڈالا۔ کفار نے ہمیں پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کردیا اور مقام کداء میں ہمارے لئے کمین گاہ قائم کی ہے۔

وزعموا ان لست ادعو احدا وھم اذل واقل عددا

انہیں یہ زعم ہوگیا کہ ہم کسی کو اپنی مدد کے لئے نہ بلاسکیں گے حالانکہ وہ نہایت درجہ ذلیل ہیں اور تعداد میں بھی بہت کم ہیں۔

ھم بیتونا بالوتیر ھجدا و قتلونا رکعا و سجدا

انہوں نے ہم کو وتیر میں جالیا، ہم پر شب خون مارا اور ہم کو رکوع اور سجدے کی حالت میں قتل کیا۔

روایات میں ہے کہ تاجدار کائنات عمرو بن سالم کی اس فریاد پر آبدیدہ ہو گئے پوچھا کہ اس قتل و غارت گری میں بنو بکر کی تمام شاخیں شامل تھیں' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں' اس قتل عام میں صرف بنو نفاثہ اور بنوالدیل شریک ہوئے' حضور ﷺ نے وفد کے اراکین کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا کہ گھبراؤ نہیں ہم ضرور تمہاری مدد کو پہنچیں گے' ایک دوسری روایت میں ہے کہ سرور دو عالم ﷺ جلال میں آگئے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' بنو خزاعہ کا دفاع اس طرح کروں گا جس طرح خود اپنی جان اور اپنے اہل بیت کا کرتا ہوں آپ نے ہدایات جاری کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ واپس جائیں اور پہاڑوں میں الگ الگ چھپ جائیں تاکہ دشمن کو کسی قسم کی مدد کا گمان نہ ہو' روایات میں آتا ہے کہ اس وفد کے رخصت ہو جانے کے بعد بدیل بن ورقہ خزاعی نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرکین مکہ کے مظالم اور چیرہ دستیوں کی داستان غم بیان کی آپ نے اس وفد کی مدد کا بھی وعدہ فرمایا۔

(الکامل لابن اثیر' ۲:۲۳۹ / تاریخ طبری' ۳:۱۱۲)

۸۔ وفد ابو سفیان ۔ ۸ھ

قریش کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ رہی تھیں' قریش خاص کر اس کا نوجوان طبقہ خود فریبی کے حصار سے باہر آنے کے لئے تیار نہ تھا۔ طاقت کے گھمنڈ میں وہ کسی ضابطے' کسی اصول اور کسی معاہدے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے' بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے' صلح حدیبیہ کے بعد جس طرح قریش کے حلیف قبیلے بکر بنو نے خزاعہ پر شب خون مار کر ان کا قتل عام کیا تھا حتیٰ کہ کعبہ اللہ میں پناہ لینے والے افراد کا بھی خون بہانے سے دریغ نہیں کیا گیا تھا اس بد عہدی پر ضروری ہو گیا تھا کہ قریش کی زیادتیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے قریش اور اسکے حلیفوں کی خون آشامی کی روک تھام کی جائے چنانچہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے اپنا ایک ایلچی قریش کے

پاس بھیجا کہ تین میں سے کوئی سی ایک شرط قبول کرلیں۔

i۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے

ii۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے دست کش ہو جائیں

iii۔ معاہدہ حدیبیہ توڑنے کا اعلان کر دیا جائے

قریش کے پر جوش مگر بے لگام اور خود سر نوجوانوں نے کہا کہ ہم محمد ﷺ کے غلام نہیں جو ہمارے جی میں آیا کیا اب جو ہمارے جی میں آئے گا کریں گے، ہمیں تیسری شرط منظور ہے یعنی معاہدہ حدیبیہ کے توڑنے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ایلچی نے جب واپس آکر ساری بات حضور ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا قریش حد سے بڑھتے جا رہے ہیں اس لئے مکہ پر چڑھائی کی تیاری کی جائے حضور ﷺ کے ایلچی کی واپسی کے بعد قریش کے عمائدین اور اکابرین نے سوچا کہ حضور ﷺ کے ایلچی کو الٹا سا جواب دے کر انہوں نے غلطی کی ہے ہمیں بہرحال معاہدہ نہیں توڑنا چاہئے۔ انہوں نے ابو سفیان کو تجدید عہد کے لئے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا ابو سفیان مدینہ منورہ پہنچ کر سیدھے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے پاس پہنچے، کمرے میں رسول اللہ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا، وہ اس پر بیٹھنے لگے تو ام المومنینؓ نے بستر لپیٹ دیا ابو سفیان نے ناراضی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ بستر تمہارے باپ کے قابل نہیں؟ ام حبیبہؓ نے کمال اطمینان سے جواب دیا کہ

هو فراش رسول الله ﷺ و انت رجل مشرک نجس و لم احب ان تجلس على فراش رسول الله ﷺ

وہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور تم ایک مشرک و ناپاک آدمی ہو اور میں یہ پسند نہیں کرتی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھو۔

ابو سفیان نے بیٹی کے اس جرأت مندانہ جواب پر بڑی مشکل سے ضبط کیا اور مسجد نبوی میں پہنچ کر آپ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ صلح کی تجدید کے لئے آیا ہوں۔ حضور ﷺ نے ابو سفیان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور خاموشی اختیار فرمائی۔

اس کے بعد ابو سفیان باری باری حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ بارگاہ نبوی میں میری سفارش کردی جائے اور حضور ﷺ کو معاہدہ کی تجدید پر آمادہ کرلیا جائے لیکن ابو سفیان سے کسی نے سفارش کی حامی نہ بھری، مایوس ہو کر ابو سفیان نے از خود مسجد نبوی میں بلند آواز سے معاہدہ کی تجدید کا اعلان کیا اور واپس مکے آگیا، رسول اکرم ﷺ نے ابو سفیان کے یک طرفہ اعلان تجدید کو کوئی اہمیت نہ دی اور مکہ پر حملہ کی تیاریاں جاری رکھیں، ابو سفیان کی ناکامی اور مسلمانوں کے طرز عمل سے صاف عیاں تھا کہ اب مسلمانوں کو حالات پر بڑی حد تک گرفت حاصل ہو چکی ہے۔ ابو سفیان کی سفارتی ناکامی آگے چل کر قریش کی کئی ناکامیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اسکے برعکس مسلمانوں کے لئے قدم قدم پر کامرانیوں اور کامیابیوں کی بشارتیں طلوع ہونے لگیں۔ (تاریخ طبری، ۳: ۱۱۲/ تاریخ کامل، ۲: ۲۴۱)

۹۔ وفد بنی ہوازن - ۸ھ

فتح مکہ فروغ اسلام اور اقامت دین کا وہ منور اور رخشندہ سنگ میل ہے جسے بوسہ دیئے بغیر تاریخ بھی آگے بڑھنے سے قاصر ہے، فتح مکہ انسانی شکوہ و جلال کی ایک انوکھی داستان ہے جس کے پیکر دلنواز پر قیصر و کسری کے غرور و تکبر کا سایہ تک نہیں پڑا بلکہ یہ تاریخ ارتقائے نسل آدم کا وہ عظیم دن ہے جس کا ایک ایک لمحہ عفو و درگزر کی قندیل اٹھائے انسانیت کا دامن سلامتی اور امن کی کرنوں کے پھولوں سے بھر رہا ہے، فتح مکہ نے ایک دنیا کو حیران کردیا کہ یہ آناً فاناً کیا ہوگیا، بہت سے قبائل مرعوب ہو گئے لیکن ہوازن اور ثقیف اب بھی شرارت پر تلے ہوئے تھے چنانچہ فتح مکہ کے ۱۹ دن بعد مسلمانوں کو سرکش قبائل سے حنین کے مقام پر برسرپیکار ہونا پڑا، گھمسان کا رن پڑا بالآخر اللہ تعالی نے مکہ کی فتح مبین کے بعد غزوہ حنین میں کامیابی کی صورت میں ایک اور فتح مسلمانوں کو عطا فرمائی جس میں بہت سا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا، بارگاہ

نبوی ﷺ میں ہوازن کا انتظار کیا جانے لگا کہ ممکن ہے بنی ہوازن کے لوگ آئیں اور اسلام قبول کرلیں، اسی امید پر حضور ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں توقف فرمایا۔ بنی ہوازن کے انتظار کے بعد مال غنیمت تقسیم کردیا گیا لیکن مال غنیمت کی تقسیم کے بعد چودہ آدمیوں پر مشتمل بنی ہوازن کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

زہیر بن صرد وفد کی قیادت کر رہے تھے۔ وفد کے سربراہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہمارے قبیلے کو جو شرف حاصل ہے وہ محتاج وضاحت نہیں آپ نے جن خواتین کو لونڈیوں کی طرح مجاہدین کے حوالے کردیا ہے ان میں چند ایک ایسی بھی ہیں جو رشتہ کے اعتبار سے آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں (رضائی) ہوتی ہیں اور چند ایک ایسی بھی ہیں جنہوں نے بچپن میں آپ کو کھلایا پلایا اور گود میں اٹھایا ہے، ہماری عورتوں نے اگر نعمان بن منذر اور حارث غسانی کو دودھ پلایا ہوتا اور وہ بھی آپ کی طرح ہم پر غلبہ حاصل کرتے تو ضرور ہماری مدد کرتے، آپ کی شان تو ان سے بہت زیادہ بلند ہے آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، اچھے قرابت دار ہیں ہم پر احسان فرمائیں اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا"

سرور کونین نے جواباً فرمایا۔

"اے اہل ہوازن! میں نے تمہارا بہت انتظار کیا لیکن تم نے آنے میں دیر کردی، اب تو مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہو چکا ہے، میرے ساتھ کون کون ہے، سب تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے، مجھے سچی بات پسند ہے اب تم بتاؤ کہ مال و اسباب واپس لینا چاہتے ہو یا اولاد اور اپنی عورتیں؟

قائد وفد نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی! ہم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ نے ہمیں مال و اسباب اور اہل و عیال میں سے کوئی ایک چیز واپس لینے کا اختیار دیا ہے، چونکہ عرب کی روایات کے مطابق شرفاء عزت و ناموس پر اموال کو ترجیح نہیں دیتے اس لئے مہربانی فرما کر ہمارے اہل و عیال واپس فرمادیں"

رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔

اے اہل ہوازن! جو چیز میرے اور بنو ہاشم کے حصہ میں آئی ہے مجھے اس پر اختیار ہے لہٰذا وہ سب کچھ تمہیں واپس کیا جاتا ہے' البتہ جو کچھ دوسرے مسلمانوں میں مال غنیمت کے طور پر تقسیم ہو چکا ہے ان کی مرضی ہے واپس کریں یا نہ کریں اس پر میرا اختیار نہیں' البتہ ایک تدبیر بتاتا ہوں وہ یہ کہ کل صبح نماز کے بعد کھڑے ہو کر کہنا کہ ہم مسلمانوں کے لئے اللہ کے رسول کو سفارشی بناتے ہیں اور رسول اللہ کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بناتے ہیں کہ ہمارے اہل وعیال واپس کردیئے جائیں اس سے قبل اپنے قبول اسلام کا اعلان بھی کردینا میں تمہاری خواتین کی واپسی کے لئے ان سے کہوں گا"

دوسرے دن آپ کی ہدایات کے مطابق زہیر بن صرد نے نماز ظہر کے بعد کھڑے ہو کر اپنی درخواست پیش کی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"میں اپنے اور بنو ہاشم کے حصے کے قیدی واپس کرتا ہوں اور اے لوگو! بنو ہوازن اسلام قبول کرچکے ہیں' اب یہ تمہارے بھائی ہیں ان کے قیدی واپس کردو آپ ﷺ کے ارشاد کے تکمیل میں تمام مہاجرین اور انصار نے جنگی قیدی واپس کرنے کا اعلان کردیا لیکن تین آدمیوں نے قیدیوں کی واپسی کا اعلان نہ کیا' تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔

"بنو ہوازن مسلمان ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے مال و دولت پر اپنے اہل وعیال کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا خوش دلی سے قیدی واپس کردیئے جائیں اگر کوئی ایسا کرنے پر خوش نہیں تب بھی واپس کردیئے جائیں اسے اس کے بدلے میں چھ گنا مال غنیمت ملے گا۔

حضور ﷺ کے اصحاب نے یک زبان ہو کر کہا ہم حضور آپ کی خاطر خوشدلی سے اپنے قیدی واپس کرتے ہیں تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا! اس وقت معلوم نہیں کون خوشدلی سے ایسا کر رہا ہے لہٰذا تم اپنے سرداروں سے مشورہ کرکے صحیح

صورت حال سے مجھے آگاہ کرو"

چنانچہ سارے قیدیوں کو بخوشی رہا کر دیا گیا' اس پر خواتین میں آپ ﷺ کی رضائی بہن شیما بھی شامل تھیں جب وہ آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئیں تو انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ میں آپکی رضائی بہن شیما ہوں' حلیمہ سعدیہ کی بیٹی"

آپ نے پوچھا۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ شیما نے کہا۔

یا رسول اللہ! میری والدہ آپ کو دودھ پلایا کرتی تھیں اور میں آپ کو نہلایا کرتی تھی ایک دن میں نے آپ کو اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے میری پشت پر دانت کے ساتھ کاٹا تھا اس کاٹنے کا نشان ابتک موجود ہے"۔ نشان کی تصدیق کے بعد حضور ختمی مرتبت ﷺ اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھا دی اور فرمایا۔ "آؤ بہن اس پر بیٹھو"

پھر آپ نے شفقت اور محبت سے اپنی بہن سے باتیں کیں فرمایا۔

ان احببت فعندی محبتہ مکرمتہ و ان احببت ان امتعک و ترجعی الی قومک فعلت فقالت بل تمتعنی و تردنی الی قومی فمتعھا رسول اللہ ﷺ و ردھا الی قومھا

تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو میں تمہارا بھائی ہوں' تمہاری عزت اور تکریم میں فرق نہیں آئے گا اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں کچھ عطا کروں اور اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہو تب بھی جا سکتی ہو تحائف دے کر عزت کے ساتھ رخصت کروں گا۔

حضرت شیما نے فرمایا۔ مجھے کچھ عطا فرمائیں۔ میں اپنے قبیلے میں رہنا پسند کروں گی "حضور ﷺ نے انہیں ایک لونڈی تین ملازم اور بکریوں کا ایک ریوڑ دے کر عزت اور تکریم کے ساتھ رخصت کیا"۔ رخصت ہونے سے قبل انہوں نے اسلام قبول کر لیا' ایک اور روایت میں حضرت حلیمہ سعدیہ" کا بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے۔ (زاد المعاد' ۳:۴۷۵ / سیرۃ ابن ھشام' ۲:۴۵۸)

۱۰۔ وفد بنی مہرہ - ۸ھ

فتح مکہ کے بعد جب حضور ﷺ کے عظیم انقلابی کردار کی خوشبو چاروں طرف پھیلی آنکھوں پر پڑے کبرو نخوت کے پردے ہٹے اور حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے مظاہرے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو لوگ جوق در جوق اسلام کے دامن رحمت میں آنے لگے' سچائی اور صداقت کے سامنے باطل طاغوتی طاقتیں سجدہ ریز ہونے لگیں' امن و سلامتی کی پیامبر بن کر ایک نئی صبح طلوع ہوئی اور تاریخ کے سفر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا' ۸ھ میں بنی مہرہ کا ایک وفد مدینہ منورہ میں حضور رحمت عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے حسب معمول دعوت اسلام دی جو انہوں نے دل کی گہرائیوں سے قبول کرلی اور وفد کے اراکین مشرف بہ اسلام ہوگئے حضور ﷺ نے وفد کو گرانقدر تحائف دیئے اور ایک فرمان لکھوایا جس میں تحریر تھا۔

"یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے مہری بن الابیض کے لئے ہے جو مہرہ سے ایمان لانے والوں کا امیر ہے ان لوگوں پر نہ حملہ کیا جائے گا اور نہ انکے اموال سے کوئی تعرض برتا جائے گا ان پر اسلامی احکام قائم کرنا فرض ہے' جس نے دین میں ردو بدل کیا اسنے جنگ کا آغاز کیا اور جو ایمان لے آیا وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے گری پڑی چیز واپس کی جائے گی مویشی چرانے والی جماعت کا اعلان کیا جائے گا اور برائی فحش کلامی اور نافرمانی کا خاتمہ کیا جائے گا۔" (طبقات ابن سعد' ۱:۳۵۵)

۱۱۔ وفد بنی عبد بن عدی

روایات میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنو عبد بن عدی کا وفد بھی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے اہم اراکین میں حارث بن اہبان' حبیب بن مسلمہ' ربیعہ بن مسلمہ اور عویمر بن اخرم شامل تھے انہوں نے عرض کیا اے محمد ﷺ ہم اہل حرم ہیں ہمارا شمار معزز ترین لوگوں میں ہوتا ہے' قریش کے علاوہ ہم ہر ایک سے

جنگ کرسکتے ہیں آپ سے ہمیں کوئی عداوت نہیں بلکہ ہم تو آپ کے خاندان سے محبت کرنے والے ہیں آپ سے لڑائی نہیں چاہتے اس کے برعکس ہر مرحلے پر آپ کا ساتھ دینے کے آرزو مند ہیں یارسول اللہ اگر غلطی سے کوئی ہمارا آدمی مارا جائے تو ہم آپ سے خون بہا طلب کریں گے اور اگر ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں آپ کا کوئی آدمی مارا جائے گا تو اس کی دیت ہمارے ذمہ ہوگی' حضور رحمت عالم ﷺ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے ان نکات کو تسلیم کرلیا۔ وفد کے اراکین نے بخوشی اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ (طبقات ابن سعد' ۱:۳۵۶)

۱۲۔ وفد جرش

جرش' یمن کے ایک شہر کا نام ہے۔ اس شہر کے ہنرمند اسلحہ سازی کے لئے مشہور تھے شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل بھی تھی' حضرت صرد بنؓ عبداللہ کی سرکردگی میں مسلمانوں نے جرش پر حملہ کیا۔ اہل شہر نے قلعہ بند ہوکر لڑنے کو ترجیح دی' شہر کا محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا' اسلامی فوج کے سالار نے جنگی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے دشمن کو یہ تاثر دیا کہ مسلمانوں نے محاصرہ اٹھایا لیا ہے اور وہ دل برداشتہ ہو کر راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ کفار اس جنگی چال کو نہ سمجھ سکے اور مسلمانوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ اسلامی لشکر پلٹا اور دشمن پر بھرپور حملہ کرکے اس کی عسکری قوت کو تتر بتر کر دیا۔

دوران محاصرہ کفار نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے دو آدمیوں پر مشتمل ایک وفد مدینہ منورہ بھیج رکھا تھا' وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے پوچھا شکر نامی پہاڑ کہاں واقع ہے۔ انہوں عرض کیا ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ کا نام کشر ہے حضور ﷺ نے فرمایا یہ کشر نہیں شکر ہے۔ وہاں اللہ کے اونٹ ذبح کئے جارہے ہیں وفد کے اراکین حضور ﷺ کا ارشاد نہ سمجھ سکے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ

ﷺ کے ارشاد عالیہ کا مطلب پوچھنے لگے جواب ملا کہ مخبر صادق تمہاری قوم کی ہلاکت کی خبردے رہے ہیں۔ جاؤ اور اپنی قوم کو بچانے کے لئے حضور ﷺ سے دعا کی التجا کرو' وفد دوبارہ تاجدار کائنات ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا اور بارگاہ نبوی میں درخواست کی کہ آقا دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ جرش والوں سے ہلاکت اٹھالے۔ وفد کے دونوں اراکین جب وطن واپس پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ جس دن حضور ﷺ نے اونٹوں کے ذبح ہونے کی خبر دی تھی اسی دن مسلمانوں نے پلٹ کر تعاقب کرتے ہوئے اہل جرش پر حملہ کیا تھا اور وہ پسپا ہو کر دوبارہ قلعہ میں بند ہو گئے تھے اہل جرش کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہو گیا تھا' اور انہیں یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اسلام اللہ کا سچا دین ہے چنانچہ وہ رفتہ رفتہ اسلام کی جانب مائل ہونے لگے' اہل جرش نے اپنا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اجتماعی طور اسلام قبول کر لیا حضور ﷺ نے شہر جرش کے اردگرد کے علاقے کو انٹوں اور گھوڑوں کی چراگاہ کے طور پر مخصوص کر دیا' ایک دستاویز کی تکمیل ہوئی جس میں درج تھا۔

"یہ تحریر محمد اللہ کے نبی کی جانب سے اہل جرش کے حق میں ہے اسلام لانے کے وقت یہ جس کے مالک تھے' یہ ان کی ملکیت ان کے تصرف میں ہی رہے گی' جس نے خاندانی زمین کو چھوڑ کر اس چراگاہ میں مویشی چرائے ان کے مویشی لے لینا جائز ہے اور زبیر بن الماطہ کہ اس کا بیٹا قبیلہ خثعم سے فرار ہے وہ اس کا خاص نہیں۔"

(اسد لغابہ' ۳:۱۷/ سیرۃ ابن ھشام' ۲:۵۷۷)

۱۳۔ وفد بنی تغلب ۔ ۸ھ

فتح کے بعد سولہ آدمیوں پر مشتمل بنی تغلب کے ایک وفد نے دربار نبوی میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ وفد کے بعض اراکین پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے' وفد میں بعض عیسائی بھی شامل تھے انہوں نے اپنے سینوں پر سونے کی صلیبیں آویزاں

کرر کھی تھیں، حضور رحمت عالم ﷺ نے وفد کے جملہ اراکین کو رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا وفد کے مسلمان اراکین نے حضور ﷺ سے بیعت کی اور احکام دین سیکھے لیکن وفد کے عیسائی اراکین نے اسلام کی دعوت قبول نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہے البتہ انہوں نے مسلمانوں سے صلح کی خواہش کا اظہار ضرور کیا جسے حضور سرور کون ومکان ﷺ نے اصولی طور پر منظور کرلیا اور اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے مذہب سے دور رکھیں گے اور ان پر نصرانیت کا رنگ نہیں چڑھنے دیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ۱:۳۱۶)

۱۴۔ وفد عدی بن حاتم

اسلام کی سرمدی تعلیمات کی خوشبو اکناف عالم میں پھیل رہی تھی، دین حق ادیان عالم پر غالب آرہا تھا سماج نیکی، طہارت اور پاکیزگی کے اوصاف حمیدہ سے مزین ہو رہا تھا، مدینے کی فلاحی ریاست انسان کے بنیادی حقوق بحال کرنے کے بعد ان کے استحکام کے لئے عملی اقدامات کرنے میں مصروف تھی، ریاستی جبر کا تصور ناپید ہوچکا تھا۔ دہشت گردی کی ردا تار تار ہوچکی تھی معاشرہ آزاد اور پرسکون فضا میں سانس لے رہا تھا، شرف آدمیت بحال ہوچکا تھا، دختر حوا کے پیروں میں پڑی زنجیریں کٹ رہی تھیں عدل ومساوات کے نفاذ کے لئے قواعد وضوابط نافذ کردیئے گئے تھے، ملوکیت کے سائے ڈھل رہے تھے، اور جمہوری شعور فروغ پارہا تھا، افق تہذیب پر امن وسلامتی کی نئی صبح جو قیامت تک اجالوں کی امین تھی جو ہر آنگن میں رنگ وبو کی دنیا آباد کررہی تھی اور ہر دریچے میں پھول سجا رہی تھی، وہ صبح دلنواز جس کے لئے ماہ وسال کے لاکھوں کروڑوں قافلے کروڑوں اربوں سال سے دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوئے تھے طلوع ہو چکی تھی، افراد اور قبائل کو دعوت حق دینے کا کام جاری تھا لوگ خوشی خوشی دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے قول وعمل کی خوشبو مشام جان کو معطر کررہی تھی۔

داعی اعظم ﷺ نے حضرت علیؓ کی سرکردگی میں پچاس مجاہدین کی ایک

جماعت قبیلہ طے کی طرف بھیجی اس وقت عدی بن حاتم قبیلہ طے کا سردار تھا اسے جب مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ شام کی طرف فرار ہو گیا۔ بعد میں جب عدی بن حاتم نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے یہ واقعہ اپنی زبان سے یوں بیان فرمایا۔

" قبائل کے جوق در جوق مسلمان ہونے کی خبریں گردش کر رہی تھیں لیکن انہیں عیسائیت کی حقانیت پر پورا یقین تھا' مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو جانے کے باعث خطرہ بھی محسوس ہونے لگا تھا' ایک دن مدینہ منورہ سے ایک شخص آیا تو اس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک دن عدی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو گا' یہ سن کر میرے اضطراب میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا چنانچہ میں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ کوچ کا سامان تیار رکھے اور جونہی مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی خبر ملے مجھے فوراً اطلاع کرے ایک دن غلام دوڑتا ہوا آیا اور بتایا کہ مسلمانوں کا لشکر حملہ آور ہوا چاہتا ہے سامان سفر پہلے ہی باندھ رکھا تھا' اپنے اہل و عیال کو لے کر شام کی طرف چلا آیا ملک شام میں عیسائی آباد تھے میں نے جوشیہ نامی ایک بستی میں رہائش اختیار کر لی۔ روانگی کے وقت افراتفری کے عالم میں میری بہن مجھ سے بچھڑ گئی جسے بعد میں مسلمانوں نے حراست میں لے لیا"

عدی کی بہن سفانہ کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے سرکار دو عالم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرا باپ فوت ہو چکا ہے اور نگران بھاگ گیا ہے آپ ﷺ نے پوچھا۔

"تمہارا نگران کون تھا" اس نے کہا "عدی بن حاتم" حضور ﷺ نے فرمایا "وہی عدی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگ گیا ہے" سفانہ نے عرض کیا "ہاں وہی عدی"

سفانہ نے رہائی کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ کوئی فیصلہ کئے بغیر تشریف لے گئے' دوسرے روز بھی سفانہ نے اپنی درخواست دہرائی لیکن آپ ﷺ خاموش رہے تیسرے دن سفانہ پھر رہائی کے لئے عرض پرداز ہوئی اب کے حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے بھی انکی رہائی کی سفارش کی حضور ﷺ نے سفانہ کی رہائی کا حکم صادر فرمایا لیکن ارشاد ہوا کہ جانے میں جلدی نہ کرنا کوئی قابل اعتماد آدمی مل گیا تو اطلاع دینا چند روز بعد قبیلہ عدی یا قضاعہ کا وفد آیا تو سفانہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے اس وفد کے ساتھ روانہ کردیا جائے حضور ﷺ نے سفانہ کے سماجی مرتبے کے مطابق زاد سفر کا اہتمام فرمایا کہ اسے وفد کے ساتھ روانہ کردیا۔ سفانہ کو عدی کے نئے ٹھکانے کا بھی علم تھا سیدھی بھائی کی رہائش گاہ پر پہنچیں عدی کہتے ہیں کہ

"ایک دن میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر کے سامنے آکر ایک اونٹنی رکی، محمل میں ایک پردہ نشین عورت بیٹھی ہوئی تھی، مجھے شک سا گزرا ممکن ہے میری بہن سفانہ ہو لیکن معاً خیال آیا کہ وہ تو مسلمانوں کی قید میں ہے۔ وہ وہاں سے اس شان و شوکت کے ساتھ کیسے واپس آسکتی ہے اتنے میں محمل کا پردہ اٹھا اور یہ الفاظ سنائی دیئے۔

القاطع الظالم احتملت باھلک وولدک و ترکت بقیۃ والدک عورتک (سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۵۸۰)

ظالم، قاطع رحم، افسوس ہے تجھ پر اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور حاتم کی بیٹی کو چھوڑ آئے۔

بہن کی باتیں سن کر سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا معذرت کر کے بہن کو منایا تھوڑی دیر بعد اس سے پوچھا تو نے صاحب قریش (رسول اللہ ﷺ) کو کیسا پایا۔ اس نے کہا کہ جتنی جلدی ہوسکے جاکر ان سے ملو اگر وہ اللہ کے نبی ہیں تو ان کی قدم بوسی میں پہل کرنا۔ ان سے تمہاری یہ ملاقات دونوں جہانوں میں تمہاری سرخروئی کا سبب ہوگی اگر حضور ﷺ بادشاہ ہیں تو تب بھی ان سے ملنے میں تمہاری قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا"

روایات میں آیا ہے کہ بہن کی باتیں سن کر عدی سیدھا مدینہ منورہ پہنچا آپ ﷺ اس وقت صحابہؓ کے جھرمٹ میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، حاضر خدمت ہوا تو آقائے نامدار ﷺ نے نام پوچھا "عدی بن حاتم .... حضور ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور گھر کی طرف چل دیئے راستے میں پہلے ایک بچے نے

اور پھر ایک غریب بڑھیا نے آپ ﷺ کو روک لیا آپ ﷺ دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے جب وہ از خود چلے گئے تب آپ ﷺ آگے بڑھے عدی دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ دنیا کا کوئی بادشاہ ایسا مشفقانہ طرز عمل اختیار نہیں کرسکتا یہ بادشاہ ہرگز نہیں ہوسکتے گھر پہنچے تو سرور عالم ﷺ خود نیچے زمین پر بیٹھ گئے اور اصرار کر کے عدی کو چمڑے کے گدے پر بٹھا دیا اب عدی کو پورا یقین ہو چلا تھا کہ حضور ﷺ بادشاہ نہیں یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے اس کے بعد تاجدار کائنات اور عدی بن حاتم کے مابین گفتگو ہوئی۔

محبوب خدا ﷺ

"اے عدی! تم آج تک اس دین سے بھاگتے رہے ہو جو سلامتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔"

عدی بن حاتم

"میں عیسائیت کا پیرکار ہوں میرا دین بھی سلامتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔"

محبوب خدا ﷺ

"میں تمہارے دین کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

عدی بن حاتم

(حیرت سے) کیا آپ کو مجھ سے زیادہ میرے دین کا علم ہے۔

محبوب خدا ﷺ

"کیا تم رکوسی نہیں ہو اور اپنی قوم کے سردار ہونے کے باعث ان سے پیداوار کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟"

عدی بن حاتم

"جی ہاں میں رکوسی ہوں اور اہل قبیلہ سے پیداوار کا چوتھا حصہ وصول کرتا ہوں

محبوب خدا ﷺ

"کیا پیداوار کا چوتھا حصہ وصول کرنا دین عیسوی میں جائز ہے"

عدی بن حاتم خاموش ہو گئے' اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں تھا کیونکہ عیسائیت میں اہل قبیلہ سے اس طرح حصہ وصول کرنا ناجائز تھا اب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اے عدی!

مسلمانوں کی غربت تمہیں قبول حق سے روک رہی ہے لیکن ایک زمانہ آنے والا ہے جب کسریٰ بن ہرمز کے خزانے مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گے"

عدی بن حاتم

(مزید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے) کسریٰ کے خزانے---------!

محبوب خدا ﷺ

"ہاں کسری بن ہرمز کے خزانے مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گے اور ان کے پاس مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ لوگوں کو دیا جائے گا لیکن وہ لینے سے انکار کر دیں گے کہ ہمیں مال و دولت کی ضرورت نہیں' مسلمان کسریٰ کے محل پر بھی قبضہ کرلیں گے پھر آپ نے اس سے پوچھا "اے عدی تم نے حیرہ دیکھا ہے؟"

عدی بن حاتم

"کبھی حیرہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا البتہ حیرہ کا نام ضرور سن رکھا ہے۔"

محبوب خدا ﷺ

فواللہ لیوشکن ان تسمع بالمراۃ تخرج من القادسیۃ علی بعیرھا تزور ھذا البیت لا تخاف

(سیرۃ ابن ہشام' ۲: ۵۸۱)

"اے عدی! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ وقت دور نہیں ہے جب ایک محمل نشین عورت تنہا حیرہ سے سفر کرکے کعبہ کا طواف کرے گی اور کوئی اس کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھے گا (یہ سب اسلام کی برکت سے ہوگا)

اس گفتگو کے بعد عدی بن حاتم نے اسلام قبول کرلیا' رسول اکرم ﷺ کو

ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کی بہت خوشی ہوئی آپ ﷺ نے انہیں حسب سابق اپنے قبیلے کا سردار رہنے دیا' حضرت عدیؓ بن حاتم فرمایا کرتے تھے کہ چند سال بعد جس لشکر نے کسریٰ کے محل "قصر ابیض" پر قبضہ کیا تھا اس میں میں بھی شامل تھا اور میں نے وہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حیرہ سے ایک محمل نشین عورت نے تنہا سفر کرتے ہوئے طواف کعبہ کیا اور واپس چلی گئی۔ (سیرت ابن ہشام' ۵: ۵۸۱)

۱۵۔ وفد نجران - ۸ھ

دعوت کا کام ایک صبر آزما اور اعصاب شکن عمل کا نام ہے۔ روحانی کیف اور گداز عشق جیسی متاع بے بہا داعی کا مقدر بنتی ہے تاہم دعوت کی قبولیت کا مرحلہ کٹھن بھی ہے اور دشوار بھی۔ پیغمبر اعظم ﷺ کو مرحلہ دعوت میں کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ' پیغمبرانہ استقامت کے ان گنت واقعات سے جگمگا رہی ہے۔ اسلام اپنے اوائل دور میں ابتلاو آزمائش کے جن مراحل سے گزرا اگرچہ فتح مکہ کے بعد وہ مراحل قدرے آسان ہو گئے تھے اور دلوں پر پڑے زنگ آلود قفل آہستہ آہستہ پگھل رہے تھے تاہم ابھی بہت سے قبائل اور ان قبائل کے بہت سے افراد کسی منطق دلیل کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی ضد پر قائم تھے' روشنی کو دیکھ رہے تھے لیکن اپنی آنکھیں بند کر کے روشنی کے وجود سے انکار بھی کر رہے تھے' الہامی کتابوں میں مذکور تمام نشانیاں اور تمام آثار روز روشن کی طرح واضح تھے' علمائے یہود و نصاریٰ نسل در نسل نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کے منتظر تھے وہ جانتے تھے کہ مرسلِ آخر ﷺ کا ستارہ صبح طلوع ہو چکا ہے' انہیں یہ بھی علم تھا کہ رسول خدا ﷺ پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے گا تو وہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں گے۔ حضور ﷺ کا بچپن' لڑکپن' اور جوانی ایک کھلی کتاب کی مانند ان کے سامنے تھی اللہ کے آخری نبی ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی لیکن یہودیوں کو دکھ اس بات کا تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور بنی اسرائیل میں کیوں

نہیں ہوا اس لئے وہ حقائق کو جانتے ہوئے بھی حضور ﷺ کی مخالفت میں صف آرا ہو گئے بلکہ بچپن سے ہی حضور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے اور مصطفوی انقلاب کی راہ میں دیواریں کھڑی کر کے روشنی کے سفر کو روکنے کی سعیِ ناکام میں مصروف ہو گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو تبلیغ دین حق کے لئے نجران بھیجا لیکن ان مساعی جمیلہ کے خاطر خواہ نتائج پیدا نہ ہو سکے عیسائی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا ہوتے الٹا وہ اسلام اور صاحب اسلام ﷺ پر اعتراضات کا ایک دفتر لئے بیٹھے تھے اور طویل بحث و مباحثہ میں الجھنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے حضرت مغیرہؓ نجران سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے آقائے مدینہ ﷺ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضور ﷺ نے نجران کے اسقف کے نام ایک نامہ تحریر کروایا آپ کے نامہ مبارک میں تحریر تھا۔

"ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کے اللہ کے نام سے' محمد رسول اللہ کی طرف سے نجران کے اسقف کے نام' تم اسلام قبول کر لو' میں تمہارے سامنے' ابراہیم' اسحق اور یعقوب کے معبود کی تعریف بیان کرتا ہوں اور اللہ کی حمد کے بعد میں تمہیں اس طرف بلاتا ہوں کہ بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آ جاؤ' بندوں کی حکمرانی سے تمہیں نجات دلا کر اللہ کی حکمرانی کی طرف دعوت دیتا ہوں' اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو جزیہ ادا کرو اور اگر جزیہ دینا بھی منظور نہ ہو تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ"

روایات میں ہے کہ جب اہل نجران کو آپ ﷺ کا مکتوب شریف ملا تو اہل نجران نے ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا' وفد میں نجران کے رؤسا اور معززین بھی شامل تھے' وفد کے اراکین کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا انہوں نے اپنے طریق پر عبادت کرنا چاہی تو بعض صحابہ کو اس پر اعتراض ہوا لیکن حضور رحمتہ للعالمین نے وفد کو اپنے طریق پر قائم رہتے ہوئے مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی' چنانچہ ارکان وفد نے مشرق کی جانب منہ کر کے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی ادائیگی کا فریضہ سرانجام دیا۔ کئی دنوں تک مختلف مسائل و امور پر

گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا' حضور نے وفد کے ہر قسم کے سوالوں کے جواب دیئے لیکن وہ حرف حق کو ذہنی اور قلبی طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات اسی وفد کے قیام کے دوران مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ وفد کے اراکین نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم تو پہلے مسلمان ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو صلیب کی پوجا کرتے ہو تم مسلمان کیسے ہو سکتے ہو حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تھے ان کا خمیر بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے اٹھایا گیا تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے وہ اللہ کیسے ہو گئے' لیکن ان سچی باتوں کا وفد کے ارکان نے کوئی اثر قبول نہ کیا اور وہ اسلام کی طرف مائل نہ ہوئے اس پر آیت مباہلہ نازل ہوئی نبی اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا' حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر مباہلہ کے لئے باہر تشریف لائے (بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی مذکور نہیں) لیکن نجران کا وفد مباہلہ کے لئے سامنے نہ آیا' انہوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعی اللہ کے سچے نبی ہیں تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا البتہ مسلمانوں کو جزیہ دینا گوارا کر لیا اس طرح ایک معاہدہ طے پا گیا۔ جس کا متن ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

"یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے اہل نجران کے لئے ہے یہ لوگ (اہل نجران) ان (اہل اسلام) کے ماتحت رہیں گے' زمین کی پیداوار' دینار و درہم اور غلاموں کے بارے میں وہ ان کے حکم کی تعمیل کریں گے' باقی سب کچھ چھوڑ کر ان سے دو ہزار حلوں پر طے کر لیا گیا ہے' ایک ہزار حلے رجب میں اور باقی ایک ہزار صفر میں دیا کریں گے' اس سلسلہ میں تمام شرائط لکھ دی گئی ہیں۔"

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے انہیں ایک اور تحریر بھی دی جس کا مضمون یہ تھا۔

"اللہ کے رسول نے یہ مکتوب اسقف بنی الحارث بن کعب اور نجران کے دوسرے اسقفوں' کاہنوں راہبوں اور ان کے پیروکاروں کے لئے تحریر کیا ہے' کم و بیش جو کچھ

ان کے قبضہ میں ہے' مثلاً ان کی عبادت گاہیں اور گرجے بدستور ان کی ملکیت میں ہی رہیں گے' اہل نجران اپنی رہبانیت پر قائم رہ سکتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ میں رہیں گے کسی اسقف' راہب یا کاہن کو معزول نہیں کیا جائے گا۔ ان کے حقوق و اختیارات (جو کچھ وہ کرتے ہیں) میں ذرا سا بھی رد و بدل نہیں ہو گا جب تک کہ وہ عوام الناس کے خیر خواہ رہیں گے' نہ خود ظلم کریں گے نہ ظالموں کا ساتھ دیں گے"

وفد کی واپسی کے وقت نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جزیہ کی وصولی کے لئے روانہ کیا اور فرمایا کہ یہ میری امت کے امین ہیں' بعض روایات میں ہے کہ نجران سے دو وفود حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے اہل نجران کے دوسرے وفد کو بھی امن کی ایسی ہی دستاویز دے کر رخصت کیا۔

(البدایہ والنہایہ' ۵: ۵۲ / زرقانی علی المواہب' ۴: ۴۱)

۱۶۔ وفد ہمدان ۔ ۹ھ

غزوات کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام اور دین حق کے فروغ کے لئے بھی کوششیں جاری تھیں سینے ایمان کے نور سے منور ہو رہے تھے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر دعوت کے کام میں پیش رفت ہو رہی تھی' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اسلام کے دامن رحمت میں آ چکے تھے کو یمن کے قبیلہ ہمدان کی طرف بھیجا گیا لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس کام پر مامور کیا' ان کی کاوشیں رنگ لائیں اور بنو ہمدان نے اسلام قبول کر لیا جب حضرت علیؓ نے بنو ہمدان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خبر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچائی تو حضور رحمت کونین ﷺ نے فرمایا اسلام علی ہمدان' اسلام علی ہمدان' یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے جب آقا علیہ السلام غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو بنو ہمدان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ روایات میں ہے کہ وفد کے اراکین نے اپنے آپ کو دھاری دار یمنی چادروں اور

عدنی پگڑیوں سے آراستہ کر رکھا تھا نہ صرف یہ بلکہ وہ مہری اور ارجنی اونٹیوں پر سوار تھے اور حضرت مالکؓ بن غسط ذوالمشعار رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

(طبقات ابن سعد'۱:۳۴۱)

۱۷۔ وفد کنانہ / وفد واثلہ - ۹ھ

۹ ہجری حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن سال تھا' غزوہ تبوک سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تحریک اسلامی کا دعوتی و تربیتی کام زوروشور سے جاری تھا اور بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہونے والے وفود کی اکثریت بھی قبولیت اسلام کے لئے ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی' اسلام ایک عظیم روحانی' اعتقادی' ثقافتی' تمدنی' سیاسی' اقتصادی اور عسکری قوت کے طور پر ابھر رہا تھا اور ہر شعبہ میں مصطفوی انقلاب' انقلاب آفریں تبدیلیوں کا باعث بن رہا تھا۔ اسلامی حکومت کے استحکام اور اس کی قوت سے عرب قبائل ہی نہیں اس وقت کی دوسری سپر پاور قیصر روم بھی مرعوب اور مغلوب دکھائی دینے لگی' روایت ہے کہ غزوۂ تبوک سے چند روز قبل واثلہ بن اسقع لیثی کنانی اسلام قبول کرنے کی نیت سے مدینہ منورہ تشریف لائے' آپ نے نماز فجر میں شمولیت اختیار کی' نماز کی ادائیگی کے بعد جب نبی اکرم ﷺ نے نمازیوں کے جھرمٹ میں ایک اجنبی شخص کو دیکھا تو پوچھا کہ تم کون ہو واثلہ بن اسقع لیثی کنانی نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کرنے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا۔

"کیا تو ہر مہم میں شرکت کرے گا خواہ تمہیں اس مہم میں اپنی شرکت پسند ہو یا نہ ہو؟

ہاں' یارسول اللہ ﷺ اس نے کہا۔

آپ ﷺ نے فرمایا بشرط استطاعت۔

عرض کیا "جی ہاں' یارسول اللہ"

اس کے بعد حضرت واثلہؓ نے حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اسلام قبول کیا اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ (ابن الاثیر)

روایات میں ہے کہ جب حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اسلام کے دامن عافیت میں آنے کے بعد اپنے گھر واپس پہنچے اور گھر والوں کو اپنے اسلام قبول کرنے کے واقعہ سے آگاہ کیا تو ان کے والد سخت برہم ہوئے اور بیٹے سے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور قسم کھائی کہ ان کے ساتھ بات نہیں کریں گے البتہ حضرت واثلہؓ کی ہمشیرہ نے اسلام قبول کرلیا' روایت ہے کہ حضرت واثلہؓ غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے دوبارہ مدینہ منورہ آئے' یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر تو تبوک کی طرف روانہ ہو چکا ہے' حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ مفلوک الحال تھے' عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال تھے' سواری کا انتظام کرنا ان کے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا لیکن جذبۂ جہاد سے سرشار تھے آخر ان کا یہ صادق جذبہ رنگ لایا اور قدرت نے ان کے لئے سواری کا ہی نہیں بلکہ زاد راہ کا بھی انتظام کردیا۔ ہوا یوں کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ مدینہ پاک کی گلیوں میں صدا لگا رہے تھے کہ کون ہے جو مجھے مال غنیمت لے بدلے میں تبوک لے چلے' حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ جو کسی وجہ سے اسلامی لشکر کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہ کرسکے تھے اور رخت سفر باندھ رہے تھے نے حضرت واثلہؓ کی پکار سنی وہ رکے حضرت واثلہؓ کے لئے بھی زاد سفر لیا اور انہیں سواری میں بٹھا کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور اسلامی عساکر کے ساتھ جا ملے جس فوجی دستے نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دومۃ الجندل پر حملہ کیا حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک تھے' اس مہم کے نتیجے میں آپ کو چھ اونٹنیاں مال غنیمت کے طور پر ملیں آپ حسب وعدہ وہ اونٹنیاں لے کر حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت یہ نذرانہ قبول فرمایئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسکرا دیئے اور کہا میں نے کسی دنیاوی لالچ کی بنا پر آپ کو اپنا ہم سفر نہیں بنایا تھا بلکہ میرے پیش نظر آخرت کا اجر و ثواب تھا۔ سو میں اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا' یہ اونٹنیاں آپ کو مبارک ہوں۔

(طبقات ابن سعد' ۳۵۵ / اسد الغابہ' ۵:۷۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب واثلہ نے قبولِ اسلام کے لئے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض گزاری تو حضور ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا واثلہ جاؤ پہلے پانی اور بیر کی پتیوں سے غسل کرو اور کفر کے بالوں کو صاف کرو تعمیل حکم کے بعد جب حضرت واثلہؓ دوبارہ دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو تاجدار کائنات ﷺ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ (مستدرک حاکم' ۳:۵۷۰)

۱۸۔وفد داریین ۔ ۹ھ

غزوہ تبوک کے بعد جب اسلامی لشکر فتح مندی اور سرخروئی کے زندہ و تابندہ احساس سے سرشار ایک وقار اور تمکنت کے ساتھ لوٹا اور سلطنت روم کی سرحد کے ساتھ آباد قبائل نے اپنے مستقبل کو رومیوں کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کرنے کو ترجیح دی تو دعوت اسلامی کے کام میں بھی تیزی سے پیش رفت ہوئی' ملک شام سے الداریوں کا ایک وفد بھی غزوہ تبوک کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ یہ وفد دس پندرہ افراد پر مشتمل تھا جو مذہباً عیسائی تھے' وفد کی نمایاں شخصیات میں تمیم بن اوس داری اور نعیم بن اوس کے نام سرفہرست تھے' وفد کے اراکین نے بارگاہ نبوی ﷺ میں کپڑے' شراب اور گھوڑے پیش کئے' حضور ﷺ نے شراب واپس کر دی اور کپڑے اور گھوڑے قبول کر لئے' وفد کے ارکان نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں درخواست گزاری کہ یا رسول اللہ آپ ملک شام پر قابض ہو جائیں تو بیت عینون اور اس کے نواحی علاقہ جات ہمیں مرحمت فرما دیجئے گا۔ آپ ﷺ نے وفد کی پیش کردہ درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا اور درج ذیل دستاویز مکمل کروائی۔

"یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تمیم بن اوس داری کے حق میں ہے کہ عینون کا سارا گاؤں' اس کے پہاڑ' کھیت' میدان' انگور کی بیلیں' کنوؤں کا

پانی اور گائے بیل ان کی ملکیت ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد کی ملکیت ہوں گے۔ اس پر کسی دوسرے کا حق نہیں ہوگا اور نہ کوئی ناجائز طریقے سے مداخلت کرے گا اگر کسی نے ان کو یا ان کی اولاد کو ستایا تو اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو" (طبقات ابن اسعد' ۱: ۳۴۴)

دیگر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام سے مذکورہ قبیلے کے لوگ دو مرتبہ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے' پہلا وفد ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں حاضر ہوا' اس وفد میں سات افراد شامل تھے جن میں تمیم بن اوس اور ابن دار کے نام قابل ذکر ہیں یہ لوگ توریت اور انجیل میں نبی آخرالزماں ﷺ کے بارے میں مذکور پیش گوئیوں کا علم رکھتے تھے' انہیں یقین تھا کہ ایک دن اللہ کے آخری رسول کو شام اور فلسطین پر غلبہ حاصل ہو جائے گا اس لئے پیش بندی کے طور پر انہوں نے اپنے مختلف علاقہ جات مثلاً جیرون' بیت ابراہیم' بیت عینون اور خرطوم کی ملکیت کی درخواست قبل از وقت ہی بحضور رسالت مآب ﷺ پیش کی تھی' درخواست کو قبولیت کا شرف بخشا گیا اور بارگاہ نبوی ﷺ سے اس ضمن میں باقاعدہ فرمان جاری ہوا' حضور ﷺ نے وفد کو یہ بھی ہدایت جاری فرمائی کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ چلا جاؤں تو دوبارہ میرے پاس آنا۔ چنانچہ یہ لوگ ہجرت کے بعد دوبارہ وفد کی صورت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور مذکورہ علاقہ جات کی ملکیت اور حق تصرف کی تجدید کرائی۔

(تاریخ ابن عساکر' ۳: ۳۵۴ / سیرت حلبیہ ۳: ۶)

۱۹۔ وفد بنی بارق

دیگر وفود کی طرح بنی بارق کے ایک وفد نے بھی مدینہ منورہ میں تاجدار کائنات ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ داعی اعظم ﷺ نے حسب معمول اس وفد کو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جو وفد کے اراکین نے بخوشی قبول کر لی (اس وفد کے اراکین کی تعداد اور حاضری کا سن معلوم

نہیں ہو سکا) بنی بارق کے حق میں بارگاہ نبوی ﷺ سے جو فرمان جاری ہوا اس میں درج تھا۔

"یہ تحریر اللہ کے رسول کی طرف سے اہل بارق کے لئے ہے' اہل بارق کے پھل نہیں کاٹے جائیں گے' سردی ہو یا گرمی ان کی مرضی کے بغیر ان کے علاقوں میں مویشی نہیں چرائے جائیں گے اور جب کسی مسلمان کا تنگی' معاش یا قحط سالی کی حالت میں (ایک روایت کے مطابق جنگ کا ذکر بھی ہے) ان علاقوں سے گذر ہو تو بنی بارق کے لئے لازم ہے کہ تین دن تک اس کی میزبانی کا فریضہ سرانجام دیں۔ جب پھل پک جائیں تو مسافروں کو پھل توڑ کر کھانے کی اجازت تو نہیں ہوگی البتہ وہ زمین پر گرے ہوئے پھل اٹھا کر کھا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ چوری کا ارتکاب نہ کریں۔"

(طبقات ابن سعد' ۱: ۳۵۲)

۲۰۔ وفد بنی ثقیف۔ ۹ھ

حرف حق کی تلاش میں اپنا سر اپنی ہتھیلیوں پر سجا کر نکلنا پڑتا ہے' کشتیاں جلائے بغیر کامیابی و کامرانی کے ساتھ آگے بڑھنے کا تصور بھی محال ہے۔ نصب العین کے ساتھ غیر مشروط اور غیر متزلزل کومٹ منٹ (Commitment) راہ حق میں زاد سفر کا کام دیتی ہے' راہ وفا میں استقامت ہی مردان حر کا زیور ہے۔ انقلاب کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہوتا بلکہ مسافران راہ عشق کو قدم قدم پر ابتلا و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ دعوت کا کام پیغمبرانہ جدوجہد کا حصہ ہے۔ اس صورت میں باطل استحصالی طاقتوں کی مزاحمت جنون کی شکل اختیار کر لیتی ہے' راہ حق میں پتھروں سے دیواریں ہی تعمیر نہیں ہوتیں یہ پتھر داعی حق پر برسا کر ابلیسی نظام کو تحفظ بھی فراہم کیا جاتا ہے' آقائے دو جہاں ﷺ پر طائف میں جو گزری اسے نبیِ محتشم ﷺ ہی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے' ایک ایک ساعت آنسوؤں سے لبریز' ایک ایک لمحہ دکھ اور کرب کا مظہر اور ایک ایک گھڑی جبر و تشدد کی تصویر' تاجدار کائنات ﷺ کے

ٹخنوں سے بہنے والا خون قیامت تک آنے والے مبلغین اسلام کے لئے عزم و استقلال کی علامت بن کر آسمان ہدایت پر روشنی بکھیرتا رہے گا' حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ دن اُحد کے دن سے بھی زیادہ سنگین دن تھا۔ جب پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ اگر آپ حکم فرمائیں تو انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں؟ تو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا نہیں' مجھے امید ہے کہ میرا اللہ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرے گی۔

جنگ حنین میں قبیلہ ثقیف نے بنو ہوازن کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کے لئے مزید مشکلات پیدا کردی تھیں' اس قبیلے کے بارے میں کتب سیر میں مذکور ہے کہ یہ ایک جنگجو قبیلہ تھا لیکن اسلام دشمنی کی انتہا کو چھونے والے اس قبیلے کے افراد کے من میں بھی ایمان کی چنگاریاں روشن ہونے لگیں اور کبر و نخوت کے بت ایک ایک کر کے پاش پاش ہونے لگے آسمانوں پر حضور ﷺ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا گیا' رمضان المبارک ۹ھ میں طائف سے ایک وفد تاجدار کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا' یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے اوباش لڑکوں کو حضور رحمت عالم ﷺ کے پیچھے لگا دیا تھا' وہ آوازیں کستے' تالیاں پیٹتے' حضور ﷺ پر سنگ باری کرتے کرتے شہر سے دور نکل آئے' حضور ﷺ کو ایک باغ میں پناہ لینا پڑی تھی' آج اسی سرزمین طائف کا وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ یہ سچائی کی ایک عظیم فتح تھی' صداقت کی عظیم کامیابی تھی حق کا بول بولا ہو رہا تھا' مختلف روایات میں وفد کے اراکین کی تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے' بعض روایات میں ان کی تعداد چھ اور بعض میں انیس بتائی گئی ہے' صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اس قبیلے کے ایک رئیس عروہ بن مسعود کو قریش نے اپنا سفیر بنا کر آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ صحابہؓ کی جاں نثاری دیکھ کر وہ اس قدر متاثر ہوا کہ واپس آکر اس نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو اس میں بھی قریش کی نیک نامی ہے۔ اور اگر ناکام رہے تو قریش کا مقصد خود بخود پورا ہو جائے گا۔ حضور ﷺ جب غزوہ

حنین سے واپس آرہے تھے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ جنگ حنین میں بنی ثقیف نے بنی ہوازن کا ساتھ دیا تھا۔ ہوازن کی شکست کے بعد بنو ثقیف طائف میں قلعہ بند ہو گئے نبی اکرم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور پھر ان کی درخواست پر محاصرہ اٹھا کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے' اگرچہ محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا لیکن بنو ثقیف کو اپنی بے بسی اور جزیرۃ العرب میں اپنے تنہا رہ جانے کا احساس دامن گیر ہوا۔ انہوں نے اپنا ایک وفد عبد یالیل کی قیادت میں بارگاہ نبوی ﷺ میں بھیجا۔ جب وفد مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ بارگاہ مصطفےٰ ﷺ میں وفد بنی ثقیف کی آمد کی اطلاع دینے کے لئے دوڑ پڑے راستے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے دوڑنے کی وجہ پوچھی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بنی ثقیف کا وفد آرہا ہے تو انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر کہا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں یہ خوشخبری لے کر مجھے جانے دو' چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محبوب خدا ﷺ کی خدمت میں اطلاع دی کہ یا رسول اللہ' بنی ثقیف کا وفد حاضر خدمت ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ اپنے یار غار کی زبانی یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور بنی ثقیف کے وفد کو مسجد میں ٹھہرانے کا حکم صادر فرمایا کہ قرآنی آیات کی تلاوت ان کی سماعت میں رس گھولتی رہے' آیات ربانی کی تلاوت سے وفد کے اراکین کے دلوں میں سوز و گداز کی مشعلیں جل اٹھیں اور مسلمانوں کو محویت کے عالم میں نماز پڑھتے دیکھ کر ان کے سینوں میں بھی ایمان کی شمع روشن ہو جائے ان تدابیر کے خوشگوار نتائج بر آمد ہوئے آقائے دو جہاں ﷺ بنفس نفیس بھی ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے' ایک دن وفد کے ارکان جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ آپ ہم سے اپنی رسالت کو گواہی لینا چاہتے ہیں لیکن ہم نے کبھی خطبے میں آپ کو اپنا نام لیتے نہیں سنا' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں سب سے پہلے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے مجھے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے' اللہ رب العزت کی طرف سے میں مخلوق خدا کی ہدایت اور

اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ ازاں بعد بنی ثقیف کے وفد نے چند شرائط کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ اس سلسلے میں رئیس وفد عبد یالیل اور تاجدار کائنات ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ دعوتی حکمت عملی کے بہت سے کار آمد اور مفید اصولوں کو آشکار کرتی ہے۔

عبد یالیل بن عمرو

"ہمارے علاقے میں مجرد رہنے کا دستور عام ہے۔ لہٰذا زناکاری ہماری مجبوری ہے' کیا ہمیں اس کی اجازت ہوگی۔"

رسول اکرم ﷺ -

"بدکاری قطعاً حرام ہے۔ کسی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی' ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○
(بنی اسرائیل' ۱۷:۳۲)

تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔

عبد یالیل بن عمرو۔

"اور سود کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو ہمارا اپنا ہی مال ہوتا ہے"

رسول اکرم ﷺ -

"تمہیں اصل سرمایہ لینے کی اجازت ہے لیکن سود کلیتاً حرام ہے" قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○
(البقرہ' ۲:۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا چھوڑ دو اگر تم (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہو۔

عبد یالیل بن عمرو۔

"اور شراب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ہم تو نسل در نسل شراب کے رسیا چلے آرہے

ہیں یہ ہمارے ملک کے انگوروں کا عرق ہوتا ہے اس کے استعمال کی تو اجازت ہونی چاہیے"

رسول اکرم ﷺ۔

"اللہ تعالیٰ نے شرک اور جوئے کے ساتھ شراب کی ممانعت بھی کردی ہے۔" اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○

(المائدہ' ۵:۹۰)

اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بت (اور قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں سو تم ان سے (کلیتا) پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

عبدیالیل بن عمرو

"یارسول اللہ! ہمیں نماز سے تو معاف رکھا جائے"

رسول اکرم ﷺ۔

"جس دین میں نماز نہ ہو وہ دین فطرت نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد وفد نے زکوۃ و جہاد سے استثناء کی درخواست کی جسے منظور فرمالیا گیا' حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں آقائے دوجہاں کو فرماتے سنا کہ

ستصدقون و یجاھدون اذا اسلموا

(تاریخ الاسلام' ۲:۶۶۸)

جب یہ لوگ سچے دل سے اسلام قبول کرلیں گے تو جہاد بھی کریں گے اور زکوۃ بھی دیں گے۔

اس کے بعد اہل وفد نے پوچھا کہ آپ ﷺ ہمارے بت لات کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں' آپ نے ارشاد فرمایا "اسے توڑ دیا جائے گا"

زمانۂ جاہلیت کی خود ساختہ عقیدت و محبت کے باعث وفد کے اراکین کچھ

خوفزدہ بھی تھے مبادا "لات" انہیں تباہ و برباد کر دے' حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا' فرمانے لگے کہ تم بے جان پتھر سے ڈرتے رہے ہو' حیرت کا مقام ہے۔ وفد کے ارکان حضرت عمرؓ پر برہم ہوئے اور کہنے لگے عمرؓ تم بیچ میں مت بولو! ہم تمہارے پاس نہیں آئے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں التماس کی کہ لات کو توڑنے کی ہمت ہم اپنے اندر نہیں پاتے' آپ خود جو چاہیں کریں' آقائے دوجہاں ﷺ مسکرا پڑے اور فرمایا' "چلئے یہ بت شکنی ہمارے ذمے رہنے دیں اس سلسلے میں تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس موقع پر بنی ثقیف نے جو شرائط پیش کرنا تھیں وہ انہیں لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے کہ اس پر حضور ﷺ سے دستخط کروالیں گے اور ہمیں مسلمان ہونے کے باوجود ہر کام کی کھلی چھٹی مل جائے گی' ہم سود لیں گے بھی اور دیں گے بھی' زناکاری میں ملوث ہوں گے لیکن ہم سے کوئی تعرض نہ کر سکے گا' لیکن سرکار دوعالم ﷺ کی مبنی بر صداقت گفتگو کے بعد انہیں جرات نہ ہوئی کہ لغویات سے لبریز یہ شرائط نامہ توثیق کے لئے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے' اس کے برعکس وفد کے اراکین نبی اکرم ﷺ کے مجوزہ معاہدہ پر دستخط کرنے پر راضی ہو گئے' معاہدہ کی شرائط یہ تھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اللہ کے رسول اور نبی محمد ﷺ کی طرف سے بنی ثقیف کے لئے ایک تحریر ہے ان کو اس اللہ کا ذمہ دیا جاتا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس چیز سے متعلق جو اس میں درج ہے محمد بن عبداللہ کا ذمہ ہے۔ بیشک ان کی وادی حرام کی گئی ہے' اللہ کے لئے وہاں کی ساری چیزیں حرام کی گئی ہیں یعنی وہاں کے جنگلی درخت' وہاں کا شکار' وہاں ظلم کرنا' چوری کرنا یا کوئی اور برائی کرنا' وادی حرج پر ثقیف کا زیادہ حق ہے طائف کو مفتوح نہیں کیا جائے گا۔ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو نکال نہیں سکے گا۔ ان کے لئے فوجی خدمت لازمی نہیں ہوگی ان سے عشر اور زکوٰۃ کی وصولی بھی نہیں کی جائے گی' یہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہیں' مسلمانوں میں بلا روک ٹوک آ

جا سکیں گے' کسی کو قیدی بنائیں تو اس کا فیصلہ خود ہی کریں گے' رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول کرتا ہو وہ اس پر سود وصول نہیں کرے گا' قرض کی ادائیگی کا وقت آ جائے اور ادائیگی نہ ہو سکے تو قرض کی رقم بڑھانا سود ہے اور اللہ سے برأت' اور جو قرض رہن کی ضمانت پر آنے والے موسم عکاظ کے بعد تک کی مدت کا ہو تو اس کا اصل سرمایہ عکاظ میں ادا کر دیا جائے قبول اسلام کے دن تک کی وصولیاں ان کو مل سکیں گی' اہل ثقیف کو لوگوں سے جو امانت' مال یا آدمی وصول طلب ہو تو اسے ضرور واپس کیا جائے گا' اگر امانت رکھوانے والے نے اسے مال غنیمت میں پایا تھا یا کھویا تھا' اور اہل ثقیف کے جو آدمی اور سامان اس وقت موجود نہیں ان کو بھی موجود کے مطابق تحفظ حاصل ہو گا اور ان کا مال جو بعد میں ہو تو اس کو بھی برابر تحفظ حاصل ہو گا ثقیف کے حلیف اور تجارتی معاہدہ داروں کو بھی اہل ثقیف کی طرح حقوق حاصل ہونگے اور اگر کوئی ان پر الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ظلم کرے تو اس کی بات قابل تسلیم نہیں ہوگی خواہ یہ بات جان کے متعلق ہو یا مال کے متعلق' اہل ثقیف پر ظلم کرنے والے شخص کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ اور تمام مسلمان اہل ثقیف کی مدد کریں گے' بنی ثقیف کو جس شخص کا اپنے ہاں آنا گوارا نہ ہو گا وہ وہاں نہیں جا سکے گا کاروبار گھروں کے صحنوں میں ہو گا ان کا سربراہ انہیں میں سے ہوا کرے گا' کسی دوسرے کو سربراہ مقرر نہیں کیا جا سکے گا' بنو مالک پر ان کا اپنا حکمران اور احلاف پر ان کا اپنا امیر مقرر ہو گا' بنی ثقیف قریش کے جن تاکستانوں کو پانی فراہم کریں گے پانی مہیا کرنے والے کو پیداوار کا نصف حصہ دیا جائے گا۔ ان کے پاس جس قیدی کو اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی مالک کو اس قیدی کے بیچ کرنے کا حق حاصل ہو گا' اگر قیدی کو بیچا نہ گیا ہو تو بطور فدیہ چھ اونٹنیاں مالک کو دینا ہوں گی' آدھی تین سالہ دودھ پلائی ہوئی خوب موٹی تازہ' جس نے بیچ کر کے کچھ خریدا ہو تو اس بیچ کا حق بھی اسی کو حاصل ہو گا۔

چند روز کے قیام کے بعد جب بنی ثقیف کا وفد واپس لوٹنے لگا تو انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اپنے لئے امام کے تقرر کی درخواست کی۔ حضور

ﷺ نے عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' عثمان تم میں سے سب سے زیادہ ذہین اور زیرک ہے اس لئے تمہارا امام و امیر بھی یہی ہو گا۔ حضور ﷺ کے فیصلے پر سبھی نے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضور ﷺ نے عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "نماز کی امامت کرتے وقت اس امر کا خیال رکھنا کہ مخاطب میں بچے بوڑھے بیمار کمزور اور کاروباری غرض ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کم عمر ہونے کے باوجود تحصیل علم کا بے پناہ شوق رکھتے تھے' وفد کے مدینہ منورہ پہنچتے ہی یہ تنہا حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر مسلمان ہو چکے تھے پھر چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے علم دین حاصل کرتے رہتے تھے اس وقت وفد کے دیگر ارکان بحث و تمحیص میں الجھے ہوئے ہوتے تھے' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان کے علمی ذوق کو بے پناہ سراہا' یہی وجہ تھی کہ کمسنی کے باوجود ان کی علمی تشنگی کی بنا پر حضور ﷺ نے امامت اور امارت کا منصب جلیلہ ان کے سپرد کیا' وفد کی واپسی پر ثقیف کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا' روایات میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سارے ثقفی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے' وفد کی واپسی کے چند دن بعد حضور ﷺ نے لات بت کو مسمار کرنے کے لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ' حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو روانہ کیا۔ بعض روایات میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سفیانؓ کی روانگی کا ذکر ہے۔ جب بت کو مسمار کیا جانے لگا تو بعض خواتین ننگے سر اپنے گھروں سے روتی پیٹتی نکل آئیں اگرچہ ان کی اکثریت اسلام قبول کر چکی تھی تاہم لات سے وابستہ توہمات کا اثر ابھی پوری طرح زائل نہیں ہوا تھا اور لوگوں کے دلوں پر ابھی تک لات کی ہیبت طاری تھی' یہ عورتیں اشعار پڑھ پڑھ کر اپنے مردوں کی عزت کو للکارتی رہیں کہ وہ لات کو گرانے والوں کے مقابل صف آرا کیوں نہیں ہوتے؟ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنے دست مبارک سے بت شکنی کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے معبد کی دیواریں بھی گرا دیں۔ لوگوں نے جب لات کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا اور معبد کی دیواروں کے گرائے

جانے کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا اور دیکھا کہ لات تو اپنے آپ کو بچانے پر بھی قادر نہیں تو توہمات کی گرد چھٹنے لگی' لات کا خوف دلوں سے دور ہوا۔ لات بت کے ساتھ اس کی فرضی ہیبت کا بت بھی پاش پاش ہو گیا اور اس کی جگہ خوف خدا نے لے لی۔

(زاد المعاد' ۳: ۵۹۵ / سیرۃ ابن ہشام' ۲: ۵۳۹۔ ۵۴۲)

۲۱۔ وفد بنی کلب۔ ۹ھ

رحمۃ للعالمین ﷺ کا اسلوب تبلیغ اور طریق دعوت اس قدر سادہ' دلکش اور دلاویز و دلنشین ہوتا کہ زبان مبارک سے جو بات نکلتی وہ دل و دماغ میں ایمان کے چراغ روشن کرتی جاتی' اذہان کی تسخیر اور قلوب کی تطہیر کا یہ مقدس' معطر اور مطاہر عمل حضور ﷺ کی مکی زندگی ہی میں نہیں مدنی دور حکومت میں بھی جاری رہا۔ کتب سیر میں ایسے ان گنت واقعات درج ہیں کہ سرکش قبائل سے لے کر اور خود باغی افراد تک بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر اپنی جھوٹی انا کی زنجیریں حضور ﷺ کے قدموں پر نثار کرتے' قبائل غرور و تکبر کے بت اپنے ہاتھوں سے پاش پاش کرتے اور حصار رحمت میں آ کر اسلام کی دولت سے سرفراز ہوتے چنانچہ ۹ھ میں بنی کلب سے دو وفود بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے' پہلا وفد دو افراد پر مشتمل تھا ان کے نام عاصم اور عبد عمرو تھے' رسول اکرم ﷺ نے ارکان وفد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

انا النبی الامی الصادق الزکی و الویل کل الویل لمن کذبنی و تولی عنی و قاتلنی والخیر کل الخیر لمن اوانی و نصرنی و امن بی و صدق قولی و جاھد معی

(طبقات ابن سعد' ۱: ۳۳۴)

میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور پاکیزگی کے ساتھ آیا ہوں' تباہی اس شخص کے لئے ہے جس نے مجھ سے منہ موڑا اور مجھ سے جنگ کی اور بھلائی اور کامل بھلائی اس شخص کے لئے ہے جس نے میری مدد کی' مجھ پر ایمان لایا' میری تصدیق کی

اور میرے ساتھ مل کر جہاد کیا۔

وفد کے ارکان نے کہا۔

"بیشک ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہیں"

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد وفد کے ارکان رخصت ہو گئے بعد میں اسی قبیلے کے ابن سعدانہ اور حارثہ بن قطن نامی دو اشخاص تاجدار کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، رخصت ہونے لگے تو حضور ﷺ نے درج ذیل مضمون پر مبنی ایک دستاویز حارثہ کو دی۔

"یہ تحریر اللہ کے رسول کی طرف سے دومۃ الجندل کے باشندوں، ان کے نواح میں حارثہ بن قطن اور ان کے ساتھ بنی کلب کے جو لوگ رہائش پذیر ہیں ان کے لئے ہے، ہمارے لئے بارانی زمین اور تمہارے لئے کھجور کے درختوں والا اندرونی حصہ ہے جاری پانی والی زمین پر عشر اور گہرے پانی والی زمین پر نصف عشر ہے، تمہارے مویشی نہ جمع ہوں اور نہ تمہاری بکریوں پر ظلم ہو، نماز وقت پر پڑھا کرو اور حق کے موافق زکوٰۃ ادا کیا کرو، تمہارے لئے گھاس پر کوئی پابندی نہیں، تم سے گھریلو سامان پر عشر نہیں لیا جائے گا اس عہد کی پابندی تم پر لازم ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ تمہاری بھلائی چاہیں اور وفا کا حق ادا کریں، اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی ذمہ داری کو پورا کرنا لازم ہے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں میں سے جو لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں وہ اس پر گواہ ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ۱: ۳۳۴)

۲۲۔ وفد بنی عامر صعصعہ - ۹ھ

عشق آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے اور عقل محو تماشائے لب بام ہاتھ ہی ملتی رہ جاتی ہے، بعض عرب قبائل ایمان کی روشنی میں جن کے مکروہ اور خارش زدہ چہرے بے نقاب ہو چکے تھے ابھی تک اسلام اور صاحب اسلام ﷺ کے خلاف سازشوں کے جال بننے میں مصروف تھے، نسلی تعصبات اور قبائلی رسم و رواج کی آگ

میں جلنے والے افراد حضور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے' شب ہجرت مکے کی سرزمین سے اٹھنے والے گھٹاؤنے عزائم کے طوفان نے ابھی تک منتشر ذہنوں اور گمراہ انسانوں کو اپنے شیطانی حصار میں لے رکھا تھا' روایات میں ہے کہ بنی عامر کا ایک وفد ۹ھ میں مدینہ منورہ میں وارد ہوا۔ یہ وفد سولہ افراد پر مشتمل تھا جس میں قبیلہ کے تینوں بڑے سردار اربد بن قیس' عامر بن طفیل اور جبار بن سلمی بھی شامل تھے' ان میں سے جبار بن سلمی قبائلی عصبیتوں کی گرد جھاڑ کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تھے وہ صحیح معنوں میں حق کے متلاشی تھے لیکن وفد میں شامل باقی دو سرداروں نے مل کر ایک سازش تیار کر رکھی تھی کہ ملاقات کے وقت اچانک حملہ کر کے حضور ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔ یہ دونوں سازشی' خاندان رسول کے باہر مہمان ٹھہرے' جبار بن سلمی تیرہ آدمیوں کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ حاضر ہوئے' بنی عامر نے دوران گفتگو آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا۔

"انت سیدنا" آپ ہمارے آقا ہیں۔

ارشاد نبوی ہوا۔ "السید اللہ" آقا تو بس اللہ ہی ہے۔

انہوں نے کہا "ہم سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں"

حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔

اسی بات کا خیال رکھو کہ شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔

مختصر سی گفتگو کے بعد جبار بن سلمی اور ان کے ساتھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن عامر بن طفیل اور اربد بن قیس نے حضور ﷺ سے الگ ملاقات کی تاکہ وہ اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکیں ان کا انداز گفتگو بڑا جارحانہ تھا اس لئے کہ ان کی نیتوں میں فتور تھا اور ان کے دل و دماغ پر شیطانی قوتوں نے تسلط جما رکھا تھا' عامر بن طفیل نے حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

محمد دیکھئے! میں آپ کے سامنے تین باتیں رکھتا ہوں۔ i۔ دیہاتی علاقوں پر آپ حکومت کریں اور شہروں پر میرا کنٹرول ہو۔ ii۔ بصورت دیگر مجھے اپنا جانشین

مقرر کردیجئے۔ ااا۔ ورنہ میں بنی غطفان کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑوں گا۔

سازش کے مطابق عامر بن طفیل کو رسول ﷺ کو گفتگو میں مشغول رکھنا تھا اور اربد بن قیس نے اس دوران حضور ﷺ پر حملہ کردینا تھا لیکن جب اثنائے گفتگو عامر بن طفیل نے کن انکھیوں سے اربد کی جانب دیکھا اور اسے آگے بڑھ کر حضور ﷺ پر وار کرنے کا اشارہ دیا تو وہ اپنی جگہ سے ایک قدم نہ ہل سکا وہ جلالِ نبوت سے اس قدر مرعوب ہوچکا تھا کہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرسکا۔ قدرت نے اس کی حملہ کرنے کی قوت ہی سلب کرلی تھی' حضور ﷺ استقامت کا پیکر بنے اس ساری صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے' حضور ﷺ نے مذکورہ شرائط کو یکسر مسترد کردیا تو وہ دونوں سردار ندامت کی چادر میں منہ چھپائے اٹھ کر چلے گئے' حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ۔

اے اللہ ان کے شر سے محفوظ رکھنا۔

کتب سیر میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں ان کی گستاخی کو گوارا نہ کیا' عامر بن طفیل کو اونٹوں کی طاعون کا پھوڑا نکل آیا وہ بستر مرگ پر جان دینا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اسے گھوڑے کی پشت پر سوار کردیا گیا اور اسی حالت میں وہ واصل جنہم ہوا۔ اربد بن قیس پر آسمانی بجلی کی صورت میں قہرالٰہی نازل ہوا اور یوں وہ دوزخ کا ایندھن بنا۔ (زرقانی' ۴:۱۱/ سیرۃ ابن ھشام' ۲:۵۲۷)

۲۳۔ وفد بنی حارث بن کعب۔ ۱۰ھ

اسلامی تہذیب و تمدن کی خشت اول رکھی جاچکی تھی' حضور ﷺ کی قیادت عظمیٰ میں مدینے کی اسلامی ریاست بتدریج مستحکم بنیادوں پر استوار ہورہی تھی۔ ۱۰ھ تک حالات حکومت کے کنٹرول میں آچکے تھے اور چاردانگ عالم میں اسلامی تعلیمات کی زبردست پذیرائی کے امکانات پیدا ہوچکے تھے' ابر کرم تشنہ زمینوں پر چھم چھم برس رہا تھا۔ دکھی انسانیت اسلام کی آغوش رحمت میں امن ' سلامتی اور عافیت سے ہمکنار ہورہی تھی افق عالم پر اسلامی شان و شوکت کے آثار پیدا ہورہے تھے' اس

پس منظر میں بارگاہ نبوی ﷺ میں وفود کی آمد کا سلسلہ جاری تھا اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرکے دین و دنیا کی نعمتیں اپنے دامن آرزو میں سمیٹ رہے تھے' بنی حارث یمن کا ایک جنگجو قبیلہ تھا' جزیرۃ العرب میں ان کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی' حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی مکی زندگی میں حارث کو دین حق قبول کرنے کا دعوتی پیغام بھیجا جسے اس وقت قبول نہ کیا گیا' یہ قبیلہ فتح مکہ تک حالت کفر کو برقرار رکھنے پر بضد رہا اس لئے کہ انہیں اپنی جنگی صلاحیتوں پر بڑا غرور تھا اور اس غرور کے نشے میں وہ سر تسلیم خم کرنے سے گریزاں رہے' فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کی عسکری قوت میں اضافہ ہوا اور عرب کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی پر بھی ان کی گرفت مضبوط ہوئی تو ربیع

الاول ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں ایک فوجی دستہ بنی حارث کی طرف بھیجا گیا' حضرت خالد بن ولیدؓ نے انہیں اسلام کی دعوت دی جسے بنی حارث نے بخوشی قبول کرلیا چند دنوں میں پورے کا پورا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا' حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک خط کے ذریعہ یہ خوشخبری دربار رسالت مآب ﷺ میں بھجوائی خط کا مضمون یہ تھا۔

محمد نبی رسول اللہ ﷺ کی جانب۔

السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' امابعد یارسول اللہ آپ نے مجھے بنی الحارث بن کعب کی طرف بھیجا تھا اور حکم فرمایا تھا کہ تین دن تک ان سے نہ لڑوں اور انہیں اسلام کی دعوت دوں اگر اسلام قبول کرنے سے گریز کریں تو ان سے جنگ کروں چنانچہ یہاں پہنچ کر تین دن تک چاروں طرف اعلان کرواتا رہا کہ اسلام قبول کرلو کہ اسی میں سلامتی ہے انہوں نے جنگ سے گریز کیا اور اسلام قبول کرلیا۔ میں یہاں ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرا رہا ہوں آپ کی جانب سے مزید ہدایات موصول ہونے تک یہیں قیام پذیر رہوں گا۔

والسلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس خط کے جواب میں حضور ﷺ کے مکتوب مبارک کا مضمون یہ تھا۔

"محمد النبی رسول اللہ کی طرف سے خالد بن ولید کے نام"

سلام علیک، میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں قاصد کے ذریعہ تمہارا خط ملا، جس میں کسی جنگ کے بغیر بنی حارث کے قبول اسلام کی اطلاع دی گئی ہے، انہوں نے اسلام کی دعوت قبول کی کہ اللہ کی توحید کی گواہی دی، محمد کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دی اور یہ کہ اللہ نے ان کو ہدایت دی ہے تم انہیں خوشخبری (جنت کی) دو اور ڈراؤ (دوزخ سے) اب تم واپس آجاؤ اور واپسی پر ان کا ایک وفد بھی ساتھ لیتے آؤ۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو نبی اکرم ﷺ کا گرامی نامہ موصول ہوا تو آپ نے بنی حارث کے ساتھ مشورہ کر کے ایک وفد تشکیل دیا، حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے ساتھ اس وفد کو مدینہ منورہ لائے، اس وفد میں نمایاں افراد بھی شامل تھے قیس بن الحصین، شداد بن عبداللہ القنانی، یزید بن عبد المدان، عبداللہ بن عبد المدان، یزید بن المحجل اور عمرو بن عبداللہ الضبابی، جب یہ وفد بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔

من هولاء الذين كانهم رجال الهند "یہ کس قوم کے لوگ ہیں جو ہند کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں۔"

(طبقات ابن سعد، ۱:۳۳۹)

پھر آقائے دوجہاں ﷺ نے ان سے پوچھا۔

زمانہ جاہلیت میں تم سے جو بھی لڑا اس نے شکست کھائی اس کی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اس کی تین وجوہات ہیں۔"

۱۔ ہم اپنی جانب سے کسی پر ظلم اور زیادتی روا نہیں رکھتے۔

۲۔ ہم خود کسی پر بلہ نہیں بولتے اور کبھی لڑائی میں پہل نہیں کرتے۔

۳۔ لیکن جب ہم پر جنگ مسلط کر دی جاتی ہے تو پھر سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں اور

منتشر نہیں ہوتے۔

حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا۔

"تم درست کہتے ہو جو عسکری قوت یا جماعت ان اصولوں کے مطابق لڑے گی وہ ہمیشہ غالب رہے گی"

یہ وفد چند روز مدینہ میں قیام پذیر رہا جب وفد رخصت ہونے لگا تو تاجدار کائنات ﷺ نے حضرت قیس بن الحصینؓ کو ان کا سربراہ مقرر کیا انہیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی اور وفد کے دیگر ارکان کو دس دس اوقیہ چاندی عنایت فرمائی۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن خرم انصاریؓ کو معلم اور محصل بنا کر وفد کے ساتھ روانہ کیا اور انہیں جو فرمان لکھ کر دیا اسے کتاب یا عہد نامہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس فرمان میں احکامات شریعت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے' حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمرو بن خرمؓ کو بعد میں قبیلہ کی جانب سے زکوۃ صدقات کی وصولی کے لئے مقرر کر کے بھیجا گیا تھا۔ یہ فرمان تاریخی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کی حامل دستاویز ہے اس میں اسلام کے بنیادی ارکان کے علاوہ جہاں بانی کے بنیادی اصول اور حکمرانوں کے اوصاف اور فرائض بھی مذکور ہیں نظم مملکت کے حوالے سے بھی یہ فرمان خصوصی اہمیت کا حامل ہے' ذیل میں اس کا مضمون درج کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ فرمان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو' یہ وہ عہد نامہ ہے جو نبی کی طرف سے عمرو بن خرم انصاریؓ کو یمن روانہ کرتے وقت لکھا گیا۔ ہر معاملہ میں اللہ کے احکام کا خیال رکھو کیونکہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور بھلائی کا راستہ اپناتے ہیں' اللہ کے حکم کے مطابق جو حق بنتا ہے وہ وصول کرو' لوگوں کو نیک کاموں پر خوشخبری دو اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرو' انہیں قرآن کی تعلیم دو

اور ان میں اس کی سمجھ پیدا کرو' بغیر طہارت لوگوں کو قرآن مجید کو ہاتھ لگانے سے منع کرو' عوام کو ان کے حقوق اور فرائض سے آگاہ کرو حق وصول کرنے میں نرمی کا برتاؤ کرو جبکہ ظلم کے مقابلے میں سختی کا مظاہرہ کرو کیونکہ اللہ کو ظلم ناپسند ہے' ظلم سے اللہ نے منع کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(الاعراف' ۷: ۴۴)

عوام الناس کو جنت اور اسکے اعمال پر بشارت دو' دوزخ اور اسکے اعمال سے ڈراؤ' لوگوں سے الفت و محبت کا معاملہ کرو تاکہ ان میں دین کی سوجھ بوجھ پیدا ہو' لوگوں کو حج کے بنیادی مسائل اسکے فرائض و سنن اور جو کچھ اللہ نے حکم دیا ہے سکھاؤ' حج اکبر اور حج اصغر یعنی عمرہ کے متعلق بتاؤ۔ لوگوں کو اس بات سے منع کرو کہ کوئی شخص کسی چھوٹے سے کپڑے میں نماز نہ پڑھے' کپڑا کم سے کم اتنا ہو کہ اس کے دونوں کنارے کندھوں کو ڈھانپ لیں' لوگوں کو اس بات سے بھی منع کرو کہ وہ اسطرح اکڑوں نہ بیٹھیں کہ ان کی شرمگاہ اوپر سے نظر آئے' کوئی اپنے سر کے بالوں کا جوڑا بنا کر اسے گدی پر سے نہ لٹکائے' صلح کرتے وقت فریقین میں سے کوئی بھی اپنے قبیلے کا نعرہ نہ لگائے جبکہ سب اللہ وحدہ لاشریک کو پکاریں' جو شخص اللہ کی طرف دعوت کو چھوڑ کر قبیلہ اور خاندان کی طرف بلائے تو اس کا علاج تلوار کے ساتھ کیا جائے یہاں تک کہ اس کی پکار صرف اللہ کے لئے ہو جائے' لوگوں کو حکم دیا جائے کہ وضو اچھی طرح کریں اور اپنے پورے چہرے پر پانی بہائیں' ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوئیں' اللہ کے حکم کے مطابق اپنے سر کا مسح کریں اور ان کو حکم دیں کہ نماز وقت پر ادا کریں رکوع پوری طرح مکمل کریں اور نماز میں خضوع و خشوع کا پورا خیال رکھیں' صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کریں' ظہر کی نماز سورج ڈھلنے سے پہلے ادا کریں اور عصر کی نماز دھوپ ڈھلنے کے بعد ادا کی جائے' رات کی آمد کے ساتھ ہی مغرب ادا کی جائے اور اسے آسمان پر ستاروں کے نمایاں ہونے تک مؤخر نہ کیا جائے

'عشاء کی نماز رات کو اول وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے اور جونہی جمعہ کی اذان ہو نماز جمعہ کو فوراً نکل پڑو' نماز جمعہ سے قبل غسل کیا جائے۔

مال غنیمت میں سے اللہ کے لئے پانچواں حصہ ہے جو زمین پانی کے کنارے ہو یا بارانی ہو اس سے دسواں حصہ بطور زکوٰۃ لازمی ہے جو زمین ڈول سے سیراب کی جائے اس پر عشر ہے۔ مویشیوں میں سے ہر دس اونٹوں پر دو اور ہر بیس اونٹوں پر چار بکریاں ہونگی' چالیس گائیوں پر ایک گائے اور تیس گائیوں پر ایک سالہ بچہ نر یا مادہ زکوٰۃ ہوگی' جنگل میں چرنے والی چالیس بکریوں پر ایک بکری ہوگی' یہ صدقات کے ذیل میں اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے جو اس نے مومنین پر فرض کیا ہے جو مزید خیرات کرے اس کے لئے اور زیادہ اچھا ہے۔

یہود و نصاریٰ میں سے جو خلوص دل سے ایمان لے آئے اور اسلام کو بطور دین قبول کرے اس کا شمار مؤمنین میں ہوگا اور اس کے حقوق و فرائض وہی ہونگے جو دیگر مسلمانوں کے ہیں جو یہودیت اور نصرانیت پر قائم رہنا چاہے اسے اسکے مذہب کے سلسلے میں آزمائش میں نہ ڈالا جائے ان میں سے ہر عاقل بالغ شخص (مرد ہو یا عورت آزاد اور غلام) پر ایک دینار یا اتنی قیمت کا کپڑا دینا لازمی ہے' جو رقم ادا کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے اور جو رقم ادا کرنے سے انکار کرے اس کا شمار اللہ اور اس کے رسول اور جملہ مومنوں کے دشمنوں میں ہوگا۔

(طبقات ابن سعد' ۱:۳۳۹ / البدایہ والنہایہ' ۵:۹۸)

۲۴۔ وفد بنی بجیلہ۔ رمضان ۱۰ھ

۹ اور ۱۰ ہجری میں بیشتر وفود نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری کی سعادت حاصل کی' چند ایک وفود ۱۱ھ میں بھی حضور اقدس میں حاضر ہوئے' یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کی حقانیت کے پرچم چاروں طرف لہرا رہے تھے' اسلام کی آفاقی تعلیمات ابر رحمت بن کر دلوں کی بنجر کھیتیوں کو آباد کر رہی تھی' خنک پانیوں اور شاداب ساعتوں سے حیات انسانی کا منظر نامہ تحریر ہو رہا تھا توہمات کی زنجیریں کٹ رہی تھیں'

انسان کی خدائی کا طلسم ٹوٹ چکا تھا' شرک اور بت پرستی کے خاتمے کے بعد ہر طرف توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا جبینیں اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں جھکی ہوئی تھیں' معبد جاں میں معبود حقیقی کی پرستش ہو رہی تھی' باطل استحصالی طاقتیں آخری ہچکیاں لے رہی تھیں' کاروان حیات اعتدال اور توازن کی راہ پر گامزن ہو چکا تھا اور انسانی معاشرہ حیوانی خصلتوں سے پاک ہو کر ایک بار پھر شرف آدمیت کی بحالی کا باعث بن رہا تھا۔ جبر کے سارے بندھن ہوا میں تحلیل ہو چکے تھے' انسان کھلی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ آب زر سے منشور انسانیت کی تمہید قلبند ہو رہی تھی۔ قیامت تک کے لئے ضابطۂ حیات مرتب ہو رہا تھا۔ ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا تھا جس کی پیشانی پر مصطفوی انقلاب کا سورج اپنی تمام تر رعنائیوں اور توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ روشنی اپنے سفر پر رواں دواں تھی۔

رمضان المبارک ۱۰ ہجری میں بنی بجیلہ کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد ایک سو پچاس افراد پر مشتمل تھا' اس وفد کے قائد جریر بن عبداللہ البجلی تھے' وفد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے ان سے ان کی آمد کا مقصد دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے کہا کہ حضور اسلام قبول کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ان کا جواب سن کر چہرہ اقدس پر بشاشت کے آثار نمودار ہوئے' آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھائی اور پھر صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز شخص آئے تو اس کی عزت اور احترام کیا کرو"

(جریر بن عبداللہ اپنی قوم کے سردار تھے اور ان کے آباواجداد یمن کے حکمران بھی رہ چکے تھے)

روایات میں ہے کہ جریر بن عبداللہ نے اپنا ہاتھ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ "میں اسلام کی بیعت کرتا ہوں"

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "تم اس امر کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں نمازیں جو تم پر فرض کی گئی ہیں ان کی پابندی کرو گے' رمضان المبارک کے روزے رکھو گے' زکوٰۃ ادا کیا کرو گے' مسلمانوں کے خیر خواہ رہو گے' جو کسی پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا اور یہ کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو گے خواہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو"

انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ میں سب باتوں کا اقرار کرتا ہوں"

اس پر نبی اکرم ﷺ نے ان سے بیعت لی اسکے بعد وفد میں شامل دوسرے افراد نے بھی بخوشی اسلام قبول کر لیا قیام مدینہ کے دوران ہی ایک دن حضرت جریرؓ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا۔

اے جریر! تمہاری قوم کا کیا حال ہے"

انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا اب مساجد اور صحراؤں میں کلمہ توحید بلند ہوتا ہے اور لوگوں نے اپنے بتوں کو توڑ ڈالا ہے"

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا "اور ذوالخلصہ کا کیا ہوا (یہ ایک بہت بڑا بت تھا)

حضرت جریرؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! ابھی تک باقی ہے جب ہم واپس جائیں گے تو اسے توڑ دیں گے"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا تم اسے گرا کر مجھے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟

انہوں نے عرض کیا "میں حاضر ہوں یارسول اللہ! لیکن مصیبت یہ ہے کہ میں گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا"

یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کے سینے پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ آپ کی انگشت ہائے مبارک کے نشانات ابھر آئے۔

حضور ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا بھی فرمائی۔

الٰہی! اسے گھوڑے کی پشت پر قائم رکھ اور اسے ہادی و مہدی بنادے۔

(اس دعا کے نتیجے میں حضرت جریرؓ گھوڑے پر جم کر بیٹھنے لگے اور بعد میں

بڑے بڑے معرکوں میں حصہ لیا۔ حضور ﷺ نے حضرت جریر کو ایک جھنڈا بھی عطا فرمایا۔ وفد نے واپس لوٹ کر ذوالخلصہ کو گرا دیا۔)

(طبقات ابن سعد '۱: ۳۴۸ / اسد الغابہ '۱: ۲۷۹)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جریرؓ بیان فرماتے ہیں کہ۔

جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو شہر سے باہر ہی اپنے تھیلے سے حلہ نکال کر پہنا اور پھر مسجد نبوی میں حاضر ہوا محبوب خدا ﷺ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے میں سلام کر کے بیٹھ گیا لوگ محبت بھری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے میں نے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا عبداللہ! کیا رسول اللہ میرا ذکر کر رہے تھے اس نے کہا "نہایت اچھے الفاظ میں تمہارا ذکر ہو رہا تھا۔ دوران خطبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کھڑکی یا دروازے کے راستے یمن کا بہترین شخص تمہارے پاس آئے گا جس کے چہرے پر بادشاہی کی علامت ہو گی" حضرت جریرؓ فرماتے ہیں اس عزت افزائی پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ (مسند احمد بن حنبل '۴: ۳۶۴)

ذوالخلصہ کے گرائے جانے کا واقعہ کب پیش آیا اس کے بارے میں اہل علم میں دو آراپائی جاتی ہیں 'طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ واقعہ قبول اسلام کے فوراً بعد کا ہے جبکہ زرقانی نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی رحلت سے دو ماہ قبل پیش آیا۔ انہوں نے ابوارطاۃ کو اس اطلاع کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ ذوالخلصہ کو گرا دیا گیا ہے 'پھر خود بھی حضرت جریرؓ بارگاہ نبوی میں حاضری کے لئے روانہ ہو گئے لیکن ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی حضور ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔

حصہ ششم

مستشرقین کے اعتراضات
اور
ان کے جوابات

پس منظر

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے علمائے یہود و نصاریٰ نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے' الہامی کتب اور صحائف میں مذکورہ تمام نشانیاں جو مرسل آخر ﷺ کی تشریف آوری سے متعلق تھیں' ظاہر ہو رہی تھیں' وہ جانتے تھے کہ محبوب خدا کی ولادت پاک کا زمانہ قریب آ رہا ہے اور محمد ﷺ کا ستارا طلوع ہوا چاہتا ہے' انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ کے آخری نبی ہجرت کر کے کھجوروں کے درختوں میں گھرے ہوئے شہر یثرب میں تشریف لائیں گے چنانچہ وہ بڑی کثیر تعداد میں یثرب شہر اور اس کے مضافات میں آباد ہو گئے لیکن جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور ان کی ولادت علمائے یہود کی توقع اور آرزو کے خلاف بنی اسرائیل میں نہیں بنو ہاشم میں ہوئی تو یہ علمائے یہود حسد اور انتقام کی آگ میں جلنے لگے' احساس محرومی نے انہیں بوکھلا دیا' آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھ کر ایک یہودی عالم یہ کہتے ہوئے بے ہوش ہو گیا کہ افسوس نبوت بنی اسرائیل کے گھر سے رخصت ہوئی' یہی وجہ تھی کہ یہودی حضور ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے اور اس تاک میں رہنے لگے کہ موقع ملے تو (نعوذ باللہ) حضور ﷺ کو راستے سے ہٹا دیں' حضور ﷺ کے ننھیال والوں نے حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے عظیم فرزند کو لے کر بحفاظت مکہ چلی جائیں کیونکہ یہودی اس بچے کی تلاش میں ہیں اور ان کے ارادوں سے شرارت کی بو آتی ہے' سینوں میں نفرت کی یہ آگ جلتی رہی یہاں تک کہ اعلان نبوت کے بعد مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے' ہجرت مدینہ کا عظیم مرحلہ طے ہوا' یہودی قبائل ایک بار پھر زور و شور سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف برسرپیکار ہو گئے اور مدینہ منورہ میں نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف عرب قبائل کو بھڑکا کر انہیں

فتنہ و فساد پر آمادہ کرنے کے لئے سازشوں میں مصروف ہو گئے' اور جب اپنی سازشوں سے مسلمانوں کی اسلام کے ساتھ گہری وابستگی کو متزلزل نہ کر سکے تو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف علمی اور قلمی محاذ پر انہوں نے فکری مغالطوں اور علمی خیانتوں کی ایک ایسی شیطانی سازش کا آغاز کیا جو ثقافتی' سیاسی' معاشی' معاشرتی' سماجی' تہذیبی اور علمی سطح پر ہنوز جاری ہے' مستشرقین نے تحقیق و تدوین کے نام پر اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے شکوک و شبہات تخلیق کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی' مغربی مؤرخین اور مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں سے مرعوب ہو کر بعض مسلمان دانشور بھی دفاعی پوزیشن (Defensive Position) اختیار کرنے لگے اور مستشرقین کی دینی عصبیتوں اور ذہنی الجھاؤ کی نشاندہی کر کے علمی سطح پر ان اعتراضات کا جواب دینے کی بجائے اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ لہجہ اپناتے ہوئے دکھائی دینے لگے' جہاد اور عورت کے حوالے سے ان متعصب مستشرقین نے اپنے اندر کی خباثت کا کھل کر اظہار کیا اور تصور جہاد کو دہشت گردی کا مفہوم دے کر من مانی تاویلات کرنے میں اپنا زورِ قلم صرف کرنے لگے۔ علمائے یہود و نصاریٰ اپنے ہزارہا اعتقادی اور نظری اختلافات کے باوجود محض اسلام دشمنی کی قدر مشترک کی بنا پر ایک پلیٹ فارم پر نظر آتے ہیں اور آج اس پلیٹ فارم سے بنیاد پرستی اور دہشت گردی کی آڑ میں اسلام کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے' پرنٹ میڈیا سے الیکٹرانک میڈیا تک ایک طوفان بدتمیزی برپا ہے' مقصد یہ ہے کہ ذہن جدید میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اعتقادی' حبی' قلبی اور عشقی تصورات کو گڈمڈ کر کے ان کی غیرت ایمانی کی شمع کو گل کر دیا جائے اور اعتقادات کی عمارت کو گرا کر ہر جگہ اسلامی تحریکوں کا راستہ روکا جائے' عصر حاضر میں بطورِ نظامِ حیات اسلام کے عملی نفاذ کے ہر امکان کو ختم کر دیا جائے تاکہ اسلام کے انقلابی کردار کو غلط اور گمراہ سوچوں کے ملبے تلے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کیا جا سکے اور تشکیک و ابہام کی ایک ایسی فضا تیار کی جائے جس میں اسلام کا اجلا اور روشن چہرہ بھی دھندلا دھندلا نظر آئے۔ افسوس ہم نے علمی محاذ پر کوئی پیش بندی نہیں کی ہماری اس

مجرمانہ غفلت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ روشن خیالی کے نام پر سلمان رشدی ملعون اور تسلیمہ نسرین جیسے گمراہ اور بھٹکے ہوئے ذہن مغربی استعمار کی گود میں پرورش پا رہے ہیں اور ہم اپنے عقائد کی عمارت کے انہدام پر بھی خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ آیئے ان اعتراضات کا جائزہ لیں جو مستشرقین نے اٹھائے ہیں اور غیر جذباتی انداز میں ان کا تجزیہ کرکے صحیح صورتحال سے آگاہی حاصل کریں اور تاریخ کے چہرے کو مسخ کرنے کی ناپاک سازش کو بے نقاب کرکے اصل حقائق کا سراغ لگائیں۔

باب ۔ ۱

جنگی نوعیت کے اقدامات

پر

اعتراض برائے اعتراض

نگران گشتی دستوں کی تشکیل پر اعتراض

مستشرقین اور غیر مسلم مؤرخین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جونہی مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی اور اس اولین اسلامی ریاست کو سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے استحکام (Stability) نصیب ہوا تو انہوں نے مشرکین مکہ سے انتقام لینے کے لئے جنگوں کا آغاز کر دیا۔ ان کے نزدیک غزوات وسرایا کفار مکہ اور یہودی قبائل کے خلاف مسلمانوں کی انتقامی کاروائیاں تھیں اس ضمن میں بیعت عقبہ اولیٰ کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے کہ یثرب سے آئے ہوئے وفد نے اس بات پر بیعت قبول کی تھی کہ ہم اسلام کے لئے سرخ و سپید سے جنگ کریں گے اس کا یہ مطلب اخذ کیا جاتا ہے کہ مسلمان اس انتظار میں تھے کہ جونہی انہیں کہیں استقرار حاصل ہو وہ اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کفارِ مکہ کا خون بہائیں اور ان کی املاک کو تباہ وبرباد کر دیں۔ سریہ عبیدہ بن حارث اور سریہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا ذکر بڑی شدومد سے کیا جاتا ہے جن میں ان کی مڈبھیڑ ابوسفیان اور ابوجہل سے ہوئی تھی ان سرایا میں اگرچہ مقابلہ کی نوبت نہ آئی تھی لیکن ان واقعات سے مستشرقین کے نزدیک صورتحال مزید کشیدہ ہوگئی تھی جو آگے چل کر خونریزی اور تصادم کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

حقیقت حال جاننے کے لئے ہمیں اس نفسیاتی فضا کا جائزہ لینا ہوگا جس فضا میں نگران گشتی دستے (Patroling) تشکیل دے کر انہیں مختلف مقاصد کے لئے روانہ کئے جانے کا آغاز ہوا' اصل میں کفارِ مکہ کی ایذا رسانیوں کے باعث مسلمانوں کو دوبار ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں' پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی گئی تاکہ کفار مکہ کی چیرہ دستیوں سے نجات حاصل کی جاسکے دوسری ہجرت وہ عظیم ہجرت ہے جسے ہجرت مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خود خدا کے رسول ﷺ کو اپنے آبائی شہر کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ آنا پڑا لیکن کفار کی سازشوں نے یہاں بھی مسلمانوں کو چین سے نہ

بیٹھنے دیا' انتقام کی آگ میں مسلمان نہیں کفار مکہ جل رہے تھے۔ ریاست مدینہ کے قیام سے یہودیوں کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ مستشرقین اس سوال پر کہ ان حالات میں کیا مسلمانوں کو اپنی مملکت کی نظریاتی اساس اور جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کے لئے دفاعی انتظامات کا بھی حق حاصل نہ تھا کیا وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے کہ یہود ونصاریٰ اور کفارِ مکہ جس وقت اور جس طرح چاہیں ان کا خون بہائیں اور ان کی املاک کو نذر آتش کریں اور وہ مسلسل خاموش رہیں' ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال پیش کر دینا غیر فطری سا فلسفۂ حیات ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی تعلیمات حقیقت پسندانہ بھی ہیں اور مبنی بر عدل بھی کہ مومن ایک بل سے دوبار نہیں ڈسا جاتا' کفارِ مکہ مسلمانوں کو ڈسنے کے لئے جنگی جنون کو ہوا دے رہے تھے' مدینہ کے یہود و منافقین نے سازباز کر کے وہ مسلمانوں کو مدینہ سے بھی نکلوانا چاہتے تھے اس لئے متوقع حملہ کے سدباب کے لئے اور دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے نگران گشتی دستوں کا قیام ناگزیر ہو گیا تھا۔ ان نگران گشتی دستوں کی کارروائیوں سے حاصل ہونے والے فوائد اور ان کی تشکیل کے پس پردہ کار فرما حکمتوں کا ہم تفصیل سے جائزہ لے چکے ہیں یہاں صرف مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

جہاں تک انتقامی کارروائی کا الزام ہے تو واقعات و حقائق قدم قدم پر اس کی نفی کر رہے ہیں' اگر انتقام ہی مقصود ہوتا اور انتقام کی یہ آگ دشمن کے خون سے اپنی پیاس بجھا کر ہی ٹھنڈا ہوتی تو جب مسلمانوں نے مشرکینِ مکہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا تو اس وقت ایک ایک کو چن کر قتل کر دیا جاتا' ایک ایک کو اذیت دے کر مارا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کفار مکہ کے ساتھ پہلے ہی معرکہ میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا' تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے اور مخالفین بھی اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی جو مثال مسلمانوں نے قائم کی اس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی' اقوام متحدہ کا کوئی چارٹر (Charter) یا جنیوا کا کوئی معاہدہ جنگی قیدیوں کے حقوق کی

اس طرح پاسداری نہیں کر سکتا جس طرح اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے عملاً جنگی قیدیوں کے حقوق کو تسلیم کر کے تاریخ تہذیب انسانی میں نئے باب کا اضافہ کیا تھا۔ اسی حسن سلوک سے متاثر ہو کر رہا ہونے کے بعد جنگی قیدی کسی جبر یا دباؤ کے بغیر اسلام قبول کر لیتے رہے ہیں۔ اسلام کے لئے سرخ و سپید سے جنگ کرنے کا مطلب صرف تلواریں بے نیام کر کے دشمنان اسلام کے خلاف صف آرا ہونا ہی نہیں بلکہ اشارہ جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد بالعمل جہاد بالنفس اور جہاد بالعلم کی طرف بھی ہے کیونکہ اسلام کے خلاف محاذ جنگ ہی نہیں دوسرے محاذ بھی کھولے گئے ہیں جن پر جنگی جذبے اور ولولے کے ساتھ معروف عمل ہونا انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

مؤرخین کی بے احتیاطی

ہمارے اپنے بعض مؤرخین، مفسرین اور مفکرین کی قلمی لغزشیں اور غیر محتاط انداز تحقیق وغیرہ بھی معترضین کے اعتراضات کی بنیاد بنا، دورِ نبوی ﷺ میں جو مہمات (Enpeditions) پیش آئیں ان کو روایت کرنے میں ان مؤرخین، مفسرین اور مفکرین سے غیر ارادی طور پر ہی سہی، بڑی سنگین غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، یہ تمام کی تمام مہمات جنگیں یا لڑائیاں نہیں تھیں ان مہمات کے دیگر مقاصد بھی تھے، تجارتی شاہراہوں پر دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنا آج بھی بہترین جنگی حکمت عملی (War Strategy) سمجھی جاتی ہے لیکن افسوس بعض اربابِ دانش نے بات کا بتنگڑ بنا دیا اور مخالفین کو اسلام پر کیچڑ اچھالنے کا موقع مل گیا۔ یہ مہمات کثیر المقاصد (Multy Purpose) تھیں، ہمارے قدما نے سب کو غزوات اور سرایا کے ضمن میں بیان کیا ہے اور مخالفین نے ان غزوات اور سرایا کی کثرت تعداد کی آڑ لے کر "جنگجو اسلام" کی بھیانک تصویر پیش کی ہے حالانکہ دو چار دس بیس افراد پر مشتمل مہم روانہ کی جائے اور دشمن کے ساتھ اس کا تصادم بھی ہو جائے تو اسے جنگ کا نام نہیں دیا جا سکتا، پوری دنیا میں سرحدوں پر آئے دن ایسے تصادم ہوتے رہتے ہیں لیکن کبھی

کسی نے ان جھڑپوں کو باقاعدہ جنگ کا نام نہیں دیا تاریخ گواہ ہے کہ زیادہ تر مہمات میں سرے سے کوئی تصادم یا جھڑپ ہی نہیں ہوئی بعض اوقات صحابہؓ کو دشمن کے عزائم کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا جاتا تھا' کبھی تبلیغ اسلام کے لئے یہ مہمات روانہ کی جاتی تھیں' کبھی سفارتی سطح پر معاہدہ جات یا صلح' کبھی دشمن کی معاشی ناکہ بندی ان مہمات کا مقصود ہوتا تھا۔ ایک توجیہہ یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ قریش مکہ کو مسلمانوں کی اہمیت کا احساس دلانا چاہتے تھے تاکہ کوئی معاہدہ ہو تو وہ برابری کی سطح پر ہو' آج ساری دنیا میں فتنہ انگیزیوں کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ کہنے کو تو بڑی طاقتوں اور چھوٹے ممالک کے درمیان معاہدہ جات برابری کی سطح پر ہوتے ہیں لیکن عملاً اور ذہناً برابری کا یہ تصور مفقود ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ جات کمزور اور طاقتور کے درمیان ہوتے ہیں اور یہی چیز امن عالم کے لئے سب سے بڑا خطرہ بنی ہوئی ہے۔ کفارِ مکہ سے معاہدہ جات کے لئے پیش بندی کے طور پر چند حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے تو یہ دراصل امن و امان کی اس فطری خواہش کا اظہار ہے جو اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے اور جن تعلیمات کے اسی اساسی رویے کی بنا پر اسلام کو امن اور سلامتی کا دین کہا جاتا ہے' برابری کی سطح پر معاہدہ جات کی خواہش اس لئے بھی بے جواز نہیں کہ مسلمان بجا طور پر ہر قسم کی سیاسی یا اقتصادی غلامی سے آزاد ہو کر اپنے نظریات و عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنا اور قریش کو آزادانہ تجارت کا موقع دینا چاہتے تھے' یہ ایک فطری سی بات تھی کہ مسلمان دباؤ اور جبر کے اس حصار کو توڑنا چاہتے تھے جو کفارِ مکہ اور یہودی قبائل نے ان کے گرد کھینچ رکھا تھا۔ ابتدائی مہمات کو جنگ کی تیاری یا جنگ کا پیش خیمہ قرار نہیں دیا جا سکتا' اسلام امن عالم کا سب سے بڑا نقیب ہے اور جنگ کے خلاف ہے' انسانوں کے قتل عام کی ممانعت کرتا ہے اگر جنگ ناگزیر ہو جائے تو شر اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے تلواریں بے نیام کرنے کا حکم دیتا ہے' ظلم' جبر اور کفر کے خلاف جہاد جاری تھا' جاری ہے اور جاری رہے گا' جہاد کو کسی مرحلے اور کسی حالت میں بھی موقوف نہیں کیا جا سکتا' مشرکینِ مکہ ایک غالب قوت تھی' کفار نے مسلمانوں کو ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے

دیا' انہیں تپتی ریت پر لٹایا گیا' کانٹوں پر گھسیٹا گیا' گھربار سے نکالا گیا ان کا معاشرتی بائیکاٹ (Social Boycott) کیا گیا' خود پیغمبرِ اسلام کو قتل کرنے کے گھناؤنے منصوبے بنائے گئے' سازشیں ہوئیں' کردار کشی کی گئی' ظلم کے پہاڑ توڑے گئے' جبر کی زنجیریں پہنائی گئیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلمان دفاعی پوزیشن (Defensive Position) میں نظر آتے ہیں لیکن وہ وقت بھی آیا جب انہی مظلوم اور مقہور مسلمانوں نے اس ظالمانہ اور استحصالی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور انسانیت کو ایک پائیدار امن فراہم کرنے کے لئے آگے بڑھ کر ظلم اور کفر پر حملہ بھی کیا۔ یہ چند معرکہ آرائیاں مشرکین اور یہودیوں کے ساتھ فیصلہ کن (Decisive) ثابت ہوئیں' علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ کسی مہم کو جارحانہ قرار دینے کے لئے اس کے اسباب اور محرکات کا بھی جائزہ لیا جائے۔ ان معرکہ آرائیوں اور مہمات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے کے بعد ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اس وقت ہتھیار بند ہو کر میدان جہاد میں اترے جب ان پر عرصۂ حیات اس حد تک تنگ کر دیا گیا تھا کہ ان کے لئے آزاد فضاؤں میں سانس لینا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ ان غزوات کا جواز خود کفار اور یہودی قبائل نے اسلام کے بارے میں اپنے معاندانہ طرز عمل سے فراہم کیا۔

گشتی دستوں پر لوٹ مار کا الزام

مستشرقین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ عرب لوگ قتل و غارتگری اور لوٹ مار کے دلدادہ تھے۔ قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لینا ان کا محبوب مشغلہ تھا اس لئے نبی اکرم ﷺ بھی (نعوذ باللہ) تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لئے یہ مہمات روانہ کیا کرتے تھے' مدینہ کے لوگ بھی اس لئے ساتھ ہو لیتے تاکہ مال غنیمت میں سے اپنا حصہ وصول کر سکیں لیکن یہ الزام بھی دیگر الزامات کی طرح بے بنیاد ہے اور اس کی اصل کوئی نہیں' قریش مکہ سازشوں میں مصروف تھے' مدینہ میں بھی انہوں نے مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا' وہ یہود قبائل کے ساتھ مل کر فتنوں کی پرورش کر رہے تھے' اب ان حالات

میں دشمن کو کھلی چھٹی دینا اور اپنی سلامتی کو مسلسل خطرات سے دوچار رکھنا کہاں کی دانشمندی ہوتی؟ دشمن کو فتنہ و فساد سے باز رکھنے اور یہ باور کرانے کے لئے کہ اب اسلام مظلومیت کے حصار سے باہر نکل کر ایک سیاسی اور عسکری قوت بھی بن چکا ہے ضروری تھا کہ تجارتی شاہراہوں پر بھی دشمن کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھی جائے اور ممکن ہو تو اس کی رسد (Supplies) کاٹ کر اس کی شرانگیزی کی قوت کو مفلوج کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ عرب قبائل لوٹ مار اور قتل و غارتگری کی طرف بھی مائل تھے لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اہلِ مکہ تاجر پیشہ لوگ تھے۔ دوسروں کے تجارتی قافلوں سے تعرض نہ کرنا خود ان کے اپنے مفاد میں تھا تاکہ شاہراہیں ان کے قافلوں کے لئے بھی محفوظ ہوں اور وہ دیگر ممالک اور علاقوں کے ساتھ آزادانہ تجارت کرنے میں آزاد ہوں' تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان مہاجرین میں سے ماضی میں کوئی شخص بھی لوٹ مار کی کارروائیوں میں ملوث نہیں رہا تھا۔ رہ گئے انصارِ مدینہ تو وہ زراعت پیشہ لوگ تھے اور تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ انہوں نے شدید تقاضے کے بغیر کبھی لڑائیوں میں حصہ نہیں لیا۔ زراعت پیشہ لوگ ویسے بھی جنگجو نہیں ہوا کرتے' یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی مہم کا لوٹ مار کی نیت سے روانہ کیا جانا اور بات ہے اور اتفاقاً مڈبھیڑ یا تصادم کے نتیجے میں دشمن کے مال چھوڑ کر بھاگ جانے کی صورت میں مال غنیمت کا ہاتھ آ جانا بالکل مختلف بات ہے' اصل میں یہ چھوٹی موٹی کارروائیاں کفار مکہ کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے تھیں تاکہ وہ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر جنگ کا خیال دل سے نکال دیں۔ دشمن کو یہ باور کرانا ضروری تھا کہ اب مسلمان اتنے گئے گزرے نہیں کہ ان پر آسانی سے غلبہ پایا جا سکے وہ اب اس پوزیشن (Position) میں ہیں کہ ہماری تجارتی ناکہ بندی کر کے ہم پر بھی عرصۂ حیات تنگ کر دیں اس لئے ہمیں مسلمانوں کے خلاف کسی جنگی کارروائی سے باز رہنا چاہئے۔ اس امر کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کرنے مکہ گئے تو انہیں روکنے کی کوشش کی گئی اس پر انہوں نے تجارتی شاہراہ بند

کرنے کی دھمکی دی تھی گویا اقتصادی پابندی مؤثر ہتھیار تھا اور ہے' آج یہ ہتھیار بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ زیرِ عتاب مسلم ممالک میں معصوم بچوں کے لئے دودھ اور مریضوں کے لئے ادویات کی ترسیل پر بھی پابندی ہے لیکن مغرب کے ارباب دانش اپنے حکمرانوں کے اس غیر انسانی طرز عمل پر اعتراض کی انگلی نہیں اٹھاتے۔ یہودِ مدینہ نے اگرچہ مسلمانوں سے معاہدہ امن کر رکھا تھا لیکن مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اہلِ کتاب ہونے کے ناتے سے اول اول ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے سابقہ زیادتیوں کا بدلہ لیں گے لیکن جب انہیں احساس ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو اپنا آلہ کار نہیں بنا سکیں گے کیونکہ اسلام کا ظہور خود ایک توانا اور جاندار ثقافتی پس منظر کے ساتھ ہوا تھا تو وہ مسلمانوں کی شان و شوکت اور مسلسل فتوحات سے خائف رہنے لگے اور موقع ملتے ہی کھل کر مسلمانوں کے مدِ مقابل آ گئے چنانچہ وہ مسلمانوں کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال نہ کر سکے۔ شروع شروع میں انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر مدینہ منورہ خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا تو ان کے کاروبار پر برا اثر پڑے گا لیکن جب اسلامی ریاست مستحکم ہونے لگی تو انہوں نے اسے اپنے لئے خطرہ سمجھا اور کفارِ مکہ اور دیگر قبائل کے ساتھ ساز باز شروع کر دی' گشتی دستوں کی روانگی کا ایک مقصد یہودیوں کو بھی اسلام کی قوت و شوکت سے مرعوب کرنا تھا تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کرنے سے باز رہیں۔

سیدھی سی بات ہے اگر مقصود لوٹ مار ہی تھا تو آخر قریش کے قافلوں ہی سے تعرض کیوں؟ ان تجارتی شاہراہوں سے صرف اہلِ مکہ ہی کے قافلے تو نہیں گزرتے تھے' دیگر قبائل اور یہود کے قافلوں کو کیوں نہ روکا گیا؟ بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت ان کے مال و اسباب سے کوئی علاقہ نہ رکھا گیا اور وہ اپنا سارا مال و متاع لے کر شام اور خیبر میں آباد ہو گئے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان چھاپہ مار دستوں میں نفری بہت کم ہوتی' لوٹ مار کے لئے تو تربیت یافتہ افراد کا ایک منظم گروہ ترتیب دینا پڑتا ہے

اور انہیں ہر طرح کے ہتھیاروں سے مسلح کرنا پڑتا ہے جبکہ یہاں صورتحال اس سے بہت مختلف تھی مثلاً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو دستہ لے کر گئے تھے اس میں کل تیں افراد شامل تھے جبکہ ان کے مقابلے میں قافلے والوں کی تعداد ۳۰۰ تھی کیا تیں افراد ۳۰۰ مسلح افراد کو لوٹنے نکلتے ہیں؟ بعض مہمات میں مال غنیمت دشمن کو اس کی درخواست پر واپس بھی کر دیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد سرداران مکہ کو مال و دولت سے نوازا گیا تاکہ مسلمانوں کے بارے میں ان کے سینوں سے بغض اور دشمنی ختم ہو جائے۔ مسلمانوں نے عالی حوصلگی کا مظاہرہ کیا اور کردار کی بلندی کے عملی نمونے پیش کئے۔

کردار کی عظمت سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے بدترین دشمن بھی زبان طعن دراز کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اپنی تمام تر دشمنی اور کینہ پروری کے باوجود کفار مکہ بھی مسلمانوں پر راہزنی کا الزام نہ لگا سکے لیکن مستشرقین دور کی کوڑی لائے اور بے بنیاد الزامات لگا کر مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی رسوا کن ہزیمتوں کا بدلہ چکانے لگے' تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ ابتدائی مہمات میں تصادم کا کوئی واقعہ اس لئے پیش نہ آیا کہ لوٹ مار مسلمانوں کا مقصود ہی نہ تھا وہ جنہوں نے پوری دنیا کو انداز جہاں بانی سکھائے' شرافت اور نجابت جن کے نقوش پا سے خیرات لیتی رہی جو پوری انسانیت کے لئے رحمت کا پیغام لے کر دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ جنہوں نے عدل وانصاف کا پرچم بلند کر کے تاریخ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا جنہوں نے صداقت اور سچائی کی تعلیم دی اور ذہنوں کو علم کے نور سے منور کیا ان پر لوٹ مار کا الزام لگانے والے اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھیں اپنے اسلاف کے کردار کا تجزیہ کریں اور اپنے موجودہ طرز عمل کا جائزہ لیں کہ کتنی مجبور و مقہور اقوام ان کے ہاتھوں پر اپنا لہو تلاش کر رہی ہیں۔

ایک فکری مغالطے کا ازالہ

مستشرقین نے تصور جہاد کی مفروضوں پر مبنی تاویلات کر کے صلیبی جنگوں میں

شرمناک شکستوں سے پیدا ہونے والے احساس کمتری کو چھپانے کے لئے شعوری اور لاشعوری سطح پر کمال ڈھٹائی سے قلم کی عصمت کا دامن تار تار کیا اور علمی دیانت کو سرعام نیلام کر کے اپنے نسلی اور مذہبی تعصبات کا برملا اظہار کیا' ذرائع ابلاغ جن پر شروع ہی سے یہود ونصاریٰ کو مکمل کنٹرول حاصل رہا ہے کے ذریعے یہ زبردست پروپیگنڈا (Propaganda) کیا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور مسلمانوں نے محکوم اقوام پر زبردستی اپنے مذہبی نظریات مسلط کئے' حالانکہ حقائق وواقعات اس کے بالکل برعکس تصویر پیش کرتے ہیں اور اس زاویہ نگاہ کو اجاگر کرتے ہیں کہ اسلام جسموں پر حکمرانی کا نہیں دلوں کو مسخر کرنے اور ضمیر کی خلش پر لبیک کہنے کا نام ہے۔ مخالفین یہ پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں کہ مسلمان طاقت اور قوت کے مالک بن گئے تو لوگ ڈر کے مارے اسلام قبول کرنے لگے کیونکہ ان کے جان ومال کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا' یہ لوگ اتنے وثوق' یقین' اعتماد' سلیقے اور تکرار سے جھوٹ بولتے ہیں کہ لوگ ان کی باتوں پر یقین کرنے لگتے ہیں۔ وہ دنیا کو یہ باور کرانے میں ایک حد تک کامیاب نظر آتے ہیں کہ اسلام ایک جنگجویانہ مذہب ہے اور اس کا امن وسلامتی سے کوئی تعلق نہیں' مسلمان بنیاد پرست (Fundamentalist) اور دہشت گرد (Terrorist) ہیں Militant Islam یعنی "جنگجو اسلام" کے عنوان سے ورق پر ورق سیاہ کئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کا وہ پڑھا لکھا طبقہ جو مغرب کی تہذیب وثقافت سے متأثر ہے وہ اسلام کا مطالعہ بھی غیر مسلم مصنفین کی تحریروں کے ذریعہ کرتا ہے اور متعصب مستشرقین نے تحقیق کے نام پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جو زہر اگلا ہے اسے سند کے طور پر تسلیم کرتا ہے' اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اس الزام میں قطعاً کوئی صداقت نہیں اگر اسلام کے ایک عسکری قوت بننے کے بعد لوگوں نے ڈر کے مارے اسلام قبول کر لیا تھا تو آج پوری دنیا کا اقتدار بالواسطہ طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہے' بے پناہ مادی ترقی اور جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک پر انہیں واضح برتری حاصل ہے اس وقت لوگ ان سے ڈر کر عیسائی یا یہودی کیوں نہیں ہو رہے حالانکہ یہ سامراجی

طاقتیں تباہ کن ہتھیاروں کے لنبار لگانے اور بارود کے ڈھیر تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب اور ثقافت کے فروغ پر کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کر رہی ہیں۔ مشنری ادارے منظم طریقے سے پوری دنیا میں عیسائیت کی ترویج کے لئے کام کر رہے ہیں۔ انہیں عیسائی حکومتوں کی بے پناہ مالی اعانت بھی حاصل ہے۔ اگر اسلام کے عسکری قوت بننے سے لوگوں نے اپنے جان و مال کو بچانے کے لئے اسلام قبول کرلیا تھا تو آج تو پوری دنیا کو اپنے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت یا یہودیت کی قبول کرلینا چاہئے تھا لیکن اس کے برعکس عیسائی دنیا میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے کیتھ مور (Keith Mure) اور بہت سے دوسرے عیسائی سائنس دان قرآن حکیم میں درج سائنسی حقائق کی توثیق کر کے اسلام کے الہامی مذہب (Divine Religion) ہونے کے ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ خود برصغیر پاک و ہند کی تاریخ گواہ ہے کہ کفرستان ہند میں اسلام کا نور اولیاء اللہ کی تبلیغ سے پھیلا' بزرگان دین کے کردار کی خوشبو نے صنم پرستوں کے دلوں پر دستک دی اور خدائے وحدہ لاشریک کی عظمت کا ڈنکا بجا' اگر دہلی کے حکمران اپنی تلوار سے اسلام پھیلانا چاہتے تو آج بھارت میں ایک بھی ہندو نظر نہ آتا' بلکہ ان حکمرانوں نے تو سیکولر ذہن (Secular Mind) کی پرورش کی اور ہندوؤں کو اپنے اتنا قریب کر لیا کہ اکبر جیسے ہندو مسلم اتحاد (Hindu Muslim Unity) کے علمبردار' شہنشاہ نے دین الٰہی کا ڈول ڈال کر تعلیمات اسلامی کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی' ہندوستان پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی لیکن ہندو اپنے تمام تر تعصب اور نفرت کے باوجود مقامی لوگوں کو جبراً مسلمان بنائے جانے کی ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسپین (Spain) میں اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا جانا مقصود ہوتا تو آج پورا اسپین ہی نہیں بہت سے یورپی ممالک میں اسلام کا پرچم لہرا رہا ہوتا اور دنیا کی کوئی طاقت ہسپانیہ سے مسلمانوں کو جلاوطن کرنے کا تصور بھی نہ کر سکتی۔ اسلام کی پوری دنیا میں پذیرائی ہوئی اس کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے اسلام امن و سلامتی کا دین ہے معاشرے کے کچلے ہوئے مجبور و مقہور انسانوں کو جس مذہب نے ردائے امن میں

پناہ دی اور انہیں برابری کی سطح پر جینے کا حق دیا وہ اسلام ہی تھا۔ اسلام میں مسلمانوں کے ہر میدان میں زوال و انحطاط کے باوجود آج بھی اتنی طاقت ہے کہ یورپ اور امریکہ کو اپنے حصارِ رحمت میں لے سکتا ہے۔ مغربی مفکرین اگر تعصبات کی عینک اتار کر اپنے مفادات کے حصار سے باہر نکل کر کھلے دل سے اسلام کی آفاقی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی دوسری آپشن (Option) ہی نہیں بچتی' اسلام اگر تلوار کے زور سے پھیلا ہوتا تو آج کمیونزم (Communism) کی تاریک اور طویل رات کے بعد وسط ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستوں میں اسلام ایک ابدی سچائی کے طور پر زندہ نہ ہوتا اور اسلامی ثقافت جسے مٹانے کے لئے کمیونسٹوں نے ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا اپنے تاریخی پس منظر کے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ زندہ نہ ہوتی' وہ روایات کب کا دم توڑ چکی ہوتیں جنہیں جبر کے ہاتھوں نے مسلسل دبائے رکھا اور آہنی پردے کے پیچھے جور و استبداد کی ان گنت داستانیں رقم کیں۔ اسلام نے عدل کی حکمرانی قائم کی' اور وہ ضابطۂ حیات دیا جو عدل' انصاف اور مساوات کا پاسبان ہو جس میں معیار فضیلت تقویٰ اور دانائی ٹھہرے' جس میں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہ ہو جس میں رنگ و نسل کے تمام بتوں کو توڑ کر بلال حبشی کی امارت کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ وہ ضابطہ حیات دلوں میں تابندہ رہتا ہے۔ دل کی ہر دھڑکن دن رات اس کے طواف میں مصروف رہتی ہے' خون کی ایک ایک بوند میں یہ ضابطۂ حیات تحلیل ہو کر بندگان خدا کے سجدوں میں روشنی کا استعارہ بن جاتا ہے۔ یہ ضابطۂ حیات یہ نظریہ زندگی صرف اور صرف اسلام ہے جسے کسی خارجی کمک کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں کہ دل کی گواہی سب سے معتبر اور مستند سند جواز ہے۔

ڈی لے سی اولیری

ڈی لے سی اولیری (De Lacy O' Leary) اپنی شہرہ آفاق

تصنیف "اسلام چوراہے پر" (Islam at the Crossroad) میں رقمطراز ہے۔

"History makes it clear, however, that the legend of fanatical Muslims sweeping through the world and forcing Islam at the point of the sword upon conquered races is one of the most fantastically absurd myths that historians have ever repeated."

The tolaration shown by Muslim conquerers like Khalid Bin Waleed, Sultan Salahuddin, Mohammad Bin Qasim and Mohammad, the Conquerer, stands unparalleled in history.

"تاہم تاریخ اس امر کو واضح کرتی ہے کہ یہ کہنا کہ جنونی مسلمان دنیا میں دندناتے اور مفتوح و مغلوب نسلوں کو بنوک شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتے رہے ایک صریحاً بے سروپا اور بے ہودہ فرضی داستاں ہے جسے (غیر مسلم) تاریخ نویس دہراتے چلے آ رہے ہیں۔

وہ رواداری جس کا مظاہرہ خالد بن ولید' سلطان صلاح الدین ایوبی' محمد بن قاسم اور محمد فاتح جیسے مسلم فاتحین نے کیا تاریخ میں اس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔"

ڈاکٹر جان کلارک آرچر

ڈاکٹر جان کلارک آرچر (Dr. John Clerk Archer) پروفیسر شعبہ تقابل ادیان ییل یونیورسٹی نیو ہیون یو ایس اے

(Yale University, New Haven, USA)

اپنے ایک مضمون بعنوان "مسلم دنیا کا ہم پر قرض"
(Our Debt to the Muslim World)
میں رقم طراز ہے۔

"Islam was more than 3 military invasion, it was a cultural invasion. Even as Islamic art came into being in the East amidst mutually hostile, saracenic and hellenistic cultures, so also in the west amidst hostilities, through the instrumentality of the enemies of Christendom, came new cultural forms of art, architecture, science, literature and philosophy. By the tenth century, 'the whole basis of life throughout Spain was profoundly influenced by Islam, and with the capture of Toledo in 1085, by the Christian forces, the path was effectively opened for the spread of that influence to the rest of Europe."

"اسلام عسکری یلغار سے کہیں بڑھ کر ایک ثقافتی یلغار تھا۔ اس وقت بھی جب مشرق میں باہمی متحارب و متخاصم عرب اور یونانی ثقافتوں کے تصادم کے دوراں اسلامی فنون معرض وجود میں آئے اسی طرح مغرب میں بھی عیسائیت کے دشمنوں سے جنگی کارروائیوں کے دوران فنون لطیفہ' فن تعمیر' سائنس' ادب اور فلسفہ کے میدانوں میں نئی ثقافتی ہیئتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ دسویں صدی تک اسلام نے سپین بھر میں تمام تر

زندگی کی اساس پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ۱۰۸۵ء میں عیسائی افواج کے ہاتھوں ٹولیڈو (Toledo) پر قبضے کے ساتھ اس کے اثر و نفوذ کا بقیہ یورپ میں پھیلنے کا راستہ کھل گیا۔"

غزوات کے قیدی اور مقتولین

غزوات میں مقتولین اور قیدیوں کی تعداد غیر معمولی طور پر کم نظر آتی ہے' ان مہمات میں صرف ایک مسلمان جنگی قیدی بنا اور ۲۵۹ افراد نے جام شہادت نوش کیا جبکہ دشمنان اسلام کے قیدیوں کی تعداد ۶۵۶۴ ہے اور ان کے ۷۵۹ آدمی ان غزوات میں کام آئے' تاریخ کے صفحات پر یہ بات ریکارڈ کے طور پر محفوظ ہے کہ ان قیدیوں میں ۶۳۴۸ قیدیوں کو بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا گیا۔ صرف ایک شخص کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ بعض جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا' بعض کو صرف اس شرط پر رہائی نصیب ہوئی کہ وہ اتنے اتنے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ اگر انہیں زبردستی مسلمان بنایا جانا ہی مقصود ہوتا تو مسلمانوں کو ایسا کرنے سے کون روک سکتا تھا۔ نہ ان قیدیوں کو قتل کیا گیا اور نہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا' اس کے مقابلے میں دنیا کی سیاسی اور مذہبی لڑائیوں کا جائزہ لیں تو خوفناک اعداد و شمار کا انکشاف ہوتا ہے' اسلام پر خونریزی کا الزام لگانے والوں کا اپنا دامن بے گناہوں کے خون میں تر نظر آتا ہے اور ان کی پاک داماں کی حکایت کی حقیقت کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے مقتولین کی تعداد ۷۲ لاکھ تک پہنچ گئی تھی' جنگ میں معذور اور بے گھر ہونے والے افراد کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے' اور املاک کی تباہی اس پر مستزاد' انسانی تہذیب و ثقافت کی بربادی اس کے علاوہ' دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں انسان ہلاک ہوئے۔ ڈیڑھ کروڑ عیسائیوں کو مذہب کی بھینٹ چڑھا دیا گیا' ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر جس سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ کیا گیا تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے

سے قاصر ہے' جنگی قیدیوں پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے' مفتوحہ علاقوں کی بندر بانٹ نے تاریخ ہی نہیں جغرافیہ بھی بدل کر رکھ دیا ' سامراجی طاقتوں نے اپنے مفادات کے لئے طفیلی ریاستوں کو جنم دیا اور پوری دنیا کو جس میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک شامل تھے کو دو سپرپاورز (Super Powers) کی کاسہ لیسی پر مجبور کر دیا گیا اور اقوام متحدہ (U.N.O) کے ذریعہ امن اور سلامتی کا ڈھونگ رچا کر اس کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی گئی۔

اسلام نے قتل و غارتگری' تباہی و بربادی' لوٹ مار اور املاک کو نذر آتش کرنے کی ممانعت کر دی' صرف مد مقابل سے لڑنے کی اجازت دی' جنگوں میں مروجہ وحشیانہ اور ظالمانہ طریقوں پر پابندی عائد کر دی' مجاہدین کو عورتوں' بوڑھوں' بچوں' معذوروں اور مذہبی رہنماؤں پر ہاتھ اٹھانے سے روک دیا' قرآن حکیم نے ایک بنیادی اصول دیا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ، ۲ : ۲۵۶) دین میں کوئی جبر نہیں۔

جن مہمات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کوئی ایک مہم بھی غیر مسلم قبائل کے مذہب کو تبدیل کرنے کے لئے روانہ نہیں کی گئی۔ ویسے بھی مذہب کی جڑیں انسان کے دل' دماغ اور روح میں ہوتی ہیں۔ آپ قوت سے کسی کی گردن تو اڑا سکتے ہیں لیکن اس کے دل کو نہیں جھکا سکتے' دل تشدد سے نہیں محبت سے بدلا کرتے ہیں' افریقہ' چین' انڈونیشیا' ملایا اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کی تلوار نہیں گئی' وہاں کروڑوں مسلمان کہاں سے آ گئے' تاریخ بتاتی ہے کہ باکردار مسلمان تاجروں اور صوفیاء کے کردار اور ان کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر غیر مسلم اسلام قبول کرتے چلے گئے' چین میں آٹھ کروڑ' افریقہ میں ۲۲ کروڑ اور انڈونیشیا میں ۱۱ کروڑ مسلمان آباد ہیں جن کے سر فتح نہیں کئے گئے اقلیم ہائے دل فتح کی گئیں اور یہی فتح حقیقی فتح ہوتی ہے۔

مقابلے پر آنے والے غیر مسلموں کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا

ہے' اسلام کے دامن رحمت میں آجاؤ یا جزیہ ادا کرو گویا لڑائی یا تصادم سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی' جب مخالفین اپنی ضد پر قائم رہتے تب معرکہ آرائی کی نوبت آتی' جزیہ ایک ٹیکس تھا لیکن آج کی طرح ظالمانہ ٹیکسوں میں اس کا شمار نہ ہوتا تھا۔ عملاً یہ ایک علامتی ٹیکس ہوتا' یہ ایک درہم سے چار درہم تک ہوتا۔ اس کے عوض غیر مسلموں کو جان و مال کے مکمل تحفظ کی ضمانت دی جاتی اور انہیں ایک شہری کے تمام حقوق حاصل ہوتے۔ عہد نبوی ﷺ کے بعد بھی ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کو برقرار رکھا گیا' عہد فاروقی میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو کسی ایک شہری کو بھی تہ تیغ نہیں کیا گیا۔ کسی کی آبرو پر آنچ نہ آئی اور کسی کا مال نہیں لوٹا گیا۔ یہی شہر جب ساڑھے چار سو سال بعد صلیبیوں (Crusades) نے فتح کیا تو عیسائی مؤرخین کے اپنے بیان کے مطابق مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا۔ بیت المقدس کے گلی کوچے مسلمانوں کے خون ناحق سے گھٹنوں تک دلدل میں تبدیل ہو گئے۔ اس کے ۹۶ سال بعد جب صلاح الدین ایوبیؒ نے اس شہر مقدس پر قبضہ کیا تو کسی ایک عیسائی کا بھی خون ناحق نہیں بہایا گیا' حقیقت یہ ہے کہ جب دیگر اقوام فاتحانہ انداز میں کسی مفتوحہ شہر میں داخل ہوتی ہیں تو اپنے کسی روحانی پیشوا یا رہنما کا کردار یا طرز عمل ان کے سامنے نہیں ہوتا چنانچہ وہ جشن فتح مناتے وقت شیطان کا روپ دھار لیتے ہیں' بربریت اور درندگی ان کے جشن فتح کا امتیازی نشان بن جاتا ہے۔ قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوتا ہے' عبادت گاہوں کو مسمار کیا جاتا ہے' خواتین کی بے حرمتی کی جاتی ہے' بچوں کے سر نیزوں پر اچھالے جاتے ہیں' نہ کسی شہری کی عزت محفوظ رہتی ہے نہ جان و مال' ہوس حکمرانی ہر اخلاقی قدر کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتی ہے' یہ اعزاز صرف اور صرف مسلمانوں کو حاصل رہا ہے کہ میدان جنگ میں بھی انہوں نے اخلاقی قدروں کی پاسداری کی اور کسی مفتوحہ علاقے میں داخل ہوتے وقت بھی کسی شیطانی وسوسے کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا کیونکہ ان کے سامنے اپنے آقا و مولا ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہوتا کہ فتح مکہ کے وقت یہاں تک اعلان کر دیا گیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا اسے بھی امان دی جاتی ہے۔

کفار مکہ سر جھکائے کھڑے تھے' حضور ﷺ چاہتے تو اپنے خون کے پیاسوں کے قتل عام کا حکم دے سکتے تھے' ان کی املاک کو نذر آتش کر سکتے تھے اور وہ سب کچھ کر سکتے تھے جس کی توقع کفار مکہ آپ سے کر رہے تھے' لیکن جس پیغمبر انقلاب رحمت کو کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا فتح مبین حاصل ہونے کے بعد ان (ﷺ) کا سر اپنے خدا کی بارگاہ میں جھکا ہوا تھا۔ چشم فلک نے عفو و درگزر کی ایسی مثال نہ پہلے دیکھی نہ اس کے بعد' مسلمان فاتحین اپنے آقا ﷺ کے انہی نقوش پا سے روشنی اخذ کرتے اور فتح مکہ کی عظیم روایات کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے اس لئے ان سے اخلاق سے گرے ہوئے طرز عمل کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔

باب-۲

اسلام اور غلامی

اسلام دین فطرت ہے اور وہ انسانی نفسیات کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ حکمت و دانش اس کے ہر حکم میں کارفرما نظر آتی ہے۔ غلامی کے خاتمے کے لئے اسلام نے جو لائحہ عمل اپنایا' جو اقدامات تجویز کئے یا جو طرز عمل اختیار کیا اس سے غلامی کا Institution بتدریج ختم ہو گیا۔ کیا طرفہ تماشا ہے اور نیرنگی دوراں کا کمال ہے کہ جس دین نے تصور غلامی کو ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اس پر سوچے سمجھے بغیر اور قوانین کے ارتقائی عمل کا ادراک اور شعور حاصل کئے بغیر' غلامی کو جاری رکھنے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔

الزام تراشی کی وجوہات

اسلام پر غلامی کے ادارے کو برقرار رکھنے کا الزام لگانے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہے مثلاً

۱۔ سب سے پہلی وجہ تو اسلام دشمنی ہے' غیر مسلم مفکرین اور دانشور اسلام کی ہمہ گیریت' آفاقیت' جامعیت اور انسان دوستی کو کسی صورت میں بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسلام کی شفاف اور ابدی تعلیمات کا علمی اور عقلی سطح پر جب ان مفکرین سے کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو یہ پروپیگنڈے کا سہارا لے کر بہتان تراشیوں پر اتر آتے ہیں اور خود ساختہ Issues کھڑے کر کے اسلام کو بدنام کرنے کی مہم پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ مستشرقین کا وہ تعصب ہے جو ان سے چھپائے نہیں چھپتا اسلام کے بارے میں تعصب اور نفرت کی آگ ان کے قلم کی نوک پر آ کر آتش انتقام میں تبدیل ہو جاتی ہے' تعصب ایک ایسی بیماری ہے جو لاعلاج ہے اس بیماری میں اپنے مخالفین کی اچھائیاں بھی برائیاں بن جاتی ہیں' تعصب کی عینک خوبیوں کو بھی خامیوں میں تبدیل کر

دیتی ہے۔ جب ان کی قوت استدلال جواب دے جاتی ہے تو یہ جھنجلاہٹ اور عجلت میں اسلامی تعلیمات کا چہرہ بگاڑنے کے تخریبی عمل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ ان مستشرقین اور مؤرخین کی چالبازی اور مکاری ہے وہ بڑی ہوشیاری سے اور غیر محسوس طریقے سے اپنے قارئین کے ذہنوں میں شکوک وشبہات کے بیج بوتے چلے جاتے ہیں اور قدم قدم پر سوالیہ نشانات چھوڑتے جاتے ہیں اور یوں تحقیق و تدوین کے نام پر شعبدہ بازی اور دھوکے بازی میں اپنے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہیں مختلف تصورات اور مفروضوں کے آمیزے سے اسلام کی جو تصویر بناتے ہیں وہ بڑی بھیانک ہوتی ہے' ہر مسلمان کے دامن پر مفروضوں کا خون سجاتے ہیں کہ نئی نسل اسلام کے بارے میں ہزار بدگمانیوں کا شکار ہو کر اسلام کو شجر ممنوعہ سمجھنے لگتی ہے۔

۴۔ تاریخ کے سفر کے ساتھ جب مسلمانوں کے دور انحطاط میں خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو مسلمان بادشاہوں اور امراء کی بداعمالیوں کو بھی اسلام کے کھاتے میں ڈال کر اسلام کو بدنام کرنے کی سند جواز تلاش کر لی گئی۔

۵۔ مسلمان جب علمی اور فکری جمود و تعطل کا شکار ہوئے اور روایت علمی کی مشعل ان کے ہاتھ سے چھن گئی تو یہ میدان بھی غیر مسلموں نے سنبھال لیا' مسلمان دانشوروں کی تحریریں ناقابل اعتبار گردانی جانے لگیں اور متعصب مستشرقین کا فرمایا ہوا مستند ٹھہرنے لگا' علمی محاذ پر مسلمانوں کی طرف سے خاموشی چھائی ہوئی تھی' اس خلا کو مغربی مفکرین نے پر کیا اسلام کے بارے میں جو چاہا جیسے چاہا لکھا کیونکہ علمی گرفت کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے غلط العام کو قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ ان غلط روایات کو بنیاد بنا کر الزام تراشیوں کی ایک عمارت کھڑی کر دی گئی گویا بناء الفاسد علی الفاسد کی عملی تفسیر سامنے آ گئی۔

غلاموں کی حالت زار

غلامی اپنی مکروہ اور قبیح صورت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت

سے کئی ہزار سال پہلے سے ایک منظم ادارے کی شکل میں موجود تھی اور اپنے وقت کے معاشی اور معاشرتی نظام کی ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی' سیاسی نظام' معاشی ڈھانچے اور سماجی نفسیات میں اس کی جڑیں بڑی گہری تھیں۔ غلاموں کی منڈیاں لگتیں' بازار سجتے اور اشیائے ضروریہ کی طرح ان کی خرید و فروخت بھی آزادانہ طور پر ہوتی فرعون نے بنی اسرائیل کو ایک مدت تک اپنا غلام بنائے رکھا جس کے باعث پوری قوم ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر بزدلی کا شکار ہو گئی' حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے غلام کی حیثیت سے بیچ ڈالا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سلطنت روما میں غلاموں کو معاشرے کے کسی طبقے کی حمایت حاصل نہ تھی اور ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا' غلاموں نے اس حالت کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا تھا' یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا' مالک کو اپنے غلام کی زندگی اور موت پر پورا اختیار حاصل ہوتا۔ رومی شہنشاہ اور امراء تفریح طبع کے لئے وحشیانہ اور ظالمانہ کھیل منعقد کرتے' چند غلاموں کو تلواریں اور نیزے دے کر تفریح گاہ میں اتارا جاتا وہ ایک دوسرے پر پل پڑتے رومی اس وحشیانہ کھیل سے لطف اندوز ہوتے اور بھوکے شیروں کے پنجروں میں غلاموں اور قیدیوں کو دھکیل کر ان کی دردناک موت کا نظارہ کر کے تالیاں پیٹتے' ان کی آزادی کی کوئی صورت تھی نہ ان کے کوئی حقوق تھے' رومی شہنشاہ کمزور اقوام پر چڑھ دوڑتے' مال و دولت سمیٹتے' محافل طرب سجاتے اور گرفتار ہونے والوں کو غلام بنا کر انہیں محنت و مشقت کی بھٹی میں جھونک دیتے' جانوروں کی طرح کھیتوں میں ان سے کام کرواتے' پیٹ بھر کر کھانا بھی نہ دیا جاتا' کام میں سستی اور کاہلی پر ظالمانہ سزائیں دی جاتیں۔ پاؤں میں آہنی زنجیریں پہنا دی جاتیں کہ کہیں فرار نہ ہو جائیں' غلام کے قتل پر قصاص بھی لازم نہ آتا مظلومیت کے حصار میں کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ پوری دنیا میں کم و بیش غلاموں کو اسی اندوہناک اور غیر انسانی صورت حال کا سامنا تھا۔

امریکہ اور یورپ کے افق پر غلامی کی سیاہ رات

آج امریکہ اور یورپ حقوق انسانی کے نام پر ترقی پذیر ممالک میں مداخلت بیجا کو اپنا قانونی اور جمہوری حق سمجھتے ہیں' اپنی عسکری برتری کی بنا پر ان ممالک کے اقتدار اعلیٰ کو خاک میں ملانے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور تیسری دنیا کی اقوام کی عزت نفس کا دامن تار تار کر کے اپنی انا کو تسکین دیتے رہتے ہیں اس لئے کہ غریب اقوام کے گرد اپنی سیاسی اور اقتصادی غلامی کے حصار کو تنگ کر کے اپنے مفادات کا حصول ان کی سرشت میں شامل ہے۔ آج غلاموں کی تجارت کے لئے منڈیاں نہیں لگتیں لیکن ثقافتی یلغار سے پوری پوری قوم کو ذہنی اور فکری طور پر غلام بنانے کا عمل جاری ہے' صرف آقاؤں نے جمہوری لبادہ اوڑھ کر اپنے طریق واردات میں تبدیلی کر لی ہے' غلامی کے انداز بدل گئے ہیں لیکن جس غلامی کی آڑ لے کر اسلام کو مطعون کیا جاتا ہے پورا یورپ اور امریکہ اس غلامی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ آج سے چند سو سال پہلے تک امریکہ اور یورپ کے افق پر غلامی کی سیاہ رات چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ بکریوں کی طرح انسانوں کی تجارت ہوتی تھی افریقی ممالک خاص طور پر ان سفید فام درندوں کا ہدف بنے' افریقہ کے باشندوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے لایا جاتا آج امریکہ اور یورپ میں جو سیاہ فام لوگ آباد ہیں وہ انہی افریقی غلاموں کی نسل ہیں' نسلی تعصب کی صورت میں غلاموں کے ساتھ روا رکھی جانے والی نفرت آج بھی سفید فام نسلوں کے سینوں میں لاوا بن کر کھول رہی ہے۔ جنوبی افریقہ اس نسلی تعصب کا آخری حصار تھا جو سیاہ فام عوام کی ان گنت قربانیوں اور مسلسل انقلابی جدوجہد سے ٹوٹ چکا ہے' امریکہ کے سیاہ فام باشندوں نے صدیوں تک سفید فام آباد کاروں کی نفرت کا سامنا کیا' ذلت آمیز اور توہین آمیز رویوں اور غیر انسانی سلوک کو برداشت کیا' اب یہی نفرت ان سیاہ فام نسلوں میں منتقل ہو چکی ہے اور نفرت کا یہ آتش فشاں کسی وقت بھی پھٹ کر سفید فام آقاؤں کی ہر چیز کو جلا کر بھسم کر سکتا ہے۔ مستشرقین اور

مغربی مفکرین کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھوں میں تنکے تلاش کرنے کے کارلاحاصل میں مصروف رہتے ہیں۔

اسلام کا اصلاحی کارنامہ

اسلام نے ہر شعبہ زندگی کو انقلاب آفریں تبدیلیوں سے آشنا کیا' جمود و تعطل کو توڑا اور غیر انسانی اور غیر اخلاقی ضابطوں کی اصلاح کی' اسلام کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس کے پیروکاروں نے ایسے اقدامات کئے کہ رفتہ رفتہ غلامی کا ادارہ ختم ہو گیا' دنیا کی مختلف تہذیبوں میں غلاموں کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا اسلامی تاریخ اس بہیمانہ سلوک اور بھیانک جرائم سے قطعاً نا آشنا ہے' اسلام نے غلاموں کو وہ شرف بخشا کہ اس غلامی پر آزادی کو بھی رشک آنے لگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ (جو ایک غلام رہ چکے تھے) کو یا سیدی یا بلال رضی اللہ عنہ کہہ کر پکارا کرتے تھے' اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی بار غلاموں کے حقوق کو تسلیم کیا اور انہیں بحیثیت انسان پورا احترام دیا انہیں ذلت آمیز سلوک سے بچایا اور عملاً رنگ و نسل کے بتوں کو توڑ کر ہر انسان کو برابری کا درجہ دیا۔ گورے اور کالے کی تمیز کو مٹا دیا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ
(الحجرات' ۴۹: ۱۳)

بے شک اللہ کے نزدیک تو تم سب میں عزت والا (شرف وفضیلت والا) وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو (پرہیزگاری اختیار کرے اور متقی ہے)

اسلام نے محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس کے برعکس ہندو فلسفہ حیات کے مطابق شودر' برہما کے پاؤں سے پیدا ہوئے لہٰذا وہ پیدائشی طور پر ذلیل اور کمتر ٹھہرے' ہندو معاشرے میں شودروں کے ساتھ غیر انسانی برتاؤ کیا جاتا۔ نہ صرف انہیں جسمانی طور پر غلام بنایا جاتا بلکہ مسلسل تحقیر آمیز سلوک سے انہیں ذہنی طور پر بھی مفلوج کر دیا جاتا' کہ وہ عمر بھر اس ذہنی غلامی کے حصار سے باہر نہ نکل سکتے اور اسے

اپنے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتے۔

مغرب کی گواہی

مسلمانوں کے دور اول میں غلاموں کو جو بلند معاشرتی اور سماجی حیثیت حاصل تھی مغربی مفکرین اور مستشرقین اسلام کے بارے میں اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود اس سے انکار نہیں کر سکے' روایات میں مذکور ہے کہ بعض غلام اپنے آقاؤں کے حسن سلوک کے اتنے گرویدہ ہو گئے کہ آزادی ملنے کے بعد انہوں نے اپنے آبائی گھروں کو لوٹ جانے سے انکار کر دیا حالانکہ اب انہیں نہ کوئی خوف تھا اور نہ کوئی حاجت جو ان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی۔

آزادی کا اسلامی تصور

یہ ذکر اوپر آچکا ہے کہ اسلام نے غلامی کے ادارے کے بارے میں جو حکمت عملی اپنائی اس کے مثبت نتائج بہت جلد سامنے آنے لگے یہاں تک کہ انسانیت کے دامن پر پڑے غلامی کے دھبے دھل گئے۔ اسلام نے نہ صرف تصور غلامی کی بیخ کنی کی بلکہ انسانوں کی آزادی کا بھی ایک جامع تصور پیش کیا اور عدل' انصاف اور مساوات کی قدروں کو فروغ دیا بلکہ ان کی پاسبانی کا حق بھی ادا کیا' نسلی' لسانی اور علاقائی تعصبات مٹ گئے اور انسانیت کھلی فضا میں سانس لینے لگی' اسلام نے انسانی وحدت کا ایک ایسا قابل عمل تصور پیش کیا' مغربی دنیا اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود ابھی تک جس کی گرد کو بھی نہیں پا سکی۔ اسلام نے معیار فضیلت صرف تقوی کو ٹھہرایا۔ عجمی کو عربی اور عربی کو عجمی پر فضیلت کے فلسفے کو باطل قرار دیا انسانوں کے درمیان اونچ نیچ کے ہر تصور کو رد کر دیا۔

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
(النساء' ۴:۱)

جس نے تمہاری پیدائش کی ابتدا ایک جان سے کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝
(التین' ۹۵:۴)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین

(اعتدال اور توازن والی) ساخت میں

پیدا فرمایا۔

غلامی کا ادارہ کسی پیدائشی یا فطری کمزوری کے باعث نہیں بلکہ چند خارجی اسباب کی وجہ سے وجود میں آیا' بدقسمتی سے اگر کوئی شخص غلام بن جاتا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے شرف انسانی سے ہی محروم ہو گیا اسلام نے حالت غلامی کو عارضی قرار دیا۔ بات بات پر غلاموں کو آزاد کر دینے کا حکم ہے' انسان ہونے کے ناتے سے غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں جبکہ دیگر تہذیبوں میں غلاموں کے بارے میں نقطہ نظر اس سے قطعاً مختلف تھا جس کا ذکر تفصیل سے اوپر ہو چکا ہے۔

اسلام میں تصور غلامی

اسلام حریت فکر کا علمبردار ہے شہری آزادیوں کا محافظ ہے وہ ذہنی اور جسمانی ہر قسم کی غلامی کے خلاف ہے اسلام انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ کی اور رسول ﷺ کی غلامی کا شعور عطا کرتا ہے' اسلام میں غلامی کا تصور دنیا میں رائج غلامی سے بہت مختلف ہے' اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام میں نام کی غلامی رہ گئی ورنہ عملی طور پر غلامی نام کی کسی چیز کا وجود اسلام میں باقی نہ رہا تھا۔ یہ نام بھی فقط نفس مسئلہ کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ہے ورنہ غلامی اور اسلام میں زبردست مغائرت (Contradiction) پائی جاتی ہے اسلام استحصال کی ہر شکل کا مخالف ہے اور غلامی استحصال کی بدترین شکل ہے' اسلام فطرتاً بھی غلامی کے ادارے کو قبول نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ایسے اقدامات کئے گئے کہ انسانیت کا دامن اس لعنت سے پاک ہو گیا۔ درج ذیل حقائق کی روشنی میں صورتحال کا مزید جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ بھائی چارے کا رشتہ

اسلام فرد کے ظاہر ہی نہیں باطن کی بھی اصلاح چاہتا ہے اور باطن کی اصلاح

اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان تقوی اور پرہیزگاری کی راہ اختیار نہ کرے جب تک اس کے دل میں خوف خدا پیدا نہ ہو اور عملاً انسانوں پر انسانوں کی خدائی کی نفی نہ کرے' اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان نفرت کی دیوار گرا کر بھائی چارے کا لازوال تصور دیا حاکم اور محکوم کے تصور کو ختم کر کے مساوات (Equality) کا درس دیا اور غلاموں کے حقوق کا تحفظ کیا' حتی کہ لونڈیوں کے ساتھ شادی تک کی ترغیب دی تاکہ انسانوں کے درمیان کھڑی مصنوعی حد بندیوں کو توڑا جا سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ حد بندیاں خود بخود ختم ہو گئیں' ارشاد باری تعالٰی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ؕ (النساء' ۴:۲۵)	اور تم میں سے جو کوئی (اتنی) استطاعت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو ان مسلمان کنیزوں سے نکاح کرے جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں ہیں۔

حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔

اخوانکم جعلهم الله فتيه تحت ايديكم (جامع الترمذی' ۲:۱۶)	(تمہارے غلام) تمہارے بھائی ہیں جن پر اللہ نے تمہیں اختیار دیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو سواری پر اور اس کے غلام کو پیدل چلتے دیکھا تو فرمایا "غلام کو بھی اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لو کیونکہ جیسی روح تمہاری ہے ایسی روح تمہارے غلام کی بھی ہے۔

۲۔ مساوات

اسلام نے انسانوں میں عملاً مساوات قائم کی' اسلام وحدت انسانی کا قائل ہے' قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ (النساء' ۴:۲۵)	تم (سب) ایک دوسرے کی جنس میں

سے ہو۔

اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان سماجی تفاوت کو بہت کم کر دیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے' کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پہ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوی کے"۔

۴۔ نفاذ عدل کا حکم

اللہ رب العزت نے ذہن انسانی میں شعور و آگہی کی ان گنت مشعلیں روشن کیں اور تعلیمات اسلامی کے ذریعہ اسے یہ ہدایت دی کہ انسان اس کی زمین پر عدل قائم کرے کیونکہ یہی عدل مہذب اور پر امن معاشروں کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور یہی عدل انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے۔ اسلام نے تو غلاموں کے ساتھ بھی عدل سے کام لینے کی تلقین کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کی تعلیم دی' ایک طویل آیت کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا — اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

آیت مذکورہ میں دوسرے لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ (النساء' ۴: ۳۶)

اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو (ان سے نیکی کیا کرو) بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور فخر کرنے والا (خود بین) ہو۔

گویا غلاموں کے آقاؤں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے مقام و مرتبے پر فخر اور غرور نہ کیا کریں بلکہ جن غلاموں کا انہیں مالک بنایا گیا ہے وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کریں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من قتل عبدہ قتلناہ و من جدع عبدہ — جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہو اسے قتل

جدعناه (جامع ترمذی' ۱:۱۶۹)

کریں گے اور جس نے غلام کے اعضاء کاٹے ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مروی ہے۔

ولا یقل احدکم عبدی و امتی و لیقل فتای و فتاتی و غلامی (صحیح البخاری' ۱:۳۴۶)

تم میں سے کوئی عبدی (میرا عبد) یا امتی (میری لونڈی نہ کہے بلکہ میرا خادم میری خادمہ اور غلام کہنا چاہئے۔

اسلام نے آقا اور غلام میں محبت اور احترام کا رشتہ استوار کیا اور انسانی عظمت اور وقار کی ہر مرحلہ پر پاسداری کی' آقا اور غلام کے درمیان ذہنی اور نفسیاتی فاصلوں کو کم کیا' جسمانی تکلیف دینے کی صورت میں دونوں کے لئے ایک جیسی تعزیرات کا نظام قائم ہے' اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں عملاً غلام اپنے آقا کے کنبے کے ایک فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

۴۔ تادیبی کارروائی کا بنیادی اصول

اسلام نے غلاموں پر وحشیانہ مظالم کے تمام راستے بند کر دیئے' سزا کے لئے بھی ضابطہ (Law) مقرر کر دیا۔ اسلام میں سزا کی نوعیت ایسے ہی ہے جیسے ماں باپ اپنے شریر بچوں کو ان کی اصلاح کے لئے بعض اوقات سرزنش کے علاوہ معمولی سی جسمانی سزا بھی دیتے ہیں' اس سزا میں بھی ہمدردی اور شفقت کا عنصر غالب ہوتا ہے آقا کو یہاں تک بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنے غلام کے چہرے پر تھپڑ مارے' اسلام نے تادیبی کارروائی کی بھی حدود و قیود مقرر کر دیں۔

۵۔ حکومت کی پشت پناہی

اسلامی حکومت غلاموں کے حقوق کی نگہداشت کرتی ہے چنانچہ اسلامی حکومت میں کسی غلام کو یہ خدشہ لاحق نہ ہو تا کہ اس کا مالک اس کے خلاف کسی قسم کی

انتقامی کارروائی کرے گا۔ مکاتبت کی پیش کش کو مالک رد نہیں کر سکتا تھا، مکاتبت کے بعد غلام کی خدمت کا معقول معاوضہ دینا لازم ٹھہرا، اگر مالک معاوضہ نہ دے سکتا تو یوں اس کے روزگار کا دوسری جگہ بندوبست کرنے کا پابند تھا تاکہ وہ معینہ رقم کما کر مالک کو دے سکے، تاریخ بتاتی ہے کہ چودھویں صدی تک غیر اسلامی دنیا میں کہیں بھی غلاموں کو حکومتی سرپرستی یا امداد حاصل نہ تھی، غلاموں کے حقوق کی تحریکیں اس کے بعد برپا ہوئیں جبکہ اس وقت تک اسلام غلامی کے خاتمے کے لئے زمین ہموار کر چکا تھا۔ دوسری اہم مثال جس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں سرکاری خزانے سے غلاموں کی آزادی کے لئے امداد دی جاتی، غلاموں کے بارے میں انہی سماجی رویوں کی بدولت دنیا کے دیگر حصوں میں غلامی کے خاتمے کے لئے جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ان تحریکوں کا سارا کریڈٹ بھی اسلام ہی کو جاتا ہے، اسلام کے نظام رحمت میں ان غلاموں کی رہائی کی بھی سبیل پیدا کر دی گئی جو اپنی ذاتی کمائی سے رہائی حاصل کرنے کے قابل نہ رہیں، اس صورت میں صدقات کو غلاموں کی رہائی پر خرچ کرنے کی ایک شق مقرر فرما دی۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ الۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَ فِى الرِّقَابِ

(التوبہ، ۹:۶۰)

بے شک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں کا حق ہے .... اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)

اصلاح کا تدریجی طریقہ

اسلام کا کوئی حکم حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہے، اسلامی تعلیمات میں جہاں حقوق اللہ کے ادا کرنے کا حکم ہے۔ وہاں حقوق العباد کی ادائیگی پر بھی زور دیا گیا ہے، اسلام انسانوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق کو روا نہیں رکھتا، اسلام چونکہ دین فطرت

ہے اس لئے اس کی ہدایات میں بھی انسانی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے اسلام نے مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ تدریجی طریقہ کار اپنایا کیونکہ ذہن تیار کئے بغیر جو احکامات جاری کئے جاتے ہیں ان پر اگر عمل درآمد ہو بھی جائے تو مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آتے' کیونکہ دل کی گواہی سب سے معتبر گواہی ہے' اگر کسی حکم کو اس کا دل قبول نہ کرے تو ذہن انسانی انحراف اور فرار کے راستے تلاش کر لیتا ہے' غلامی کے خاتمے کے لئے بھی تدریجی خطوط پر کام کیا گیا جس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں کہ روئے زمین سے غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس شعور نے محکوم قوموں کو ایک ولولہ تازہ عطا کیا ہے اور وہ اپنی آزادی کے لئے انقلابی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

۱۔ ذہنی غلامی کا خاتمہ

اسلام نے انسان کو انسان کی ذہنی غلامی سے بھی نجات دلائی اور ہر سطح پر حریت فکر کے تصور کو اجاگر کیا۔ غلامانہ ذہنیت اولاً خارجی دباؤ کے تحت پرورش پاتی ہے۔ پھر یہ ذہنی غلامی آہستہ آہستہ مستقل حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ ذہنی غلامی احساس کمتری کی بدترین شکل ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں میں احساس کمتری نہیں اعتماد کا نور دیکھنا چاہتا ہے۔ ذہنی غلامی اس اعتماد کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس اعتماد سے محرومی کے باعث غلاموں کی کوئی تدبیر بھی کارگر نہیں ہوتی اور تقدیر بھی ان سے روٹھی روٹھی سی رہتی ہے۔ آج تیسری دنیا کے اکثر ممالک میں بیوروکریسی اور حکمران ٹولوں میں ذہنی غلامی کا مرض تیزی سے پھیل رہا ہے' یہ لوگ سامراجی طاقتوں کی مادی ترقی سے اس قدر مرعوب ہیں کہ اپنی ثقافت پر برملا ندامت اور شرمساری کا اظہار کرتے ہیں' ان کی سوچوں کی اپنی زمین میں جڑیں ہی نہیں ہوتیں اپنی روایات سے انحراف اور بغاوت کر کے دراصل یہ اپنے ثقافتی وجود کی نفی کر رہے ہوتے ہیں یہ لوگ ترقی پذیر ممالک کی ذہنی غلامی کا چولا پہن کر اپنے ہموطنوں کو بھی اس حصار میں پناہ لینے کی

ترغیب دینے لگتے ہیں' قومی غیرت کو اپنی گمراہ سوچوں کے ملبے تلے دفن کر کے یہ "روشن خیالی" کا نعرہ لگاتے ہیں' سامراجی طاقتیں تیسری دنیا کے ممالک میں حکومت اور اپوزیشن دونوں کو اپنے ہاتھ میں رکھتی ہیں کیونکہ وہ اپنے ذہنی غلاموں کی پرورش کر کے اپنے مفادات کا تحفظ چاہتی ہیں اور یہ ذہنی غلام ملکی اقتدار اعلیٰ تک کو داؤ پر لگا کر اور اپنی نظریاتی اساس کی نفی کر کے اپنے غیر ملکی آقاؤں سے "نیک چلنی" کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ ذہنی غلامی بعض صورتوں میں جسمانی غلامی سے بھی زیادہ خطرناک اور بھیانک نتائج کی حامل ہوتی ہے یہ دراصل کسی قوم کی تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کرنے کا نام ہے اور جب کوئی قوم ذہنی طور پر غلامی پر رضامند ہو جائے تو سامراجی طاقتوں کو اس کی جسمانی غلامی کی بھی تمنا نہیں رہتی کیونکہ ذہن جدید کٹے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آگرتا ہے یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے کہ سامراجی طاقتیں قومی اور بین الاقوامی امور ومسائل پر اپنے ان ذہنی غلاموں سے جیسے فیصلے لینا چاہتی ہیں لے لیتی ہیں۔ ذہنی غلاموں کی حیثیت ربر سٹیمپ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جس طرح اسمبلیوں میں اراکین کا کام سوچے سمجھے بغیر ہاتھ اٹھا کر حکومتی اقدامات کی توثیق کرانا ہوتا ہے عالمی سطح پر ذہنی غلاموں کا کردار اس سے مختلف نہیں ہوتا۔ یہ ذہنی غلامی حریت فکر کی قاتل ہے جبکہ اسلام اسی حریت فکر کا علمبردار ہے اور ذہنی غلامی کی ہر شکل کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔

۲۔ سازگار فضا کی تیاری

اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لئے سازگار فضا تیار کرنے میں بنیادی اور انقلابی کرزار ادا کیا ہے' اسلام نے ہر مرحلے پر تصور آزادی کو ایک متحرک اور فعال نظریئے کے طور پر پیش کیا اور شرف انسانی کی بحالی کا کام مسلسل جاری رکھا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو انسانی جان ومال کا احترام کرنا سکھایا ہے' زیردستوں کے

ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ اپنے غلاموں کے ساتھ شریفانہ اور عادلانہ برتاؤ کی تلقین کی ہے اور ان کے حقوق و فرائض میں توازن قائم کیا ہے۔ اسلام نے غلاموں کو حیوان سے انسان کا درجہ دیا ہے اور یہ اس وقت کی فضا میں یقیناً ایک غیر معمولی بات تھی۔ اسلام نے آقا اور غلام کے تعلق میں مزاجی کیفیت اور نفسیات کو ایک نیا رخ عطا کیا ہے اسے ہم فرد کے اندر کے انقلاب سے تعبیر کر سکتے ہیں' اسی انقلاب رحمت کے باعث اسلامی تاریخ میں محیر العقول اور قابل رشک واقعات نے جنم لیا۔ خاندان غلاماں نے برسوں ہندوستان پر حکومت کی' تاریخ اس موڑ پر آج بھی ششدر کھڑی ہے۔

۳۔ غلاموں سے رشتہ داریوں کی رخشندہ مثالیں

تاریخ اس مقام پر گم صم کھڑی ہے کہ جب دنیا میں غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی' سرے سے ان کے حقوق کا کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا۔ غلام کی زندگی مالک کی رضا و مرضی کے تابع تھی' اس وقت اسلام نے نہ صرف غلاموں کے حقوق کا تعین کیا بلکہ انہیں احترام اور وقار سے بھی نوازا۔ غلاموں کے مرتبہ و مقام میں اضافہ کرنے کے لئے صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر غلاموں اور لونڈیوں سے شادیوں کی مثالیں قائم کر کے آقا اور غلام کے درمیان سماجی تفاوت کو عملاً ختم کر دیا گیا' خود آقائے دوجہاں ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر کے ایک ایسی زندہ و جاوید مثال قائم کی جس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ایک غلام کو وہ معاشرتی مرتبہ عطا کیا گیا جو اس سے قبل صرف سرداران قریش کو حاصل تھا۔

۴۔ غلاموں سے بھائی چارہ کی ہدایت

مواخات مدینہ میں غلاموں کو سرداروں کا بھائی بنا دیا گیا اور انہیں اخوت اسلام کے لازوال رشتوں میں اس طرح پرو دیا گیا جیسے تسبیح کے دانے' حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' حضرت خارجہ بن اسد رضی اللہ عنہ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور خالد بن رویحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان برادرانہ رشتے استوار ہوئے۔

۵۔ منصب قیادت پر غلاموں کی تقرریاں

اسلام کی علمی اور روحانی دنیا میں ہزارہا غلام اماموں کی صف میں نظر آتے ہیں یہی نہیں اسلام میں غلاموں کی منصب قیادت پر تقرریاں بھی عمل میں آئیں اور انہیں امیر لشکر جیسے اہم مناصب بھی عطا ہوئے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلفیہ نامزد کرتا' ہندوستان میں خاندان غلاماں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ عملاً بھی غلاموں کے سر پر تاج شاہی سجایا گیا۔ خود حضور رحمت عالم ﷺ نے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ (آزاد کردہ غلام کو) اسلامی سپاہ کا امیر مقرر کیا اور ان کی وفات پر ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی ان کی کمان میں تھے۔

غلامی کی نفسیات

انسان ہونے کی حیثیت سے آزاد اور غلام انسان میں کوئی فرق نہیں خوشی اور غمی کا ردعمل دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ ضروریات زندگی دونوں کی ایک ہوتی ہیں' دونوں انسانی معاشرے کے فرد ہوتے ہیں۔ فرق مرتبہ اور مقام کا ہوتا ہے وہ مرتبہ اور مقام جسے اسلام نے ختم کر کے ذہنی اور فکری فاصلوں تک کو سمیٹ دیا۔ غلامی ایک مخصوص نفسیاتی مزاج کی آئینہ دار ہوتی ہے' یہ احساس غلامی نسل در نسل بھی منتقل ہوتا رہتا ہے' سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں۔ قوت فیصلہ دم توڑ جاتی ہے' سر تسلیم خم کرنا غلاموں کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ از خود کوئی قدم اٹھانا غلام کے بس میں نہیں رہتا وہ ہر وقت اپنے مالک کے اشارے کا منتظر رہتا ہے۔ اندیشہ ہائے دور دراز ہر قت اس کو گھیرے رہتے ہیں' اخلاقی جرات نام کو بھی باقی نہیں رہتی' غلام اپنے مالک

کے سایہ عاطفت ہی میں عافیت محسوس کرتا ہے' جسمانی غلامی کی یہ صورت ختم ہوئی تو مغربی استعمار نے مشرقی اقوام کو ذہنی غلامی میں مبتلا کر دیا' کہنے کو تو دنیا میں سینکڑوں آزاد ممالک ہیں ان میں کتنے حقیقی معنوں میں آزاد ہیں' کتنے ممالک آزادانہ طور پر اپنی خارجہ پالیسیاں مرتب کرتے ہیں قرضوں کے بوجھ تلے دبے غریب ممالک اپنی آزادانہ رائے کے اظہار میں کس حد تک آزاد ہیں' یہ سب جانتے ہیں اسلام نے غلامی کی اصلاح کا آغاز اسی ذہنی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے سے کیا۔

۶۔ آزادی کی اہمیت کا احساس

اسلام اجتماع ہی کی نہیں فرد کی آزادی کا بھی قائل ہے اس لئے اس نے جسمانی غلامی کے ساتھ ذہنی غلامی کے خاتمے کی جنگ بھی ہنگامی بنیادوں پر لڑی' اسلام نے کرہ ارضی پر بسنے والے انسانوں کو عملی طور پر آزادی کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ جنگی قیدیوں سے حسن سلوک کے مظاہروں سے غلاموں کو مسند اقتدار تک بٹھانے میں اسلام کے پیروکاروں نے ثقافتی اور تہذیبی سطح پر بھی ان گنت کارہائے نمایاں سرانجام دیئے' اسلام نے انسان کی خدائی کے قصر بے اماں کے دروازوں کو نہ صرف مقفل کیا بلکہ فرعونیت' نمرودیت اور قارونیت کی ہر شکل کو مٹا کر دینا کو کھلی فضا میں سانس لینے کا شعور بخشا' اسلام نے غلاموں کو ہی نہیں ان کے آقاؤں کو بھی آزادی کی اہمیت کا احساس دلایا اور رفتہ رفتہ غلامی کی زنجیریں کٹنے لگیں اور آزادی کا خوشرنگ سویرا افق دیدہ ودل پر اپنی رعنائیاں بکھیرنے لگا۔

۷۔ قوانین غلامی کا نفاذ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے غلاموں کے نہ صرف حقوق کا تعین کیا بلکہ ان حقوق کو پورا کرنے کی ضمانت بھی دی' غلاموں کے فرائض کی بھی نشاندہی کی گئی اور ان کی رہائی کے لئے بھی اصول اور ضابطے وضع ہوئے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ رضاکارانہ طور پر غلاموں کو آزاد کرتے رہا کریں' غلاموں کو آزاد کرنے اور

کرانے پر اجر وثواب کی بشارت دی گئی اور رضائے الٰہی کا مژدہ سنایا گیا۔ اہل ثروت صحابہؓ قیمت ادا کر کے محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے غلاموں کو آزاد کرایا کرتے تھے۔

ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹنر

ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹنر (Dr. G. W. Leitner) اپنی تصنیف "محمدیت" (ﷺ)(Muhammadanism) میں بیان کرتا ہے۔

"According to the Koran, no person can be made a slave except after the conclusion of sanguinary battle fought in the conduct of a religious war (Jihad) in the country of infidels who try to suppress the true religion. Indeed wherever the word slave occurs in Koran it is "he whom your right hand possesses, or a special equivalent for neck 'he whose neck has been spared" thus clearly indicating 'a prisoner of war' made by the action of not one man only, but of many.........the Arabian Prophet recommended; 'When the war has ended, restore them (the slaves or prisoners) to liberty or give them up for ransom'

(Sura XLVII; 57).

"قرآن کے مطابق کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جا سکتا ماسوائے یہ کہ اسے کسی مذہبی جنگ (جہاد) کے دوران ہونے والے خونی معرکے کے اختتام پر مشرکین کے علاقے میں سچے مذہب (اسلام) کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑا جائے۔ دراصل قرآن میں جہاں جہاں بھی غلام کا لفظ مذکور ہے اس کے لئے "وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ کی ملکیت ہے" یا متبادل طور پر خصوصیت کے ساتھ "گردن" کا لفظ استعمال ہوا ہے "وہ جس کی گردن بخشی گئی ہے" جس کا واضح اشارہ جنگی قیدی کی طرف ہے جو ایک آدمی نہیں بلکہ بہت سے آدمیوں کی کارروائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ رسول عربی (ﷺ) نے اس بات کی سفارش کی کہ "جب جنگ اپنے انجام کو پہنچ جائے تو ان (غلاموں یا قیدیوں) کو آزادی کا پروانہ دے دو یا زر فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔"

پروفیسر روبن لیوی

پروفیسر روبن لیوی (Reubon Levy) نے اپنی کتاب "اسلام کا معاشرتی ڈھانچہ" (The Social Structure of Islam) میں پیغمبر اسلام ﷺ کے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"A class of human beings that has formed an integral part of Muslim society up to the present day is that of the slaves. Muhammad took over the slavery system, upon which ancient society was based, seemingly without question and regarding it as part of the natural order of the universe. His injunctions recommending humane treatment of slaves and making it a meritorious act to emancipate them

indicate that he intended some amelioration in their condition, but neither from the Koran nor from the 'Traditions' is it possible to infer that the abolition of slavery was intended.

"We have said that Muhammad found slavery a regular element of society in his day, and though he brought about a considerable amelioration in its condiions, like other religious leaders before him, he took slavery for granted as ordinary part of the social system. It has continued in Muslim lands ever since except where for a time European powers held authority.....

"Muslims slaves were better treated than Christian."

بنی نوع انسان کا ایک طبقہ جس نے آج کے دن تک مسلم معاشرے کے ایک اہم حصہ کی تشکیل کی ہے وہ غلاموں کا طبقہ ہے (حضرت) محمد (ﷺ) نے غلامی کے نظام کو جس پر قدیم معاشرے کی بنیاد تھی اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر بظاہر کوئی سوال نہیں اٹھایا جا سکتا کہ انہوں نے اسے کائنات کے ایک فطری نظام کا حصہ سمجھا۔ غلاموں کے ساتھ رحمدلانہ انسانی سلوک کی سفارش اور انہیں آزاد کرنے کو ایک قابل تحسین عمل قرار دینے کے باب میں آپ (ﷺ) کے احکام اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) ان کی حالت میں بہتری اور اصلاح کا ارادہ رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے سے غلامی کے خاتمے کے بارے میں کچھ عندیہ نہیں ملتا۔

ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ (حضرت) محمد (ﷺ) نے اپنے زمانے میں غلامی کو

معاشرے کا باقاعدہ عنصر پایا اور اگرچہ انہوں نے اس کی شرائط میں اپنے سے پہلے دیگر مذہبی رہنماؤں کی طرح معقول اصلاح کی۔ آپ (ﷺ) نے غلامی کو سماجی نظام کے پہلے سے موجود ایک عام حصے کے طور پر لیا۔ یہ ان مسلم علاقوں میں اس وقت سے جاری ہے سوائے ان حصوں کے جہاں کچھ وقت تک یورپ کی عملداری رہی۔ "مسلمان غلاموں کے ساتھ عیسائیوں کی نسبت اچھا سلوک کیا کرتے۔"

مغرب اور اسلام کا فرق

مغربی مفکرین بڑے فخر کے ساتھ ابراہم لنکن کے غلاموں کی آزادی کے فرمان کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن ان کا تعصب انہیں اس بات پر غور وفکر کرنے نہیں دیتا اور وہ اس کھلی حقیقت کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے' اسلام نے تو اپنے ظہور کے کچھ عرصہ بعد ہی غلامی کے ادارے کو عملاً ختم کر دیا تھا' تاریخ گواہ ہے کہ صدیوں بعد لنکن کا اعلان اپنے نتائج کے اعتبار سے اتنا ثمربار ثابت نہ ہوا کیونکہ غلاموں کو پہلے سے آزادی کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں کیا گیا تھا۔ سرکاری اعلان کے مطابق بھی یہ آزادی حقیقی آزادی ثابت نہ ہوئی اور غلام عملی طور پر ایک عرصہ تک اپنے آقاؤں ہی کے زیر اثر رہے بلکہ مذکورہ اعلان کے بعد جب غلاموں کو غلامی کے حصار سے نکالا گیا تو وہ بے روزگاری کی وجہ سے سماج پر بوجھ بن گئے انہیں معاشرے کا عضو معطل بنا دیا گیا جب یہ غلام اپنے سابقہ آقاؤں کے پاس بھیک مانگنے جاتے تو وہ ان کا مزید استحصال کرتے' گویا سب تدبیریں الٹی ہو گئیں اس کے برعکس اسلام نے جو طریق کار اپنایا اس کے تحت غلاموں کو ان مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا وہ معاشرے کے مفید شہری بن کر اس کا حصہ بن گئے' تنہائی کے جنگل میں بھٹکنے کے لئے انہیں تنہا نہیں چھوڑ دیا گیا' معاشرے میں انہیں وقار اور احترام ملا' انہیں نفرت کا نشانہ نہیں بنایا گیا یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ مغرب میں غلامی کا ادارہ طوعاً و کرہاً اس وقت ختم کیا گیا جب غلاموں میں بغاوت کے آثار پیدا ہو چکے تھے اور اہل ثروت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر بغاوت کا یہ

جذبہ لاوا بن کر پھٹ پڑا تو ان کا سارا ثقافتی' سیاسی اور جغرافیائی ڈھانچہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے غلام ان کی تکا بوٹی کر دیں گے یہ مغرب کی مجبوری تھی جو طبقاتی کشمکش کے نتیجے میں سامنے آئی' لیکن اسلام نے غلامی کا انسداد کسی رد عمل کے خوف سے نہیں کیا بلکہ اس کا بنیادی محرک خوف خدا اور احترام آدمیت تھا اسلام نے غلاموں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کر کے انہیں معاشرے میں ایک باوقار مقام دیا جس کا جواب مستشرقین کے پاس ہے نہ نام نہاد مغربی دانشوروں کے پاس۔

۸۔ غلاموں کی آزادی کا اصول

اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے دو بنیادی ضابطے بنا دیئے تاکہ غلاموں کو آزاد کرنے کا رجحان ایک تحریک کی شکل اختیار کر لے۔

الف۔ العتق

اس ضابطے کے تحت مالک غلاموں کو رضاکارانہ طور پر بغیر کسی معاوضے کے آزاد کر دیتا ہے' عملی نمونہ خود حضور ﷺ نے اپنے غلاموں کو آزاد کر کے پیش کیا' آپ ﷺ کی پیروی دیگر صحابہؓ نے کی' تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت کا بیشتر حصہ غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کیا' مسلمانوں نے محض اللہ کی رضا کے لئے کثیر تعداد میں غلاموں کو آزاد کیا۔

ب۔ مکاتبت

غلاموں کی آزادی کا ایک ضابطہ یہ بھی بنایا گیا کہ اگر کوئی غلام اپنے آقا سے آزادی کا مطالبہ کرتا ہے تو دونوں باہمی مشورے سے ایک رقم مقرر کر لیتے ہیں غلام جب طے شدہ رقم اپنے مالک کو ادا کر دے تو مالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے غلام کو آزاد کر دے' اس تحریری معاہدے کو مکاتبت کہا جاتا ہے اس کی خلاف ورزی کی صورت میں عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے اس طرح اسلام نے سب غلاموں کی آزادی کی راہ

ہموار کر دی اب ان کی آزادی محض آقاؤں کی مرضی کے تابع نہ تھی۔ روایات میں یہاں تک ہے کہ بعض غلاموں کو مقررہ پودے لگانے پر بھی رہائی نصیب ہوئی' اب کون غلام ایسا ہو گا جو ان آسان شرائط کو پورا کرکے آزادی حاصل کرنے کے کا آرزومند نہ ہو گا' ان اقدامات سے غلامی کی دیواریں گر گئیں اور انسانوں کے درمیان نفرت کے فاصلے سمٹنے لگے۔

۹۔ قوانین کفارہ

ایسے قوانین وضع کیے گئے' ایسے ضابطے بنائے گئے کہ بعض گناہوں کے کفارے کے طور پر بھی غلاموں کو آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا' قتل خطا پر ایک غلام کو آزاد کرنا قرار پایا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
(النساء' ۴:۹۲)

اور جس نے کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کر دیا تو (اس پر) ایک مسلمان غلام باندی کا آزاد کرنا' اور خون بہا (کا ادا کرنا) جو مقتول کے گھروالوں کے سپرد کیا جائے (لازم ہے)

اسی طرح معاہد (ذمی' مستامن) کو ایک مسلمان نے غلطی سے قتل کر دیا' حربی مسلمان کو دار الاسلام کے مسلمان نے بے خبری میں قتل کر دیا یا معاہد کافر کو قتل کر دیا تو ان سب صورتوں میں ایک غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے ایلاء قسم اور ظہار کی صورت میں بھی ایک غلام کو آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ رہا معاملہ غلاموں کی رہائی کی ترغیب دینے کا تو اس سلسلہ میں بیسیوں آیات قرآنی گواہ ہیں جن میں محض رضائے الٰہی کی خاطر گردنوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' احادیث مبارکہ میں بھی غلاموں کو آزاد کرنے یا آزاد کرانے کے اجر وثواب کی خوشخبری دی گئی ہے اور غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرنے پر وعیدیں بھی آئی ہیں' تاجدار کائنات ﷺ کا

ارشاد گرامی ہے کہ

۱۔ من اعتق رقبۃ مئومنۃ اعتق اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار
(الصحیح لمسلم' ۱:۴۹۵)

جو شخص کسی مسلمان کو آزاد کرے اللہ اس غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کے ہر ہر عضو کو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

۲۔ اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل و لیلبسہ مما یلبس و لا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتوھم فاعینوھم
(صحیح البخاری' ۱:۹)

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہی ہیں اللہ نے تم کو ان پر اختیار دیا جس شخص کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے اور جو خود پہنے اسے بھی وہی پہنائے اور ہاں غلام کو ایسا کام مت بتاؤ جس کے کرنے سے اسے غیر معمولی تکلیف ہو اگر ایسا کرنا ضروری ہو خود اس کا ہاتھ بٹاؤ۔

۳۔ عن النبی ﷺ قال قال اللہ ثلثہ انا خصمھم یوم القیامہ رجل اعطی بی ثم غدر و رجل باع حرا فاکل ثمنہ و رجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعط اجرہ
(صحیح البخاری' ۱:۲۹۷)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا ایک وہ جو میرے نام پر عہد کرے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے' دوسرا وہ جو کسی آزاد شخص کو فروخت کر ڈالے' تیسرا وہ جو کسی مزدور کو کام پر لگائے اور وہ اپنا کام پورا کرے مگر وہ اسے مزدوری نہ دے۔

ان احادیث کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے غلاموں کو ان کے مالکوں کی سطح تک لانے کے لئے احکامات جاری کرنے اور ان

احکامات کی نگرانی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی دنیا کا کوئی دستور یا ضابطہ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ مالک کو قانونی طور پر اس کا پابند کر دیا جائے کہ وہ غلاموں کو بھی وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے' غلاموں کو بھی پہننے کو وہی لباس دے جو وہ خود زیب تن کرتا ہے۔ غلاموں کو تکلیف دہ کام کے لئے نہ کہا جائے اگر ایسا کرنا ناگزیر ہو تو مالک خود بھی غلام کا ہاتھ بٹائے' دنیا کے کسی خطے میں غلام تو درکنار کسی آزاد انسان جو بحیثیت مزدور' مزارع یا نوکر کے خدمات سرانجام دے رہا ہو کے ساتھ بھی مالکان یہ سلوک روا رکھنے کے لئے تیار نہیں بلکہ انہیں اپنے ساتھ بٹھانا تک پسند نہیں کیا جاتا ساتھ بٹھا کر اپنے جیسا کھلانا پلانا تو بہت دور کی بات ہے' مستشرقین اپنے معاشروں اور اپنی تہذیبوں کا بھی جائزہ لیں کہ وہاں ملازمین کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے' ملازمین کے لئے بنائے گئے ان گنت قوانین کے باوجود وہ ان کی اجرتوں اور اوقات کار کے معاملے میں اسلام کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

اسلام میں لونڈیوں کا تصور

مستشرقین کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام میں لونڈیوں کے ساتھ غیر اخلاقی اور غیر انسانی برتاؤ کیا جاتا اور فتح کے بعد انہیں آپس میں مال غنیمت کی طرح تقسیم کر لیا جاتا' اگر یہ مستشرقین حقائق کو جاننے کی کوشش کرتے اور اس مسئلہ کو اپنے عہد کے سماجی اور ثقافتی تناظر میں دیکھتے تو یہ بھونڈا الزام کبھی نہ لگاتے لیکن جب آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی جائے تو پس منظر تو کیا پیش منظر بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے' صحیح صورتحال یہ ہے کہ جنگوں میں مرد قیدیوں کے ساتھ عورتیں بھی قید ہو کر آیا کرتی تھیں اس وقت جنگی قیدیوں کے تبادلے کا کوئی رواج نہ تھا' قیدی عورتوں کے معاملات کو نمٹانا ریاست کی ذمہ داری تھی اور اسلامی ریاست میں احسن طریقے سے اس ذمہ داری کو نبھایا بھی گیا۔ اگر ان خواتین کو آزادانہ طور پر اسلامی معاشرے کا حصہ بننے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تو ہزارہا اخلاقی برائیاں جنم لیتیں' یہ

قدم حرام کاری کی کھلی ترغیب کا باعث بنتا اور جگہ جگہ عصمت فروشی کے اڈے قائم ہو جاتے' اگرچہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت دیگر عربوں کے مقابلے میں مثالی حیثیت رکھتی تھی تاہم ابھی یہ لوگ زیر تربیت تھے اس لئے حکومتی سطح پر کوئی RISK مول لینا حکمت و دانش کے منافی ہوتا ان عورتوں کو انفرادی تحویل میں دیا جاتا تھا تاکہ ان کی کفالت بھی بہتر انداز میں ہو سکے اور ریاست پر مالی لحاظ سے کوئی بوجھ بھی نہ پڑے کیونکہ ریاست اضافی اخراجات برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی انفرادی تحویل میں دے کر بھی اس بات کا پورا پورا خیال رکھا گیا کہ کہیں یہ محض حرامکاری کا عمل نہ بن جائے ۔ ریاست بنیادی طور پر ولی کا کردار ادا کرتی' حکومت کی نگرانی میں قیدی خواتین کو انفرادی تحویل میں دیا جاتا اور یہ بھی نکاح کی طرح ایک معاہدہ ہوتا' عورت کے حقوق متعین کئے جاتے اور اس معاہدہ میں باقاعدہ ان کی رضامندی بھی شامل ہوتی اس طرح ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہوتی' ان کی عصمت پر بھی کوئی آنچ نہ آتی اور معاشرہ بھی بے حیائی کے سیل بے پناہ کی تند و تیز موجوں سے محفوظ رہتا' اسلام کے اجلے دامن پر انگلی اٹھانے والے مغربی مفکرین کو اپنے معاشروں میں پھیلے ہوئے لاکھوں ناجائز بچے نظر نہیں آتے جو حرامکاری کی پیداوار ہیں' یہ بچے تمام عمر ذہنی آسودگی کے لئے ترستے رہتے ہیں' اپنی تمام تر روشن خیالی کے باوجود مغربی معاشرہ ان بچوں کو قبول نہیں کر سکا' یہ بچے جوان ہو کر معاشرے سے انتقام لینے پر اتر آتے ہیں اس وقت مادر پدر آزادی یا ہم جنسی (Homoscxuality) کے مطالبات انہیں ناآسودہ ذہنوں میں اٹھنے والے ان گنت طوفانوں کا رد عمل ہیں' ان نام نہاد دانشوروں کو اجتماعی آبروریزی کے وہ واقعات بھی نظر نہیں آتے جن کے تصور ہی سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ۹ سال سے ۹۰ سال کی خواتین کی بے حرمتی انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ایک ایسا ٹیکہ ہے جس کا امن عالم کے ٹھیکیدار ہزار جتن کے باوجود کوئی جواز پیش نہیں کر سکے۔

خلاصۂ بحث

غلامی کا لفظ اصطلاحاً تو باقی رہا لیکن عملاً اس کا مفہوم بدل دیا گیا وہ بھی اس لئے کہ ماضی سے غلامی کا ادارہ چلا آ رہا تھا جس کی انسانی معاشروں میں جڑیں بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسلام نے شرف انسانی کو بحال کیا' اپنے پیروکاروں کو ہی نہیں پوری انسانیت کو احترام آدمیت کا درس دیا۔ اسلام نے غلاموں کے جو حقوق متعین کئے ان کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ خوشگوار انکشاف ہوتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کے سماجی مرتبے کو بلند کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی' اسلام نے غلاموں کی منڈیوں کو ختم کیا' ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظالمانہ سلوک کو حکماً روک دیا' خواتین جنگی قیدیوں کو بھی ریاست کی زیر نگرانی انفرادی تحویل میں دیا جاتا کہ ریاست اضافی اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی' تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اکثر اوقات جنگی اخراجات بھی مسلمان خود ہی اپنی ذاتی حیثیت میں برداشت کرتے تھے' اسلام نے یہاں تک کیا کہ غلاموں کے حقوق کی خلاف ورزی پر باقاعدہ مالک سے بازپرس کی جاتی' یہی اقدامات غلامی کے مکمل خاتمے کا باعث بنے لیکن مغربی دنیا نے غلامی کے نت نئے انداز "ایجاد" کر لئے ہیں وہ انفرادی غلامی کی بجائے قوم کی اجتماعی غلامی کو اپنا مطمح نظر ٹھہرائے ہوئے ہے اور اس حوالے سے سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں تیزی سے پیش رفت کی جاری ہے یہ پیش رفت امن عالم کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے۔ اقوام متحدہ کو اس خطرے کا احساس تک نہیں اور وہ سامراجی طاقتوں کی زر خرید لونڈی کا کردار ادا کر رہی ہے تاکہ تیسری دنیا کے گرد جس میں اسلامی ممالک کی اکثریت ہے سیاسی اور اقتصادی غلامی کے ساتھ عسکری غلامی کے حصار کو بھی اتنا تنگ کر دیا جائے کہ ان ممالک کے باشندوں کے لئے سانس لینا بھی مشکل ہو جائے اور یوں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر کے صلیبی جنگوں میں شرمناک شکستوں کا بدلہ لیا جائے' مسلمانوں کو ہر لحاظ سے ہر حوالے سے اتنا دبایا جائے کہ ان کی نسلیں سر اٹھا کر چلنے کا تصور بھی نہ کر سکیں اور ہر میدان میں ذہنی اور علمی پس ماندگی کو ان کا مقدر بنا دیا جائے۔

باب ۔ ۳

اسلام اور جنگی قیدی

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آج کے نام نہاد مہذب دور میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے اور تمام ضابطوں اور پابندیوں کے باوجود جسمانی تشدد سے لے کر ذہنی ٹارچر تک ہر حربہ جنگی قیدیوں پر آزمایا جاتا ہے اور انہیں کسی رعایت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا' خواتین کی اجتماعی آبروریزی کے واقعات تو روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں قیدی خواتین کے ساتھ فاتحین کا طرزِ عمل غیر اخلاقی ہی نہیں غیر انسانی بھی ہوتا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل تو جنگی قیدیوں کے حقوق کاغذ پر بھی تسلیم نہیں کئے جاتے تھے انہیں یا تو قتل کر دیا جاتا یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلام بنالیا جاتا اور غلام بھی ایسے کہ مالک کو ان کی زندگی اور موت کا مختار بنا دیا جاتا اور غلام مالک کی تفریح طبع کا سامان فراہم کرتے کرتے خود موت کی آغوش میں چلے جاتے' لونڈیوں کو حرامکاری اور زناکاری پر مجبور کیا جاتا۔ سچ مچ انسانی معاشرے حیوانی معاشروں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ۵۹۹ میں رومی بادشاہ ماریوس (MARIUS) نے ایک جنگ میں جنگی قیدی بنائے جانے والے لاکھوں افراد کو فدیہ لے کر رہا کرنے سے انکار کر دیا اور بالآخر ان سب کو قتل کر دیا۔ یہی روایت دنیا کی ایک ناگزیر ضرورت قرار دی جاتی تھی۔ (Universal History of the World)

جنگوں کے گھٹیا مقاصد اور تصور جہاد

جنگل کا کالا قانون: جس کی لاٹھی اس کی بھینس' ہر دور میں اہل ہوس کے نزدیک سکہ رائج الوقت رہا ہے' قوت اور اقتدار کا نشہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اسی نشے نے فرعونیت کو جنم دیا' اسی نشے نے نمرودیت کو پروان چڑھایا اور یہی نشہ آج کی یزیدی قوتوں کی نظر کو بھی خیرہ کئے ہوئے ہے' انسانی جنگوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو ہوس ملک گیری کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ کمزور اقوام کو محکومیت کی زنجیروں میں

جکڑ کر وقت کے آمر اپنی انا کو تسکین دیا کرتے تھے' مظلوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہا کر ان کے غرور اور تکبر میں مزید اضافہ ہو جاتا دیگر اقوام کو غلام بنانے اور فتح کے بعد دشمن کی بیٹیوں کے ساتھ دادِ عیش دینے اور محافل طرب سجانے کے گھٹیا مقاصد ان جنگوں کے مقاصد میں شامل ہوتے' اسلام نے اس تصور جنگ کو کالعدم قرار دے کر تصور جہاد کو عملاً فروغ دیا جس کا مقصد اولادِ آدم کو جنگوں میں ہونے والی خونریزی سے بچانا اور فتنہ وفساد کو ختم کر کے امن وامان قائم کرنا ہوتا تاکہ مخلوق خدا کو ان وحشیانہ کارروائیوں سے محفوظ رکھ کر اسے عزت وآبرو کے ساتھ ایک پرسکون زندگی کی ضمانت دی جا سکے۔ چنانچہ کسی بھی اسلامی دور میں کبھی کسی غیر مسلم کو اپنا عقیدہ تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا اس کی تصدیق بعض غیر متعصب غیر مسلم مصنفین نے بھی کی ہے۔

دورِ نبوی ﷺ اور اسیرانِ جنگ

عہد رسالتمآب ﷺ میں جنگی قیدیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کا سرسری سا جائزہ بھی لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مستشرقین کے الزامات میں سرے سے کوئی وزن ہی نہیں جب انہیں تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اسلام کے شفاف اور اجلے دامن پر ایک دھبہ بھی نظر نہیں آتا اور اس کے عکس اپنے آباء کی خون آلود قبائیں کے سامنے مصنوعی شرافت ونجابت کا بھرم کھول دیتی ہے تو وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے اسلام پر الزام تراشیوں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں' جن کی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے اور نہ وہ اس کی کوئی علمی اور عقلی توجیہہ ہی کر سکتے ہیں اپنے اندر کی کالک وہ تاریخ کے چہرے پر مل کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے حالانکہ ان کا یہ طرز عمل خود انہیں اپنی نظروں میں گرا دیتا ہے لیکن ضمیر کی خلش اس وقت محسوس ہوتی ہے جب وہ زندہ ہو' ضمیرِ مردہ پر کوئی تازیانہ کارگر ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا ہے' یہ اعتراضات سادہ دل لوگوں کو بھکانے کے لئے کئے جاتے ہیں اور مغربی تحقیق سے

مرعوب ہمارے وہ دانشور جو اسلام کا مطالعہ اس "جدید" تحقیق کے حوالے سے کرتے ہیں اکثر بھک جاتے ہیں اور اپنی روشن خیالی کا بھرم رکھنے کے لئے سلمان رشدی جیسے لوگ اول فول بکتے رہتے ہیں آیئے اب عہد نبوی میں ایران جنگ کے معاملات اور حالات کا جائزہ لے کر مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کی گرد میں حقیقت حال (Fact) جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ عام معافی کا اعلان

فتح مکہ کے وقت بڑی آسانی سے حضور ﷺ اپنے خون کے پیاسوں کو گرفتار کر کے عبرتناک سزائیں دے سکتے تھے' انہیں غلام بنا کر ان کی اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکا سکتے تھے لیکن حضور رحمت عالم ﷺ نے ہر قسم کی انتقامی کارروائی سے گریز کیا' عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ بعد میں ان میں سے بعض نے بغیر کسی جبر یا دباؤ کے اسلام قبول کر لیا اور بعض بدستور حالت کفر میں رہے۔ تاریخ انسانی کا یہ ایک محیر العقول واقعہ ہے کہ قوت اور طاقت رکھنے کے باوجود حضور ﷺ نے کسی کو غلام بنانا یا کسی کی گردن اڑانا پسند نہیں فرمایا بلکہ رحمت کے دریا بہا دیئے کہ جس کا جی چاہے فیض یاب ہو لے' کرم کے موتیوں سے اپنا دامن بھر لے اور ایمان کے خزانے سمیٹ لے۔

۲۔ بغیر معاوضے کے رہائی

روایات میں آتا ہے کہ کئی غزوات اور سرایا میں جنگی قیدیوں کو معاوضہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عظیم مظاہرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مثلاً

۱۔ سریہ حسمی ۶ھ　　۱۰۰ قیدی

۲۔ غزوہ بنی مصطلق ۵ھ　　۱۹ قیدی

۳۔ سریہ جموم ۶ھ　　۱۰ قیدی

۴۔ غزوہ حنین ۸ھ ۶۰۰۰ قیدی (چھ ہزار)

۵۔ سریہ بنو طے ۹ھ دختر حاتم طائی اور اس کی ساری قوم

ان قیدیوں کو نہ صرف یہ کہ بغیر فدیہ لئے آزاد کردیا گیا بلکہ انہیں کچھ ساز و سامان بھی دے کر رخصت کیا گیا۔

۳۔ فدیہ کے بدلے رہائی

۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر ستر قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کردیا گیا ان میں سے جو فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے انہیں بھی دس دس مسلمانوں کو لکھائی پڑھائی سکھانے کے بعد آزاد کردیا گیا۔

۴۔ قیدیوں کا تبادلہ

اس دور میں قیدیوں کے تبادلے کا رواج نہ تھا اور پھر عہد نبوی ﷺ میں بڑے پیمانے پر جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی عمل میں نہیں آیا کیونکہ غزوات میں مسلمان کبھی قید نہیں ہوئے البتہ دشمن کی ایک کثیر تعداد کو جنگی قیدی بنایا گیا تاہم نگران گشتی دستوں میں شامل بعض مسلمانوں کو بھی دشمن نے اپنی حراست میں لیا۔ ان قیدیوں کے اکا دکا تبادلے کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ ایک موقع پر ایک گرفتار شدہ لڑکی کے بدلے میں اہلِ مکہ کی قید سے دو مسلمانوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ ایک دوسرے موقع پر دو مسلمانوں کے بدلے میں ایک مشرک کو رہا کیا گیا۔

۵۔ جنگی مجرموں کا قتل

غزوات اور سرایا میں بنائے جانے والے قیدیوں کو اکثر فدیہ لے کر یا فدیہ کے بغیر بھی رہا کردیا جاتا تھا لیکن غزوہ بنو قریظہ ۵ھ میں یہودیوں کے چار سو قیدیوں کو قتل کردیا گیا یہ لوگ اصل میں جنگی قیدی نہیں جنگی مجرم تھے اس کی تفصیلات اگلی شق میں بیان کی جارہی ہیں۔

۶۔ قیدیوں کا انفرادی تحویل میں دینا

غزوہ بنو قریظہ میں پہلی بار تین سو یہودیوں کو لونڈی / غلام بنایا گیا' اس کی بنیادی وجہ بنو قریظہ کے درج ذیل جرائم تھے' تاریخ شاہد ہے کہ اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے تو معاشرے میں عدل کی روایات قائم نہیں ہو سکتیں اور نہ جرم کی بیخ کنی ہو سکتی ہے' بنو قریظہ کے جرائم سے چشم پوشی کر کے پورے معاشرے کو لاقانونیت کی آگ میں نہیں جھونکا جا سکتا تھا۔

۱۔ بنو قریظہ نے معاہدہ کے باوجود بار بار عہد شکنی کا ارتکاب کیا اور مخالفین سے مل کر ریاست مدینہ کے لئے خطرات پیدا کئے۔

۲۔ عورتوں اور بچوں کے محفوظ مقام پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

۳۔ جنگ کے بعد مدینہ منورہ میں مزید بدامنی پھیلائی او، معذرت کرنے کی بجائے مقابلے پر اتر آئے۔

اندریں حالات' بنو قریظہ کی سازشوں سے تنگ آ کر ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بالآخر تنگ آ کر انہوں نے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے حلیف حضرت سعد بن عبادہؓ کو بطور ثالث تسلیم کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ

۱۔ لڑنے کے قابل لوگ تہ تیغ کئے جائیں۔

۲۔ عورتیں' بچے اور معذور قید کر لئے جائیں۔

۳۔ مال و اسباب کو مال غنیمت قرار دیا جائے۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ فیصلہ توریت کی تعلیمات کے عین مطابق تھا لہٰذا یہودیوں نے اسے قبول کر لیا۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ نہ وہ اسیران جنگ تھے اور نہ یہ سزا انہیں اسیران جنگ ہونے کے باعث دی گئی۔ یہ سزا انہیں غداری پر دی گئی' آج بھی غداروں کے لئے عبرتناک سزائیں مقرر ہیں لہٰذا اسلام پر غزوات میں جنگی قیدیوں کے قتل عام اور دشمن کی خواتین کو لونڈیاں بنانے کا الزام

خلاف واقعہ ہے۔ بنو قریظہ کا معاملہ جنگی قیدیوں سے بہت مختلف تھا ان کا فیصلہ جنگی مجرموں کی حیثیت سے کیا گیا جو عدل کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ اگر یہ فیصلہ مبنی بر صداقت نہ ہوتا تو بنو قریظہ اسے قبول نہ کرتے اور مزاحمت کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا گویا اپنے جرائم کا اعتراف اور اپنی سزا کی توثیق کردی۔

باب ۔۴

اسلامی ریاستوں میں اقلیتوں کے حقوق

ذمی اور ان کے حقوق

اسلامی ریاست کے امتیازات میں سے ایک منفرد امتیاز یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر مرحلے پر حسن سلوک کی مثالیں قائم کی گئیں انہیں تمام شہری حقوق کا سزاوار ٹھہرایا گیا اور ہر معاملہ میں ان کے ساتھ انصاف کیا گیا اور ان کے بنیادی حقوق کو مکمل تحفظ دیا گیا۔ اصطلاحاً اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو ذمی کہا جاتا ہے لفظ ذمہ سے مراد عہد ہے جس میں اسلامی حکومت کے زیر سایہ آباد اقلیتوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی جانب سے ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے' اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انہیں باعزت اور باوقار شہری کا درجہ دے تاکہ وہ اپنے عقائد کی روشنی میں امن وسکون سے زندگی بسر کر سکیں' اس بات پر اجماع امت ہے کہ عقیدہ و مذہب کے علاوہ مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق و فرائض میں کوئی فرق نہیں حتی کہ جملہ فقہی مسالک ذمیوں کے حقوق و فرائض کے ضمن میں اتفاق کامل رکھتے ہیں' حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

۱۔ جس نے معاہد پر ظلم کیا یا اس کی حق تلفی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کسی چیز پر قبضہ جما لیا تو قیامت کے دن میں اس کی جانب سے مقدمہ لڑوں گا۔

الا من ظلم معاهدا او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیاء بغیر طیب نفسه فانا حجیجه یوم القیامة (سنن ابی داؤد' ۲:۷۷)

خبردار! جس نے کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کیا یا اس کے حق میں کمی کی یا اسے کسی ایسے کام کی تکلیف دی جو اس کی طاقت سے باہر ہو یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر

کوئی چیز اس سے لے لی تو قیامت کے
روز میں اس کی طرف سے جھگڑوں
گا۔

۱۔ جس نے ذمی کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی (طبرانی)

اسلام نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو کس طرح پورا کیا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کسی غیر مسلم کی زمین جو قابل کاشت نہ ہو اس پر خراج نہیں لیا جائے گا۔ (بدائع '۲: ۵۴) چونکہ خراج کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے اس لئے جو زمین ایک بار خراجی قرار دے دی گئی ملکیت کے تبدیل ہونے کے باوجود اس کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا خراجی زمین کوئی مسلمان بھی خرید لے تو اس پر بھی خراج واجب ہو گا۔

و یجوز ان یشتر المسلم ارض الخراج من الذمی و یوخذ منہ الخراج (ہدایہ اولین:۵۵۹)

اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی مسلمان خراج والی زمین کسی ذمی سے خریدے اور اس (مسلمان) سے بھی خراج وصول کیا جائے گا۔

خراج پیداوار کا کوئی حصہ ہو سکتا ہے یا نقد رقم کی صورت مین وصول کیا جا سکتا ہے' فقہا نے ذمیوں کے ساتھ معاملات کرنے کی تصریح بھی کی ہے۔

لا باس بان یکون بین المسلم و الذمی معاملۃ اذا کان مما لا بدمنہ (فتاوی عالمگیریہ '۵:۳۴۸)

کسی مسلمان کا ذمی کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ جو ضروری ہو' کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مشرکین کے برتنوں میں سے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں لیکن استعمال کرنے سے پہلے دھو لئے جائیں۔ دنیا کی کوئی تہذیب کوئی معاشرہ یا کوئی مذہب اولاد آدم کے درمیان رواداری اور اخوت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ بند کمروں میں

بیٹھ کر الزام تراشیاں کر لینا آسان ہے لیکن حقائق کا سامنا کرنا اس لئے مشکل ہے کہ واقعات کے آئینے میں معترضین کو اپنا اور اپنے آباء کا چہرہ نظر آ جاتا ہے' تاجدار کائنات ﷺ نے ذمیوں کے ساتھ کئے گئے عہد کی پابندی کی سختی سے تاکید فرمائی خود بھی اس پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی بلکہ ہدایت فرمائی کہ ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں مسلمانوں نے اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا اور وہ بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے انہیں آزادانہ طور پر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے مواقع فراہم کئے گئے' اس لئے اسلام پر اعتراض برائے اعتراض کرنا کہ مسلمانوں نے اقلیتوں کے حقوق کو دبائے رکھا یہ ان پر زیادتی ہے قرین انصاف نہیں۔

عقیدے (Faith) اور عمل (Practical) کے اعتبار سے اسلام ہی سب سے سربلند نظر آتا ہے اور انسانیت کی بقاء اسی میں ہے کہ اسلام کے دامن رحمت میں آ جائے کہ اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے' اس کے باوجود مسلمانوں نے اپنے نظریات جبراً کبھی کسی پر مسلط نہیں کئے' اسلامی حکومت میں اقلیتوں کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے اور وہ آزادانہ طور پر اپنی مذہبی رسومات ادا کر سکتے ہیں بلکہ اسلام ان کے عقائد کی حفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہے کوئی اگر ضد پر اڑ جائے اور مقابلے پر اتر آئے تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا حق نہ صرف جائز ہے بلکہ اس حق کا استعمال اکثر اوقات ناگزیر بھی ہو جاتا ہے' عدل وانصاف کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو گی کہ اگر اسلامی حکومت ذمیوں کو بیرونی جارحیت سے تحفظ دینے میں ناکام رہے تو اس صورت میں جزیہ کی ادائیگی کی پابندی بھی اٹھالی جاتی ہے' وصول کیا ہوا جزیہ ہنگامی حالات میں ذمیوں کو واپس کر دینے کا حکم ہے اسلامی تاریخ میں اس شاندار اصول کی کئی مثالیں موجود ہیں ایک غیر متعصب مصنف آرنلڈ نے اپنی کتاب The Preaching Of Islam کے صفحہ ۵۸ پر لکھا ہے کہ حیرہ کے گرد و نواح کی بستیوں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو معاہدہ کیا اس

میں درج تھا "اگر ہم تمہاری حفاظت کریں تو جزیہ ہمارا حق ہو گا لیکن حفاظت نہ کر سکنے کی صورت میں جزیہ پر ہمارا حق نہ ہو گا۔" آج کی مہذب" اور "روشن خیال" دنیا اپنی اقلیتوں سے کیا برتاؤ کرتی ہے' کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کسی ایک غیر اسلامی ملک کی ماضی قریب کی تاریخ پر ایک سرسری سی نظر ڈال لینا ہی کافی ہو گا۔

جزیہ اور خراج

جزیہ اور خراج کو ناروا ٹیکس قرار دے کر مستشرقین نے تعصب پر مبنی گیند کو خوب اچھالا ہے اور اسلام پر بے بنیاد الزامات عائد کر کے حقائق کو شکوک و شبہات کی گرد میں دفن کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے لیکن ان کا اپنا عمل کیا ہے' اپنے اتحادیوں کے ساتھ کسی ایک اسلامی ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ نہتے اور بے بس شہریوں پر آتش و آہن کی بارش کر دیتے ہیں' چپے چپے پر بم گراتے ہیں لاکھوں بے گناہ شہریوں کا خون بہاتے ہیں' اس ملک کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ اس پر نہ صرف تجارتی اور اقتصادی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں بلکہ اس پر جنگ کا تاوان بھی ڈالا جاتا ہے لیکن اس نام نہاد مہذب دنیا کے اربابِ دانش کو اپنے حکمرانوں کا یہ عمل ناروا نظر نہیں آتا اور وہ امن عالم اور جمہوری شعور کی پاسداری کی آڑ لے کر ہر ناروا کو روا اور ہر روا کو ناروا لکھنے لگتے ہیں۔ آیئے اس تناظر میں صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں کہ الزامات و اعتراضات کی اصل حقیقت کیا ہے۔

زکوٰۃ' خراج اور جزیہ کا فرق

اسلام میں ہر صاحب ثروت اور صاحب نصاب مسلمان سے سالانہ اڑھائی فی صد رقم اور اسی طرح مویشیوں پر مقررہ شرح سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اور زرعی پیداوار پر عشر لیا جاتا ہے اس مقصد کے لئے مرتب شدہ تفصیلات اور جزئیات موجود ہیں' زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان ادا کرنے کا پابند ہے اس سلسلہ میں کوئی استثناء نہیں اس کی شرح میں ردوبدل کرنے کا اختیار حکومت کے پاس بھی نہیں' اسلامی

حکومت اپنے تحفظ میں آنے والے غیر مسلموں سے اس نوع کے جو ٹیکس وصول کرتی ہے انہیں جزیہ اور خراج کہا جاسکتا ہے البتہ اس کی شرح مقرر نہیں بلکہ حاکم وقت غیر مسلموں کی مالی حالت کے مطابق اس شرح میں کمی بیشی کرنے کا مجاز ہے' جیسا کہ روایات میں درج ہے کہ شام کے کفار کی مالی حیثیت مستحکم تھی ان سے سالانہ چار دینار اور یمن کے کفار جو اتنی اچھی مالی حیثیت کے مالک نہیں تھے سے ایک دینار سالانہ وصول کیا جاتا تھا آج بھی ٹیکس عائد کرتے وقت پوری دنیا کی حکومتیں اس بنیادی اصول کو مدنظر رکھتی ہیں کہ کون کتنا ٹیکس ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے' زکوٰۃ و عشر میں عبادت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے جبکہ جزیہ اور خراج خالصتاً ٹیکس ہیں ان کا عبادت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

جزیہ اور حکومتی ذمہ داریاں

۱۔ تاریخ انسانی کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جب تمدنی زندگی کا آغاز ہوا انسان نے بستیاں بسائیں' شہر آباد کئے اور ریاست کی داغ بیل پڑی تو کاروبار مملکت چلانے کے لئے فنڈز کی ضرورت پڑی' ان خزانوں کو کبھی مفتوحہ علاقوں سے مال و دولت سمیٹ کر بھرا جاتا' کبھی غلاموں کے خون پسینے کی کمائی سے اس میں اضافہ کیا جاتا اور کبھی عوام پر ٹیکس لگا کر ضروریات کو پورا کیا جاتا' دنیا میں کیونکہ بادشاہت مسلط تھی اس لئے ان خزانوں کی کنجیاں بھی ان مطلق العنان آمروں کے پاس ہوتیں جو قومی خزانے کو اپنی عشرت گاہوں کی تعمیر اور محافل رقص و سرود کے انعقاد پر بے دریغ خرچ کرتے۔ سرکار دربار سے وابستہ افراد وہی کردار ادا کرتے جو آج کل بیوروکریسی کر رہی ہے۔ جلال پادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہر دور میں غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی پر حکمران داد عیش دیتے رہے ہیں ان ٹیکسوں کے عوض حکومتیں شہریوں کو سہولتیں فراہم کرتی ہیں' اسلامی ریاست بنیادی طور پر ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے' اس میں اقلیتیں بھی آباد ہوتی ہے جن کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ریاست پر ہوتی ہے' مسلمان

زکوٰۃ و عشر ادا کرتے ہیں جبکہ غیر مسلم جزیہ اور خراج دیتے ہیں' اسلام نے اس معاملے میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔

۲۔ جزیہ اور خراج کا تعلق بنیادی طور پر دفاع مملکت سے ہے' اسلامی حکومت ایک نظریاتی مملکت کا دفاع کرتی ہے اس لئے غیر مسلموں کو دفاعی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ کر کے ایک روشن مثال قائم کی گئی کہ جو لوگ عقیدتاً اور مذہباً ایک نظریے کو مانتے ہی نہیں انہیں اس نظریاتی مملکت کے تحفظ کے لئے میدان جنگ میں اتر کر اس کا دفاع کرنے پر کیوں مجبور کیا جائے لہٰذا اقلیتیں (Minorities) جزیہ اور خراج ادا کر کے دفاعی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتی ہیں' بلکہ جو وہ جزیہ اور خراج کی صورت میں ٹیکس ادا کرتے ہیں' اس کے بدلے میں ریاست ان کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے اور اگر کسی وجہ سے بیرونی حملہ آوروں سے ان اقلیتوں کی حفاظت نہ کر سکے تو یہ ٹیکس واپس کر کے عدل و مساوات کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے' ایک اور بات قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ایسے افراد جو دشمن کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتے مثلاً راہب' گوشہ نشیں' بچے' بوڑھے' عورتیں' بیمار' معذور وغیرہ انہیں ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے' اسلام نے ٹیکسوں کا جو نظام دیا ہے وہ نہ ظالمانہ ہے اور نہ عوام کا استحصال کرتا ہے بلکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ نظام ایک فلاحی ریاست میں شہریوں کی تمدنی زندگی میں انہیں آسودگیاں فراہم کرتا ہے اور ان آسودگیوں کی فراہمی میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق روا نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم تاکیداً آیا ہے اور بار بار آیا ہے۔

۳۔ جزیہ اور خراج کا ایک اور پہلو بھی ہے اور اس پہلو سے مستشرقین اور معترضین جان بوجھ کر صرف نظر کر جاتے ہیں وہ یہ کہ ایک اسلامی حکومت میں اگر غیر مسلم برضا و رغبت فوجی خدمات پیش کر دیں تو ان کے جذبہ حب الوطنی پر شک نہیں کیا جاتا۔ ان کی عزت نفس کو مجروح کئے بغیر دفاع وطن کے لئے ان کی خدمات کو قبول کر لیا جاتا ہے یہی نہیں اس صورت میں ان سے جزیہ یا خراج بھی وصول نہیں کیا جاتا' اسلامی ریاست

اپنے شہریوں کے درمیان اعتماد کی فضا بحال رکھتی ہے اور ہر سطح پر اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتی ہے' غیر اسلامی حکومتیں اپنے عوام سے اس قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے بعد زبردستی ان سے فوجی خدمات لیا کرتی تھیں آج کے متمدن دور میں امریکہ جیسے ملک میں لازمی فوجی خدمت کا قانون موجود ہے اور شہریوں کو زبردستی ان خدمات کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ انکار پر قانون حرکت میں آتا ہے۔

۴۔ اجمالاً ذکر ہو چکا ہے کہ جزیہ وصول کر لینے کے بعد اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال کا تحفظ کرنے سے بوجوہ قاصر ہو تو وہ ذمیوں کو ان کا ادا کیا ہوا ٹیکس واپس کر دیتی ہے اس کی زندہ مثال شام کی فتوحات کے سلسلے میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل ہے جب انہیں حمص سے دمشق جانا پڑا تو ذمیوں سے وصول شدہ کئی لاکھ کی رقم انہیں واپس کر دی کہ اب ہم آپ کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔ روایات میں مذکور ہے کہ مسلمانوں کے زیر حفاظت ان عیسائیوں اور یہودیوں پر اس طرز عمل کا گہرا اثر ہوا وہ روتے ہوئے دعا کرتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو جلد واپس لائے' دنیا کی تاریخ حاکم اور محکوم کے درمیان ان لازوال انسانی رشتوں کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن زبان دراز کرنے والے آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر زہر افشانی کرتے ہیں۔

۵۔ اسلام ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام حیات کا داعی ہے اس نظام حیات کی برکتوں اور رحمتوں سے مسلمان توفیض یاب ہوتے ہی ہیں لیکن معاشرتی سطح پر غیر مسلم بھی ان برکتوں اور رحمتوں سے محروم نہیں رہتے' جزیہ کا تعین غیر مسلموں کی مالی حالت دیکھ کر کیا جاتا ہے اسی طرح خراج بھی زمین کی پیداواری صلاحیت کے مطابق عائد کیا جاتا ہے' ٹیکسوں کی وصولی میں کسی جبر یا تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا بلکہ آسمانی آفات کی صورت میں خراج وصول کرنے کی بجائے متاثرین کی سرکاری خزانے سے امداد بھی کی جاتی ہے۔

۶۔ اسلامی ریاست میں مفتوح قوم کے معذور افراد کے لئے وظائف مقرر کئے جاتے

ہیں تاکہ وہ آبرومندانہ زندگی گزارنے کے قابل ہوسکیں اور انہیں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہ پڑیں۔

قبل از اسلام جزیہ اور خراج

ایران اور مصر میں قبل از اسلام یہ دونوں قسم کے ٹیکس وصول کئے جاتے تھے لیکن ٹیکس وصول کرنے کا انداز نہ صرف ظالمانہ تھا بلکہ غیر منصفانہ بھی تھا۔ ٹیکس زبردستی وصول کئے جاتے' ٹیکس لگانے کا کوئی کلیہ قاعدہ نہ تھا۔ نہ کوئی استثنائی صورتیں تھیں۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا مسلمانوں نے جب یہ علاقے فتح کئے تو دونوں قسم کے ٹیکس کو بحال رکھا کیونکہ نظام حکومت چلانے کے لئے ٹیکسوں کا نفاذ حکومت کی مجبوری ہوتی ہے ٹیکسوں کی وصولی کے لئے عدل وانصاف پر مبنی قوانین بنائے گئے اور ظلم واستحصال کے ہر امکان کو ختم کرنے کی سعی کی گئی۔ جو غیر مسلم ٹیکس ادا کرنے کے قابل نہیں تھے انہیں ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ (Exempted) قرار دے دیا گیا۔ ایران میں دفاعی ضروریات کے لئے عوام سے جو ٹیکس لیا جاتا تھا۔ اسے "گریت" کہا جاتا تھا جزیہ اس لفظ سے اور لفظ خراج "خراگ" سے (زمین پر لئے جانا والا ٹیکس) معرب ہے۔

غیر مسلم حکومتوں کا طرز عمل

مغربی دانشوروں اور مستشرقین کی طرف سے اعتراض صرف اسلام اور پیغمبر اسلام پر ہوتا ہے۔ ہدف تنقید صرف اسلامی حکومتیں بنتی ہیں' غیر مسلم حکمرانوں کے طرز عمل سے صرف نظر کر کے مجرمانہ خاموشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس پر قطعاً ندامت یا معذرت نہیں کی جاتی' یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ظلم اور استحصال کہاں ہو رہا ہے اور شور کس کے خلاف مچایا جا رہا ہے۔

عہد رسالتمآب ﷺ سے قبل اور اس کے بعد بھی ایران میں حکومت کی جانب سے "گریت" اور "خراگ" جیسے مستقل نوعیت کے ٹیکسوں کے علاوہ جنگ کے

مواقع پر دوبارہ ٹیکس وصول کئے جاتے تھے' ایرانی افواج جس راستے سے گزرتیں اپنے ہی عوام کے مال واسباب پر ہاتھ صاف کرتی جاتیں' ایران اور مصر میں دفاعی ٹیکس وصول کرلینے کے باوجود لازمی فوجی خدمت بھی لی جاتی تھی' تاوان جنگ کا مسئلہ حالیہ دور تک چلا آرہا ہے' سیاسی اور اقتصادی غلامی اس کے علاوہ ہے اگرچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے سیاسی غلامی تو کسی حد تک ختم ہوگئی ہے (بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اب سیاسی غلامی کی نوعیت بدل گئی ہے) لیکن اقتصادی غلامی کی زنجیریں بڑی مضبوط ہورہی ہیں مغربی اقوام اس سلسلہ میں جو شرمناک اور منافقانہ طرز عمل اپنائے ہوئے ہیں اسلام پر زبان طعن دراز کرنے والے اپنی توپوں کا رخ ادھر کیوں نہیں کرتے اسلام نے کسی پر تاوان جنگ عائد کیا اور نہ کسی قوم کے گرد اقتصادی غلامی کا جال پھیلانے کی غیراخلاقی اور غیرانسانی حرکت کا ارتکاب کیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی اور جرمنی کے حصے بخرے کرکے ان آزاد اور خودمختار ممالک کو اتحادیوں نے آپس میں تقسیم کرلیا اور ان اقوام پر جنگ کی آڑ میں اتنا تاوان ڈال دیا کہ یہ ممالک پھر کبھی سرنہ اٹھا سکیں' فاتح اقوام نے مفتوحہ اقوام کی عزت نفس کا کوئی خیال رکھا نہ ان کی جغرافیائی سرحدوں کا۔ اتحادیوں کی بندربانٹ نے دنیا کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا اور ایسے حالات پیدا کردیئے کہ یہ اقوام آپس میں الجھتی رہیں' معترضین کو جزیہ اور خراج کی صورت میں برائے نام ٹیکسوں کی وصولی سے تو غیرمسلموں کی اقتصادی بدحالی کا سامان نظر آتا ہے لیکن موجودہ دور کی مغربی اقوام نے بین الاقوامی سطح پر جو ظالمانہ اور استحصالی نظام مالیات وضع کیا ہے جس کے شکنجے میں تیسری دنیا کی اقوام دن رات پسی جارہی ہیں وہ انہیں نظر نہیں آتا۔ اقوام مغرب نے ان قوموں پر قرضوں کا بوجھ کچھ اس طرح ڈالا ہے کہ یہ بین الاقوامی مسائل پر اپنی آزادانہ رائے دینے کے قابل بھی نہیں رہیں لیکن غریب اقوام کی اس اقتصادی بدحالی پر ان کے اس معاشی قتل عام پر ان کی بے بسی اور بے چارگی پر کوئی آنکھ اشکبار نہیں ہوتی' عراق کی دفاعی قوت کو تباہ کرنے کے بعد اس کے خلاف بے جواز اقتصادی پابندیوں کے خلاف

کہیں سے صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی' مغرب کے دانشور یہ سب کچھ دیکھتے ہیں لیکن ہونٹوں پر قفل چڑھا لیتے ہیں اور آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ لیتے ہیں شاید انہیں خبر نہیں کہ جرائم سے چشم پوشی کرنے والے اہل دانش بھی کل وقت کی عدالت میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے' وقت کی عدالت سے کبھی غلط فیصلے صادر نہیں ہوتے' کاغذ پر خوبصورت نقش و نگار بنا لینے سے ماحول کی تلخی کم نہیں ہوتی' اقوام مغرب خوبصورت فلسفے تخلیق کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتیں لیکن یہ خوبصورت فلسفے عمل کی کسوٹی پر جب کھوٹے سکے ثابت ہوتے ہیں تو ان نام نہاد مفکرین کی علمی دیانت کا بھانڈا بھی سر راہ پھوٹ جاتا ہے' چہروں پر سے نقاب اترتے ہیں تو ان کا اصلی چہرہ سامنے آجاتا ہے بدنما چہروں والے یہ لوگ سفاک بھیڑیئے کا کردار ادا کرنے میں بھی کوئی تامل محسوس نہیں کرتے۔

انفرادی قتل کے واقعات

سیاق و سباق سے جدا کر کے جب حالات و واقعات کا تجزیہ (Analysis) کیا جائے' حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے۔ قاری کو اندھیرے میں رکھا جائے اور من چاہے نتائج اخذ کر کے یک طرفہ فیصلے صادر کئے جائیں تو اس منافقانہ طرز عمل سے نہ صرف علمی دیانت کا خون ہوتا ہے بلکہ ناموس قلم کے ان بے ضمیر تاجروں کی ذہنی پراگندگی اور فکری آلودگی بھی بے نقاب ہو جاتی ہے' ان کی گمراہ اور بھٹکی ہوئی سوچوں کی کوکھ سے ان گنت فتنے جنم لیتے ہیں' یہ فتنے تعصب اور نفرت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ان نام نہاد مفکرین اور مستشرقین کے ذخیرہ الفاظ میں' ان کے مخزن شعور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں تعصب اور نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں' آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ قرطاس و قلم کی عصمت کو بھی نیلام گھر کی زینت بنا دیتے ہیں' اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی' اسلام کے انقلابی کردار سے ان کے خوف مسلسل کی علامت ہے' پیغمبر اسلام کی بے داغ اور شفاف شخصیت کے بارے میں ان کی گوہر افشانی صلیبی دنیا میں

ان کی بقاء کے لئے ضروری ہو تو ہو علمی سطح پر نہ اسے کسی تحقیقی کاوش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی مبنی بر تعصب آراء کو ثقہ حلقوں میں معتبر گردانا جا سکتا ہے' ان متعصب مستشرقین کی حیثیت گندی نالی کے ان بلبلوں جیسی ہے جن کی زندگی تو چند سیکنڈ پر محیط ہوتی ہے لیکن ان کے بطن سے پھوٹنے والی بدبو ایک عرصہ تک فضا کو مکدر رکھتی ہے اب اگر اس مکدر فضا میں کوئی مرعوبیت کا چولا پہن لے اور اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کرنے لگے تو اس کے شعور کی موت پر ماتم کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں بعض غزوات اور سرایا میں چند افراد کے انفرادی قتل کا ذکر بھی ملتا ہے' مثلاً یہ کہ حضور ﷺ نے کسی صحابیؓ کو کسی گستاخ شخص کے قتل کے لئے روانہ کیا ہو' یا پھر صحابہؓ نے خدا اور رسول ﷺ کے کسی دشمن کے قتل کی اجازت مانگی ہو اور آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی ہو ایسے واقعات کو شرپسند یا فتنہ پرور پس منظر اور پیش منظر پر روشنی ڈالے بغیر' مستشرقین نے بار بار اچھالا ہے اور لکھا ہے کہ ایک پیغمبر کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ اپنے مخالفین کو اس طرح قتل کرواتے پھریں' کعب بن اشرف یہودی کے قتل پر انہوں نے خوب واویلا کیا ہے اور طرح طرح کے اعتراضات وارد کئے ہیں' ایسے واقعات کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ حقائق کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے' اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے' وہ افراد یا جماعت جو امن اور سلامتی کی راہ میں رکاوٹ بنیں وہ کسی ایک فرد کے نہیں پورے معاشرے کے مجرم ہوتے ہیں' وہ فتنوں کو ہوا دیتے ہیں اور اللہ کی زمین پر فساد برپا کرکے پر امن شہریوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں جہاد انہی فتنوں کے خاتمے کے لئے تلوار اٹھانے کا نام ہے۔ یہ جہاد ایک فرد کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اور پوری جماعت کے خلاف بھی' اب اگر اس جہاد کی زد میں کوئی فرد آتا ہے اور اسے اس کی بداعمالیوں اور شرانگیزیوں کی سزا دی جاتی ہے تاکہ فتنوں کا خاتمہ ہو اور سازشوں کا دروازہ بند ہو تو آخر اس میں کیا برائی ہے۔ وہ فرد جو ایک شخص کو قتل کرتا ہے اسے

پھانسی کی سزا ہو جاتی ہے اور جو شخص پورے معاشرے اور سماج کے امن کا قاتل ہو اور جس کی فتنہ انگیزیوں کے نتیجہ میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں' سینکڑوں بے گناہ مارے جائیں اگر اس بیمار عضو کو کاٹ پھینکا جائے تو کیا معاشرے کا وجود اس فاسد مادے سے پاک ہو کر گلنے سڑنے سے بچ نہیں جائے گا؟ یہ مستشرقین بھی جانتے ہیں کہ پورے عالم انسانیت میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی درگزر کرنے والا نہیں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی انسان رحم کرنے والا نہیں' آپ ﷺ کو کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے' آپ ﷺ نے اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر دیا۔ اپنے بدترین دشمنوں سے بھی انتقام نہیں لیا۔ اکا دکا افراد جو مارے گئے' وہ اپنی اسلام دشمن کارروائیوں اور مسلسل اشتعال انگیزیوں کے باعث قتل ہوئے' مجرموں کو معاف کرنے کا رواج نہ آج ہے اور نہ کل تھا اگر چند مجرم اپنے کیفر کردار کو پہنچے تو اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی' کیا کوئی ریاست اپنے اقتدار اعلیٰ کے خلاف کام کرنے والے غدار کی معاندانہ سرگرمیوں سے صرف نظر کر سکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے بھی اس چشم پوشی پر ملک و قوم کا غدار قرار دیا جائے گا' غداروں کو معاف کرنا قومی غیرت کے منافی ہی نہیں' بلکہ اپنی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اگر ان مقتولین کے جرائم پر نظر ڈالی جائے تو اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے' یہ قتل ظلم کے زمرے میں شمار نہیں ہوتے بلکہ معاشرے کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے ایک قانونی کارروائی کی حیثیت رکھتے ہیں' کیا آج کے "مہذب" معاشرے میں قوم و ملک کے غداروں کو سزائے موت نہیں دی جاتی؟ کیا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اقتدار اعلیٰ کے خلاف کام کرنے والے قومی غدار کو کھلا چھوڑ دیا جائے گا؟ جن لوگوں کے قتل پر مستشرقین نے صف ماتم بچھائی ہے وہ انتہائی گھناؤنے کردار کے مالک تھے' اسلام کی نامور ہستیوں کی ہجو کہتے' عفت مآب خواتین پر الزام تراشیاں کرتے' فتنوں کی پرورش کرتے اور سازشوں کے جال بنتے' ان کے خلاف بروقت کارروائی کر کے اللہ کی زمین کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا گیا۔ ان کے خلاف بروقت کارروائی کر کے اللہ کی

زمین کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا گیا۔ اگر یہ شرانگیزیوں سے باز آجاتے اور امن عامہ کے لئے خطرہ نہ بنتے تو دیگر مشرکین کی طرح انہیں بھی معاف کر دیا جاتا ان کے خلاف انتہائی اقدام اس وقت کیا گیا جب اصلاح احوال کی کوئی صورت باقی نہ بچی اور پانی سر سے اونچا ہو گیا۔

کتابیات

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مولف	متوفی	مطبع	سن طباعت
1.	القرآن الکریم				
2.	تورات				
3.	انجیل				
4.	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ	۲۵۶ھ	قدیمی کتب خانہ۔ کراچی	۱۳۸۱ھ
5.	صحیح المسلم	امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ	۲۶۱ھ	قدیمی کتب خانہ۔ کراچی	۱۳۷۵ھ
6.	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	۲۷۹ھ	فاروقی کتب خانہ۔ ملتان	
7.	سنن ابی داؤد	امام سلیمان بن اشعث السجستانیؒ	۲۷۵ھ	مکتبہ امدادیہ۔ ملتان	
8.	سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائیؒ	۳۰۳ھ	قدیمی کتب خانہ۔ کراچی	
9.	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید القزوینیؒ	۲۷۳ھ	قدیمی کتب خانہ۔ کراچی	
10.	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ	دار الفکر۔ بیروت	۱۳۹۸ھ
11.	شرح السنۃ	امام حسین بن مسعود البغویؒ	۵۱۶ھ	المکتب الاسلامی۔ بیروت	۱۴۰۳ھ
12.	مستدرک حاکم	امام ابو عبد اللہ محمد الحاکمؒ	۴۰۵ھ	دار الباز۔ مکہ مکرمہ	
13.	سنن دارمی	امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمیؒ	۲۵۵ھ	نشر السنۃ۔ ملتان	۱۳۸۶ھ
14.	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزیؒ	۷۴۲ھ	قدیمی کتب خانہ۔ کراچی	۱۳۶۸ھ
15.	کنز العمال	علاؤ الدین علی بن حسام الدین الہندیؒ	۹۷۵ھ	موسسہ الرسالہ۔ بیروت	۱۴۰۵ھ
16.	عمدۃ القاری	امام بدر الدین عینیؒ	۸۵۵ھ	دار الفکر۔ بیروت	۱۳۹۹ھ
17.	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازیؒ	۶۰۶ھ	دار الکتب۔ تہران	
18.	تفسیر ابن کثیر	امام اسماعیل بن کثیر القرشیؒ	۷۷۴ھ	دار المعرفہ۔ بیروت	۱۴۰۰ھ
19.	الدر المنثور	علامہ جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ	دار المعرفہ۔ بیروت	
20.	منہاج الصالحین	عز الدین بلیقؒ		دار الفتح۔ بیروت	۱۳۹۸ھ
21.	سیرۃ ابن ہشام	ابو القاسم عبد الرحمٰن بن ہشامؒ	۲۱۳ھ	مصطفیٰ البابی۔ بیروت	
22.	زاد المعاد فی ھدی خیر العباد	امام ابن قیم الجوزیہؒ	۷۵۱ھ		۱۳۶۹ھ
23.	السیرت الحلبیہ و بھامشہ	شیخ علی بن برہان الدین الحلبیؒ		المکتبہ الاسلامیہ۔ بیروت	
24.	شرح المواھب اللدنیہ	امام محمد بن عبد الباقی الزرقانیؒ	۱۱۲۲ھ	دار المعرفہ۔ بیروت	۱۳۹۳ھ
25.	سبل الھدیٰ والرشاد	امام محمد بن یوسف الشامیؒ	۹۴۲ھ	احیاء التراث۔ قاہرہ	۱۴۱۰ھ
26.	الطبقات الکبریٰ	امام محمد بن سعدؒ	۲۳۰ھ	دار الطباعہ۔ بیروت	۱۳۹۸ھ
27.	الکامل فی التاریخ	علامہ ابو الحسن ابن اثیرؒ	۶۳۰ھ	دار صادر۔ بیروت	۱۳۹۹ھ
28.	تاریخ الامم والملوک	علامہ محمد بن جریر طبریؒ	۳۱۰ھ	دار القلم۔ بیروت	
29.	تاریخ دمشق الکبیر	امام ابن عساکرؒ	۵۷۱ھ	دار المسیرہ۔ بیروت	۱۳۹۹ھ
30.	البدایہ والنھایہ	امام اسماعیل بن کثیر القرشیؒ	۷۷۴ھ	مکتبہ المعارف۔ بیروت	۱۹۷۷ء
31.	تاریخ الیعقوبی	احمد بن ابی یعقوب العباسیؒ	۲۸۷ھ	دار صادر۔ بیروت	
32.	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ	مکتبہ مدینہ۔ لاہور	
33.	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	امام ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	دار احیاء التراث۔ بیروت	۱۳۵۸ھ
34.	اسد الغابہ	علامہ ابو الحسن الشیبانی المعروف بابن اثیرؒ	۶۳۰ھ		

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مولف	متوفی	مطبع	سن طباعت
-35	احیاء علوم الدین	امام محمد بن محمد غزالیؒ	۵۰۵ھ	دار المعرفہ - بیروت	
-36	بدائع الصنائع	علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ	۸۵۷ھ	سعید کمپنی کراچی	۱۴۰۰ھ
-37	المغنی عن حمل الاسفار	علامہ ابو محمد بن قدامہ حنبلیؒ	۶۲۰ھ	المطبعہ العثمانیہ - مصر	۱۳۵۲ھ
-38	کفایت الطالب الربانی	علامہ علی بن خلف المنوفیؒ	۹۳۹ھ	مطبعہ المدنی - قاہرہ	۱۴۰۷ھ
-39	الفقہ الاسلامی وادلتہ	الدکتور وھبہ الزحیلیؒ		دار الفکر - بیروت	۱۴۰۵ھ
-40	حکمۃ التشریع وفلسفتہ	الشیخ علی احمد الجرجاویؒ		انصاری کتب خانہ - کابل	۱۳۸۱ھ
-41	ہدایہ	علامہ ابو الحسن مرغینانیؒ	۵۹۳ھ	سعید کمپنی - کراچی	
-42	فتاویٰ عالمگیری	ملا نظام الدینؒ	۱۱۶۱ھ	دار المعرفہ - بیروت	۱۳۹۳ھ
-43	منتخب تصانیف	کارل مارکس		دار الاشاعت - ماسکو	
-44	منتخب تصانیف	لینن		" " "	۱۹۶۸ء
-45	لسان العرب	امام ابو الفضل جمال الدینؒ	۷۱۱ھ	دار صادر - بیروت	
-46	المفردات	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانیؒ	۵۰۲ھ	نور محمد کارخانہ - کراچی	
-47	گیتا				
-48	رگ وید				
-49	یجر وید				
-50	اتھر وید				
-51	یورپ کی تاریخ ادب	William Draper ولیم ڈریپر			
-52	Histoire de la turquie	Lamar Tine			
-53	The Saracens	Arthur Gil Man			
-54	Muhammad at Mecca	W. Montgomery Watt			
-55	Muhammad and his followers	W.Irving			
-56	Muhammad and Muhammadanism	Busworth Smith			
-57	Millitant Islam	Godfery Jansen			
-58	Universal History of the World				
-59	International Politics	K.J.Holsti		Prentice Hall London	
-60	Introductions to International	D.Heater and G.R.Berridge		H.Wheatrheaf	1993ء

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مولف	متوفی	مطبع	سن طباعت
-61	Politics Human Rights	B.de. Villiers		M.S.R.Council	1992ء
-62	Making Peace	Allen E. Goodman		Westview Press	
-63	The Muslims and the New World Order	Musa Saleem		I.S.D.S.Books	1993ء